سلسلہ نمبر ۲۵

## سوانح حیات

# حضرۃ مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

مجاہدِ ملت، قائدِ جمعیۃ علماء اسلام، سالارِ تحریکِ ختمِ نبوت
عاشقِ رسولؐ، مردِ قلندر حضرۃ مولانا غلام غوث ہزارویؒ
کے حالات وکمالات اور دینی وسیاسی خدمات کا ایمان افروز تذکرہ

## جلدِ اول

مُرتب وجامع

حضرۃ مولانا سید منظور احمد شاہ آسی مدظلہ مبلغ ختم نبوت

پیشکش

قاضی محمد اسرائیل گڑنگی ایم اے اسلامیات وعربی پشاور یونیورسٹی

ناشر

## مکتبہ انوار مدینہ

جامع مسجد صدیق اکبرؓ محلہ صدیق آباد (اپرچیکی) مانسہرہ
کوڈ نمبر ۲۱۳۰ — صوبہ سرحد

نام کتاب :۔ سوانح حیات حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ

مصنف :۔ مولانا منظور احمد شاہ آسی

تاریخ اشاعت :۔ ۱۹۹۶ء

تعداد صفحات :۔ ۵۱۲

ہدیہ :۔ ۲۰۰/= روپے

ناشر :۔ مکتبہ انوارِ مدینہ جامع مسجد صدیق اکبرؓ مانسہرہ

:۔ ملنے کے پتے :۔

(۱) سرحد بک ایجنسی پشاور
(۲) مکتبہ حنفیہ اردو بازار گوجرانوالہ
(۳) مکتبہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
(۴) اشاعت المعارف ریلوے روڈ فیصل آباد

# فہرست عنوانات

# عرضِ حال

حامدًا اللہِ العظیم ومصلیا علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ الہٖ و اصحابہ و اتباعہٖ اجمعین۔ امابعد

اس مردِ مجاہد کی داستان حاضرِ خدمت ہے۔ جس کی فقیری اور قلندری کے حالات وواقعات سن کر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔

**شاہ جی سے ملاقات** ہمارے نہایت مخلص دوست حضرت مولانا سید منظور احمد شاہ صاحب آسی مدظلہ سے ایک مرتبہ ملاقات کے لیئے حاضری ہوئی۔ شاہ صاحب نے حضرت ہزارویؒ پر مسودے سامنے رکھ دیئے۔ اٹھا کر پڑھے تو دل نے خواہش ظاہر کر دی کہ ان کو شائع کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ مولانا ہزاروی قریب کے دور کے مظلوم ترین انسان ہیں۔ اہل دنیا کو بہت کچھ دیا۔ مگر کسی سے کچھ لیا نہیں۔ اپنوں نے بھی جفاؤں کی انتہا کی ہے۔ بے گانوں کا تو کوئی گلہ ہی نہیں۔ یہی آواز تو کسی نے بلند کی تھی۔

صدائے حق سے باطل کی فضائیں پھر تھرائیں گی ... شہیدانِ وفا کی پھر وفائیں رنگ لائیں گی۔
سرِ محشر ندامت سے جھکیں گی گردنیں ان کی ... جفا کاروں کو جب اپنی جفائیں یاد آئیں گی

مولانا ہزارویؒ غریب کو سر کا تاج تصور کرتے تھے۔ امیر سے دوری میں عافیت خیال فرماتے۔ ورکر کو اپنی جان تصور فرماتے۔ علماء کو ساری دھرتی کا تاج سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ضلع مانسہرہ میں آپ کی وجہ سے تبدیلی

آئی۔ غریبوں کو بھی جینے کا شعور آیا۔ حضرت مولانا عبدالحکیم مرحوم کو خان آف الائی کے مقابلے میں لائے۔ ہر جگہ غریبوں کی آواز کو بلند کیا۔ کیا خوب بیت کہا کرتے تھے۔ جو نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں حضرت استاذی المکرم مولانا سید غازی شاہ مرحوم فاضل دارالعلوم دیوبند سنایا کرتے تھے کہ مولانا ہزاروی اپنے جلسوں میں یوں فرمایا کرتے تھے۔

پانڑی لاواں چیندڑاں نال

اللہ میری یاری لائی ڈھاکے دیاں گجراں نال

پھر انہوں نے بھی یاری کا حق ادا کیا کہ ہر الیکشن میں مولانا ہزارویؒ کا ساتھ دیا۔ غریب ہی لوگوں کی وجہ سے مولانا ہزاروی کامیاب ہوئے۔

**دل کی بات** آج بھی اگر حضرات علماء کرام اپنے اندر حضرت مولانا ہزاروی جیسی صفات پیدا فرمالیں۔ تو وہی مقام دوبارہ بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

**غلطی ماننا انسان کا کام اور غلطی پر ڈٹ جانا شیطان کا کام** بہت سے حضرات حضرت مرحوم کی سوانح حیات پڑھ کر مختلف باتیں کریں گے۔ میری گذارش ہے کہ جن باتوں کی حضرت ہزاروی نشاندہی فرماتے تھے۔ ان پر توجہ کی جائے انشاء اللہ العزیز دوسری جلد میں بہت سا مواد اور اکابر کے مقالے شامل کریا گے ۔ نے دیانت اور اخلاص اور ایک خدمت کے جذبے سے اس کتاب کو شائع کرنے کی کوشش کی ہے۔

قارئین کرام! اس بات کو سامنے رکھ کر مطالعہ فرمائیں کہ اس کی اشاعت کی جب ذمہ داری ہم نے قبول کی تو حضرت خطیب الاسلام حضرت مولانا عبدالحکیم مرحوم اور شہباز خطابت مولانا ضیاء القاسمی بار بار مکتوبات اور زبانی بھی فرمایا کرتے تھے۔ کتاب کب آئے گی؟ امید ہے کہ حضرت مولانا عبدالحکیم مرحوم

کی روح اب خوش ہو گی۔ اور مولانا محمد ضیاء القاسمی مدظلہ کا دل ٹھنڈا ہو گا۔
حضرت مولانا قاضی شمس الدین چیچی آف درویش جو کتاب کے انتظار میں چل بسے۔
خطیب الاسلام حضرت مولانا شمس الاسلام فاضل دیوبند جامع مسجد گاؤں کالنجر
ہریپور ہزارہ جو خطیب ایشیا حضرت مولانا محمد اجمل خان لاہوری کے برادر اکبر ہیں۔
انہوں نے اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھا۔ اور حضرت ہزاروی کے سچے عاشق مسکرا کر
دامن تعاون بڑھائیں گے۔ اور حاسد دل سے جل جائیں گے۔ اور زبان سے
طعنہ زنی کا بازار گرم کریں گے۔ ہم سب کے معاملے کو اللہ ہی کے حوالے کرتے
ہیں۔ اور اپنے محبوب دوست محمد یعقوب قصوری اور جناب مولانا حفیظ الرحمن الہاشمی
فرزند ارجمند حضرت مولانا شمس الاسلام آف گاؤں کالنجر ہریپور ہزارہ کا شکریہ ادا
کرتے ہیں۔ جنہوں نے اس کتاب کی طباعت میں ہمارا ساتھ دیا ہے۔ نیز مولانا
عبدالرزاق کھتانہ آف گاؤں ٹھکانوالی کے بھی احسانمند ہیں۔ اور جن حضرات
نے زبان سے تسلی دی ان کے لیے بھی دعاگو ہیں۔
اللہ ہم کو دین کے لیے قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین

خادم اہل سنت
محمد اسرائیل گوجر گڑھی۔ خطیب جامع مسجد صدیق اکبر مانسہرہ
۱۸ر ستمبر ۱۹۹۶ء

# مجاہد اسلام حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی ؒ کی

# تقاریر و مواعظ سے چند اقتباسات

تحریر :۔ قاضی محمد اسرائیل گڑنگی ۔ مانسہرہ

برصغیر کی تحریک آزادی کے عظیم مجاہد فرنگی حکومت کے باغی اور اسلام کے عظیم سپوت جنہوں نے بڑے بڑے ظالم اور جابر امراء کے سامنے حق بات کا اعلان کیا ۔ اگر دنیا جمع کرتے تو پاکستان کے سب سے بڑے سرمایہ دار ہوتے ۔ مگر انہوں نے اپنی فانی زندگی میں اپنا مکان بھی پختہ نہ بنایا ۔ یہ عظیم ہستی حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی ؒ تھے ۔ آپ نے اپنی پوری زندگی حق و صداقت اور اسلام کے لیئے بسر کی ۔ اور ۲۴ فروری ۱۹۸۱ء کو وکیل صحابہ مجاہد ملت ہمیشہ کے لیئے ہم سے جدا ہو گئے ۔ مولانا ہزاروی ؒ تو وفات پا گئے مگر ان کا مشن تو زندہ ہے ۔

خبر سن کر میرے مرنے کی وہ بولے رقیبوں سے
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

راقم الحروف مجاہد ملت ؒ کی مختلف تقاریر اور مواعظ سے چند اقتباسات قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہے ۔ ملاحظہ کیجیئے ۔

## لوگو ! گواہ رہنا ہمارا ہر فعل اسلام کے لیئے ہے ۔

جامعہ رشیدیہ جھنگ صدر میں خطاب کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا " لوگو ! گواہ رہنا ، ہم نے اگر حکومت کی مخالفت کی ہے تو اسلام کے لیئے اور حمایت کی ہے تو وہ بھی اسلام کیلیئے ۔ اقتدار کے لیئے نہ مخالفت کی ہے ۔ اور نہ حمایت

کریں گے۔ فریاد کرتا ہوں تو اللہ سے اپنے اس در کے سوا میں کہیں سائل نہیں ہونگا"۔

## تم نے اپنی بجلی کو کاٹ لیا، اب میرے رب کی بجلی چلے گی۔

جامعہ سراج العلوم جبوڑی میں تقریر کر رہے تھے کہ چند بدبختوں اور بدنصیبوں نے بجلی کی تاروں کو کاٹ دیا۔ مولانا ہزاروی ؒ نے جلال میں آکر ارشاد فرمایا۔ تم نے اپنی بجلی کو کاٹ لیا۔ اب میرے رب کی بجلی روشنی دے گی۔ اور تم نے اپنے لاؤڈ سپیکر کو بند کر دیا۔ اب میرے پروردگار کا لاؤڈ سپیکر بولے گا جو بغیر بجلی کے بھی چلتا ہے۔ اندھیرے میں اور روشنی میں بھی چلتا ہے۔ تم نے اپنے خیال میں کہا لاؤڈ سپیکر کے بند ہونے سے غلام غوث تقریر بند کر دے گا۔ یہ غلط ہے۔ سنو! انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

## خوانین کو انگریز نے جاگیریں کیوں دیں اور مجھے کیوں قید کیا؟

آپ نے الیکشن کے دور میں اپنے بہت بڑے حریف کے شہر میں تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ " لوگو! میں تم سے صرف ایک بات پوچھتا ہوں وہ یہ کہ ان خوانین کو انگریزوں نے جاگیریں کیوں دیں۔ اور مجھے قید کیوں کیا؟ کیا یہ انگریزوں کے رشتہ دار تھے۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے انگریزوں کی وفاداری کا دم بھرا۔ اور میں نے ان کے خلاف بغاوت کی۔ ان کو انعام میں جاگیریں ملیں اور مجھے سزا کے طور پر جیل جانا پڑا"۔ مولانا ہزاروی ٹھوس اور حقائق پر مبنی بات کرتے تھے۔

نہ چھیڑ اے ہمنشین اب زیست کے مایوس نغموں کو
کہ اب بربط کے تاروں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔

مولانا ہزاروی کی پوری زندگی ایک کھلی کتاب ہے۔ آپ کی زندگی ایک مجاہد کی زندگی تھی۔ آپ کی زندگی ایک اللہ کے سپاہی کی زندگی تھی۔ آپ نے ہمیشہ حق

کے لیے جنگ لڑی۔ مولانا ہزارویؒ کے اس دنیا سے جانے کے بعد لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایسا مجاہد اب پیدا ہونا مشکل ہے۔

زندگی بھر نا شاد کرے گی ہمیں دنیا
نہ ہوں گے تو ہمیں یاد کرے گی دنیا

(ہفت روزہ "قرطاس" مانسہرہ ص۲۔ ۱۳ تا ۲۰ فروری ۱۹۸۹ء)

---

# حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ ولی کامل اور عاشق رسولؐ

**تحریر:۔** قاضی محمد اسرائیل گڑنگی مانسہرہ

گذشتہ دنوں میں اپنے شفیق استاد حضرت مولانا محمد عبداللہ خالد خطیب جامع مسجد مانسہرہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ نے اچانک مولانا غلام غوث ہزارویؒ کا ذکر کیا جس کے دوران آپ نے ان کے متعلق دو خوابوں کا ذکر کیا جو میں قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ہزارویؒ صرف ایک حق گو اور بے باک عالم دین ہی نہیں تھے بلکہ سچے عاشق رسولؐ اور ولی کامل تھے۔

**غلام غوثؒ کو رقم کی ضرورت ہے۔** (مولانا لاہوریؒ کا خواب)

ایک خواب تو شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کے بارے میں بیان کی جو یوں ہے کہ حضرت مولانا کو خواب آیا کہ میری آنکھوں کے نور اور دل کے سرور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ احمد علی! غلام غوث ہزاروی کو کچھ پیسوں کی ضرورت ہے۔ جب مولانا بیدار ہوئے تو ایک شخص کو کچھ پیسے دیکر حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی خدمت میں روانہ کیا۔ اس شخص نے آکر حضرت ہزارویؒ کو رقم دی اور واپس چلا گیا۔ چند دنوں بعد حضرت

ہزاروی لاہور گئے اور حضرت لاہوری سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ حضرت! مجھے تو رقم کی ضرورت نہیں تھی اور آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری نے فرمایا نہیں بھئی وہ تو مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں حکم دیا تھا۔ جس کو میں نے پورا کیا۔ مولانا خاموش ہو گئے۔

**سونا نہ بنانا۔** **( اہلیہ کا خواب )**

دوسرا خواب حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی کی اہلیہ محترمہ کو خواب آیا کہ غلام غوث کو کہو کہ سونا بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کامیابی نہیں ہوگی۔ روزی کا مالک خداوند کریم خود ہے۔ وہ ہی رزق دے گا۔ ہوا یوں کہ مولانا ہزاروی چونکہ ماہر حکیم بھی تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ سونا بنایا جائے لیکن اہلیہ نے جب یہ خواب بیان کیا تو اس کا ارادہ ترک کر دیا۔ جب یہ خواب آیا تو پورا کمرہ خوشبوؤں سے بھر گیا۔ خوشبو کیوں نہ آتی جب خواب میں وہ ہستی آئی تھی کہ جس کا پسینہ خوشبو سے کروڑہا درجے اعلیٰ و افضل تھا۔ خوشبو کیوں نہ ہوتی جس کے گھر آپ تشریف لائے تھے وہ گھر آپ کے خاص غلام کا تھا۔ بلکہ غلاموں کے غلام کا تھا یہ خواب سن کر میرا ایمان تازہ ہو گیا اور ان سے میری عقیدت اور بھی بڑھ گئی۔

( ہفت روزہ جائزہ مانسہرہ ص۶۔ شمارہ نمبر ۲۵، ۲۶۔ ۴ مارچ ۱۹۸۶ء )

# مردِ مومن

## مجاہدِ ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی نور اللہ مرقدہٗ کی وفات پر حسرت پر
## حضرت مولانا محمد یوسف صاحب فاضل دیوبند مانسہرہ کے تاثرات

آہ غلام غوث ، آہ اے عالمِ دینِ مبین!
دین پر قربان کردی تو نے ساری زندگی
کو بکو پھرتا رہا تو دین کی خدمت کے لیے
آفتابِ علم تھا تو سرزمین پاک میں
حق بیانی میں تھا تو شیخ مدنی کی مثال
جب کوئی فتنہ اٹھا تو بھی مقابل آگیا
دشمنِ دین کے لیے تھا تو ذو الفقارِ بے نیام
لرزہ براندام تھا یورپ تیری للکار سے
ابتلاء کے دور میں بھی تو رہا ثابت قدم
منفرد رہ کر تو اپنی ذات میں تھا انجمن
اب کہاں ڈھونڈیں تجھے اے ابوذر و سلیمان صفت
حرف آخر تجھ پہ دائم ہوں خدا کی رحمتیں

تیری رحلت پر ہیں گریاں آج افلاک و زمین[1]
الوداع اے پیکرِ اخلاص و ایمان و یقین
تیری خدمت بے مثل اے خادمِ دینِ متین
ناز کرتی ہے تیرے اعمال پر یہ سرزمین
خلق و حیا کی میں تھا تو شاہ جی[3] کا جانشین
اے خدا کے شیر تجھ پہ آفرین صد آفرین
محفلِ احباب میں تھا تو خوش خصال و خوش جبین
قادیاں کا کھیل تو نے الٹا تو نے مارا آستین
ظالم و جابر کے آگے خم نہ کی تو نے جبین
منبر و محراب میں تھا اک خطیبِ دل نشین
تیرے استغنا و تیرے اخلاص کی ہے یہ کہیں
اس جہانِ فانی میں انسان کو سدا رہنا نہیں

چل بسا تو اور تیری یاد باقی رہ گئی
دین کے غم میں تیری فریاد باقی رہ گئی

---

[1] حضرت مولانا کے وصال کے دن صبح سے شام تک موسلا دھار بارش برس رہی تھی۔ [2] شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ۔ [3] امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی کہانی مولانا کی اپنی زبانی

چند سالوں سے مختلف احباب اصرار کر رہے تھے کہ میں اپنی سرگزشت یا سوانح حیات لکھوں۔ لیکن میں جانتا تھا کہ اس میں اپنے کارنامے اور تعریف لکھنی ہوگی۔ اور گناہوں اور برائیوں کو چھپانا ہوگا۔ یہ بات مجھے پسند نہ تھی۔ اب پھر بعض دوستوں نے اصرار کیا تو میں نے سوچا کہ جب برائیوں اور گناہوں پر خدائے ستار نے پردہ ڈالا ہے اور ہر مسلمان پردہ پردہ ڈالنا رہتا ہے۔ اور مسلمانوں پر پردہ ڈالنے کی اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب بھی دی ہے تو پھر اس سے زیادہ کیا بیوقوفی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تو پردہ ڈالے اور ہم اپنا پردہ فاش کرکے برائیوں کو اچھالیں۔ اس لیئے برائیوں کو ذکر نہ کرنے کی وجہ سمجھ میں آگئی۔

دوسری بات یہ سمجھ میں آئی کہ مختلف حالات لکھنے سے ممکن ہے کسی شخص کو اس طرح کام کرنے کا شوق ہو۔ میرے اس اقدام نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اپنے کسی عمل اور اخلاص پر بھروسہ نہ تھا۔ نہ اب ہے۔ نہ کوئی اچھا عمل نظر آتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش کیا جا سکے۔ جیسے حضرت علامہ سید انور شاہ کاشمیریؒ نے درس حدیث میں دارالعلوم دیوبند میں فرمایا کہ لوگ مجھے کوئی کتاب لکھنے کو کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگلے بزرگوں کی سینکڑوں تصانیف قلمی موجود ہیں۔ ابھی طبع نہیں ہوئیں۔ اگر کسی کو زیادہ شوق ہے تو ان کو چھپوائے۔ پھر آخری عمر میں حضرت نے ختم نبوت۔ اکفار الملحدین وغیرہ کتب لکھ کر توشۂ آخرت بنایا۔ ان کی تقلید میں یہ بات مجھے بھی کرنی پڑی کہ بعض حالات لکھ دوں شاید کسی کو فائدہ ہو لیکن دوست یہ گلہ نہ کریں کہ اس میں اپنے حالات کم ہیں۔ اور دیگر مباحث زیادہ۔ دراصل اس میں میں نے شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی پیروی کی ہے۔ اب

میں اصل مقصد شروع کرتا ہوں۔

## ولادت

ضلع مانسہرہ کے مضافات میں بھی کوشٹ[1] نامی ایک گاؤں میں میری ولادت ہوئی جو قصبہ بفہ کے پاس ہے۔ اس وقت میرے دادا زندہ تھے جن کا نام امان شاہ تھا۔ وہ سید نہ تھے لیکن پٹھان لوگ اس طرح کے نام رکھ لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے حقیقی بھائی کا نام زمان شاہ تھا۔ یہ موضع ڈڈم مضافات میرا مداخیل اتارہ ملحقہ رقبہ پاکستان ضلع مانسہرہ کے رہنے والے تھے۔ میرے دادا کسی طرح وہاں سے منتقل ہو کر انگریزی علاقہ میں آکر پولیس میں ملازم ہو گئے۔ مجھے ان کے حالات معلوم کر کے یقین ہو گیا کہ ایک مسلمان ہر جگہ رہ کر اپنے رب کو راضی اور ہر بات میں شریعت کی پیروی کر سکتا ہے۔ میرے دادا مرحوم ریٹائرڈ تھے معمولی پنشن تھی مگر روزانہ قرآن پاک کی ایک منزل باقاعدہ تلاوت فرماتے اور سات دن کے بعد قرآن پاک ختم کرتے۔ ان کے زمانہ از دان کی تلاوت کا قرآن پاک میں نے دیکھا ہے۔ ورق الٹنے کی جگہ ورق الٹنے سے کافی سیاہ ہو گئیں تھیں۔ قرآن پاک سیالکوٹی موٹے کاغذ پر بڑے سائز کا تھا۔ جو عرصہ تک ہم نے بطور تبرک سنبھالے رکھا۔ مجھے ان کی موت یاد ہے میں اس وقت بہت چھوٹا سا تھا۔ انہوں نے کرتے کی آستین نہلانے والوں کی سہولت کے لیے خود ہی نکال رکھی تھیں۔ میری والدہ نے ان کی بڑی خدمت کی بعد محلہ باڑیاں کے مسلمانوں نے ان کی برف والے دن تجہیز و تکفین کی۔ اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

والدہ کا ذکر آیا تو کچھ نہ کچھ ان کا ذکر ہونا چاہیئے۔ وہ اخون خیل خاندان سے اور مولوی میاں عبدالقیوم مرحوم ساکن بیلہ بفہ کی پھوپھی تھیں۔ والد صاحب سے بیاہی گئیں۔ میری پیدائش سے پہلے ان کی یہ کیفیت تھی کہ جب والد صاحب گھر آتے تو بتا دیتیں کہ آپ نے یہ کچھ باہر کھایا ہے۔ اور وہ درست ہوتا۔ وہ اپنی ساس اور خسر دونوں کی خدمت کرتیں۔ تہجد پڑھتیں چرخہ کاتا کرتیں اور ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتی تھیں۔ ہر آنے والی عورت کا ہر کام میں ہاتھ

---

[1] یہ گاؤں قلندر آباد سے ڈیڑھ میل مغرب میں ہے۔

جاتیں - ایک بار میں نے عرض کیا آپ ہر ایک عورت کے ساتھ کام کرتی ہیں - لوبلین
اس گوشت کو کیڑے کھا جائیں گے - یہ کس کام کا ہے - بہر حال وہ بڑی نیک خاتون
تھیں - ایک بار تہجد کیلئے اٹھی تھیں آگ جلا کر اس پر تاپتی تھیں کہ کپڑوں کو آگ لگ گئی -
میری ہمشیرہ نے ہاتھ سے آگ بجھانے کی سعی کی مگر اس کا ہاتھ بھی جل گیا آگ نہ بجھ سکی -
والدہ مرحومہ نے گھر میں بسنے والی ایک غریب عورت کو پانی کا گھڑہ دے کر کہا کہ
چارپائی پر چڑھ کر اس کو مجھ پر ڈالو - اس حیلہ سے آگ بجھ گئی - مگر چار کپڑے بدن پر جل
چکنے کے بعد بھی خدا کی شان کہ سر کے بال بالکل بچے رہے - مجھے اللہ تعالیٰ نے چودہ دن رات
تک خدمت کی توفیق بخشی یہاں تک کہ وہ تندرست ہو گئیں اور زخم اچھے ہو گئے -

## والدہ صاحبہ کی وفات

والدہ صاحبہ کی وفات ۱۹۵۳ء میں بمقام بفہ تقریباً
اسّی سال کی عمر میں ہوئی - جبکہ میں ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم
نبوت میں روپوش تھا - روپوشی کی عجیب کیفیت تھی - جہاں میری چارپائی تھی اس کے پاس
ہی سے پولیس کی گذرگاہ تھی - لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے بچائے رکھا - روپوشی کی بات یہ ہے
کہ جب مجلس احرارِ اسلام نے محترم ناظم الدین صاحب وزیراعظم پاکستان کے زمانہ میں
ختم نبوت کی تحریک چلائی جس کی آل پاکستان ورکنگ کمیٹی کا میں بھی ممبر تھا - اس وقت تحریک
ختم نبوت کے شرکاء نے بریلوی حضرات کو بھی شریک کیا - تمام پیران عظام کو دعوت دی -
شیعہ بھی تحریک ختم نبوت میں شامل تھے لیکن مولانا مظہر علی اظہر اور محترم مظفر علی شمسی کی
دعوت و شرکت کے باوجود چند شیعوں کے علاوہ عام شیعہ شریک نہ ہوئے - البتہ انہوں
نے مخالفت نہ کی - ہاں روپوشی کی بات کر رہا تھا حضرت مولانا محمد علی جالندھری مرحوم
نے جو انچارج تھے مجھے حکم دیا تھا کہ تم گرفتاری نہ پیش کرنا بلکہ پیچھے رہ کر کام کرنا ہوگا -
پھر بھی جب تمام اکابر گرفتار ہو گئے اور تحریک چل پڑی تو میں بیرون دہلی دروازہ گرفتاری
دینے کیلئے روانہ ہوا - راستہ میں حضرت مولانا حمید اللہ صاحب فرزند حضرت لاہوری
ملے - انہوں نے مجبور کیا کہ سب گرفتار ہو گئے ہیں تم کو پیچھے رہ کر کام کرنا ہے - گرفتاری
نہ دینا - پھر مجھے موٹر میں بٹھا کر لاہور سے آٹھ میل دور لے آئے جہاں میں دو رات رہا -

لیکن ایک مودودیہ تھا جس سے خطرہ تھا کہ یہ اطلاع نہ دیدے۔ میں پھر لاہور آگیا۔ اس اثناء میں مجھے یہ خیال آیا کہ کہیں بریلوی حضرات یہ نہ کہیں کہ تحریک ہم نے چلائی ہے۔ میں نے حضرت مولانا حمید اللہ سے مشورہ کیا۔ اور حضرت مولانا احمد علی صاحب موٹر پر تشریف لائے اور ایک تحریر گورنر پنجاب کے نام لکھی کہ میں فلاں تاریخ کو اپنے فلاں دوستوں سمیت ختم نبوت کے مطالبات پیش کرنے کے لیے جاؤں گا۔ چنانچہ حضرت مفسر قرآنؒ جیل گئے۔ پھر بھی بریلوی مطالبات سے...... جس کا ڈر تھا۔ لیکن حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور ان کے اصرار......... کی وجہ سے بریلویوں کی بات نہ چل سکی۔

اگرچہ مودودی صاحب تحریک کے حق میں نہ تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ شاخوں کو پکڑنے کا کیا فائدہ جڑ کو قابو کر کے اصل شریعت اور حکومت الٰہیہ کا مطالبہ کرنا چاہیئے۔ حالانکہ اس مطالبے میں ۱۹۵۱ء میں کراچی میں مختلف الخیال علماء ۳۱ کی تعداد میں جمع ہوئے اس وقت بقول حضرت فدائے ختم نبوت مولانا محمد علی جالندھریؒ صاحب "مولانا مودودی نے حکومتِ الٰہیہ کے مطالبے کی سخت مخالفت کی اور اٹھ کر جانے لگے تو ان کو اس شرط پر زبردستی بٹھایا گیا کہ مطالبہ کا لفظ نکال دیتے ہیں اور اسلامی حکومت کا خاکہ پیش کر دیتے ہیں۔ گویا مودودی کا مطالبہ ختم نبوت تو اپنی جگہ رہا۔ وہ مطالبہ حکومتِ الٰہیہ میں بھی مخلص نہ تھے۔ اور اس لیے انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے حکومتِ الٰہیہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے خلیفۂ راشد بھی قائم نہ کر سکے جن کی پشت پر تابعین کی مضبوط جماعت تھی۔ اور اس لیے جب اس اجتماع کے دوران بے قاعدہ اور غیر رسمی گفتگو شروع ہوئی تو بقول حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ مودودی صاحب نے فرمایا کہ پاکستان کی وزارتِ عظمیٰ کے لیے امریکہ یا ہم سے بات کرے گا یا سہروردی سے۔ سہروردی کی بات سمجھ میں آتی تھی کہ وہ مشرقی پاکستان کی اکثریت کے نمائندہ تھے۔ مگر مودودی صاحب سے بات کرنے کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کے بعد بھی جب ۱۹۷۰ء میں جا کر جب عام انتخابات ہوئے تو قومی اسمبلی میں ان کے صرف چار آدمی تھے۔ حالانکہ اس وقت کی

اخباری خبروں کے مطابق جماعت نے اس الیکشن میں کروڑوں روپیہ خرچ کیا تھا اور راولپنڈی میں پروپیگنڈہ کے اشتہارات ہوائی جہاز کے ذریعے پھینکے تھے سب کے اتحاد کی برکت سے بھٹو کے آخری ایام میں جو الیکشن مارچ ۱۹۷۷ء میں ہوا اس میں ان کے دس آدمی کامیاب ہوئے۔ اور ابھی الیکشن کے لیے جو جناب ضیاء الحق صاحب نے ایک سال کے لیے ملتوی کر دیئے مودودیوں کو بہت زیادہ ٹکٹ دیئے گئے۔

## پہلی تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں مودودی صاحب کی شرکت

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت سے پہلے تمام خانقاہوں کے پیران عظام، تمام پارٹیوں، مدارس اور لیڈروں کو دعوت دیئے اور برکت علی ہال لاہور میں جمع ہو کر ختم نبوت پر سوچنے کیلئے مجھے انچارج بنا گیا تھا۔ اس میں مجھے یاد ہے کہ محترم نصراللہ خان عزیز ایڈیٹر تسنیم و کوثر وایشیا کو میں نے بڑے اصرار سے شریک کرکے غلطی کی تھی۔ یہ مودودی جماعت میں شامل ہو گئے تھے لیکن ہم کو ختم نبوت کی تحریک سے والہانہ دلچسپی تھی۔ میں نے ان کو لکھا کہ اس موقع پر عامۃ المسلمین سے الگ ہو کر آپ اپنے مقصد جلیل حکومتِ الٰہیہ کو نقصان پہنچائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے شرکت کی پھر جب مجلس عمل کا انتخاب عمل میں آیا اور ہر جماعت سے دو دو آدمی لیئے گئے تو پہلے اجلاس میں جو مودودی حضرات مع جناب نصراللہ خان عزیز کے شریک ہوئے۔ مگر انہوں نے حضرت مولانا ابوالحسنات بریلوی کے صدر ہونے کی وجہ سے اختلاف کیا۔ اور قریب تھا کہ اجلاس ہی ختم ہو جاتا تو نے ایک چکر لگا کر مودودیوں کے کان میں کہا آپ خواہ مخواہ بریلوی حضرات کو بھڑکا رہے ہیں۔ آپ تسلیم کر لیں۔ چنانچہ مودودیے راضی ہو گئے۔ اس کے بعد مودودی نے بیان دیا کہ یہ تحریک احرار کے اقتدار کے لیئے تھی۔ اس نے تمام شرکاء تحریک ختم نبوت پر اعتراض کیا اور اس تحریک کو فساد قرار دیا۔ اور کہا میں شرک سے دو کھیت میں کھڑا تھا لیکن شرک نے وہاں بھی آ کے مجھے حملہ مار دی۔ تحریک میں جن آدمیوں نے بھی حصہ لیا انہیں جماعت سے الگ کر دیا گیا۔

تو میری رد پوشی کی وجہ تحریک کے کرتا دھرتا اور خاص کر فدائے ختم نبوت مولانا محمد علی

جالندھری کا یہ ارشاد تھا کہ تم گرفتاری نہ دینا ورنہ پھر کام چلانے کے لیے پیچھے کوئی نہ رہے گا۔ چنانچہ میرا وارنٹ گرفتاری جاری تھا اور رات کو احرارِ اسلام لاہور کے دفتر پر پولیس نے چھاپہ بھی مارا۔ مگر میں وہاں سے نکل کر حضرت مولانا حکیم عبدالمجید سیفی کے ہاں بیڈن روڈ پر چلا گیا تھا۔ یہ وہ رات تھی جس سے پہلے بڑے بڑے لیڈر سید عطاء اللہ شاہ بخاری سمیت کراچی میں گرفتار کر لیے گئے تھے۔

محترم ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان مرزائیوں کے مخالف اور صاف گو مسلمان تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے سکتا ہوں لیکن چودھری ظفر اللہ قادیانی کا ہٹانا میرے بس کی بات نہیں۔ اگر میں اس کو نکال دوں تو پھر پاکستان کو امریکہ گیہوں نہ دیگا۔ ان کی یا امریکہ کی یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ اس لیے کہ اس کا پاکستان کو گندم دینا پاکستانی تعلقات کی وجہ سے تھا اور ہے۔ ظفر اللہ کا اس سے کیا تعلق۔

پولیس مجلس احرار کے دفتر میں مجھے نہ پاکر ایم پی اے کے ہوسٹل میں گئی۔ وہاں ان کو مولانا عبدالستار خان نیازی نے ڈانٹ پلادی۔ ناکام واپس ہوئی۔ صبح سویرے میں اور نیازی صاحب تانگہ میں بیٹھ کر اچھرہ مودودی صاحب کے پاس گئے۔ اس نے اپنی عادت کے مطابق کہا اگر کوئی میرے ان ڈور میٹنگ کرے تو میں شریک ہو سکتا ہوں۔ ہم وہاں سے چلے گئے اور رستہ میں اپنا سامان مولانا مولوی خداداد مرحوم ساکن چک ۴۱ ضلع شیخوپورہ (جو میرے ہمزلف تھے) کے حوالے کیا اور خود گرفتاری دینے کے لیے دہلی دروازے کی طرف چل پڑا۔ لیکن رستہ ہی میں حضرت مولانا حمید اللہ صاحب خلف الرشید قطب زمان لاہوری مل گئے۔ انہوں نے ملک سے اصرار کیا کہ تم گرفتاری نہ دو اور موٹر پر بٹھا کر مجھے لاہور سے بارہ میل دور لے گئے۔ وہاں حضرت قطب زمان مفسر قرآن حضرت لاہوری بھی تشریف لے آئے۔ اور بعد میں انہوں نے گورنر پنجاب کے بنگلہ پر جانے اور ختم نبوت کے مطالبات پیش کرنے کا نوٹس دیا۔ اور عین وقت پر گرفتار ہو گئے۔ میں پھر لاہور آگیا مگر حضرت مولانا محمد داؤد غزنوی اور دوسرے راہنماؤں نے مشورہ دیا کہ اب کسی تحریک کی ضرورت نہیں نہ تقریر کی۔ لوگوں پر حکومت کی پکڑ دھکڑ اور مارشل لاء کا پورا اثر پڑا ہوا ہے۔ اور کسی بھی تقریر سے زیادہ اشتعال ہے۔ آپ لاہور سے باہر چلے جائیں۔ چنانچہ میں لاہور سے

باہر چلا گیا۔ اور دس ماہ تک روپوش رہا۔ پھر مقررہ آدمی مجھے لاہور لے آیا۔ اور اپنے لیڈروں نے مشورہ دیا کہ تم ضلع ہزارہ (پنجاب سے باہر) جاکر ظاہر ہو جاؤ۔ جو بھی ہوگا سو ہوگا۔ چنانچہ میں ایبٹ آباد چلا گیا، جلسہ پڑھا مگر وہاں کے وزیراعلیٰ نے باوجود پولیس کی اطلاع کے مداخلت صحیح نہ سمجھی۔

محترم خان جلال الدین خان عرف جلال بابا نے موٹریں دیں۔ بعض سے محترم میاں عبدالقیوم صاحب مو ٹرلائے۔ میں مانسہرہ میں جلسہ کرتا ہوا بفہ آپہنچا۔ ہر جگہ استقبال ہوا۔ دراصل لوگوں کے خیال میں میں مردہ زندہ ہو گیا تھا۔ پھر جلدی میں پشاور گیا۔ وہاں سخت تقریریں کیں۔ پھر مردان گیا وہاں سے پانچویں بار مرزائیوں کے کہنے سے حکام نے ضلع مردان سے میرے اخراج کے احکام جاری کر دیئے۔ میں جب پولیس کی نگرانی میں نوشہرہ صدر پہنچا تو پولیس کے اصرار پر کہ تم اٹک پار ہو جاؤ۔ میں نے انکار کیا اور کہا کہ اب حکم کی تعمیل ہو گئی میں پشاور جارہا ہوں۔ چنانچہ میں نے غصے کا اظہار کیا اور کہا کہ اپنی تحریک چلنے کے بعد بھی حکام کی آنکھیں نہ کھلیں۔ اور چار بہترین کارکن اور مولانا عبدالقیوم پوپلزئی تقریروں اور نعروں کی وجہ سے جیل بھیج دیئے گئے۔ جو آخر تک جیل میں رہے۔ لیکن اس کا یہ فائدہ ہوا کہ اس کے بعد مرزائیوں کی خاطر چھٹی بار مجھے ضلع مردان سے خارج نہیں کیا گیا۔ اور محمد یوسف امیر انجمن ہائے مرزائیہ صوبہ سرحد کا جادو بیکار ہو گیا۔

جب بات گرفتاری کی شروع ہوئی تو یہ ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا کہ ۱۹۳۴ء میں شریعت کانفرنس پشاور میں حضرت مولانا مفتیٔ اعظم مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کی صدارت میں ہوئی تھی اس کے آخری اجلاس عمومی کے خاتمہ میں میں نے مجلس احرار اسلام صوبہ سرحد کے انتخاب کا اعلان کیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لودھیانوی صدر احرار نے مسجد قاسم علی خان پشاور میں تقریر کی۔ میں نے بھی تقریر کی۔ خدا کی شان ان ہی دنوں میں عبدالعزیز صاحب پشاوری نے محمد یوسف مرزائی مذکور پر پستول سے حملہ کر دیا۔ حملہ ناکام رہا۔ وہ گرفتار کر کے سات سال کے لیے جیل بھیجا گیا۔ اور اعلیٰ پولیس آفیسر نے لکھا کہ یہ واقعہ مولوی غلام غوث ہزاروی کی ترغیب کا نتیجہ ہے۔ دراصل انگریز اور امریکہ کی عادت ہے کہ وہ اپنے مخالف کو ہر طرح سے تنگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ا یہ روبہ آج تک قائم ہے۔ عبدالعزیز صاحب کو میں قطب صاحب کہا کرتا تھا۔ یہ رہا ہوتے ہی پھر میرے ساتھ ۱۹۴۲ء کو ڈیرہ اسمٰعیل خان کی جیل میں چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ استقامت

دے ۔ یہ محترم حضرت حاجی صاحب ترنگزئی کے ساتھی تھے ۔ جو حضرت شیخ الہندؒ کے رفقاء کار میں سے اور مہاجر تھے ۔ یہ سارا قصہ میری والدہ ماجدہ کی وفات ۱۹۵۳ء سے چھڑ گیا ۔ ورنہ اس سے پہلے بہت سے واقعات ہیں۔

## میری ابتدائی تعلیم

میرے دادا فوت ہوئے تو ہمارا کچا مکان ان ہی دنوں بنا تھا ۔ اس کے بعد موضع جبل ضلع مانسہرہ میں والد صاحب کے ساتھ رہا ۔ مجھے یاد ہے کہ وہ مجھے رات کو کندھے پر اٹھا کر لے جاتے اور لاتے ۔ جبل کے خوانین صحیح معنوں میں پٹھان تھے ۔ جبل کے نواح میں پشتو زبان بولی جاتی تھی ۔ سب خوانین نے داڑھیاں رکھی ہوئی تھیں ۔ سب قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے ۔ ان میں حاجی فیض طلب خان میرے دادا کے دوست تھے ۔ اور ایک خان محمد ایوب خان نے کابل کو ہجرت کی ۔ اور امان اللہ خان کے زمانہ میں اس نے قبائل کا دورہ کیا ۔ اور جبل سے ملحقہ علاقہ آزاد میں بھی آیا ۔ پھر کابل ہی میں فوت ہوگیا ۔ میں نے پرائمری تعلیم گیدڑ پور جاگیر میں حاصل کی ۔ جو بیس چھوٹے گاؤں پر مشتمل ایک جاگیر تھی ۔ اس جاگیر کے سرپرست مرحوم احمد خان کے فرزند حاجی محمد اکبر خان تھے ۔ والد صاحب سکول پڑھاتے تھے ان کا تبادلہ گیدڑ پور ہوگیا ۔ انہی دنوں میں علی گوہر خان سے میرے والد کی دوستی ہوگئی ۔ جو محترم دوست محمد خان مرحوم کے بڑے بیٹے تھے ۔ بعد میں ان سے میرے تعلقات غلام ربانی مرزائی مانسہرہ کی وجہ ... اچھے نہ رہے جوان کے بہنوئی تھے ۔ مگر علی گوہر خان اچھے انسان تھے ۔ اور معمولی تعلقات آخر تک رہے ۔ ان حالات میں عبدالعزیز خان آف گیدڑ پور مرزائیوں کیخلاف ہمارے ساتھ ہوگئے ۔ جن کا بہت اچھا اثر پڑا ۔ اور مرزائیت جاگیر گیدڑ پور سے تقریباً خارج ہوگئی۔

پرائمری کے امتحانی مقابلہ میں میرے نمبر سب سے زیادہ آئے ۔ چنانچہ میرا لیاقتی وظیفہ دو روپے ماہانہ مقرر ہوا ۔ اس وقت کے دو روپے آجکل کے اسی روپے کے برابر تھے ۔ مڈل میں نے پاس کیا ۔ زیادہ تعلیم میں نے محترم غازی خان صاحب آف خواجگان اور پھر مولوی احمد بخش صاحب ہیڈ ماسٹر سے حاصل کی ۔ جو جالندھر کے رہنے والے تھے اور استاد کل تھے ۔ جنہوں نے بھی تعلیم حاصل کی یہ سب ان کے خوشہ چین یا خوشہ چینوں کے خوشہ چین ہیں ۔ اس وقت کے انسپکٹر

مدارس صوبہ سرحد مرزا علی محمد خان نے والد صاحب سے بہت کچھ کہا کہ بچے کو انگریزی پڑھاؤ مگر والد صاحب نے فرمایا۔ میرے کس کام کی۔ جب میری قبر پر پتلون اور ٹائی پہن کر کھڑا ہو اور فاتحہ بھی نہ جانے۔ دوسرے وقت فرمایا کہ اگر ذہنی تیز ہے تو اس سے بجائے گھاس کے گٹا کیوں نہ کام جانے۔ ایک بار جب مرزا علی محمد خان نے اصرار کیا تو والد صاحب نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ پڑھاؤں گا۔ اس نے کہا انشاء اللہ و نشاء اللہ نہیں مزید پڑھاؤ۔ والد صاحب نے اس وقت قطعی فیصلہ کر دیا کہ جس تعلیم میں انشاء اللہ زہر لگے ایسی تعلیم کس کام کی۔ چنانچہ مڈل کے بعد مجھے دیوبند بھیج دیا۔

مرزا علی محمد خان صوبہ سرحد کے انسپکٹر مدارس تھے۔ مسلمان قوم کے خیر خواہ تھے لیکن قوم کا خیر خواہ ہونا اور بات ہے۔ اور اسلام کا خیر خواہ ہونا اور بات۔ بہت سے لوگ قوم کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔ اور اسی خیر خواہی کے پیش نظر مسلمانوں کی بہتری چاہتے ہیں لیکن اسلام کو نقصان پہنچا دیتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہو کہ سرسید احمد خان نے تعلیم پر زور دیکر علیگڑھ یونیورسٹی قائم کر کے مسلمانوں کی خیر خواہی کی اور اپنی تفسیر میں جنات، فرشتوں، آسمانوں اور معاد جسمانی کا انکار کر کے قرآن پاک کے معانی بدلنے کی جسارت کی۔ شاید مراد یہ ہو کہ اس وقت جبکہ یورپ کی مادیت کا سیلاب آرہا ہے۔ سائنس کا دور ہے ان اسلامی عقائد کو ثابت نہ کیا جائے۔ اور اس طرح اسلام اور مسلمانوں کو دھکا لگ جائے۔ لیکن اہل حق علماء کرام علماء دیوبند کو اللہ تعالیٰ قائم و دائم رکھے انہوں نے اسلامی عقائد و مسائل کو جوں کا توں باقی رکھنے کی سعی فرمائی جو قبول ہوئی۔ اس میں شک نہیں کہ محترم سرسید احمد خان مرحوم کے خیالات کے مطابق ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں میں بھی انگریزی تعلیم خاصی پھیل گئی۔ بہت سے لیڈر پیدا ہو گئے لیکن بالآخر علی برادران نے جو علی گڑھ پڑھے ہوئے تھے۔ علی گڑھ کو جامعہ ملیہ بنانے کی سعی کی۔ جو کامیاب نہ ہوئی اور علیحدہ جامعہ ملیہ بنایا گیا۔ اس تمام کام میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی شریک رہے۔ علماء کرام در اصل انگریزی زبان بلکہ کسی زبان کے مخالف نہیں ہیں۔ البتہ انگریزی کے اثرات کے مخالف ہیں۔ وہ اثرات مسلمانوں میں آکر رہے (الا ماشاء اللہ)۔ آج موجودہ عائلی قوانین کے حامی شراب کے رسیا اور یورپ کی نقالی۔ وسیلہ ترقی سمجھنے والے نیلا

تر بہی لوگ ہیں۔ آج ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذریعے گھر گھر مغربی تہذیب کی اشاعت ہو رہی ہے۔ کاش کہ مسلمان سادہ، کفایت شعار، اسلام پر مرنے والا، تلوار کا دھنی اور احکام اسلام کا پابند ہوتا تو کفر کی دنیا مسلمانوں پر کیسے غالب آسکتی۔

چنانچہ دارالعلوم دیوبند میں سات ماہ کے اندر میں نے کافیہ تو ابع تک اور شرح تہذیب اور نورالایضاح وغیرہ پڑھی۔ پھر بفہ چلا آیا۔ اگلے سال بفہ ہی میں کچھ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سے پڑھا۔ بعد میں محترم حضرت مولانا نعمان سے جو بفہ اور علاقہ میں مشہور عالم تھے۔ اور جن کے ہاں شرح جامی حضرت مولانا صاحبزادہ صاحب سینی (پکھلی بالا) پڑھ رہے تھے۔ وہاں ان کے ساتھ پڑھنی شروع کردی۔ اسی طرح اصول الشاشی کی شرح فصول الشاشی بھی انہیں سے پڑھی۔ شرح وقایہ آخیرین حضرت حاجی مولانا محمد گل صاحب یعنی اپنے خسر محترم سے بفہ ہی میں پڑھی۔ اگلے سال مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں جاکر داخلہ لیا۔ حضرت مولانا ثابت علی صاحب نے داخلہ کا امتحان لیا۔ بڑے خوش ہوئے۔ میں مدرسہ میں داخل ہو گیا۔

## حضرات اساتذہ

مظاہر العلوم سہارنپور میں میرے دو استاد تھے۔ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب خلیفہ حضرت تھانوی جو عجیب و غریب خوش اور متبحر عالم تھے۔ ان سے شرح وقایہ اولین اور قطبی وغیرہ پڑھیں۔ دوسرے حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب جن سے میں نے مختصر المعانی اور حسامی پڑھی۔ ان دو کتابوں میں میرے ساتھی حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب جو آج کل وہاں مہتمم ہیں شریک تھے۔ اسی اثناء میں حضرت مولانا یحییٰ صاحب والد حضرت مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث مہاجر مدنی فوت ہو گئے۔ ان کے جنازہ میں حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب بھی دیوبند سے تشریف لائے تھے۔ اسی اثنا میں رمضان شریف آگیا۔ ہم نے تراویح حضرت مولانا خلیل احمد صاحب شیخ الحدیث مصنف بذل المجہود شرح ابوداؤد کے پیچھے پڑھیں۔

اس کے بعد جب سال ختم ہوا مجھے پھر حضرت مولانا غلام رسول صاحب جو استاد کل تھے بفہ کے رہنے والے تھے۔ اور حضرت علامہ انور شاہ کے بھی استاذ تھے مجھے پھر دیوبند لے گئے۔ وہاں میں نے سلم العلوم حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب سے، مقامات حریری حضرت مولانا

اعزاز علی صاحب سے اور مسلم الثبوت شروع کی ۔ جن کے بعد فن کی اور کتابیں بھی پڑھیں ۔ اگلے سال مشکوٰۃ شریف وغیرہ کتابیں جن میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ فرزند ارجمند حافظ محمد احمد صاحب میرے ساتھ مشکوٰۃ میں شریک تھے ۔ غالباً انہی کی وجہ سے مشکوٰۃ شریف ان کے والد ماجد نے اپنے پاس رکھی ۔ اور حق یہ ہے کہ مشکوٰۃ شریف کی تدریس کا حق ادا کر دیا ۔ وہ قرآن پاک کی آیتیں پڑھتے تو تحت اللفظ تھے لیکن کچھ ایسے عجیب انداز سے کہ قرآن مجید دلوں میں اتر جاتا ۔ میں نے آج تک جبکہ بیاسیواں سال عمر کا جارہا ہے ایسی تلاوت پھر کبھی سے نہیں سنی ۔ تیسرے سال دورۂ حدیث پڑھا ۔ ترمذی شریف حضرت شاہ صاحب نے اپنے علمی کمالات کے مطابق پڑھائی جس کے بعد بخاری شریف بھی پڑھائی ۔ نسائی شریف حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے پڑھائی ۔ ابوداؤد حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندی جن کے خاندان میں ایک ولی اللہ پیدائشی ہوتا تھا وہ اسی طرح کے ولی تھے نے پڑھائی ، وہ فقیہ اور محدث تھے ۔ علوم میراث اور فقہ میں انہیں مہارت تھی ۔ ان کے پاس ہر طالب علم روحانی فیض کیلئے جاتا تھا ۔ جو کچھ ان کے پاس ہوتا طالبعلموں کو کھلا دیتے ۔ ہم پر یہ اثر ہوتا کہ جاتے ہوئے راستے میں استغفار پڑھتے ہوئے جاتے ۔ ان کو عام طور پر میاں صاحب کہا کرتے تھے ۔ اسی طرح ابن ماجہ اور طحاوی شریف بھی پڑھی ۔ اور دوسری کتابوں کی تکمیل اس سال اور کچھ اگلے سال دورے کے بعد کی ۔ حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی ، حضرت مولانا رسول خانصاحب ، حضرت مولانا غلام رسول صاحب اور حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن ابن شیر خدا وغیرہ حضرات سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا ۔

یہ دارالعلوم کے نائب مہتمم تھے ۔ بڑے زیرک ، مدبر اور عقلمند کے مشہور تھے ۔ وہ تعلیمی درسگاہ کی حفاظت چاہتے تھے اسی لیے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کی سیاست میں علی الاعلان شریک نہ تھے ۔ میں فارغ التحصیل تھا ۔ حضرت شیخ الہندؒ نے مالٹا سے رہا ہو کر دہلی میں جمعیت علماء ہند کی بنیاد ڈالی ۔ علیگڑھ بھی تشریف لے گئے ۔ جامعہ ملیہ ان کی اور مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کی مساعی کا نتیجہ ہے ۔ طلباء عموماً مہتمم حضرات کی پالیسی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے ۔ حالانکہ اس چراغ کو گل ہونے سے بچانا فرض تھا ۔ اگر اس دارالعلوم سے لاکھوں علماء کرام فارغ ہو کر

دنیا میں نہ پھیلتے تو اس کی کرنوں سے دنیا والے کیسے روشنی حاصل کرتے اور آج ساری دنیا میں تحریکات کیسے ہوتیں - بہر حال میں نے ایک ایسے ہی طلبہ کی محفل میں عرض کیا کہ اب مقصد صرف کام کرنا ہے - چونکہ زمانہ نیک اور نیتیں صالح تھیں - سب نے کہا بالکل درست ہے - اسی وقت جمعیۃ الطلبا کا انتخاب ہوا - اور نظامت کا قرعہ فال میرے نام نکلا - بعد میں اس جمعیت نے اتنی ترقی کی کہ اس کے وفود بنگال، یوپی، پنجاب اور سرحد میں سیاسی تبلیغ کے لیے پھیل گئے - اور لندن کے اخبارات کو پھر پڑ گئے کہ سارا دار العلوم انگریزوں کے خلاف مصروف عمل ہو گیا ہے - ہماری اس جمعیت طلبہ کے امیر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی تھے - کیونکہ ان کے حق میں حضرت مولانا سید حسین مدنی نے سختی سے انکار کیا تھا -

## جمعیۃ الطلباء کا ایک دورہ

جمعیۃ الطلباء کے دوروں میں دوسرا دورہ یوپی کیلئے میری سرکردگی میں ہوا - ہم الہ آباد تک گئے - ہر جگہ جمعیۃ الطلباء کی شاخیں قائم کیں جو جمعیۃ علماء ہند کا دست و بازو رہیں - لکھنؤ میں حضرت مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی سے ملاقات اور تبادلۂ خیالات ہوا جو انگریز کے سخت مخالف تھے - ندوۃ العلماء میں ٹھہرے ان سے بہت سے سوالات و جوابات ہوتے رہے - انہوں نے مطمئن ہو کر تمام مدارس کے طلبا کو اکٹھا کر کے ندوۃ العلماء (لکھنؤ) میں جلسہ کیا اور خطبۂ صدارت ایک منتہی طالبعلم نے عربی میں لکھا ہوا پڑھا - میں نے اسی کا جواب فی البدیہہ عربی میں زبانی دیا - یہ خبر اخباروں میں بھی آگئی - چونکہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نائب مہتمم دار العلوم بڑے عربی ادیب تھے - اس لیے اس پر بڑے خوش ہوئے اور ساتھ ہی میں نے حدیث کے پرچوں کے جوابات بھی عربی میں حل کئے تھے - اور سب سے پہلے لکھے تھے - انہوں نے مجھے فرمایا کہ تم کتابیں پڑھاؤ - میں نے عرض کیا مجھے ابھی کتابیں پڑھنی ہیں - انہوں نے فرمایا کتابیں پڑھو اور پڑھاؤ - چنانچہ انہوں نے مجھے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع کی طرح معین مدرس (نائب مدرس) مقرر کر دیا - پھر مجھے اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کو حیدر آباد دکن روانہ فرمادیا جہاں سے دو عالموں کے ارسال کی درخواست

کی گئی تھی۔ چنانچہ میں ضلع دانھرد میں جہاں ہماری انجمن اسلامیہ کا صدر دفتر تھا۔ بمقام گدوال دو سال رہا۔ اس کے بعد میرا تبادلہ پورن جنکشن ہوا۔ جہاں سے ایک سال یا دو سال کے بعد میں استعفیٰ دے کر بفہ ہزارہ چلا آیا۔ جس میں یہ حکمتِ الٰہیہ مضمر تھی کہ ابھی دونوں حضرت والد صاحب کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھ گیا۔ یہ ۱۹۳۶ء کا واقعہ ہے۔ چنانچہ اس کے بعد حیدرآباد دکن والوں کے اصرار پر پھر وہاں گیا۔ تاقدور جاگیر، حیدرآباد اور پھر بھینی میں رہا۔ آخر کار خاص مانسہرہ (ہزارہ) کے مولانا غلام احمد صاحب کے اصرار پر وطن آیا اور انجمن اصلاح الرسوم میں کام کرنے لگا۔ ایک مدرسہ کی بنیاد بھی ڈالی۔ لیکن آخر کار مولانا غلام احمد صاحب کی انجمن اصلاح الرسوم سے استعفیٰ دے کر بفہ آگیا۔

مولانا موصوف چاہتے تھے کہ ہماری تنخواہ زکوٰۃ کی رقوم سے ادا کریں۔ میں اس کو صحیح نہیں سمجھتا تھا۔ آخر فیصلہ ہوا کہ ہندوستان کے دینی مراکز سے فتویٰ منگوایا جائے۔ میں نے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کا نام پیش کیا۔ انہوں نے حضرت تھانوی کا نام لیا۔ میں نے منظور کر لیا۔ کیونکہ حضرت مولانا ہمارے بزرگ تھے اور ان سے ناممکن تھا کہ غلط فتویٰ دیدیں۔ چنانچہ میں مندرجہ ذیل فتویٰ تیار کیا۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ

(۱) کہ فی زمانہ مدارس اور اداروں کے فنڈ بیت المال کے حکم میں ہیں یا نہیں۔

(۲) آیا اس کے سفیروں کو عاملین میں داخل کر کے رقوم زکوٰۃ و صدقات کا مستحق قرار دے سکتے ہیں یا نہیں۔

(۳) کیا اس خزانہ سے کسی ملازم کو تنخواہ دی جا سکتی ہے۔

(۴) خلفاء راشدین کے زمانے میں وظائف مقرر تھے۔ کیا وہ بیت المال سے نہ تھے جسمیں ہر طرح کا مال اور صدقہ شریک ہوتا تھا۔

جواب:۔ حضرت تھانوی رحؒ کی طرف سے یہ جواب موصول ہوا۔

(۱) کہ یہ فنڈ اور خزانے بیت المال کے حکم میں نہیں ہیں۔ نہ ان پر ہمیشہ قبضہ رکھنے کی طاقت ہے۔

(۲) اس کے سفیر عاملین کے حکم میں نہیں ہیں جن کو با اختیار حاکم مقرر کرتے ہیں۔
(۳) ان رقوم سے کسی ملازم کو تنخواہ نہیں دی جا سکتی یہ بلا معاوضہ مستحق لوگوں کو دیا ہے۔
(۴) خلفاء راشدین کے وقت زکوٰۃ و صدقات کا مال جدا رکھا جاتا تھا جو کسی معاوضہ کے بغیر دیا جاتا تھا۔ اور باقی مال مثلاً خراج، جزیہ، مال ، لاوارث اموال، مال غنیمت کی بعض صورتیں ان کا حساب الگ رکھا جاتا تھا۔ اول الذکر بغیر کسی معاوضہ یا خدمت کے دیئے جاتے تھے۔

اس کے بعد میں نے استعفیٰ دیدیا۔ مگر رسوم و بدعات کے خلاف جنگ ترک نہ کی۔ اس سلسلے میں مولانا غلام احمد صاحب سے پورا پورا تعاون کیا۔

## رسوم و بدعات

موجودہ رسوم و بدعات کے حق میں سینکڑوں پلانے مگر نیک نیت عمل امیر کے خلاف جمع ہوئے لیکن کامیاب نہ ہوئے اور بہت سی اصلاحات میں انہوں نے میرے ساتھ تعاون اور موافقت کی۔ مثلاً بعض مقامات پر عید کے دن یا دوسرے دن کسی مزار پر عورتوں کا جمع ہو کر گانا بجانا وغیرہ۔ یا پریکون جو دلہن والے دلہا والوں سے لوگوں کو کھلانے کے لیئے لیا کرتے تھے۔ اور قوم میں عیب نہ تھا یا شادیوں میں قریبی رشتہ دار عورتوں کا ناچنا وغیرہ یہ باتیں انہیں علماء کے تعاون سے بند یا کم ہو گئیں۔

تبلیغ کا مدار شفقت پر ہے۔ اس نیت سے کہ کسی کو برائی سے روکنا کہ یہ بیچارہ دوزخ کی آگ سے بچ جائے یا اس کا بیجا خرچ نہ ہو یا گناہ سے بچ جائے۔ اس لیئے تبلیغ میں حکمت و موعظت کے ساتھ دعوت دینی ہوتی ہے۔ تبلیغ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مسلمان قوم نے جب سے سستی شروع کی ہے۔ نہ ان کی دنیا اچھی رہی نہ دین بچ سکا۔ حیدرآباد دکن کے نظام کو اللہ پاک نے دو سو سال مہلت دی تھی لیکن وہاں تبلیغ صفر تھی۔ دیہاتی مسلمانوں کو یہ بھی خبر نہ تھی کہ فلاں مہینہ رمضان کا ہے۔ اس میں کھانا پینا حرام ہے۔ اگر وہاں تبلیغ

کی جاتی تو دھیر چمار، پراتی اور اصلی قومیں جو اچھوت کہلاتی تھیں اور جن کی تعداد اونچی ذات کے ہندوؤں سے زیادہ تھی، جن کو مسلمان بھی اچھوت سمجھتے تھے اور ہندو بھی۔ کسی کے کنوئیں اور باؤلی سے وہ پانی نہیں بھر سکتے تھے۔ اگر ان کو عمولی اسلامی مساوات کی تعلیم دی جاتی اور عملاً ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا تو یہ سب کے سب مسلمان ہو جاتے۔ اور تناسب آبادی کا مسئلہ حل ہو جاتا۔

پیغمبروں نے زیادہ تبلیغ کافروں کو کی جن کے پاس آجکل کے مسلمان بھٹک بھی نہیں سکتے نہ کلمہ حق کہتے ہیں۔ آخر وہ بھی انسان ہیں ان پر شفقت کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کو دنیوی اور اخروی عذاب سے بچایا جائے۔

## حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کھانا کھا رہے تھے کہ خاکروب آ گیا اس نے صفائی کی۔ شاہ صاحب نے اس کو بلایا وہ فوراً آ گیا۔ شاہ صاحب نے فرمایا سامان رکھ کر اس نلکے سے ہاتھ دھو لو۔ اس نے ہاتھ دھوئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا بیٹھو میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ ایک عالم، ایک سید، پھر امیر شریعت مگر شاہ صاحب کے اصرار پر اس نے کھانا کھایا۔ مغرب کو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بھنگی مع اہل و عیال و متعلقین آ کر مسلمان ہو گیا۔ آہ! آج یہ تبلیغ کہاں رہی۔ کیا انسان کا جھوٹا پاک نہیں کیا یہ مسئلہ بدل سکتا ہے۔ پھر کیوں غریبوں اور نیچی ذات والوں کو انسان نہ سمجھا جائے۔ ہاں اس وقت جب شراب پی ہو یا مردار کھایا ہو تو اور بات ہے۔ لیکن یہ بات اونچی ذات والے اور مسلمان کہلانے والے کی بھی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر مسلمان پر فرض ہے۔ یہ انسانی اور اسلامی فریضہ ہے۔ قرآن پاک اور حدیثوں میں اس کی بہت بڑی تاکید آئی ہے۔

اگرچہ مجھے اپنے عمل اور اخلاص پر قطعاً بھروسہ نہیں ہے۔ اور نہ کسی عمل کو اس قابل پاتا ہوں کہ اس کو اللہ کے سامنے پیش کر سکوں۔ مگر اس کی رحمت و فضل پر قطعی امید و یقین و ایمان

ہے۔ وہ ضرور مغفرت بخش دیں گے۔ مگر یہ تبلیغ جو کچھ بھی تھی اثر کیے بغیر نہ رہی۔

## گدوال کا بارہ امام

قصبہ گدوال حیدرآباد دکن میں ہے۔ وہاں عام رواج یہ تھا کہ ہر سال محرم میں مسلمان کہلانے والے لوہے یا پیتل کے پنجے پنجتن کے نام سے بناکر بارہ امام یعنی بارہ شاخوں کا پنجہ بارہ اماموں کے نام سے بناکر گھروں میں رکھتے تھے۔ اور محرم کا چاند چڑھتے ہی ان کو صیقل کرکے ایک منبر پر دھر کر ان کے سامنے جانور ذبح کرتے۔ ان سے بچے مانگتے۔ پھر ان کا جلوس نکالتے۔ ایک آدمی حال بھر کر اس پنجے کو اٹھا کر چلتا۔ لوگ کہتے کہ اس شخص میں امام حسین گھس گئے ہیں۔ اس طرح کا ایک بارہ امام گدوال میں بھی تھا۔ ان لوگوں نے مجھ سے فتویٰ مانگا۔ پھر میرے کہنے سے اس کو توڑ دیا۔ اور رقم مسجد میں داخل کردی اور اس مکان کو مسجد میں تبدیل کر دیا۔ پھر کیا تھا میرے خلاف قیامت کا شور کھڑا ہوگیا۔ لیکن میں جوان تھا۔ پرواہ ہی نہیں تھی۔

جب میرا تبادلہ پودن جنکشن ہوا۔ وہاں میں نے چند پنجوں کے خلاف تبلیغ کی۔ اور ان کے جلوسوں کو بند کرادیا۔ وہاں کے ڈی سی سے معلوم ہوا کہ ان علموں (پنجوں) کے نام تو بڑی جائیداد ہے۔ بہرحال ڈی سی مسعود جنگ بہادر مسلمان آدمی تھا۔ اس نے میری تائید کی۔

پرتھنی میں جب تبادلہ ہوا۔ اس محلے میں جہاں میں رہتا تھا سرراہ ایک چبوترے پر شیر مجسمہ گچ کا بنا ہوا تھا۔ محرم شروع ہوتا تو اس شیر کے منہ میں گوشت دیتے اور گلے میں کھوپروں کا ہار ڈالتے۔ اس سے بیٹے مانگتے۔ ریاست کے اکثر مقامات پر اسی طرح تھا۔ بعض کہتے یہ شیعوں کی حرکت ہے مگر شیعہ حضرات اس سے انکار کرتے ہیں۔ خاص کر اس لیے کہ اس شیر کا نام وہاں کالی علی رکھتے ہیں۔ گویا ایک برگزیدہ ہستی پر درندہ کا نام رکھتے ہیں۔ بہرحال میں نے اس کو تڑوا دیا۔ طویل قصہ ہے۔ دس ماہ ہم توڑنے یا تڑوانے والوں پر ثابت علی مجسٹریٹ کی عدالت میں مقدمہ چلتا رہا۔ بالآخر خارج ہوا۔ پھر کیا تھا وہاں پرتھنی میں تو شیر بنا نہیں۔ دوسرے مقامات پر بھی ہم جاتے تو لوگ ڈر کے مارے اپنے شیروں کی حفاظت کرتے۔

## تبلیغ نہ کرنے کا انجام

حضور نظام الملک نے تبلیغ کا انتظام نہ کیا بلکہ انگریزوں سے مل کر مسلمانوں کے خلاف کام کیا۔ آج ان کا یا ان کے خاندان کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ اگرچہ نواب میر عثمان علی خان صاحب نے لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ دینی کاموں پر خرچ کیا۔ آخر مسلمان تھے لیکن تبلیغ نہ کرنے کا خمیازہ انہیں بھگتنا پڑا۔ دنیا بھر میں اوّل نمبر کے دولتمند اور بیوفا انگریز کا دوست ہونے کے باوجود آج ان کی ریاست، ان کی دولت اور ان کا خاندان ختم ہو گیا۔ والعظمۃ، بڑائی اللہ ہی کے لیے ہے۔ یہی حال باقی مسلمانوں کا ہے۔ جس قوم میں حق گوئی نہ رہے وہاں ناحق کا چرچا ہو جاتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ ساری قوم ناحق شناسی کا شکار ہو کر تباہ کر دی جاتی ہے۔ عرب ممالک کے علماء کرام نے سستی نرمی یا رعایت کی، وہاں داڑھی کا نام و نشان نہیں رہا۔ شراب عام ہو گئی۔ سودی بینکوں کا کاروبار جاری ہو گیا۔ نماز میں سستی آ گئی، زکوٰۃ کا نظام نہ رہا۔ بعض مقامات پر مغربی جمہوریت کا سایہ پڑ گیا۔ اور دینی لاعلمی کی وجہ سے بدعقیدہ افراد صدر یا وزیر اعظم بن گئے۔ لے دے کے کچھ کام سعودی عرب اور لیبیا میں باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور ترقی دے۔ اب کچھ حق کی ہوا چلی ہے۔ اور مسلم ممالک آپس کے اتحاد کی سوچ رہے ہیں۔ جو بچت ہے وہ غیر مسلم دنیا کے آپس میں اختلافات کی وجہ سے ہے۔ روس اور امریکہ کی رقابت ہمارے لیے مفید ہے۔ اور قرآن پاک نے چودہ سو برس پہلے یہ فرما دیا تھا۔ فَاَغْرَیْنَا بَیْنَہُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ، ہم نے ان اہل کتاب میں دشمنی اور بغض کی آگ بھڑکا دی ہے۔ اگر یہ سارے غیر مسلم ایک ہو جاتے تو مسلمانوں کو ان کا اتحاد مہنگا پڑ جاتا۔ اور اگر مسلمانوں میں اسلام آجائے تو کفر کیسے دنیا میں رہ سکتا ہے۔

## کانگریس میں شرکت

۱۹۳۰ء میں جب میں مانسہرہ میں تعلیم دے رہا تھا۔ تو محترم حاجی فقیرا خان صاحب مرحوم ملک پوری کی تحریک سے محترم حکیم عبدالسلام ہزار پوری، حضرت مولانا غلام ربانی لودھی، فخر شعراء مولانا خان میر ہلالی

پشاوری مانسہرہ پھر بفہ تشریف لائے ان کا جلسہ بفہ میں عیدگاہ کے مقام پر ہوا۔ یہ بفہ میں پہلا سیاسی جلسہ تھا۔ میں بھی اس میں شریک ہوا۔ مرحوم حاجی فقیر خان صاحب کا رشتہ داری اور قومی پوزیشن کی وجہ سے سارے علاقہ خاص کر بفہ، عنایت آباد، پانڈہ پیران، اور ترا میں زیادہ اثر تھا۔ اور بفہ یوں بھی سیاسی ذہن والا قصبہ تھا۔ جلسہ بڑا کامیاب ہوا۔ غلام ربانی مرزائی مانسہرہ کے آدمیوں نے جلسہ میں گڑبڑ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ناکام ہوئے۔ میں نے اپنا تبلیغی مشن پورا کرتے ہوئے تقریر کی۔ اور تقریر میں جلسہ میں گڑبڑ کرانے والوں کے خوب لتے لیئے۔ عوام نے ان کے ساتھ بہت برا سلوک کیا۔ یعقوب خان ملک پور نے جو حاجی فقیر خان ملک پور کے عمزاد اور محمد ایوب خان ملک پور کے بھائی تھے نے جھوٹے قتل کا دعویٰ کر دیا۔ بفہ کے نوجوانوں نے جیل میں نعرے لگائے۔ ان کو بیدوں کی سزا ملی۔ یہ بفہ والوں کی پہلی قربانی تھی۔ یہ سزا صرف جمعہ خان تیتوال کو بڑھاپے کی وجہ سے نہ دی گئی۔ لیکن حضرت مولانا قمر علی صاحب ساکن گھنول نے بید کھائے۔ یہ بڑے مجاہد عالم تھے۔ جائیداد بھائیوں کو دے دی گھر بار ترک کر کے انگریزوں کیخلاف جہاد کرتے ہوئے میدان میں آگئے تھے۔ ان کا زیادہ وقت محترم حاجی فقیر خان مرحوم کے ہاں گذرتا تھا۔ کوڑے کھانے کے بعد انہوں نے انگریزوں کے خلاف اور بھی سخت تقریریں کیں۔ پھر ہجرت کر کے کابل چلے گئے اور وہیں فوت ہوئے۔ ان کو بیدوں کی سزا دینے کے خلاف میں نے احتجاجاً کانگریس میں عملاً شرکت کر لی۔ پھر عبدالغفار خان نے بفہ کا دورہ کیا۔ جن کا عظیم استقبال ہوا۔ مانسہرہ میں مرزائی (البیسی) پارٹی نے شدید مزاحمت کی اور ان کی بعزتی کی کوشش کی۔ لیکن منہ کی کھائی۔ خان عبدالغفار خان نے تقریباً تمام شمالی پکھلی کا پیدل دورہ کیا۔ میں حاجی صاحب فقیر زادہ اور دوسرے ساتھی ان کے ساتھ تھے۔ شنکیاری سے ہو کر ہم خاکی آئے جہاں بڑا جلسہ ہوا۔ رات ملکپور رہے۔ یہاں بھی ٹوڈیوں نے کوشش کی جو ناکام ہوئی پھر مانسہرہ میں عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں ہندو مسلمان سب ہی شریک تھے۔ یہاں جو نظم

عبدالغفار خان کے سرخپوش شاعر نے پڑھی اس میں خان موصوف اور گاندھی کی تعریف تھی۔
پھر ہر بیدھ کا دورہ کر کے خان صاحب واپس تشریف لے گئے۔

## ہماری گرفتاری

جب انگریز نے دیکھا کہ بفہ کے تیرہ نوجوانوں کو گرفتار کرنے اور بید مارنے سے تحریک نہ دبی تو اس نے بایزید خان صاحب اور بھائی نورجمال صاحب کو گرفتار کر لیا۔ یہ لوگ پہلے کانگریسی تھے۔ ان کے اندر انگریز کے خلاف جذبہ تھا۔ اس کے بعد بعض آدمیوں کے مشورہ سے انگریزوں نے تحریک کے سرغنہ حاجی فقیر خان صاحب، میاں عبدالقیوم صاحب ساکن بفہ، خان گوہر آمان جان ساکن بفہ اور مجھے گرفتار کر لیا۔ ہم پر تقریباً چھ ماہ مقدمہ چلا کر آخر ۱۹۳۱ء کو ہم کو ایبٹ آباد جیل بھیج دیا۔ اور بی کلاس کی سفارش کر دی۔ حاجی فقیر خان نے جیل کا خوراک اور بدعنوانیوں کی وجہ سے بھوک ہڑتال کر دی۔ جیل والوں نے ہم چاروں کو بنوں جیل بھیج دیا۔ وہاں جیل کا سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر جودھارام ہندو تھے۔ جو حلیم بھی تھے اور بھگت قسم کے آدمی تھے۔ اچانک حاجی صاحب کی بی کلاس ضبط ہو گئی۔ انہوں پھر بھوک ہڑتال کر دی۔ میں نے کہا کہ اس میں سپرنٹنڈنٹ کا دخل معلوم نہیں ہوتا۔ مگر حاجی صاحب نے نہ مانا۔ اس وقت بے چینی یا بھوک ہڑتال بھی خطرناک چیز سمجھی جاتی تھی۔ سپرنٹنڈنٹ گھبرا گیا میں نے اس سے ڈیوڑھی میں ملاقات کی۔ اس نے حاجی صاحب کیلئے گھی، دودھ اور فروٹ مقرر کر دیا۔ اور بی کلاس کیلئے سفارش کا وعدہ کر لیا۔ چنانچہ وہ جلد ہی بحال ہو گئی۔ در اصل حاجی صاحب کا خیال درست تھا۔ کلاس کی ضبطی سپرنٹنڈنٹ ہی کی تحریک پر ہوئی تھی۔ اس وقت تمام جیل خانہ جات کا بڑا افسر مسٹر گرفتھ ولد لفٹنٹ انگریز تھا۔ ہمارے خطوط پر پابندی تھی۔ کہیں حاجی صاحب کے خطوط پکڑ لیے گئے تھے۔ اس لیے سپرنٹنڈنٹ نے ان کے خلاف رپورٹ کر دی۔ مجھے اس کا علم نہ تھا۔ آخری دنوں میں سپرنٹنڈنٹ مجھ سے بھی بدگمان ہو گیا اور ہم چاروں کو پھر ایبٹ آباد جیل منتقل کر دیا۔ یہاں قیدیوں کی عام ٹٹیاں قبلہ رخ تھیں ہم نے انچارج سپرنٹنڈنٹ سے کہا اس نے ہمارے لیے علیحدہ ٹٹیاں بنوا دیں۔ ہم نے کہا جناب ان عام ٹٹیوں کے

خلاف بامبر ایجی ٹیشن ہو گئی تو اس نے بعد میں ان تمام ٹیٹوں کا منہ درست کرا دیا۔ دو ماہ کے بعد ۱۹۳۲ء میں ہم رہا ہوئے۔ ۱۹۳۳ء کو مجھے انجمن اسلامیہ ایبٹ آباد نے جس کے قبضہ میں بڑی جائیداد تھی ضلع بھر میں مجھے مرزائیت کے خلاف تبلیغ کرنے کی دعوت دی۔ اس وقت میں نے اور سید محمود شاہ خطیب بفہ مدظلہ نے مشترکہ دواخانہ بازار میں کھلا ہوا تھا۔ ہم نے مشورہ کیا کہ خدانخواستہ اگر کوئی مرزائی نواز مولوی ناواقفی میں رکھ دیا تو پھر ہمیں اپنے خرچ سے سارے ضلع میں اس کی نجاست کو دھونا پڑے گا۔ چنانچہ میں نے پیشکش قبول کی۔ ایک چپڑاسی اور ایک خادم کی شرط لگا دی جو انہوں نے قبول کر لی۔ دس ماہ بعد انجمن والوں نے تبلیغ کا سلسلہ ختم کر دیا۔ وہ مجھ جیسے آدمی کو کیسے رکھ سکتے تھے جبکہ میں اے سی مانسہرہ کے خلاف تھا۔ اور ڈی سی ہزارہ ایبٹ آباد کی خلاف شریعت باتوں کا جواب دے رہا تھا۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور مشورہ دیا کہ جہاں ہم ہر روز تبلیغ کرتے ہیں۔ وہاں بھی ایسا اثر نہیں ہوتا پھر جہاں ہم دوسرے تیسرے سال جائیں وہاں تبلیغ کا کیا اثر ہوگا۔ البتہ انجمن کے زیر انتظام مدرسہ کو ترقی دے کر اس میں دینیات کا انتظام کیا جائے۔ خدا غریق رحمت کرے انہوں نے اس تجویز پر عمل کیا۔ بات یہ ہے کہ محترم وکیل پیر ولی اللہ صاحب ایک ذی علم وکیل تھے۔ اور بابو نور الدین صاحب مرحوم اور اور جناب محمد علی صاحب مرحوم نیک اور دیندار مسلمان تھے۔ بعد میں جلال بابا آئے وہ بھی اچھے اور زندہ دل مسلمان تھے۔

## شریعت کانفرنس پشاور

۱۹۳۲ء میں میں نے اس کانفرنس کو کامیاب کرانے میں حصہ لیا۔ جس کے ساتھ حضرت لالہ جی صاحب ہم خیل اور تمام حضرات نے پوری دلچسپی لی۔ اس کانفرنس کے بعد حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی صدر جمعیۃ علماء ہند کی صدارت میں ہوئی۔ شریعت بل شریعت ایکٹ بن گیا۔ اور عورتوں کو وراثت کے حقوق دیئے۔ حضانت، خلع، نکاح، طلاق وغیرہ کا فیصلہ شریعت پر ہونا قرار پایا۔ اس سلسلے میں بعض چوٹی کے علماء کرام شہید ہوئے۔ بہرحال علماء حق نے جہاد کر کے شرعی قوانین

اور عورتوں کے حقوقِ وراثت منوانے ۔ جو لوگ آج آزادیٔ نسواں کے جھوٹے نعرے لگاتے ہیں وہ صرف عورتوں کی بے پردگی اور خاوند سے آزادی چاہتے ہیں۔ تاکہ وہ ملازم ہوں اور بے پردہ رہ کر ان مردوں اور باشوں کے لیے سامان تفریح بن سکیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اسی کانفرنس کے آخیر میں احقر نے صوبائی مجلس احرارِ اسلام کے انتخابات کا اعلان کیا۔ میں نے کانگریس احرارِ اسلام اور جمعیۃ علماء ہند کی تینوں تحریکیں چلائیں ۔جمعیۃ علماء پکھلی پائیں کے امیر حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب ساکن خاکی ، اور پکھلی بالا کے امیر حضرت مولانا حضرت مولانا فضل حق صاحب مرحوم ساکن اچھڑیاں تھے۔ تینوں جماعتوں سے میرا اشتراک ۱۹۴۶ء تک رہا۔ جس کے بعد میں کانگریس سے علیحدہ ہو گیا۔ دوسری دو جماعتوں کے ساتھ رہا اور آخر تک رہا۔

جمعیت میں محترم حاجی فقیر خان صاحب آف ملک پور کی شرکت سے اسی میں نہیں بلکہ مرزائیوں کیخلاف تحریک میں بھی قوت آگئی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا فرمائے کہ خاکی کے خان مرزا خان برادر خان بره خان مرحوم وغیرہ ملک پور کی طاقت ، لیغہ ، عنایت آباد وغیرہ کی طاقتوں نے مل کر مذکورہ تینوں تحریکوں میں غیر معمولی طاقت پیدا کر دی۔ اس طاقت کے بل بوتے پر ہم نے مانسہرہ ، ایبٹ آباد ، ہری پور ، پشاور ، بنوں ، کوہاٹ اور ڈیرہ اسمٰعیل خان میں مرزائیوں اور انگریزوں کے خلاف کامیاب کام کیا۔ انگریز اور مرزائی دراصل یک جان دو قالب تھے ۔اس وقت مرزائیوں کی مخالفت ایسی تھی جیسے آجکل مودودیوں کی۔

اس زمانے میں کانگریس غریبوں کی حق رسی کیلئے مشہور تھی ۔ سرمایہ داروں نے اپنی نجات خاکسار تحریک میں سمجھی چنانچہ تقریباً سب نے ان کی حمایت کی۔ ہم نے صبر و استقامت سے مقابلہ کیا۔ اکوڑہ خٹک میں مناظرہ بھی ہوا۔ دو بار مجھ پر خطرناک حملہ بھی کیا گیا ۔ ایک بار تو شہر صدر میں بجلی فیل کر کے جلسۂ عام میں اور دوسری بار ایبٹ آباد (ملکپورہ) میں سنگباری کی گئی۔

خدائے برتر نے ہم سب کو بچایا اور مقابلہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ان کی قوت گئی۔ اور سرمایہ داروں کو غیر اللہ پر بھروسہ کرنے کی سزا مل گئی۔ مرزائیوں اور خاکساروں کے بعد مودودی فتنہ نے پر نکالے جس کو مولانا اعزاز علی صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے مرزائیوں سے بھی زیادہ خطرناک بتایا تھا۔

## ملک میں مختلف ادوار

مغلوں کی حکومت کے بعد انگریز عدل و انصاف کے نام سے آئے۔ ان کے زمانے سر سید احمد خان نے تعلیم کے نام سے کام کیا۔ کانگریس نے آزادی کے نام سے کام کیا۔ مسلم لیگ نے قومیت کے نام سے کام کیا۔ خاکسار تحریک نے عسکری قیادت کے نام سے کام کیا۔ مرزائیوں نے تبلیغ کے نام سے کام کیا۔ احرارِ اسلام نے ہر باطل کے مقابلے کی ٹھانی۔ جمعیت علماء ہند نے ملک کو انگریزی اقتدار سے آزاد کرانے کا بیڑا اٹھایا۔ مؤخر الذکر ہر دو پارٹیوں نے اپنے ہر پروگرام میں مذہب اسلام کی حفاظت بھی ضروری قرار دی۔ سرحدی سرخپوشوں نے پہلے معاشرتی اصلاح کی تحریک شروع کی۔ پھر ملک کی آزادی میں کانگریس سے مل گئی۔ مودودیوں نے احرارِ اسلام کی حکومت الٰہیہ کی نقل کی۔ اور اسلامی نظام کا نعرہ لگایا۔ حالانکہ اس کا قیام ناممکن العمل بھی بتایا۔ ہر ایک نے اپنے لیئے حالات و ماحول کیمطابق کام تجویز کیا۔ لیکن ان تمام کاموں میں پائیدار اٹل اور صحیح کام اسلامی شریعت اور خلافتِ اسلامیہ کا ہو سکتا ہے۔ جس کے علمبردار جمعیت علماء اسلام اور احرار اسلام تھے۔ انگریزی اقتدار کے بعد نہ یہاں کمیونزم کی ضرورت تھی اور نہ ہی امریکہ سرمایہ دارانہ نظام کی۔ بلکہ یہاں اب صرف اور صرف اسلام کی ضرورت ہے۔ اسلام بھی وہ جس میں قرآن و حدیث کو صحابہ کرام کی تشریحات میں قبول کیا جائے۔ بس!

## ۱۹۴۷ء اور پاکستان

۱۹۴۷ء میں پاکستان بن گیا اور مسلم لیگ جیت گئی جس کے بعد حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے احرار کو مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کا مشورہ دیا۔ اور حضرت مدنیؒ کی جمعیۃ علماء ہند اور مولانا شبیر احمد

عثمانی بھی جمعیت علماء اسلام سے ایک ہو کر پاکستان میں اسلامی اقدار کی جدوجہد کیلئے متفق ہو گئے۔
شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور جناب لیاقت علی خان صاحبؒ (شہید ملت)
نے مل کر قرارداد مقاصد پاس کرائی۔ جس کو بعد میں دوسرے والوں نے اپنے کھاتہ میں ڈالنا
شروع کیا۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے بعد حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب ساکن
درویش ہری پور خلیفہ قطب ربانی حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب کندیاں شریف نے
حضرت صاحب کے اشارہ پر مودودی صاحب کے خلاف ایک کتاب "بیباک محاسبہ"
کے نام سے لکھی اور میرے سامنے حضرت کو سنائی۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھے اب مودودیت
کے بارے میں اطمینان ہوا۔ اس کتاب نے سینکڑوں آدمیوں کو تائب کرایا۔ پھر حضرتؒ بھی
وفات پا گئے۔ ۱۹۵۶ء میں جمعیۃ علماء اسلام کا دور جدید شروع ہوا۔ ملتان میں تمام مغربی
پاکستان کے علماء کا اجتماع ہوا۔ جس میں حضرت مولانا داؤد غزنویؒ، حضرت مولانا خیر محمد صاحب
جالندھریؒ نیز صوبہ سرحد، پنجاب، سندھ اور بلوچستان کے علماء کثرت سے شریک ہوئے۔
صدر جلسہ مفسر قرآن قطب زمان حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے اصرار پر احقر کو ناظم اعلیٰ چنا گیا۔
تب حضرت نے صدارت کا عہدہ قبول فرمایا۔ ادارے کا نام بالاتفاق جمعیت علماء اسلام رکھا
گیا۔ ۱۹۵۸ء میں ایوب خان کا مارشل لگا جس میں تمام سیاسی پارٹیوں کو خلاف قانون قرار
دیا گیا۔ جمعیۃ کے کارکنوں نے ملتان میں بیٹھ کر اپنا نام نظام العلماء رکھ کر کام شروع کیا۔ عائلی
قوانین کے خلاف لاہور میں عظیم الشان جلسۂ عام منعقد ہوا۔ جبکہ مارشل لاء کی تلوار سر پر لٹک رہی
تھی۔ تقریباً ایک سو چھ (۱۰۶) علماء کرام اسٹیج پر تھے۔ سب نے جیل جانے پر آمادگی ظاہر کی۔ اس جلسے
کے نتیجے میں احقر کو اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو چھ ماہ کے لیئے لاہور میں نظر بند کر دیا
گیا۔ اور ساتھ ہی زبان بندی بھی کی گئی۔ حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے روحانی طاقت
عطا فرمائی تھی۔ وہ حج پر تشریف لے گئے اور جب تک لاہور میں رہے حسب معمول وعظ
و تبلیغ فرماتے رہے۔ اسی اثناء میں حضرت امیر شریعتؒ فوت ہو گئے۔ جنہوں نے شوریٰ کی

صاحب کے مزدوری جواز متعہ پر شعر فرمائے تھے۔ پھر حکیم عبدالمجید سیفی بھی فوت ہو گئے۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ بانی مدرسہ جامعہ اشرفیہ لاہور خلیفہ اعظم حضرت تھانویؒ بھی فوت ہو گئے۔ اور آخر میں حضرت لاہوریؒ قدس سرہٗ بھی فوت ہو گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اکابر کے اس طرح رخصت ہونے سے مسلمان قوم کو بڑا دھچکا لگا۔

**عجیب بات** یہاں ایک عجیب بات کا ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب اور حضرت لاہوری میں رقابت ہے۔ لیکن جب اپنے فرزند کی حج سے واپسی پر حضرت مفتی صاحب کراچی تشریف لے جانے لگے۔ تو اچانک حضرت لاہوریؒ کے پاس آ گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کا مقام پہچانتے تھے۔ یہ اسی طرح سے ہے کہ جس طرح کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے ملنے آ گئے تھے۔ معانقہ ہوا ایک دوسرے کے متعدد مقامات پر بوسے دیئے حضرت تھانویؒ نے فرمایا بھائی اطلاع تو کر کے آتے۔ حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ اپنے گھر کیا اطلاع کرنی۔ پھر ان کی مرغوب غذا کھلائی اور ایک عمامہ ان کے سر پر باندھا۔ سبحان اللہ العظیم۔ یہ وہ اکابر ہیں جن کے اختلاف کو ہم جیسے اصاغر نے اچھال اچھال کر فضا کو مکدر کیا۔ یہاں پر حضرت تھانویؒ کے اخلاص کا ایک واقعہ بھی سنا دینا چاہیئے۔ حضرت مولانا لعل حسین صاحبؒ مبلغ ختم نبوت جب حضرت تھانویؒ سے ملے۔ انہوں نے مولانا سے عہد لیا کہ میں جو بھی بھیجوں قبول کریں گے۔ مولانا لعل حسین صاحب نے عہد کیا۔ اور حضرت تھانویؒ کے مسلسل منی آرڈر آتے رہتے۔ اس سے دونوں حضرات کے اخلاص کا اندازہ ہوتا ہے۔

۱۹۶۲ء میں ایوب خانی دور مارشل لا میں قوم نے بغیر کسی لالچ اور دنیوی اغراض کے مجھے مغربی پاکستان اسمبلی کا ممبر چنا۔ چنانچہ میں ۱۹۶۵ء تک ممبر رہا۔ اس وقت عائلی قوانین کو الماری

سے نکال کر محمد ایوب خان مرحوم نے نافذ کر دیا تھا۔

**مسجد شہید گنج**

۱۹۳۳ء کے بعد ۱۹۳۶ء میں فوراً شہید گنج کی مسجد شہید کر دی گئی۔ جس کا قصہ یہ ہے کہ سر محمد شفیع صاحب وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے۔ نئی اصلاحات میں صوبوں کی اسمبلیوں کو یہ اختیارات دیئے گئے تھے کہ ان کی اکثریت سے وزیر اعظم منتخب ہوگا۔ اس کیلئے پنجاب میں انگریزی سیاست کا تقاضہ تھا کہ سر محمد شفیع صاحب وزیر اعظم ہوں۔ ان کی جگہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں سر چوہدری ظفر اللہ مرزائی لادعین، لگائے گئے۔ اگر یہ تقرری سر محمد شفیع صاحب کی سفارش سے ہوئی تو بہت ہی بڑی غلطی تھی۔ لیکن اس کے بعد جو کھیل کھیلا گیا وہ خطرناک اور دیرپا تھا۔ پنجاب میں مجلس احرار اسلام کا طوطی بول رہا تھا۔ یہ ایک زبردست آزادی پسند پارٹی تھی۔ جو پہلے کانگریس میں تھی مگر انہوں نے محسوس کیا کہ آزادی کے ساتھ ساتھ اسلام کی حفاظت بھی ہونی چاہیئے۔ یہ بات کانگریس کے پلیٹ فارم سے نہ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ یہ جماعت کانگریس سے جدا ہو گئی۔ جدا ہو کر اس نے مذہبی امور خاص کر مرزائیت کیخلاف تبلیغ کو زندگی کا جزو بنا لیا۔

اس جماعت میں امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جو جماعت کے روح رواں سمجھے جاتے تھے۔ حضرت مولانا حبیب الرحمن لودھیانوی (امیر احرار)، جناب چوہدری افضل حق صاحب جو احرار کے دماغ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت مولانا سید محمد داؤد صاحب صاحب غزنویؒ (اہلحدیث)، جناب سلطان شیخ حسام الدین (بی اے)، امرتسری، جناب جلی القاب شیخ تاج الدین صاحب لودھیانوی، جناب مخدوم عبدالعزیز صاحب بیگووالا شریک تھے۔ حضرت مولانا مظہر علی اظہرؒ شیعہ عالم دین، جو وکیل تھے، اس جماعت میں شریک تھے۔ اور انگریز جو لڑائیاں اہلحدیث، وہابیوں، دیوبندیوں، بریلوی، شیعہ اور سنی کے درمیان محض اپنی حکومت کے استحکام کیلئے کرایا کرتا تھا۔ اس کا مشہور مقولہ ڈیوائڈ اینڈ رول (لڑاؤ اور حکومت کرو) کی پالیسی تھی۔ اس کا جواب یہی تھا کہ ان فرقوں کی لڑائی بند کرائی جائے۔ اور ہر فرقہ حد کے اندر رہ کر دوسروں کے جذبات

کا احساس کرتے ہوئے تحریک آزادی اور مرزائیت کے خلاف سرگرم عمل ہو۔ چنانچہ احرار اسلام کی اس پالیسی سے جہاں کچھ نقصان ہوا کہ اہل بدعت اور رافضی (دشمن صحابہ) فرقہ کا عام تعارف ان کے اسٹیج سے ہونے لگا۔ وہاں انگریز کی پالیسی کو بھی خطرناک زک پہنچی۔ یہی مولانا مظہر علی اظہر شیعہ تھے۔ جو بعد میں مدح صحابہ کی تحریک میں احرار کی طرف سے لکھنؤ گئے اور تقریر کی جب حضرت علی نے خلفاء ثلاثہ کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ وہ شیر خدا، مدد مسلمان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبتی و روحانی تعلق رکھنے والے تھے تو کوئی وجہ نہیں کہ آج شیعہ حضرات اصحاب ثلاثہ کو برا کہیں اور نہ مانیں۔ اسی طرح اہلحدیث اور حنفی مسلمانوں کی دوری بھی کم ہو گئی۔

انگریز بڑا کائیاں تھا اس نے دیکھا کہ پنجاب بہت بڑا صوبہ اور تحریکوں کا گہوارہ ہے۔ اس کی وزارت عظمیٰ سے احرار اسلام کو کس طرح محروم کیا جائے۔ چنانچہ ایک مسجد تجویز کی گئی جس کو مسجد شہید گنج کہتے ہیں۔ یہ لاہور میں ہے اور سکھوں کے عہد میں سکھوں نے اس پر قبضہ کیا تھا۔ اور اب مسجد کے مقاصد میں استعمال نہ ہوتی تھی۔ اس کو گرایا جائے۔ اور مسلمانوں کو اس مسجد کی واگذاری کیلئے تیار کیا جائے۔ انگریز ایسے نہ تھے جو سکھوں کی منظم طاقت سے ٹکر لیتے۔ لیکن اس مسجد کو استعمال کر کے انہوں نے مسلمانوں اور سکھوں میں لیئہ پیدا کرنے کی سعی کی۔ انگریز نے سوچا اگر احرار اسلام مسلمانوں کا ساتھ دیں تو ان کو جیل میں ٹھونس کر میدان انتخاب خالی کر لیا جائے۔ اگر ساتھ نہ دیں تو ان کو غدار بنا کر مسلمانوں میں ہی ان کو گرایا جائے۔ مجلس احرار نے پوری کوشش کی کہ کسی طرح دونوں قوموں میں سمجھوتہ ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے سکھوں کو اس پر راضی کر لیا کہ مسجد شہید گنج کو نہ گرایا جائے اور نہ ان کو غلط استعمال کیا جائے بلکہ اس کو چاروں طرف سے بند کرا کر دونوں قوموں کیلئے ممنوع قرار دیا جائے۔ جیسے جنگل کی ایک مسجد ہو یا کسی آبادی کی ایک مسجد غیر آباد اور غیر آبادی کے رہ جائے۔ اس کو جنگلی جانوروں سے بچانے کیلئے ایسا کیا جاتا ہے۔ مگر انگریز نے کسی طرح

مجھوتہ نہ ہونے دیا۔ اور انگریزوں کے ٹھو مسلمان بھی احرار کو یہ کہہ رہے تھے کہ مسجد کو واگذار کرانا ہے۔ محترم چوہدری افضل حق صاحب یہی کہتے رہے کہ مسجد پر سکھوں نے اپنے اقتدار کے زمانے میں قبضہ کیا تھا جیسے کہ بنارس وغیرہ کے مندروں پر مسلمانوں نے اپنے اقتدار کے زمانے میں قبضہ کیا تھا۔ شہید گنج پر ۱۹۲۲ء میں مقدمہ بھی ہوا جو ناکامیاب ہوا۔ خواہ مخواہ مسلمانوں کی جانوں سے نہ کھیلا جائے۔ مگر مسلمانوں میں عام تعداد بلکہ عام مسلمان نیک نیت تھے۔ وہ انگریزوں کی گولیوں کے سامنے سینہ سپر ہوئے۔ مسجد پر کیس بھی ہوا جو بالآخر ناکام ہوا۔ اور مسجد الیکشن کے بعد سردار سکندر حیات خان مسلم لیگی کے زمانہ میں پھر خضر حیات خان کے زمانے میں اور لطف یہ پاکستان کے اندر بھی اور اسی طرح آج تک مسدود ہے۔

عجیب بات یہ ہوئی کہ مسجد کو سرکاری فوجی گنتی سے گرایا گیا۔ جس کا اقرار انگریز کے نمائندہ نے پنجاب اسمبلی میں کیا۔ اور پروپیگنڈہ سارا مجلس احرار کے خلاف ہوا۔ تمام مرزائی فدائم پوسٹر لیئے ہوئے مسلمانوں کی شکل میں میدان میں آکر احرار کو غدار کہنے لگے۔ مسلمان سادہ قوم تھی دشمن کے مکر میں آگئی۔ اور احرار اسلام پنجاب کے انتخابات ہار گئے۔ اور اس سیاست کا اثر آج تک باقی ہے۔ ورنہ کب کی یہاں حکومت الٰہیہ قائم ہو چکی ہوتی۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ آج نہ امیر شریعت ہم میں موجود ہیں اور نہ دوسرے زعما لیکن بقول کسی کے ؎ تم بھی ٹھنڈے نہ رہو دل کے جلانے والے۔

مرزائی غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے بعد دنیا بھر میں ذلیل ہوئے۔ انگریز بھی نہ رہا جو ان کے ساتھی رہے۔

## برکت ہال لاہور میں جلسہ

انہیں دنوں لاہور میں تمام پارٹیوں اور لیڈروں کی میٹنگ ہوئی۔ بہرحال انگریز و امریکہ کا پروپیگنڈہ لاجواب ہوتا ہے ملک آزاد بھی ہوا۔ مگر نہ مسجد دی گئی اور نہ پاکستان کو کشمیر دیا گیا۔ بلکہ خود پنجاب اور بنگال کو بھی تقسیم کیا گیا۔ یہ کانٹے مسلمانوں کے جسم میں آج تک چبھ رہے ہیں۔

کسی نے سچ کہا ہے اگر ترک دنیا میں نہ رہے تو بہادری نہ رہے گی۔ اگر جرمن نہ رہے تو ہنر نہ رہیگا اگر انگریز نہ رہے تو بے ایمانی ختم ہو جائے گی۔

مجلس احرارِ اسلام کی زبردست تنظیم تھی۔ یہ اسی کا کام تھا کہ اتنے بڑے زبردست پروپیگنڈے کی ٹکر سہہ لی۔ اس ۱۹۳۶ء کے اندر سیالکوٹ کے اندر آل انڈیا احرار پولیٹیکل کانفرنس کی۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لودھیانوی کی عادت تھی کہ وہ نئے ادمیوں کو آگے لاکر ان کو لیڈر بنایا کرتے تھے۔ غالباً اسی اصول کے تحت مجلس احرار نے مجھے اس کانفرنس کا صدر تجویز کیا۔ مسجد شہید گنج تو نہ ملی لیکن احرار کے مطالبہ سے تلوار پر سے پابندی اٹھا لی گئی۔ سیالکوٹ کی کانفرنس میں ہزاروں مسلح نوجوانوں نے شرکت کی۔ پھر امرتسر بعد ازاں ملتان پراونشل کانفرنسیں ہوئیں۔ احرارِ اسلام نے آزادی کی جنگ لڑی۔ خلافت اور ہجرت کی تحریک کو چلایا۔ مدح صحابہ اور کپور تھلہ کالج کی تحریک چلائی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی گئی تھی۔ (معاذ اللہ)۔ نو مسلم اچھوتوں کی تحریک میں جمعیۃ علماء ہند کا ساتھ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والوں کے خلاف کلکتہ سے پشاور تک تحریکیں چلائیں۔ مسلم ممالک سے ہمدردی کی۔ انگریز کی فارورڈ پالیسی کی مخالفت کی جس کے تحت انگریز کی پالیسی یہ تھی کہ سرحد میں آگے جایا جائے۔ اس طرح باقی ملک کی حفاظت اچھی رہے گی۔

آخر کار احرارِ اسلام نے قوم کے اصرار کے مطابق سول نافرمانی کی تحریک چلائی۔ اور تین ہزار کے قریب رضا کار جیل بھیج دیئے۔ اور سردار سکندر حیات خان اس وقت کے پنجاب کے وزیر اعظم اپنے باعزت سمجھوتے کا وعدہ کر کے تحریک ختم کرائی۔ لیکن نتیجہ کچھ بھی نہ ہوا نہ ہونا تھا۔ انگریز کے پکی گولیاں نہیں کھیلی تھیں احرارِ اسلام کے خلاف کوہستان کی چوٹیوں تک پروپیگنڈہ کرایا۔ (۳) کا اثر یہ تھا کہ جب احرارِ اسلام نے فلسطین کی حمایت میں تحریک چلائی تو دیکھا کہ مسلمانوں میں ابھی تک شہید گنج کی افیون کا خمار باقی ہے۔ اس خمار کی حالت میں انگریز نے حضرموت (سعودی عرب) پر قبضہ کر لیا۔ اسی خمار میں انگریزوں نے فارورڈ پالیسی پر عمل کر کے سرحد کی بیسیوں

مساجد پر بمباری کی۔ کچھ بھی جمعیت علماء ہند، مجلس احرار اسلام، سرحدی خدائی خدمتگار تحریک اور آل انڈیا مومن کانفرنس اور اس وقت کے جی ایم سید صاحب سندھ کے (آج کل کے تھیں جو اسلام کے خلاف باتیں کرتے ہیں) انہوں نے مل کر کانگریس کو کمزور نہ ہونے دیا۔
اور آخر کار انگریز ۱۹۴۷ء میں ہندوستان سے اپنا بوریا بستر سمیٹ کر چلتا بنا۔

**مسلم لیگ** مسلم لیگ میدان عمل میں آئی جو کانگریس کے خلاف تھی۔ حقیقتاً مسلمان سرمایہ دار ہندوؤں سے نالاں تھا جیسا کہ احراری لیڈر چودھری افضل حق صاحب مرحوم نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ پاکستان کی مخالفت نہ کرو یہ مسلمانوں کے دکھیا دلوں کی فریاد ہے۔ آخرکار مسلم لیگ اور کانگریس کے مشترکہ فارمولے کے مطابق پاکستان و ہندوستان بن گیا۔ انگریز نے مسلم دشمنی میں نہ رعایا کے اصول کو مان کے کشمیر کی حکومت مسلمانوں کو دی اور نہ ہی والیان ریاست کا اختیار مان کر جوناگڈھ اور حیدرآباد کی ریاست مسلمانوں کو دی۔
چنانچہ آج تک کشمیر کا مسئلہ ہمارے لیئے سوہان روح بنا ہوا ہے۔ بھارت سے تین لڑائیاں ہوئیں اور تیسری لڑائی میں مشرقی پاکستان ہم سے چلا گیا۔
ہم سب دھوکے میں تھے کہ جناب ایوب خان کے وقت میں مفتی محمود صاحب اور جناب عبدالولی خان نے شیخ مجیب الرحمٰن کو آزاد کرایا۔ اس کی اس لیئے تائید کرتے رہے کہ اس کے چھ نکات ماننے کے بعد پاکستان قانوناً پانچ حصوں میں بٹ جائیگا۔ اب اگر مشرقی پاکستان کا پانچواں حصہ ہم سے کٹ تو باقی چار حصے باقی رہ گئے۔ اور اس کے کٹنے میں بھی ہم بے بس تھے۔ خدا کرے یہ چار صوبے اب باقی رہیں اور تقسیم نہ ہوں۔ خدا کرے خان عبدالولی خان سیکولرازم اور ماسکو نوازی سے باز آجائیں۔ اور مسٹر بھٹو سوشلزم کو چھوڑ دیں۔ اسلام کامل اور مکمل مذہب ہے اس میں آزادی اور غریب پروری کی کوئی کمی نہیں ہے۔
اگر خدانخواستہ ان چار صوبوں میں کوئی حصہ کٹا تو پاکستان خطرے میں پڑ جائیگا اس وقت اسلامی آئین اور ملک کی یکجہتی سب سے اہم فرض ہے۔

۱۹۳۶ء میں پشاور میں احرار کانفرنس منعقد ہوئی جس کے صدر محترم چودھری افضل حق صاحب مرحوم تھے۔ جن کے تاریخی خطبہ میں سرمایہ دار ہندو اور ہندو نوازوں کے تجاوزات پر روشنی ڈالی گئی۔ مگر تمام بڑے بڑے لوگوں نے مسلم لیگ کی حمایت کی چنانچہ وہ کافی سے زیادہ با اثر و رسوخ ہو گئی۔

۱۹۴۳ء میں سہارنپور میں جب کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی مرحوم نینی تال جیل میں تھے میری صدارت میں پراونشل کانفرنس ہوئی۔ اس موقع پر احرار اسلام کی مجلس عمومی نے حکومت الٰہیہ کا ریزولیشن پاس کیا۔ اور یہ بھی کہ کوئی احرار ورکر کانگریس کا ممبر نہ بنے۔ حکومت الٰہیہ کا یہ نعرہ پہلا نعرہ تھا۔ یہ دراصل کانگریس کی مشترکہ حکومت کے خلاف تھا۔ مگر گاندھی جی بڑے کائیاں اور زیرک تھے۔ انہوں نے سوراج کا نعرہ لگا کر حکومتِ الٰہیہ کی مخالفت کو نمایاں نہ ہونے دیا۔ احرار نے سارے ملک کی فضا کو حکومتِ الٰہیہ کے حق میں ہموار کیا جس پر بعد میں مودودی جماعت نے قبضہ کرنے کی کوشش کی

## کانگریس کی خود غرضی

کانگریس نے انگریز سے آزادیٔ وطن کا معاہدہ کر لیا جس میں محترم مسٹر محمد علی جناح مرحوم شریک تھے۔ لیکن کانگریس نے اس سمجھوتہ میں اپنے ہم مسلک جماعتوں کی پرواہ نہ کی۔ وہ گاندھی جی جو ملکی تقسیم کو گئو ماتا کو بیٹنا قرار کرتا کہتے تھے ملتان اور امرتسر کے جزوی فسادات کی وجہ سے سارے ملک کی تقسیم پر راضی ہو گئے۔ احرار اسلام تیار تھے کہ ہم ہزاروں مسلمانوں کو شہید کروا کر تقسیم پنجاب کے خلاف تحریک چلاتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا سرحد و سلہٹ کیلئے ریفرنڈم تجویز ہوا۔ ریفرنڈم مسلم لیگ ہی کے حق میں ہونا تھا اور ہوا۔ میں نے دہلی میں مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی سے پوچھا کہ ریفرنڈم میں کس کو ووٹ دیں۔ انہوں نے فرمایا کہ پاکستان کو ووٹ دو۔ خان عبدالغفار خان سے گفتگو ہوئی تو انہوں نے متوازی گورنمنٹ کا خیال پیش کیا۔ یہ گفتگو دہلی میں جنگلی کالونی کے اندر ہوئی۔ بہر حال کانگریس نے بظاہر حالات مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوانہ خود غرضی سے کام لیا۔

بعض مسلم ذعما پر انگریز کا بغض اتنا غالب تھا کہ وہ کسی قیمت پر ہندوستان سے انگریزوں کی بیدخلی کو مقدم سمجھتے تھے ۔ وہ انگریز کی بے ایمانی اور ریشہ دوانیوں کی طاقت سے تمام اسلامی ممالک کو غلام بنانے کے کرتوتوں سے واقف تھے ۔ وہ تو ہر حال میں انگریز کا جانا ہی مقصد عظیم سمجھے ہوئے تھے ۔ یہ حضرات نہایت نیک نیت اور باخدا تھے اور اس میں یہ حکمت خداوندی پوشیدہ تھی کہ ہندوؤں کو یہ کہنے کا موقع نہ رہا کہ ملک ہم نے آزاد کرایا ہے ۔ اتنی مسلمان جماعتوں کی ہمدردی کے ہوتے ہوئے وہ کیسے کہہ سکتے تھے ۔

## آزادی کی تحریک کس نے چلائی

ممکن ہے بعض ذہنوں میں یہ خیال جاگزیں ہو کہ ملک کو کانگریس نے آزاد کرایا ۔ یا آزادی کی تحریک اسی نے چلائی ۔ حقیقت یہ ہے کہ کانگریس پہلے پہل قائم ہوئی تو اس کا دائرہ عمل صرف چند حقوق تھے ۔ مثلاً ہندوستانیوں کو بڑے عہدے نہ ملنا ، میونسپل کمیٹیاں یا ڈسٹرکٹ بورڈ قائم ہونا وغیرہ وغیرہ ۔ لیکن حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے آزادیٔ وطن کے لیے انتہائی کوشش کی ۔ آدمی بھیجے اور دوسری حکومتوں سے تعلقات قائم کیے ۔ تاکہ کسی طرح ملک سے انگریز کو نکالا جائے ۔ ریشمی خطوط اس کی بڑی دلیل ہے ۔ افسوس یہ راز راز نہ رہا ۔ اور نتیجہ کار حضرت شیخ الہند گرفتار ہو کر مالٹا میں نظر بند کیے گئے ۔ ان کے ہمراہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا عزیز گل صاحب تحصیل چارسدہ مدظلہ بھی تھے ۔ ان کی رہائی کے بعد جب ان سے گاندھی جی کی ملاقات ہوئی ۔ شنید ہے کہ گاندھی جی نے کہا کہ مجھے خبر ہوتی کہ ملک میں ایسے حضرات موجود ہیں تو ملک کتنا عرصہ پہلے آزاد ہو جاتا ۔ بہر حال آزادی اور حقیقی آزادی کی تحریک انگریزی اقتدار کے خلاف مسلمانوں نے شروع کی ۔ وہ اہل وہی جہاد بالسیف کے قائل و قابل تھے ۔ حضرت شیخ الہندؒ کے بھیجے ہوئے بہت سے علما کابل میں فوت ہوئے ۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ روس تک گئے ۔ مالٹا میں بھی شیخ الہندؒ نے ترک فوجی افسروں سے رابطہ قائم کیا ۔ واپسی پر شیخ الہندؒ نے ترک موالات کا فتویٰ دیا اور جمعیۃ علماء ہند قائم فرمائی ۔

اور انگریز کے خلاف دیوبند اور علی گڑھ کو ملانے کی سعی کی۔ جس کے نتیجے میں جامعہ ملیہ وجود میں آیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کی جلدی وفات ہو گئی لیکن ان کا دلی جذبہ کارفرما رہا۔ اور انگریزوں کو ملک سے جانا پڑا۔ پاکستان و ہندوستان کی شکل میں ملک آزاد ہو گیا۔

علی برادران نے خلافت کمیٹی بنائی۔ مسلمانوں کو بیدار کر کے ترکوں کی امداد کے لیئے تیار کیا۔ یہ پہلے لوگ تھے جنہوں نے ہمدرد اخبار نکال کر انگریزوں کے خلاف آواز اٹھائی۔ اور ان کو انگریزوں نے نظر بند کر دیا۔ آخر کار کانگریس سے ان کو بھی اختلاف ہوا۔ حالانکہ وہ آزادی کے پروانے تھے۔ لنڈن میں مولانا محمد علی صاحب گئے اور فرمایا میری موت غلام ہندوستان میں نہ ہو۔ چنانچہ وہ فلسطین میں دفن کیئے گئے۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو شریعت کے اجرا میں بڑی دقت محسوس ہوئی۔ خاص کر اس لیے کہ اسمبلی (کراچی) میں ساری گفتگو انگریزی میں ہوتی تھی۔ آخر کار انہوں نے شہید ملت لیاقت علی خان مرحوم سے مل کر قرارداد مقاصد پاس کرائی۔ جس پر بعد میں مودودیوں نے دعویٰ کیا کہ ہم نے پاس کروائی ہے۔ یہ ان کی عادت ہے کہ دوسروں کی بات کو افشا دیکھ کر یہ اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یا اس کو اچک لیتے ہیں۔

**عائلی قوانین:** کچھ عرصے کے بعد سکندر مرزا مرحوم پاکستان کے زبردستی صدر بن گئے۔ انہوں نے فوراً عائلی قوانین کا مسودہ تیار کرایا جسکے خلاف حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے ایک اختلافی نوٹ کتابی صورت میں لکھا تھا۔ لیکن وہ اس کو رائے عامہ کے دباؤ کی وجہ سے نافذ نہ کر سکے۔ انہی دنوں اکوڑہ خٹک میں دارالعلوم حقانیہ کا سالانہ جلسہ تھا۔ جسمیں حضرت مولانا شیخ الحدیث نصیر الدین صاحب غورغشتویؒ بھی تشریف لائے تھے۔ وہ مجھے باہر جنگل میں دور لے گئے۔ میں نے ایک نااہل سکندر مرزا (شیعہ) کا رونا رو دیا۔ حضرت نے تسلی دی کہ حالات درست ہو جائیں گے۔ مجھے تسلی ہوئی۔ چند ہی دنوں میں جناب محمد ایوب خان صاحب مرحوم کی صدارت کا اعلان ہوا۔ اور ہم نے اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن محمد ایوب خان صاحب مرحوم نے

عائلی قوانین کو جو اسلام دشمنی پر مبنی تھے مکمل کر نافذ کرنے کا اعلان کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
ان قوانین کے خلاف قومی اسمبلی میں حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے بحث کی۔ اور صوبائی اسمبلی مغربی پاکستان
میں میں نے بحث کی۔ عائلی قوانین کی منسوخی کے لیئے مودودی پارٹی کے ممبروں نے مخالفت کے
خلاف بل یا تجویز پیش کی۔ لیکن وہ اس کو آگے نہ بڑھا سکے۔ اور قرعہ فال ہم دونوں کے نام نکلا۔
اور سارے ملک میں ان قوانین کے خلاف فضا بن گئی۔ اور مغربی پاکستان اسمبلی نے میری تقریر کے
بعد عائلی قوانین کی مخالفت کو غالب اکثریت سے پاس کر دیا۔ مغربی پاکستان کی اسمبلی موجودہ
عائلی قوانین کی مخالفت کر کے اس کو منسوخ کر دینا چاہتا ہے۔ اب مغربی پاکستان اور اب پورا
پاکستان ہے، میں عائلی قوانین رائج نہ ہوں۔ مگر افسوس ہے کہ جھوٹ حکومت کے آئین میں ان
قوانین کو تحفظ دیا گیا کہ ان کے خلاف نہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا جا سکے گا۔ نہ اسمبلی بل پاس
ہو سکے گا۔ یہ ہے اسلامی آئین کا دعویٰ کرنے کی تشریح۔ یہ قوانین قطعاً قرآن وحدیث کے خلاف
ہیں۔ ان کی ایک بات آپ سن کر ان کو قرآن وحدیث کے خلاف کہہ سکیں گے۔ تین طلاق کے
بعد دوسرے خاوند سے پہلے یہ عورت پہلے خاوند کیلئے کسی طرح حلال نہیں ہے۔ قرآن پاک میں ہے
"فلا تحل لہ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہٗ" (تیسری طلاق کے بعد) یہ عورت اس پہلے
خاوند کیلئے حلال نہیں جبتک کہ دوسرے خاوند سے نکاح (یعنی مجامعت) نہ کرے۔ نہ عدت کیلئے
نوے دن مقرر ہیں۔ مگر ان عائلی قوانین میں اگر چیئرمین صاحب ان پرانے بیوی خاوند میں صلح کرا
دے تو دونوں اکٹھے بیوی خاوند کی طرح رہ سکتے ہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔ عورتیں ان
قوانین کی حمایت کرتی ہیں۔ کیونکہ ان قوانین میں چار عورتیں کرنے کی ممانعت ہے۔ دوسری شادی
نہیں کی جا سکتی جب تک پہلی بیوی کی اجازت نہ ہو یا صحیح وجوہ بیان نہ کیئے جائیں۔ اسی طرح دوسری
باتیں ہیں ان قوانین اور اس آئین کو کون اسلامی کہہ سکتا ہے۔ میں نے شراب اور سود کے خلاف
بل پیش کیئے۔ اس پر مجھے سیکرٹریٹ سے اطلاع دی گئی کہ یہ مالی بل ہیں۔ آئین کی رو سے یہ صدر
کی اجازت کے بغیر پیش نہیں کیئے جا سکتے۔ اور صدر صاحب کے پاس گئے تو انہوں نے پرمنسٹر

کے حوالہ کر دیا۔ ان کے پاس گئے تو بات آئی گئی ہو گئی۔ اور بل پیش نہ ہو سکے۔ اسی طرح زنا کی
شرعی سزا کا بل میں نے پیش کیا۔ ملک اختر وزیر قانون اور ساری اسمبلی نے سوائے دو تین کے
مخالفت کی اور بل رد ہو گیا۔ یہی حشر اسود بل کا ہوا۔ وہ تو پانچ سال تک لٹکا رہا۔ اور
منظور نہ ہو سکا۔ پوری شریعت کے لئے میں اور حضرت مولانا عبدالحق لورالائی بلوچستان
بطور وفد پرائم منسٹر کے پاس گئے۔ اور عرض کیا کہ یہ ملک اسلام کے نام سے بنا ہے اس کا
نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ اس کے آئین میں اسلام کی ضمانت دی گئی ہے۔ تو پہلے
سوات اور بلوچستان میں شرعی احکام کی ابتدا کر کے اسکو سارے پاکستان میں رائج کیا جائے۔
پرائم منسٹر نے ہم کو اس وقت کے وزیر قانون پیرزادہ عبدالحفیظ صاحب کے پاس بھیجدیا۔ اور
خود ان کو ٹیلیفون کیا۔ ہم ان کو ملے لیکن انہوں نے اپنی عادت کے مطابق ٹرخا دیا۔ جس
طرح آئین بناتے وقت چند ترامیم میں نے اور مولانا عبدالحکیم صاحب نے لکھ کر دی تھیں۔ جب نتیجہ
نہ نکلا تو میں اسمبلی کے بھرے اجلاس میں سوال اٹھایا۔ وہ وزیر اٹھ کر ہمارے پاس آئے اور
کہا کہ ترمیمیں منظور ہو چکی ہیں یا منظور ہوں گی۔ مگر واقعہ بالکل اس کے خلاف ہوا۔ ان باتوں پر
انتہائی افسوس ہے۔ دراصل انہوں نے عوام کا نمائندہ ہو کر عوامی رائے کی پرواہ نہیں کی۔ جس کا
نتیجہ ظاہر ہے۔ بہرحال ترامیم کے سلسلے میں آئین منظور ہونے سے ایک دن پہلے میں پرائم منسٹر سے ملا۔
اور کہا کہ آئین میں اسلام کے بارہ میں جو کچھ ہے۔ وہ اسلامی کونسل کے باب سے متعلق ہے۔ اور
(۱) اسلامی کونسل کا یہ حال ہے کہ اس میں پندرہ ممبر ہیں جن میں سے چھ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔
مگر نو ممبروں کا کیا اعتبار ہے۔ اگر غلط لوگ آجائیں تو کوئی اسلامی بات پاس نہ ہو
سکے گی۔ اس کونسل میں دس ممبر ہوں یا بارہ ہوں اور نصف علماء حق ہوں۔ (۲) دوسری بات
یہ ہے کہ اس اسلامی کونسل میں وہی بل پیش ہو سکے گا۔ جس کو اسمبلی، گورنر یا صدر روانہ کرے۔
اسمبلی نام ہے اسمبلی کی اکثریت کا۔ اگر اکثریت نہ بھیجنا چاہے تو کوئی بل مشورہ کیلئے اسلامی
کونسل کے پاس نہیں جا سکتا۔ لہٰذا بجائے ۵۱ فیصد یا پچیس یا تیس ممبران کی رائے کو معتبر قرار دیا جائے۔

اگر یہ بھیجنا چاہیں تو بل اسلامی کونسل میں پیش ہو (۲) پھر اسلامی کونسل کا مشورہ بیکار ہے۔ فیصلہ پھر بھی اسمبلی کو کرنا ہے تو اسلامی کونسل کے وجود پر فضول روپیہ خرچ ہوتا ہے بات یہ ہے کہ اسلامی کونسل کا مشورہ قطعی ہو۔ اس سلسلے میں بڑی دلیل آپ کی پارٹی کی طرف سے یہ دی جاتی ہے کہ قوم نے قانون بنانے کیلئے اسمبلی کو منتخب کیا ہے۔ اسلامی کونسل کو نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ قومی اسمبلی سپریم کورٹ کی تنخواہیں مقرر کر سکتی ہے۔ سارے ملک کیلئے قانون بنا سکتی ہے۔ اگر وہ کسی کو اسلامی کونسل کے پاس یہ کہہ کر بھیجے کہ وہ جیسے فیصلہ کرے اس کے مطابق کیا جائے۔ تو اسلامی کونسل کا فیصلہ دراصل قومی اسمبلی کا فیصلہ ہے۔ اس لیئے اسکو نافذ ہونا چاہیئے۔

اسی طرح میں نے عائلی قوانین کو مدلل طریقے سے پیش کیا کہ یہ قرآن پاک کے بالکل خلاف ہیں۔ میں نے دیکھا کہ پورا ہم منشر کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ دراصل ان پر دلائل قانون اور مجبوریت کا اثر ہوتا تھا۔ انہوں نے آئین کی غلطی کو سمجھا۔ مجھ سے فرمایا کہ تم پیرزادہ صاحب سے ملو۔ اور میں ان کو ٹیلیفون کرتا ہوں۔ انہوں نے مجھے چار بجے عصر کو بلایا۔ میں نے دلائل بیان کیئے۔ ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا البتہ عائلی قوانین کو تحفظ دینے کے سلسلے میں کہا کہ عدالت سے رجوع کر سکتے ہیں۔ حالانکہ تحفظ کے بعد یہ بات صحیح نہ تھی۔ میرا خیال ہے کہ پاس بیٹھے ہوئے دو انگریزی خوانوں نے میری تائید کی تھی۔ پھر مجھے پیرزادہ نے رخصت کیا۔ اور کہا کہ آپ کی بات ہم نے سن لی۔ دوسرے دن جب آئین پیش ہوا تو اس میں ترمیم نہ تھی۔

ایک بار میں نے اسمبلی میں تقریر کی اور کہا کہ یاد رکھو خدا کا عذاب بیٹھے دیکھ رہا ہے۔ اگر یہاں آپ لوگوں نے شریعت کا نفاذ کر دیا تو وہ عذاب ٹل جائے گا۔ ورنہ وہ اس ملک میں آئیگا۔ اسی طرح سے پانچ سال تک پردہ اور دوسری دینی اقدار کے بارہ میں میں کہتا رہا۔

مسئلہ غلامی چھڑا تو شیخ رشید صاحب ایم این اے نے اس مسئلہ کا مذاق اڑایا۔ حضرت

مولانا نعمت اللہ کو ہانی کی تقریر کا مذاق و تمسخر اڑایا۔ بعد میں بھی مخالفت کرتے رہے۔ حالانکہ قرآن و حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہے۔ لیکن کمیونسٹ اس کو نہیں مان سکتے۔

## غلامی کا مسئلہ

غلامی کا مسئلہ بھی عجیب ہے اس پر لوگ خواہ مخواہ اعتراض کرتے ہیں۔ (۱) کون مولوی کہتا ہے کہ غلام ضرور بناؤ۔ کون کہتا ہے کہ غلام اور لونڈی بنانا فرض ہے۔ یہ حکم صرف ان لوگوں کے لیئے ہے جو جنگ میں گرفتار ہو جائیں۔ وہاں بھی آپ کو اجازت ہے کہ ان کو یونہی رہا کر دیں یا فدیہ لے کر چھوڑ دیں یا قتل کر دیں یا غلام بنالیں یا اپنے قیدیوں سے تبادلہ کرلیں یا قید میں رکھ لیں۔ آپ پر تو فرض و واجب نہیں کہ آپ ان کو ضرور غلام اور لونڈی بنائیں۔

(۲) پھر یہ اس زمانے کا دستور تھا کہ جنگی قیدیوں کو یا قتل کرتے تھے یا غلام بناتے تھے۔ جو سلوک وہ ہمارے ساتھ کرنا چاہتے تھے وہی سلوک ان کے ساتھ عام رواج کے تحت جائز رکھا گیا۔ مگر مندرجہ بالا صورتیں اس میں رعایت کی رکھی گئی ہیں۔ زمانہ قدیم جنگی قیدیوں کیساتھ سخت سلوک کیا جاتا تھا۔ اسلام نے آکر اس کو نرم کر دیا۔

(۳) ایک شخص تلوار لیکر آپ پر حملہ کر کے آپ کو قتل کرنا چاہتا ہے یہ تقدیر کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر غالب کر اکر اس کو گرفتار کرا دیا۔ وہ آپ کو بلکہ آپکے ساتھ اوروں کو بھی قتل کرنا چاہتا تھا۔ اسی سے آپ پوچھیں کہ اب تم کو قتل کر دیں یا غلام بنا دیں۔ وہ بعد زاری کہیگا کہ غلام بنا دو لیکن قتل نہ کرو۔

(۴) یہ استعباد (غلام بنانا) عام آدمی کیلیئے نہیں ہے کہ کسی بھی انسان کو پکڑ کر بیچ دو یا غلام بنا ڈالو۔ بلکہ میدان جنگ میں جو گرفتار ہو جائیں صرف اور صرف ان کے لیئے حکم ہے۔

(۵) وہ بھی یہ شرط ہے کہ وہ جنگ کر رہا ہو اور آپ کو قتل کرنا چاہتا ہو۔ ورنہ امن چاہنے والوں کو جنگ میں ایک ادنیٰ مسلمان بھی امن دیدے وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

(۶) پھر یہ قیدی ذلیل نہیں سمجھے جاتے تھے۔ یہ غلام بن جانے کے بعد بھی بڑے بڑے دین

کے امام اور قوم کے مقتدا ہوئے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی صحبت میں رہ کر ان کی عادات و اطوار دیکھ کر بہترین مسلمان ہو جاتے تھے۔ اسلام ان کو دنیوی وجاہت سے ہی نہیں بلکہ اخروی نجات سے بھی ہمکنار کر دیتا تھا۔

(۷) اسلام نے کفارۂ صوم، کفارۂ ظہار اور قتل خطا میں غلاموں کی آزادی کی ترغیب دیکر آزادی کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

(۸) بلکہ غلاموں کی آزادی کو عبادت قرار دے کر اس کو محبوب مشغلہ بنایا ہے۔ اس طرح اسلام نے غلامی کو کم کرنے اور بتدریج اس کو ختم کرنے کی ترغیب دی۔

(۹) جب دو لفظوں (ایجاب و قبول) کے کہنے سے بضعہ (فرج) اور عورت حلال ہو جاتی ہے تو پورا مالک ہونے والا کیوں عورت سے فائدہ اٹھانے کا مجاز نہیں ہو سکتا۔ جب کہ عورت سے زیادہ کام استفراش کا لیا جاتا ہے۔ اسلام نے باندیوں کو بڑا درجہ دیا ہے۔ ان کے حقوق مقرر کر دیئے ہیں پھر جب باندی کا بچہ ہو جائے وہ ام ولد کہلاتی ہے اور اس کا بیچنا ممنوع ہو جاتا ہے

(۱۰) مکاتبت کر کے غلام آزاد ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ آقا اپنے غلام سے کہدے کہ اتنی رقم لادو تو تم آزاد ہو۔ ایسے غلام کو مکاتب کہتے ہیں۔

(۱۱) یوں کوئی قانون کا فائدہ اٹھا کر عیش و عشرت کا سامان کرے تو اسے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔ صدیوں سے اہل اسلام نے زمانہ کے مطابق عین شریعت کے حکم کے تحت یا قیدیوں کا تبادلہ کیا یا فدیہ لے کر یا یونہی رہا کیا ہے۔ بہر حال قتل کرنا یا غلام بنانا یہ فرض ہے نہ واجب بلکہ متبادل صورتوں کو بھی شریعت نے اختیار کیا ہے۔ اور غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب پر ترغیب دے کر مسئلہ غلامی کو بہت کمزور کر دیا ہے۔ اور یہی بات ایک معقول شریعت کی ہو سکتی ہے کہ کس طرح ایک سخت رواج کو نرم کر کے ان کی رعائتیں کر کر کے ترغیبیں دے دیکر اس کو کالعدم

کرنے کا طریقہ اختیار کیا اور امت نے صاحب شریعت کا طریقہ بھانپ کر اس کی متبادل شرعی صورتوں کو اختیار کیا۔

(۳) اب جو لوگ قرآن و حدیث میں غلاموں کو آزاد کرنے کی بہت سی آیتوں کو دیکھ کر یا حدیثیں پڑھ کر بدک جاتے ہیں ان کو غور کرکے خواہ مخواہ اپنے ایمان کو نقصان نہ پہنچانا چاہیئے۔ ان آیات سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے غلام ہوا کرتے تھے۔

**مسٹر بھٹو**

(۱) مسٹر بھٹو نے ۲۱ اپریل ۱۹۷۲ء کو قومی اسمبلی کے اندر مارشل لاء منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد وہ وزیر اعظم ہو گئے۔ ان کے مقابلہ کے لئے اپوزیشن نے مولانا نورانی کو امیدوار کھڑا کیا جس کی پارٹی کے لوگ ہمارے بزرگوں کو کافر کہتے ہیں۔ اور خود مولانا مفتی محمود صاحب کو ان کے اخلاق پر اعتراض تھا۔ ہم کیسے ایسے آدمی کو ووٹ دیتے۔

(۲) مسٹر بھٹو نے آئین بنوایا جو پہلے آئینوں سے بہتر تھا۔ جناب محمد علی صاحب سابق وزیر اعظم پاکستان کے ۱۹۵۶ء کے آئین میں مسلمان کو مرتد ہونے کی اجازت تھی اور مسلمان کی تعریف نہ تھی۔ اس آئین میں یہ خامیاں نہ تھیں مگر اور خامیاں موجود تھیں۔ جن کے خلاف ہم نے ترمیمیں دیں۔ جن پر عمل نہ ہوا۔ بہر حال یہ آئین پہلے آئینوں سے بہت بہتر تھا۔

(۳) محترم مسٹر بھٹو کی حکومت نے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اور اس سے پہلے اسلامی سربراہی کانفرنس لاہور میں کر کے جناب سید جمال الدین افغانی اور علامہ محمد اقبال کے خواب (اتحاد عالم اسلامی) کی تعبیر کی ابتداء کر دی۔ بقول بعض لیڈروں کے اگر یہ کام کسی اور نے سر انجام دیئے ہوتے تو وہ صرف ان کاموں کی وجہ سے الیکشن جیت سکتے تھے۔ مگر بھٹو کا ماتحت عملہ خود غرض اور نکما تھا۔ اور بہت سے اچھے کام بھی

ہوتے۔ مگر ان تمام کاموں پر بقول بھٹو کے بیرونی پروپیگنڈہ نے پانی پھیر دیا اور آسمان شہرت پر بہت سے ستارے چمکنے لگے۔

(۳) میرے ساتھ محترم بھٹو کی بہت بڑی زیادتی تھی۔ کہ اخبارات اور ریڈیو میں میری تقریریں صرف وہی چھپتی اور نشر ہوتی تھیں جو حکومت کے حق میں ہو سکتی تھیں۔ اور جو حصہ حکومت پر تنقید اور اسلامی شریعت کا ہوتا تھا جس سے عوام میں میری پوزیشن بلند یا صاف ہونے کا امکان تھا وہ چیز یا باتیں حذف کر دی جاتی تھیں۔ بلکہ بسا اوقات اخباروں میں میرا ایک اچھا بیان اس طرح چھاپا گیا جس سے اصل مقصد کے خلاف اثرات پیدا ہوئے۔ پھر تردید بھی نہیں چھپتی تھی۔ اپنے اخبار الجمعیت کی اشاعت محدود تھی۔ اس کو آگے مرزائی نسیم سیکرٹری اطلاعات بھی نہیں بڑھنے دیتا تھا۔ جس کے خلاف میں نے مسٹر بھٹو کو بھی کہا۔ اس زیادتی میں مسٹر بھٹو کے ساتھ اخبارات برابر کے شریک ہیں۔ آپ حیران ہوں گے کہ بلوچستان کے سرداری نظام کے خلاف جب پارلیمنٹ میں بل پیش ہوا جس میں اسمبلی اور سینٹ کے ممبران بھی شریک تھے۔ خود مسٹر بھٹو آئے ہوئے تھے گیلریاں کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں۔ میں نے اصل بل کی حمایت کی سرداری نظام کی مخالفت کی اور ساتھ ہی کہا کہ یہ اپوزیشن کہتی ہے کہ ہم اس حکومت سے مل گئے ہیں۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ہم ایسی حکومت سے مل جائیں جس کی ہر تقریب میں شراب کا دور چلتا ہے۔ ہم اس حکومت سے مل سکتے ہیں جس میں سود کا کاروبار جاری ہے۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اعلان جنگ کیا ہوا ہے۔ ہم ایسی حکومت سے مل سکتے ہیں جس میں عائلی قوانین جیسے قرآن پاک کے مخالف قوانین رائج ہوں۔ میری اس تقریر کو ملک کے مشہور اخبارات نے نہیں چھاپا۔ نہ کوئی اہمیت دی نہ یہ تقریر حکومت کے لیے مفید تھی نہ عوام میں میری حیثیت کیلئے۔ قہر درویش برجان درویش میں اپنا فرض ادا کرتا رہا۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے سیوٹرزم کی برائی میں حکومت کی تائید کی ہو۔ میرا اصل یہ تھا اور یہی ہونا چاہیے

کہ ہر حق بات کی تائید اور غلط بات کی مخالفت کی جائے۔

## مخالفت کی انتہا

یہاں تک میری جو مخالفت ہوئی کہ اپوزیشن لیڈروں نے مرزائیوں کے خلاف اپنے بل پر بعض ممبروں کے دستخط کرائے ہم نے خود بل پیش کیا یا کرنے والے تھے۔ ہم کو ان کے بل پر دستخط کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ نہ ہی یہ کوئی قاعدہ یا اصول کہ ضرور ایسا کیا جائے۔ مگر اس دستخط نہ کرنے کے خلاف کراچی سے مانسہرہ تک پروپیگنڈہ کا طوفان کھڑا کیا گیا۔

ایک پبلک جلسے میں مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب الازہری (اپوزیشن ممبر) نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ دیکھو اس بل پر کتنے آدمیوں نے دستخط کئے ہیں۔ اس پر مولوی غلام غوث اور مولوی عبدالحکیم دستخط نہیں کئے پھر الازہری نے فرمایا ان کا کیا علاج ہے۔ مطلب صاف تھا گویا قتل کی ترغیب تھی۔ اس کو مولوی عبدالحکیم نے اسمبلی میں پیش فرمایا مگر بے سود۔

اپوزیشن نے ایک بیان کتابی شکل میں اسمبلی میں داخل کیا۔ جس میں مرزا غلام احمد قادیانی دوزخی ولعین کے کفریہ خرافات درج تھے۔ جن سے سارے مسلمان واقف تھے اور سب ہی مرزائیوں کو کافر جانتے تھے صرف قانونی سقم تھا۔ پھر بڑا افسوس یہ ہے کہ اس کتاب جمعیۃ علماء اسلام کا نام نہیں تھا۔ گویا جمعیت نے پیش نہ کی تھی بلکہ اپوزیشن نے پیش کی تھی۔ پھر اس کتاب میں مرزا ناصر احمد قادیانی کے سوالوں، اعتراضات اور تنقیدوں کے جواب نہ تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ وکیل مقدمہ کیسے جیت سکتا ہے جو دوسرے وکیل کے سوالوں کا جواب نہ دے سکے۔ مگر ہم نے اپنے بل کی تائید میں جو کتاب محضر نامہ کے نام سے پیش کی اس میں مرزا ناصر کی مکمل تردید سوالوں کے جوابات دے۔ حیات مسیح اور ختم نبوت کے مسئلے پر مکمل بحث تھی۔ مرزا کے خرافات، اس کا ڈوذی پن، اسمبلی کے اختیارات، مسلمانوں کی باہمی تکفیر اور بزرگان دین کے وہ اقوال جن کو مرزائی اپنے حق میں پیش کرتے ہیں۔ اور چیلنج اور مستند حوالجات

اور مسئلہ جہاد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے سوا کسی ممبر قومی اسمبلی نے ایک سوال پیش کیا، کسی نے چار سوالات اور کسی نے چھ یا آٹھ مگر ہم نے مرزاجی کے بارہ میں دو سو بائیس (۲۲۲) سوال دیئے۔ طریقہ یہ تھا کہ جو بھی سوال کرتا وہ اپنا سوال اٹارنی جنرل کو لکھ کر دیدیتا اور وہ اپنی صوابدید پر ان میں سے جس سوال کو چاہتا پوچھتا۔ اور کسی کو سوال کرنے یا بحث کرنے کی اجازت اسمبلی میں نہ تھی۔ ورنہ ٹیزبونگ کا خطرہ تھا۔

## حضرت مولانا مفتی محمودؒ سے اختلاف

۱۹۷۲ء کے اندر ہی مجھے معلوم ہوا کہ مفتی صاحب جمعیۃ علماء اسلام کو نیشنل عوامی پارٹی کا دم چھلا بنانا چاہتے ہیں۔ میں نے اس سے علیحدہ رہنا ہی پسند کیا۔ مگر میں فیروز سنز میں بیمار تھا کہ مفتی صاحب حضرت مولانا سید گل بادشاہ، حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب اور مولانا عبداللطیف صاحب ساکنان کلاچی اور غازیان خان نواز خان کا وفد لے کر آئے۔ اور اسی رات کو بھٹو صاحب کی پارٹی سے مذاکرات میں شرکت کی دعوت دی۔ میں نے سختی سے انکار کیا، اور تقریباً دو گھنٹے اسی اصرار اور انکار میں فارغ ہو گئے۔ میں نے یہاں تک کہا کہ آپ سمجھ لیں کہ میں اب مر گیا ہوں، جمعیۃ میں دو دھڑیوں کی بدنامی نہ ہونی چاہیئے، مگر حضرت مولانا سید گل بادشاہ، نے جو صوبہ سرحد کے مجاہد عالم دین اور مودودی کے سخت خلاف تھے۔ کھڑے ہو کر مجھ سے کہا کہ جو کچھ آپ نے کہا تھا کر لیا۔ اب شان لینا چاہیئے۔ مجھے ان سے شرم آئی اور شرکت کا وعدہ کر لیا۔ لیکن اس کے بعد یوم تشکر      اور حلف وفاداری کی تقریب میں شریک نہیں ہوا۔ مگر اپنے اختلاف کو منظر عام پر نہیں لایا۔ پھر اسی عمارت فیروز سنز میں مولانا مفتی محمود صاحبؒ میرے پاس تشریف لائے۔ اور کہا کہ آج رات گورنر سرحد کا فیصلہ ہونا ہے۔ اور نیشنل عوامی پارٹی کا اصرار ہے کہ گورنر آپ بنیں۔ میں نے سختی سے روکا اور کہا کہ اختیارات اب تمام کے تمام وزیر اعلیٰ کو ملیں گے۔ اور آپ گورنر کے لیے محترم ارباب سکندر خان کا نام پیش کر دیں۔ پھر وزارت یقیناً آپ کی ہوگی۔ آپ ہی اسمبلی کے متحرم اور سینئر ہیں۔ چنانچہ ایسا

ہی ہوا۔ یہاں میں وثوق سے کہتا ہوں کہ اختلاف کا سبب کبھی میری خواہش وزارت نہیں تھی۔ اور نہ ہی کوئی مشکل بات تھی۔ اور نہ ہی یہ مقصد تھا۔ اس بات پر آپ مجھے قسم دے سکتے ہیں۔ میں جمعیت علماء اسلام کو عوامی نیشنل پارٹی کا دم چھلہ ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ نہ ہی مودودی کا اور نہ ہی نورانی کا۔ لیکن افسوس کہ میرے اس گمان میں مسلسل ترقی ہوتی گئی۔ اگر ضرورت پڑے تو میں اسکے دلائل پیش کر سکتا ہوں۔ بہرحال میرے خلاف ۳۱ اگست ۱۹۷۳ء کے ترجمان میں حضرت مولانا مفتی محمود نے اڑھائی صفحات پر مشتمل کرید و پیگنڈہ کی حد کو پہنچی کے جواب کیلئے مجھے علیحدہ ٹریکٹ شائع کرنا پڑا۔ حضرت مفتی صاحب نے ان مودودیوں سے کلی اتفاق کر لیا جن کو پہلے وہ سب کچھ کہتے تھے جو حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرات علماء دیوبند و سہارنپور، علماء بریلی و اہلحدیث، حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتویؒ، مفسر قرآن حضرت لاہوریؒ، پیر طریقت حضرت خواجہ نظام الدین تونسہ شریف، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ، حضرت مولانا قاضی عبدالسلام صاحب نوشہرہ خلیفہ حضرت تھانویؒ اور علماء اہلسنت مشرقی پاکستان وغیرہ کہتے تھے۔

آخرکار غالباً بلوچستان ہاؤس راولپنڈی میں تیرہ ایم پی اے، ایم این اے اور باقی بارہ حضرات کی میٹنگ میں ایک بیان مرتب کیا گیا جو درخواستی صاحب کو بھیجا گیا۔ اس لمبے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ جمعیت علماء اسلام کو ۱۹۷۰ء کی لائنوں پر چلائیں اور عوامی نیشنل پارٹی اور مودودیوں کا دم چھلہ نہ بننے دیں۔ ورنہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ لوگ ہمارا وجود جمعیت میں نہیں چاہتے۔ چنانچہ درخواستی صاحب سے ہمارے خلاف اعلان کرایا گیا اور ہم ایک دوسرے سے کٹ گئے اس میں اصغر خان صاحب، مودودی صاحب نورانی صاحب سے ایسا اتفاق کیا گیا کہ ان کو اپنی مساجد اور اپنے اسٹیجوں پر آنے اور بولنے کی اجازت دی گئی۔ اور شیعہ، مودودی اور بریلوی حضرات کو ربوہ کے مقابلہ میں چنیوٹ کے جلسہ میں بلایا جاتا۔ لیکن نے محترم مولانا مظہر حسین صاحب چکوال خلیفہ حضرت مدنی صدر انجمن خدام الدین اہل سنت، حضرت مولانا سید

عطاء المنعم بخاری قائم مقام امیر شریعت صدر اتحادِ اسلام حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب امام اہلسنت صدر تنظیم اہل سنت والجماعت اور جمعیت علماء اسلام (ہزاروی گروپ) کو بلانا ممنوع قرار دیا گیا۔ مجال کیا کہ کوئی ان کا مجال مدرسہ یا طادارہ اپنے جلسے میں مذکورہ بالا حضرات کو یا مجھے بلائے۔ اس کا سارا فائدہ مودودی کو پہنچا۔ اس کے خلاف کراچی سے بالاکوٹ تک زبانوں پر تالے لگ گئے۔ اور پہلے چار مودودیے قومی اسمبلی کے ممبر تھے۔ ۱۹۷۷ء کے الیکشن میں دس مودودیے کامیاب ہوئے۔ اور آئندہ ٹکٹ بڑی تعداد میں مودودیوں کو دیئے گئے۔ لیکن والے ناکامی الیکشن ملتوی ہو گیا۔ خدا کی شان کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے سارے الیکشن ایک سال کیلئے ملتوی کر دیئے اور اتحادیوں کے منہ میں جو وزارتوں کا پانی آیا تھا وہ سوکھ کر رہ گیا۔

ہم مغربی جمہوریت کے خلاف ہیں جس سے گھر گھر میں فسادات و اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہم صرف اور صرف اسلام کا شورائی نظام یا امارتِ شورائی چاہتے ہیں جس میں سارا قانون قرآن و حدیث کا ہو۔ اور وہی معنی معتبر سمجھا جائے جو صحابہ کے تشریحات اور تصریحات کے مطابق ہو کسی صحابیؓ کے خلاف لب کشائی نہ ہو۔

ہر ادارے اور پارٹی کو اپنے پروپیگنڈہ کا حق حاصل ہے۔ لیکن یہ حق کسی کو حاصل نہیں ہے کہ وہ بہت سے پبلک جلسوں میں کہے کہ جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ یا قرآن سے ثابت ہے اور عوام کو الو بنائے۔ مگر ایسا بھی کیا گیا۔ اور سوائے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کے اور کسی نے اس کا نوٹس نہیں لیا۔

**ہمارا فرض** ہمارا فرض ہے حق کہنا، حق کے ساتھ رہنا، حق کے لیئے جینا، اور حق کیلئے مرنا۔ ہم انہی مذکورہ ہستیوں کی پیروی میں اپنی نجات سمجھتے ہیں۔ اور انہی کا اتباع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم نہ اکابر امت کو کافر سمجھنے والوں کو ووٹ دے سکتے ہیں۔ نہ صحابہ کے مخالفوں کی حمایت کر سکتے ہیں اور ان سے اتحاد۔

ہم نے انگریزوں کے خلاف آزادی کی جنگ میں ہندوؤں سے تعاون کیا تھا۔ لیکن تیس سال کے عرصے میں ایک مسلمان بھی ہندو نہیں ہوا تھا۔ ہندو کھلے کافر تھے۔ اسی طرح بعض اوقات مودودی کو بلایا یا اس کی جماعت سے اشتراک کیا۔ لیکن اس وقت مودودی معلوم تھا۔ ان کا ملک میں کوئی اثر نہیں تھا۔ نہ اس کے عقائد اس طرح کھل کے سامنے آئے تھے۔ اور نہ اس نے بعض خطرناک کتابیں چھاپی تھیں۔ اب معاملہ بالکل برعکس ہے۔ ہزاروں مسلمانوں کو اسلام کے بارے میں اشتباہ ہو گیا ہے۔ اور اس اشتباہ کی ذمہ داری الحمد للہ ہم پر نہیں ہے بلکہ ہمارے مخالفین پر ہے

## گرفتاریاں اور جیل

میں دو بار جیل گیا۔ اور پانچ بار ضلع مردان سے خارج کیا گیا۔ ایک بار ضلع پشاور سے جبکہ ضلع مردان علیحدہ نہ ہوا تھا اور ہر دفعہ گرفتار کیا گیا۔ ایک بار ساہیوال میں گرفتار کر کے ضمانت کے بعد کیس چلایا۔ ایک بار تلاشی کی گئی۔ مختلف اضلاع میں داخلہ پر پابندی لگائی گئی۔ ایک بار ضلع ہوشیارپور میں گرفتاری کے بعد دس ماہ تک کیس چلایا گیا۔ ایک بار پنجاب گورنمنٹ نے گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا۔ ایک بار اکابرین کے حکم سے روپوش ہوا۔ ایک بار ضلع پشاور کے اندر مرزائی اور مرزائیت کا نام لینے پر پابندی لگائی گئی۔ جس پر حضرت مولانا مہدی زمان خان مرحوم کھلابٹی نے سرحد کونسل میں تقریر کی۔ ایک بار سنگباری ہوئی۔ دو بار قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بال بال بچا لیا درا صل موت وحیات اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ورنہ باطل فرقوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ الحمد للہ میں نے متحدہ پاکستان کے پانچوں صوبوں کے مکمل دورے کیئے۔ تبلیغی اور تنظیمی خدمات سرانجام دیں۔ لیکن ان اعمال اور اپنے اخلاص پر ذرا برابر بھروسہ نہیں۔ نہ ہی کسی عمل کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرنے کے قابل پاتا ہوں۔ صرف اس کی رحمت و فضل کا امیدوار ہوں۔ بلکہ یہ یقین ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب سے آگے بڑھی ہوئی ہے۔ اور انشاء اللہ وہ ضرور فضل فرمائیں گے۔

۱۹۶۳ء میں بیوی سمیت میں نے حج ادا کیا۔ ۱۹۶۴ء و ۱۹۶۵ء میں دوبار مصر قاہرہ موتمر عالم اسلامی میں جاکر شریک ہوا۔ دونوں بار حضرت مفتی صاحب ہمراہ تھے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری بھی شریک وفد تھے بلکہ ان کی قابلیت عربی دانی، تقویٰ وطہارت اور عام تعارف ہمارے بڑے کام آیا۔ یحییٰ خان کی صدارت کے زمانے میں مصر اور لیبیا کا دورہ کیا۔ اور حجاز سے ہوکر واپس آئے۔ انہیں کے زمانہ میں ایک بار ڈھاکہ گئے۔ شیخ مجیب الرحمٰن صاحب سے ملے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کے ساتھ اکثریت ہے۔ آپ تو وزیراعظم ہوں گے تو پھر مرکز کے اختیارات کیوں کم کرتے ہیں۔ پہلے زیادہ تھے اب ایسے وقت میں کم کرا رہے ہیں۔ اختیارات زیادہ ہوں تو آپ ان اختیارات سے اپنے بنگالی بھائیوں کو زیادہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ اس کا شیخ صاحب کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ میرے خیال میں وہ بنگلہ دیش کی آزاد حکومت کو سارے پاکستان کی وزارت عظمٰی پر ترجیح دیتے تھے۔ بہرحال وہ اپنے چھ نکات پر ڈٹے رہے۔ جن کو مغربی پاکستان نہیں مان رہا تھا۔ اور ان کو ماننے سے ہم قانوناً پانچ حصوں میں تقسیم ہو جاتے۔ جنرل یحییٰ خان نے مارشل لاء جاری کر دیا جس کے نتیجے میں خانہ جنگی پھر بھارت سے لڑائی ہو گئی۔ افسوس کہ روس نے کھلم کھلا بھارت کا ساتھ دیا۔ اور مشرقی پاکستان ہم سے جدا ہو گیا۔

## شملہ کانفرنس

قومی اسمبلی میں شملہ کانفرنس کی بات ہوئی۔ اپوزیشن نے کسی طرح نہ مانا۔ لیکن مسٹر بھٹو گیا۔ اور معاہدہ کی رو سے ترانوے ۹۳ ہزار فوج رہا ہوئی۔ اور پانچ ہزار مربع میل رقبہ پاکستان کو واپس ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں یا تو جنگ سے ہو سکتی تھیں یا گفتگو سے۔ اس کے بعد بنگلہ دیش جو ایک آزاد ملک بن گیا۔ اور شیخ مجیب الرحمٰن قتل ہو گیا۔ اور انقلاب اسلام کے نام پر لایا گیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ سارے اسلامی ملکوں میں سیاست اور جنگ و صلح میں باہمی تعاون و تناصر ہو۔

یہی ایک امید و سہارا ہے۔

ہمارا فرض ہے کہ پیپلز پارٹی کو حق کہیں۔ اتحادی پارٹی کو حق کہیں۔ محترم چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق کو حق کہیں۔ عبدالولی خان کو حق کہیں۔ مودودی کو حق کہیں۔ نورانی کو حق کہیں۔ جو برائی ہو اس کے خلاف کہیں اور جو اچھائی ہو اس کو اچھا کہیں۔ یہی علماء حق کا شیوہ رہا ہے اور رہنا چاہیئے۔ نہ کہ کسی پارٹی کا دم چھلا بن کر اسی کا ہو رہے۔ اگر مسٹر بھٹو کی بیوی بے پردہ اور ننگے سر کے پھرتی ہے تو برا کرتی ہے۔ ولی خان کی بیوی پردہ چھوڑتی ہے تو برا کرتی ہے۔ اگر مودودی کی بیوی جلوس کی راہنمائی کرتی ہے یا اصغر خان کی بیوی لیڈر بنتی ہے تو برا کرتی ہے۔ اگر کوئی بھی صحابی کی تنقیص کرتا ہے تو برا کرتا ہے۔ ان کی شان میں کف لسان (زبان بندی) کا حکم تمام اہل سنت والجماعت نے دیا ہے۔ جو پیغمبروں کی عصمت کا انکار کرتا ہے۔ وہ اہل سنت کے خلاف ہے اور جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو زبان دراز کہتا ہے۔ وہ حضرت عائشہ صدیقہ کی شان میں گستاخی کر رہا ہے۔ اور جو قرآن پاک میں اپنی رائے کو دخل دے وہ جہنم کا ایندھن بن رہا ہے۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ عام مسلمانوں کو ان سے آگاہ کریں۔ اگر کسی اتحاد سے ان باتوں کو دھکا لگے تو وہ اتحاد ناجائز ہے۔ وہ اتحاد نہیں ہے اور نہ اس دنیا میں کسی کو بچا ہے۔ خدا کی شان کہ جن کی خاطر مفتی صاحب نے اپنوں کو چھوڑا۔ انہوں نے سب سے پہلے مفتی صاحب کو چھوڑا۔ ولی خان کی بیوی نے خطرناک بیان دیا۔ مزاری نے مخالفت کی۔ نورانی سے میاں نے چھوڑا۔ اصغر خان علیحدہ ہوا۔ مودودیوں نے مفتی صاحب کو پکاہ کے بلا بھی نہ سمجھا۔ سب علیحدہ ہو گئے۔ مگر وہ سب علیحدہ ہونے مفتی صاحب نے کسی کو نہیں چھوڑا۔ مفتی صاحب یہی کہتے رہے کہ ہمارا دروازہ سب کے لیئے کھلا ہے۔ جو چاہے دوبارہ آ سکتا ہے۔ جنرل ضیاء الحق صاحب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے

نے سب کو ننگا اور بے کار کر دیا۔ اب مفتی صاحبؒ کو کہنا پڑا کہ ضیاء الحق صاحب بھٹو کے بھی باپ ثابت ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی سیاست کامیاب رہی۔ آپ سیاست میں دم مارتے تھے آپ نے کیوں دھوکہ کھایا۔ ہم جنرل ضیاء الحق صاحب کی سیاست کو کامیاب سمجھتے ہیں جنہوں نے سب لیڈروں کو شکست دی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# بطلِ حریت مجاہدِ ملّت

## حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ

سرور میواتی - لاہور - پاکستان

شیخ عالی مرتبت ، پیر ہزارہ ، مردِ حق — تونے برہم کر دیا بدعت کا نظم و نسق
دبدبے سے تیرے سنہ باطل کا ہوجاتا تھا فق — گونجتی تھی تیری محفل میں صدائے حق حق

اب وہ ساری محفلیں بے روح ہیں تیرے بغیر
وجد کی کیفیتیں مجروح ہیں تیرے بغیر

کر دیا مودودیت کا بند تونے ناطقہ — توڑ ڈالا اس کا سارا طمطراق صالحہ
سامراجی قوتوں کا تنگ کر کے قافیہ — اک بڑی حد تک کیا مرزائیت کا خاتمہ

مردِ مومن حامیٔ دیں ، عالمِ بے لوث تھا
داعیٔ حق سر بکف ، غازی غلام غوث تھا

جب خلافِ دیں کوئی تحریک اٹھتی تھی کہیں — اس کی سرکوبی کو فوراً جا پہنچتے تھے وہیں
تا دمِ آخر یہی سرگرمیاں جاری رہیں — دل میں گھبرائے کبھی سیلِ حوادث سے نہیں

وقف تھی عمر عزیز احیائے دیں کے واسطے
کر لیئے طے سب رضائے مصطفےٰؐ کے راستے

دیو استبداد کو ٹکر لگانے کے لیئے — صدقِ دل سے مجلسِ احرار میں شامل ہوئے
طے کیئے اس دور میں دار و رسن کے مرحلے — پر نہ پائے استقامت اپنے مرکز سے ہلے

جذبۂ شوقِ شہادت سے رہے ہر وقت مست
دے کے چھوڑی سامراجی بربریت کو شکست

زور پر تھا جس زمانے میں فرنگی سامراج ‏ ‏ ‏ تیری بیباکی نے اس کا کر دیا سیدھا مزاج
دور کر کے قوم سے اجداد و آبا کے رواج ‏ ‏ ‏ ہر خرابی ہر برائی کا کیا تو نے علاج

بے نیازی تیری غربت پہ سدا حاوی رہی
ذات تیری بے نواؤں کی سدا حامی رہی

کوششوں سے آپ کی اے صاحبِ ذوقِ یقین ‏ ‏ ‏ عالما اور طالبانِ دین کی تنظیمیں بنیں
آپ نے بڑھ چڑھ کر ان میں خدمتیں انجام دیں ‏ ‏ ‏ ذلک الفضل الکریم و ذالک الفوز المبین

حق تعالیٰ نے کیئے اکثر عطا جوہر تجھے
دل کی دنیا سے بھلا دیں ہم بھلا کیونکر تجھے

نفس کی موجودگی میں مصلحت کا کام کیا ‏ ‏ ‏ منجمد ہو کر اسی پہ رہ گئی فکرِ رسا
چھوڑ کر ہم مشربوں کو با دلِ ناخواستہ ‏ ‏ ‏ اک علیحدہ کر لیا تعمیر اپنا میکدہ

دوستوں سے بس اسی نکتے پہ کٹ کر رہ گئے
دو دھڑوں میں ہمدمِ دیرینہ بٹ کر رہ گئے

ایم پی اے وہ منتخب ہو کر گئے ایوان میں ‏ ‏ ‏ سبحہ بکف، ذکر بلب، عالمانہ شان میں
ہو گیا ہیجان پیدا قلزم ایمان میں ‏ ‏ ‏ مردِ مومن آ گیا ایوانِ پاکستان میں

غیر اسلامی طریقے ختم ہو کر رہ گئے
خار و خس سیلابِ حق کی رو میں آ کر بہہ گئے

مرحبا صد مرحبا تجھ کو ہزارہ کی زمین ‏ ‏ ‏ تو حقیقت میں ہے قطبوں اور غوثوں کی امین
تا ابد تیری رہے تابندہ و روشن جبین ‏ ‏ ‏ تجھ سے اٹھے ہیں غلام غوث جیسے ذی یقین

حق تعالیٰ تیری رفعت اور بھی بالا کرے
تجھ سے پھر ایسے ہی پیدا نرگس و لالہ کرے

آزمایا مشکلوں کے درمیان اکثر تجھے ـــ پارسا پایا گمان و وہم سے بڑھ کر تجھے
حق نے بخشا تھا رضا و صبر کا زیور تجھے ـــ صدق دل سے دے رہا ہے یہ دعا سرور تجھے

حق تعالیٰ تیری تربت پہ ضیا باری کرے
رحمتِ یزداں تیری غم خواری و یاری کرے

---

# مجلس احرار میں مولانا ہزارویؒ کی خدمات

تحریر:- مولانا مظفر احمد شاہ۔ مانسہرہ

جب انگریز کی حکومت میں سورج غروب نہ ہوتا تھا، اس زمانے میں انگریزوں کے خلاف کچھ کہنا اپنے آپ کو تباہی و بربادی کے غار میں دھکیلنے کے مترادف تھا۔ ایسے کٹھن وقت میں نہ صرف یہ کہ تحریک آزادی کے لیے کام کرنا شروع کیا، بلکہ اس وقت انگریزوں، خوشامدی جاگیردار، خوانین اور سرمایہ داروں کے اس ٹولے کے خلاف بھی مولانا ہزارویؒ جہاد کرنے والے قافلے کے صفِ اوّل کے رہنما تھے۔

۱۹۳۱ء کے قریب جب لاہور میں "مجلس احرار اسلام" کے نام سے ایک فعال پلیٹ فارم قائم ہوا جس میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، چودھری افضل حق، جناب شیخ حسام الدین صاحبؒ، خواجہ عبدالرحمٰن غازیؒ، مولانا داؤد غزنویؒ، مولانا مظہر علی اظہر صاحبؒ جیسی ہستیاں شامل تھیں وہاں ۱۹۳۲ء میں صوبہ سرحد سے مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب پوپلزئی مولانا خان مہدی زمان آف کھلابٹ ہری پور اور مولانا عبدالسلام صاحب آف ہری پور جیسی نامور شخصیات "مجلس احرار" میں شامل ہوئیں۔ مولانا ہزارویؒ نے آزادی کی اس جنگ میں جس سرفروشی و قربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بڑی سخت آزمائشوں میں ایک مخلص اور بے داغ کردار کے مالک رہنما کا مظاہرہ کیا۔ اسی لیے اس دور میں مولانا ہزارویؒ فخر ہزارہ کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ مولانا ہزارویؒ نے برطانوی سامراج کی آہنی زنجیروں کو توڑتے ہوئے بیشمار دلوں میں جذبہ حریت بیدار کیا۔ برصغیر میں کوئی ایسی

شہرت یافتہ کانفرنس نہیں ہوئی جس میں مولانا ہزاروی نے حصّہ نہ لیا ہو اب تفصیل سے حالات مشاہدہ فرمائیں۔

؎ کچھ سمجھ کر ہی ہوا ہوں موجِ دریا کا حریف
ورنہ میں بھی جانتا ہوں عافیت ساحل میں ہے

# آل انڈیا پولیٹیکل احرار کانفرنس سیالکوٹ

احرار رہنما ہندوستان کے کونے کونے سے ۱۰ رنومبر ۱۹۳۵ء کو سیالکوٹ پہنچے اس کانفرنس کی صدارت مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزاروی کے حصّے میں تھی۔ ریلوے اسٹیشن پر ہزاروں سرخ پوش مسلح رضاکاروں نے اپنے محبوب رہنماؤں کا خیر مقدم کیا۔ شہری عوام نے مکانوں کی چھتوں اور دکانوں کے تھڑوں پر سے احرار قائدین پر پھولوں کی بارش برسا دی۔ اس کانفرنس کے منتخب صدر مولانا غلام غوث ہزاروی کا جلوس جب سیالکوٹ کے بازاروں سے گذر رہا تھا تو یوں لگتا کہ جیسے آج یوم سعید ہے کہ ہر شہری لباس میں اجلا اور دل سے مسرت کا پیکر دکھائی دیتا ہے۔ احرار کے سرخ پرچم کوچہ و بازار میں لہرا رہے تھے۔ ان کی اداِئیں اپنے حریفوں پر خندہ زن تھیں۔ رات نماز عشاء کے بعد کانفرنس کا پہلا اجلاس تالاب شیخ مولا بخش میں صدر کانفرنس کی صدارت میں کلام پاک سے شروع ہوا۔ مولانا مظہر علی اظہر نے خطبہ استقبالیہ پڑھا جس میں سیاسیاتِ عالم پر سیر حاصل بحث تھی۔ انگریز کے خلاف احرار کا نعرہ مستانہ تھا اور احرار کی مختلف تجاویز تھیں۔ اس کے علاوہ ہر موضوع پر مفصل گفتگو تھی۔

خطبۂ استقبالیہ کے بعد احرار پولیٹیکل کانفرنس کے صدر مولانا ہزاروی رحمۃ کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

" احرار کا یہ وصف رہا ہے کہ اس نے ہر مخلص اور مخلص کارکن کو اپنے نزدیک لاکر اسے اونچے سے اونچا مقام عطا کیا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی اپنے علاقہ (ہزارہ) اور صوبہ سرحد میں اپنی گوناگوں مشکلات کے باعث مشہور ہیں۔ انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن اس پر بھی وہ گمنام رہے۔ اور وہ شہرت حاصل نہ کر سکے جس کے وہ مستحق تھے۔ مجلس احرار نے اپنی روایات کے مطابق ان کی قدر کی (لیکن ہائے افسوس جمعیت علماء اسلام نے قدر نہ کی۔ آسی) اور انہی آل انڈیا احرار پولیٹیکل کانفرنس کی صدارت کا اعزاز بخشا۔ مولانا موصوف مذہبی طور پر دیوبند سے فارغ ہیں اور سیاسی طور پر سرخپوش تحریک کے صوبہ سرحد میں قائد رہ چکے ہیں۔"

مولانا مظہر علی اظہر کی تائید میں زعیم احرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے ایک مختصر تقریر کی اور بعد میں مولانا غلام غوث ہزاروی نے کرسی صدارت سنبھالی۔ اپنے خطبۂ صدارت کے بعد کانفرنس کی کارروائی شروع کی۔ ۱۱ر نومبر ۱۹۳۵ء کا منظر قابل دید تھا۔ احرار کے پرچم کو لہرانے کی رسم ادا کی گئی۔ پنڈال کے چاروں طرف سرخ باوردی اور مسلح رضاکاروں کے چاق و چوبند دستے فوجی طریقے پر قطار اندر قطار کھڑے تھے۔ احرار بینڈ قومی دھنیں بجا رہا تھا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی نے پرچم کشائی کے بعد کہا۔ یہ جھنڈا آزادی ہند اور خدا کے نام کو بلند کرنے کا جھنڈا ہے۔ اس کو بلند کرنے سے ہم پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس کی بلندی کو قائم رکھنے کے لیے ہمیں کن قربانیوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ اس کا احساس کریں اور اس سرخ پرچم کے سایہ میں آج وعدہ کریں کہ اگر کبھی اس کی سرخی کو قائم رکھنے کے لیے خون کا آخری قطرہ بھی دینا پڑا تو اس سے دریغ نہ کریں گے۔"

(کاروانِ احرار حصہ دوم صفحہ ۳۸۹)

رسم پرچم کشائی کے موقع پر ہندوستان بھر کے علماء کرام اور سیاسی شخصیتیں موجود تھیں۔ تمام احرار زعماء نے اپنی اپنی دلی کیفیات کا اظہار کیا۔ اور وعدہ کیا کہ آزادی وطن اور اسلام کی سربلندی کے لیئے اگر قربانی کی ضرورت پڑی تو کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ اس کے بعد احرار رضاکار دول نے پریڈ کرتے ہوئے احرار کے پرچم کو سلامی دی۔ اور یوں دوسرے دن کا اجلاس ختم ہوا۔

قارئین! یہ ۱۱ر نومبر ۱۹۳۵ء کی بات ہے جس وقت احرار کا برصغیر میں طوطی بولتا تھا۔ انگریز احرار رہنماؤں کے نام سے کانپتے تھے۔ احرار برصغیر پر چھائے ہوئے تھے۔ اور بڑے بڑے کارنامے سرانجام دے چکے تھے۔ احرار میں بڑے بڑے سیاسی رہنما، دانشور، صحافی، ادیب اور خطیب موجود تھے۔ دیگر تمام جماعتوں پر "مجلس احرار اسلام" کی فوقیت تھی۔ اس وقت آل انڈیا احرار پولیٹیکل کانفرنس کی سیالکوٹ میں صدارت فرماتے ہیں۔ کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے

؎ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔

مجلس احرار اسلام میں ایک سے بڑھ کر ایک موتی خداوند قدوس نے جمع کر دیئے تھے جو اپنی مثال آپ تھے۔ اگر ایک طرف سیاسی ذہن کے لوگ اگر ہیں تو دوسری طرف صحافی، دانشور، ادیب، خطیب اور جادو بیان قسم کے مقرر جو مجمع میں تقریر کے بعد اگر حکم دے دیتے تو مجمع نہ تو آگ میں کودنے سے انکار کرتا اور نہ سمندر میں چھلانگ لگانے سے گریز کرتا۔ احرار کی جماعت سرفروشوں کی جماعت تھی۔ دین وملت کے لیئے سروں کو ہتھیلی پر لیے پھرتے تھے، اس لیئے اس جماعت میں وہی شریک ہوتا۔ ساتھ

چلتا جو مندرجہ ذیل شعر کا مصداق ہوتا۔

ے ترک جان، ترک مال، ترک سر
در طریق عشق اوّل منزل است

احرار رہنما بھی ایسے اراکین کی حوصلہ افزائی کرتے، چنانچہ سطور بالا میں آپ مولانا مظہر علی اظہر کا تعارفی خطبہ پڑھ چکے ہیں۔ چنانچہ ۱۰، ۱۱، ۱۲/ نومبر ۱۹۳۵ء میں مولانا آل انڈیا مجلس احرار کانفرنس کی صدارت فرما چکے تھے۔ لیکن اصل ذمہ داری مولانا ہزارویؒ پر ۱۹۳۶ء میں ڈالی گئی۔ جب آپ کو چند دیگر نئے شامل ہونے والوں کے ساتھ آل انڈیا احرار ورکنگ کمیٹی میں منتخب کر لیا گیا۔

مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے ساتھ یہ حضرات بھی کمیٹی میں لیئے گئے: مولانا قاضی احسان شجاع آبادی، مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ، ماسٹر تاج الدین انصاریؒ، خواجہ عبدالرحیم صاحب عاجز (مشہور پنجابی شاعر)، خان محمود علی خان رئیس کیلاش پور سہارنپور، نواب زادہ نصراللہ خان (مشہور سیاسی لیڈر پاکستان جمہوری پارٹی کے صدر، آجکل)، مولانا عبدالرحمٰن صاحب میانویؒ

(کاروانِ احرار حصّہ سوم ص۶۷)

## بٹالہ میں آل انڈیا احرار کانفرنس کا انعقاد

ے فطرت نے دیکھ کر میری طوفان نوازیاں ٭ ہر موج کو بنا دیا ساحل جگہ جگہ

مولانا غلام غوث ہزارویؒ احرار کے قافلے کے ساتھ رواں دواں تھے کہ مجلس احرارِ اسلام نے بٹالہ میں آل انڈیا احرار پولیٹیکل کانفرنس بٹالہ کا اعلان کر دیا۔ چونکہ بٹالہ قادیان سے صرف بارہ میل کے فاصلے پر تھا۔ مجلس احرار اسلام

کی گھٹی میں دو چیزیں تھیں ایک تو انگریز دشمنی، دوسرا قادیانیوں کی مخالفت۔ روزِ اوّل سے یہ دو باتیں گویا احرار کے منشور میں شامل تھیں۔ مجلس احرارِ اسلام نے ۲۳، ۲۴، ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو بٹالہ میں آل انڈیا کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ بٹالہ میں حاجی عبدالرحمٰن صاحب اور حاجی عبدالغنی صاحب شہیدؒ کا گھرانہ احرار رہنماؤں کا مرکز تھا۔ ان دونوں رہنماؤں کو خداوندِ قدوس نے دریا دلی سے نوازا تھا۔ یہ دونوں حضرات دل کے بھی غنی تھے۔ اس کانفرنس کی کامیابی میں ان کا بھی بڑا دخل تھا۔ کانفرنس کا پہلا اجلاس نمازِ عشاء کے بعد تلاوتِ کلامِ پاک سے شروع ہوا۔ اسٹیج پر صدر اور امیر مرکزیہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل حضرات بھی موجود تھے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، شیخ حسام الدین صاحب میونسپل کمشنر امرتسر، حکیم نورالدین لائلپوری، مولانا ابوالوفا اور مولانا محمد قاسم شاہجہان پوری، مولانا احمد سعید صاحب ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند، مولانا عبدالقیوم صاحب پوپلزئی پشاور اور خان محمود علی خان رئیس کیلاش پور اور مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا اسمٰعیل ذبیح کانپوری، مولانا عبدالقیوم، حاجی عبدالرحمٰن صاحب رئیس بٹالہ اور صاحبزادہ فیض الحسن صاحب آلو مہار شریف شامل تھے۔ (کاروانِ احرار حصہ سوم صفحہ ۱۸۲)

اس کانفرنس میں بھی احرار رہنماؤں نے گورنمنٹ برطانیہ کی خوب خبر لی، آزادیٔ وطن کے لئے قراردادیں پیش کیں اور انگلستان پر شدید تنقید کی مسلم لیگ سے گلے شکوے ہوئے۔ اور تحریک مسجد شہید گنج کے پس پردہ چہروں سے نقاب کشائی کی۔

## آل انڈیا مجلس احرار کی نائب صدارت

مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو ۱۹۳۴ء میں مجلس احرارِ اسلام آل انڈیا

کا نائب صدر منتخب کر لیا گیا۔ مجلس احرارِ اسلام اس وقت مختلف محاذوں پر لڑ رہی تھی۔ ایک طرف سے انگریز کے پٹھوؤں کا ٹولہ تھا۔ جو ہندوستان کی غلامی کو طول دینا چاہتا تھا۔ ان میں انگریز کے ٹوڈی جاگیرداروں (ٹوانوں) کا ٹولہ تھا۔ جن کی قیادت و سیادت سر فضل حسین، سر سکندر حیات، ٹوانے اور نون خاندان اور غداری کے سلسلے میں سکھوں اور انگریزوں سے حاصل کردہ جاگیردار طبقہ تھا۔ تو دوسری طرف پیٹ پرست پیرانِ پنجاب و مشائخ کا گروہ بھی معروف عمل تھا۔ اور اسی ٹوڈی اور جاگیردار طبقہ نے مجلس احرار کے خلاف مسجد شہید گنج کی تحریک کا ڈرامہ رچایا۔ مجلسِ احرارِ اسلام کی نظر عالمی سیاسیات کے اتار چڑھاؤ پر بھی تھی۔ فلسطین میں فلسطینی عوام پر یہودی مظالم ڈھا رہے تھے۔ ان کے حق میں مجلس احرار نے ۲۰، ۲۱ دسمبر ۱۹۳۶ء میں آل انڈیا فلسطین کانفرنس گوجرانوالہ کے مشہور مقام باغ شیرانوالہ میں منعقد کرنے کا اعلان کر دیا جس میں میرٹھ تجاویز، تحریک مسجد شہید گنج اور فلسطین جیسے اہم مسائل شامل تھے۔ مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزاروی رح اس وقت آل انڈیا مجلس احرارِ اسلام کے نائب صدر تھے۔ انہی کی صدارت میں یہ کانفرنس شروع ہوئی۔ اسی کانفرنس میں رئیس احرار چوہدری افضل حق مرحوم نے وہ تاریخی اعلان کیا تھا کہ "ہندوستان کے مسلمان کا بچہ بچہ شہید ہو جائے مگر فلسطین وطنِ یہود نہ بن سکے تو یہ سودا سستا رہے گا مہنگا نہیں پڑے گا"!

(کاروانِ احرار حصہ سوم ص ۲۱۲)

اس کانفرنس میں بہت سی تجاویز پیش ہوئیں۔ جن پر آگے چل کر جمعیت علماء ہند اور مجلس احرار نے کام کیا۔

## آل انڈیا مجلسِ احرار کانفرنس پشاور

احرار کس قدر سخت جان واقع ہوئے ہیں کہ حالات کی ناسازی اور تہی دامنی

کے باوجود طاغوتی طاقتوں سے الجھتے جارہے تھے۔ کانگریس سے بگاڑ، انگریز سے دشمنی، قادیانیت کی مخالفت، ہندوستانی مہاراجوں سے ان بن، انسانی حقوق کے تحفظ کے علمبردار۔ ہاں ایمانی طاقت اور روحانی قوت سے مسلح تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ نتائج سے بے پرواہ ہو کر آتش نمرود میں کود پڑنا ان کا شیوہ تھا۔ فوجی بھرتی کے خلاف سر بکف رحیات سے ٹکرا کر احرار کارکن اور اکثر راہنما جیل خانوں میں تھے۔ یوپی حکومت سے تحریک مدح صحابہ پر ہنوز قضیہ چل رہا تھا کہ ریاست بہاولپور سے لڑائی چھیڑ لی۔ انہی دنوں ۷، ۸، ۹ اپریل ۱۹۳۹ء کو شمال مغربی صوبہ سرحد کے مرکزی شہر پشاور میں آل انڈیا احرار کانفرنس کا اعلان کر دیا گیا۔ اس وقت ڈاکٹر خان کی حکومت تھی چونکہ یہ لوگ کانگریس کے ہم نوا تھے اس لیے احرار کو یہ لوگ پسندیدگی کی نظروں سے نہ دیکھتے تھے۔ حالانکہ ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء کو قصہ خوانی بازار میں خدائی خدمتگاروں کو انگریزی گولی لگنے سے شہادت کا جو اعزاز ملا تھا۔ احرار نے اسی کے احترام میں اپنی وردی کا رنگ سرخ کر دیا تھا۔ لیکن سیاسیات میں دوستی اور دشمنی کی عمر پر اعتبار کرنا کاغذ کی ناؤ پر دریا پار کرنے کے مترادف ہے۔ وزیرستان کے حالات کا تقاضہ تھا کہ اب کے سال احرار کا سالانہ اجلاس انہی پہاڑوں کے دامن میں ہو جنہیں انگریزی استعمار نے مسلسل بمباری سے اپنی غلامی میں لانے کی سعی کی اور لاتعداد قبائلی اس جنگ میں شہید ہوئے۔ آل انڈیا کانگریس کی پالیسی بھی یہی تھی کہ احرار اس صوبہ میں داخل نہ ہوں۔ آل انڈیا احرار کانفرنس کی ذمہ داری صوبہ سرحد کے راہنماؤں کے سر تھی احرار راہنماؤں اور کارکنوں نے شب و روز کی محنت سے اس سنگلاخ وادی میں سیاسیات کا بیج بویا۔ مندرجہ ذیل رہنماؤں نے رات دن ایک کر کے کانفرنس کے لیے

تیاری کی۔ مفتی سرحد مولانا عبدالقیوم پوپلزئی، مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، جناب مولانا حکیم عبدالسلام آف ہری پور، حاجی فقیرا خان صاحب آف ملک پورہ مانسہرہ، قاضی محمد اسلم مرحوم ایڈووکیٹ پشاور، جناب مہدی زمان خان صاحب ہری پور، مولانا میر خان ہلالی، حاجی شیخ ابراہیم جاوید پراچہ کوہاٹ وغیرہ۔ کانفرنس کا پنڈال شاہی پارک میں تعمیر کیا گیا۔ جس میں قریباً ایک لاکھ آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ قصہ خوانی بازار سے چوک یادگار تک تمام راستہ محرابوں اور خوبصورت جھنڈیوں سے سجایا گیا تھا۔ اس کانفرنس کا پہلا اجلاس ۷ اپریل ۱۹۳۹ء بعد از نماز عشاء تلاوت کلام پاک سے شروع ہوا۔ سامنے ٹھاٹھیں مارتا ہوا انسانی سروں کا سمندر تھا۔ تلاوت کے بعد احرار کے انقلابی شعراء نے اپنے اپنے کلام سے انسانی دلوں کی بھٹیوں کو خوب گرمایا۔ فرنگی حکمرانوں کے خلاف بغاوت کے شعلے بلند ہونے لگے۔ صدرِ استقبالیہ قاضی محمد اسلم صاحب نے خطبۂ استقبالیہ پڑھا۔ خطبۂ استقبالیہ کے بعد صدرِ کانفرنس چوہدری افضل حق مرحوم نے مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب پوپلزئی کی تجویز اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی تائید پر کرسی صدارت سنبھالی۔

(کاروانِ احرار حصہ چہارم ص ۸۳)

## ریاست امب کا مسئلہ

۱۸۵۸ء میں انگریزوں نے اس علاقے کو اپنے اقتدار میں لینا چاہا تو اس وقت کے تناولی قوم کے سربراہ جہانداد خان اور اس کے بیٹے اکرم خان نے انگریزوں سے تعاون کیا۔ اور جب اس علاقے پر فرنگی پرچم لہرانے لگا تو اس نے حلوائی کی دکان پر دادا جی کا فاتحہ کے طور پر دریائے سندھ کے مغربی کنارے کا یہ علاقہ جو امب کے نام سے مشہور ہے تنولی قوم کے حوالے کر دیا۔ ورنہ اس سے قبل

یہاں مختلف قبائل آباد تھے ۱۹۰۰ء کو اپر تناول ریگولیشن کے ذریعے برطانوی حکومت نے اس کو باضابطہ ریاست تسلیم کر دیا۔ یہاں سے ریاست امب اور اس کے حکمران خاندان کی عمر شروع ہوتی ہے۔ ابتداء میں تنولی قوم ایک تنظیم کے ذریعے اپنے سربراہ کا انتخاب، نیز دستور کے تحت سربراہ پر پابندی تھی کہ وہ ذاتی ملکیت میں کوئی زرعی زمین نہیں رکھے گا۔ اس کی ضروریات کا بوجھ سرکاری خزانے پر رہے گا۔ اس ضابطے کے تحت اٹھارہ سربراہوں نے قومی دستور کا احترام کیا۔ لیکن نواب اکرم خان اور نواب خان زمان خان نے اپنے آبائی قانون سے انحراف کیا۔ اور بغاوت شروع کی اور یہ رسم ختم کرنے کی کوشش کی۔ تنولی قوم نے اپنے حکمران کے اس غیر آئینی عمل کو ماننے سے انکار کر دیا۔ یہیں سے راعی اور رعایا کے درمیان تنازعہ شروع ہوا۔ اس دوران خاندانی جھگڑے بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس خاندانی جھگڑے میں مرزائیوں کا بھی دخل رہا۔ کیونکہ ۱۹۲۸ء میں امب کے ایک حکمران کو وہاں کا ایک قادیانی ڈاکٹر نذیر احمد قادیانی پوپ کے ہاتھوں بیعت کرا چکا تھا۔ ریاست میں افراتفری کی تاریخ کو یہاں سے شروع کیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ کفر تو خرمن ایمان پر بجلی گرانے کا ہر لمحہ منتظر رہتا ہے۔ ورنہ ریاست امب میں کوئی غیر قوم آباد نہ تھی۔ راعی اور رعایا ہم مذہب، ہم عقیدہ اور ہم قوم تھے۔ رعایا کا مطالبہ تھا کہ ریاست کے تمام رقبہ کا مالک صرف حکمران نہیں۔ نہ ہی اس کی ملکیت کا حق اسے حاصل ہے۔ یہ درست ہے کہ انگریز نے حکمران طبقے کی سیاسی خدمات کے صلے میں اگر کوئی اراضی دی ہے تو "تنولی" اس کی ذمہ دار نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ریاست کے حقوق مشترک ہیں اور اس میں آباد راعی رعایا برابر کے حصے دار ہیں۔ اس پر نواب امب کا مزاج برہم ہو گیا۔

اور اپنی قوم کے لوگوں کو لٹنے کے مطالبے پر جیل خانوں میں ٹھونس دیا۔ پس دیوارِ زندان بعض لوگوں کی غیر طبعی موت بھی واقع ہو گئی۔ جس پر آگ نے مزید تیزی پکڑ لی یہاں تک کہ بعض ریاستی عوام ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ مانسہرہ، ہری پور اور دیگر علاقوں کے احرار راہنماؤں اور عوام نے مہاجرین کا خیر مقدم کیا۔ یہی چنگاری سلگتے سلگتے آلاؤ کی شکل اختیار کر گئی۔ مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، حکیم مولانا عبدالسلام صاحبؒ آف ہری پور، حاجی فقیرا خان مرحوم آف ملک پور اور خان مہدی زمان خان آف کھلابٹ، پر مشتمل وفد نواب فرید خان صاحب سے ملا اور ریاست کے مسائل سلجھانے کے لیئے کہا۔ ہوتے ہوتے یہ بات صوبہ پنجاب تک بھی جا پہنچی اور پنجاب میں بھی اس کی صدائے بازگشت سنی گئی۔ اس دوران پشاور میں آل انڈیا احرار کانفرنس کا اجلاس ہو رہا تھا کہ ریاست امب کے چند ارکان کا ایک وفد پشاور پہنچا۔ احرار کے مرکزی راہنماؤں سے ملا۔ تمام واقعات، حالات ان کے گوش گذار کیئے تو احرار راہنماؤں نے تین آدمیوں کا ایک وفد ترتیب دیا۔ جو امب جا کر حقیقت حال کا جائزہ لے گا اور احرار راہنماؤں کو مفصل رپورٹ پیش کرے گا۔ اس وفد میں بھی مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ شامل تھے۔ مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے علاوہ مولانا مفتی عبدالقیوم پوپلزئی صاحبؒ صدر مجلس احرار صوبہ سرحد اور داؤ خان صاحب آف ملک پور شامل تھے۔ انہیں تاکید کی گئی کہ وہ جلد سے جلد اپنی رپورٹ پیش کریں۔

(کاروانِ احرار حصہ چہارم صفحہ ۱۲۳)

## مولانا ہزاروی کو آل انڈیا مجلس احرار کا ڈکٹیٹر نامزد کیا گیا۔

**مجلس احرار میں ڈکٹیٹروں کی نامزدگی** :۔ مجلس احرار کا یہ طریق کار تھا کہ جب وہ حکومت وقت برطانیہ کے خلاف کوئی تحریک سول نافرمانی شروع کرتی تو اس کے لیئے صوبائی ،ضلعی ، مرکزی اور ڈویژنل سطح پر ڈکٹیٹر مقرر کرتی جو تحریک کی قیادت کرتے اور موقع محل کے مطابق رضاکاروں کو ہدایات و احکامات صادر کرتے۔ جو بغیر کسی مشورے کے کام کرتے۔ جب ایک ڈکٹیٹر گرفتار ہو جاتا تو دوسرا مقرر کر دیا جاتا۔ مولانا ہزاروی کو آل انڈیا ڈکٹیٹر نامزد کیا گیا۔

آل انڈیا مجلس احرار کے ڈکٹیٹر سردار محمد شفیع ۱۱ر جنوری ۱۹۴۱ء کو دہلی کی جامع مسجد میں تقریر کرنے کی پاداش میں گرفتار کر لیئے گئے۔ دوسری جنگ عظیم کا زمانہ تھا وہ احرار کے فیصلے کے مطابق فوجی بھرتی کے خلاف تقریر کر رہے تھے۔ اس کو سامراجی طاقتیں برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ سردار محمد شفیع گرفتار کر لیئے گئے۔ احرار کی یہ بڑی خوبی تھی کہ جماعت میں خلا پیدا نہ ہونے دیتے تھے۔ سردار محمد شفیع صاحب نے گرفتاری سے قبل اپنی جگہ مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزاروی کو ڈکٹیٹر مقرر کیا۔ اور ماسٹر تاج الدین انصاری مرحوم کو سالار اعظم بنا دیا۔ مولانا ہزاروی کے لیئے یہ بڑے اعزاز کی بات تھی۔

مجلس احرار کے ڈکٹیٹر مولانا غلام غوث ہزاروی نے ۲۳ر جنوری ۱۹۴۱ء کے اخبارات میں حسب ذیل اعلان کیا۔

(۱) ماہ محرم کے احترام میں ۸ر فروری ۱۹۴۱ء تک تحریک سول نافرمانی کو ملتوی رکھا جائے۔ اور ان دنوں تنظیم کے رضاکاروں کی طرف توجہ دی جائے۔ نیز فی الحال ڈکٹیٹری نظام اور جماعت کے جمہوری نظام کو بحال سمجھا جائے۔ وار

(WAR) کونسلیں بطور خاص اپنا وقار قرار رکھیں تاکہ تحریک میں کوئی جھول محسوس نہ ہو۔

(۲) مردم شماری قریب آ رہی ہے۔ اس کی اہمیت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اگر ذرا سا تساہل برتا گیا تو اس کا اثر قوم کے مستقبل پر پڑے گا۔ لہٰذا احرار کارکنوں کو چاہیئے کہ وہ بلا امتیاز سیاسی اختلاف کے اس وقت کو ضائع نہ کریں۔ اس سلسلے میں احرار رضاکاروں کو چاہیئے کہ وہ اپنے اپنے حلقے کے علاوہ دیہاتوں اور شہروں میں پھیل جائیں۔ ہر مسلمان کو آمادہ کریں کہ وہ اپنا مذہب اسلام، قوم مسلمان اور زبان اردو لکھوائیں۔ (کاروانِ احرار حصہ پنجم صـ۲۳)

قارئین! اندازہ کیجئے کہ بابا نے جمعیت مجلسِ احرار جیسی ملک گیر جماعت میں مرکزی عہدوں پر فائز رہے۔ جب اس وقت اس جماعت میں چوٹی کے مفکر، ذہین و فطین اور برصغیر کے مانے ہوئے ذہین جمع تھے۔ ۸ر فروری کے اعلان کے بعد آل انڈیا مجلس احرار کے ڈکٹیٹر مولانا غلام غوث ہزاروی جب وہ سرحد کے دورے پر تھے گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتاری کے دوسرے روز چارسدہ کی ایک عدالت نے مولانا غلام غوث ہزاروی کو ایک سال قید محنت کی سزا سنائی اور حسین بخش ایک رضاکار کو چھ ماہ کی سزا دی گئی۔ مولانا غلام غوث کی گرفتاری کے بعد ماسٹر تاج الدین انصاری مرحوم کو مرکزی ڈکٹیٹر نامزد کیا گیا۔

(کاروانِ احرار حصہ پنجم صـ۲۴)

**مرکزی مجلس احرار کی تشکیل جدید ہ۔** ۱۹۳۱ء میں جب مجلس احرار اسلام کی تشکیل نو کی گئی تو مولانا ہزاروی اس میں بھی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی جب سے مجلسِ احرارِ اسلام میں شامل ہوئے تو اپنی خداداد قابلیت و ذہانت سے مجلس احرار کے صف اوّل کے راہنماؤں میں رہے۔ مجلس

احرار استخلاص وطن کے لیئے اپنی ہم عصر جماعتوں سے سبقت لیتی نظر آئے گی۔

؎ فطرت نے دیکھ کر میری طوفان نوازیاں
ہر موج کو بنادیا ساحل جگہ جگہ

## مجلس احرار اسلام و خدائی خدمتگار

شمال مغربی سرحدی صوبہ کے عوام خصوصاً آزاد قبائل انگریزی سامراج کے خلاف ابد سے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوئے۔ پتھریلی زمین کے سنگدل لوگ، پتھروں کی بلند چٹانوں کے نشیمنوں میں زندگی گذارنے والے آزاد فضاؤں کے آزاد شہباز انگریز کی غلامی پر موت کو ہمیشہ ترجیح دیتے رہے۔ ہمیشہ برطانوی سامراج کی توپوں، ہوائی جہازوں اور بموں کا مقابلہ کرتے رہے۔ لیکن انگریز کی اطاعت قبول نہ کی۔ " ہندوستان چھوڑ دو " تحریک میں خان عبدالغفار خان اپنے رفقاء کے ساتھ آزاد قبائل میں قبائلی باشندوں کو کانگریس کی اس تحریک کا ہمنوا بنالینے کے لیئے نکلے اور پٹھانوں سے کہا کہ آپ ہمارا ساتھ دیں لیکن لوٹ مار نہ کریں پر امن انقلاب لانے میں ہماری مدد کریں۔ ہم تشدد کے حامی نہیں ہم امن کے حامی ہیں۔ ہم انگریز کو برصغیر سے پر امن طریقہ سے چلتا کر دینا چاہتے ہیں۔ لیکن صوبہ سرحد کی مجلس احرار جس کی قیادت اس وقت مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا مفتی عبدالقیوم پوپلزئی کے ہاتھ میں تھی۔ یہ حضرات اپنی خداداد بصیرت ایمانی سے خدائی خدمتگاروں کے مخالف تھے۔ ایک تو اس سے اہل قبائل کے ڈاکو ہونے کا غلط نظریہ قائم ہوتا ہے اور انگریز اسی بہانے قبائلی علاقے پر بمباری کرتا رہتا تھا۔

۲۔ اگر اسلامی قبائل میں عدم تشدد کی تبلیغ کرنا ہے تو یہ قابل ہونے کے ساتھ خلاف شریعت بھی ہے جسے باشندگانِ قبائل نے اب تک قبول نہیں کیا۔

۳۔ پر امن انقلاب کے معنی تو یہ نہیں تھے کہ وہ آزادی پسند مجاہدین کو یہ درس

دیں کہ انگریز بمباری کرتا رہے گا، گولیاں برساتا رہے گا، لاٹھیاں چلاتا رہے لیکن تم نے تشدد نہیں کرنا بلکہ ہاتھوں کو باندھ لو اور مار کھاتے جاؤ۔ ہم تشدد کے حامی نہیں ہیں۔ احرار کا موقف یہ تھا کہ قبائل کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔

۴۔ اس سے پہلے مہمند اور آفریدی علاقے پر برطانوی حکومت بعض غداروں سے سازباز کر کے چھین چکی تھی جس میں سڑکیں وغیرہ بنائی گئی تھیں۔

۵۔ اگر سول نافرمانی یا اس کے بعد نتائج سے متاثر ہو کر آزاد قبائل انگریزوں سے جنگ شروع کر دیں تو وہ طاقت جو جاپان جرمنی خطرہ کے باعث تیار کی گئی ہے فارغ ہو جائے گی۔ ان حالات میں اگر اپنے جنگی مقاصد کی خاطر آزاد علاقے پر قبضہ کر لیں تو کیا ہو گا؟ اس میں شک نہیں کہ اس طرح ہندو کو مسلم خطرہ کے وہم سے نجات تو مل جائے گی۔ لیکن دوسری طرف آزاد قبائل کی آزادی ختم ہو جائے گی۔

۶۔ اگر عبدالغفار خان کا مقصد انگریز کو پریشان کرنا تھا تو اچھے بھلے طریقے انگریزی علاقے میں بھی ہو سکتے تھے۔ لیکن آزاد قبائل کو عدم تشدد کی تلقین کرنا ان کے آزاد اصولوں اور آزادی میں رخنہ ڈالنے کے مترادف ہو گا۔ ان حالات اور اس موقف کے پیش نظر پانچ نومبر ۱۹۴۲ء کو پشاور میں مجلس احرار صوبہ سرحد کا اجلاس مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی زیر صدارت ہوا جو رات گئے تک جاری رہا۔ آخر میں مندرجہ ذیل قرار دادیں منظور ہوئیں۔

"مجلس احرار صوبہ سرحد کی مجلس عاملہ کا یہ خصوصی اجلاس نہایت افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ خان عبدالغفار خان کی تقاریر

حکومت افغانستان اور آزاد قبائل کے بارے میں جو غلط فہمیاں و بدگمانیاں
پیدا کر رہی ہیں وہ اسلامی اخوت اور واقعات کے بالکل منافی ہیں۔
مثلاً چہنڈوں کے جلسہ میں آپ نے فرمایا کہ ہماری (کانگریس کی) حکومت
ایسی ہوگی کہ اس میں جو حال ہمارا ہوگا وہی تمہارا جو ہم کھائیں گے وہی آپ
لوگ کھائیں گے۔ افغانستان کی حکومت کی طرح نہ ہوگی کہ خود تو مزے
کریں اور رعایا بھوکوں مرے۔ نیز صوبہ کے مختلف مقامات کی تقاریر میں
آپ کا یہ فرمانا کہ اگر ہمیں کوئی خطرہ ہے تو وہ صرف آزاد قبائل کے ڈاکوؤں
اور غارتگروں سے ہے۔ اسی طرح حال ہی کے چارسدہ کیمپ میں آپ کا یہ فرمانا
کہ فقیر ایپی وغیرہ قسم کے لوگ انگریز کے اشارات پر لڑتے ہیں۔ تاکہ انگریزی
فوجوں کو اس علاقے میں فوجی ٹریننگ کا موقع ملے۔ حالانکہ آزاد اسلامی
قبائل نے سرحدی سیاسی لوگوں کی ہمدردی یا اسلامی ضرورت کے تحت انگریز
سے لڑائیاں کیں۔ جن میں ان کو بہت سے جانی و مالی نقصان بھی اٹھانے
پڑے۔ مجلس احرار اسلام کی رائے میں اس قسم کی عام تقاریر سے اہل اسلام
بہت صدمہ محسوس کرتے ہیں۔ اس لیئے ان سے خواہ مخواہ مسلمانوں کے
اندر باہم منافرت کے جذبات پرورش پاتے ہیں۔ پس یہ اجلاس نہایت
ادب کے ساتھ خان موصوف سے درخواست کرتا ہے۔ کہ ازراہ مہربانی
آئندہ ایسی دلخراش تقاریر کا سلسلہ بند کر دیں۔ مجلس احرار صوبہ سرحد
کی ورکنگ کمیٹی اس رائے کی اعلان کرتی ہے۔ کہ آزاد قبائل میں کانگریس
کی مداخلت خطرے سے خالی نہیں۔ نیز یہ اجلاس آزاد قبائل سے درخواست
کرتا ہے کہ وہ اپنا گھر درست اور اندرونی حالات کی اصلاح کریں۔
آپس کا اتحاد اور اسلام کی پابندی تمام مشکلات کا واحد علاج ہے۔

لہٰذا بیرونی اثر قبول کیے بغیر اپنے اندر یکجہتی پیدا کریں اور عالم اسلام کے مفاد کا خیال رکھیں۔ (کاروان احرار حصہ ۵ ص ۲۱۳،۲۱۲)

قارئین کرام! یہ تاریخی قرار داد بھی مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے زیر صدارت منظور ہوئی۔ جس میں احرار اسلام کا موقف پیش کیا گیا۔ آپ مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو احرار اسلام میں ہر جگہ، ہر کانفرنس، ہر سیاسی مسئلہ پہ صف اول میں ہی دیکھیں گے۔ جب ۱۹۳۱ء کو آل انڈیا مجلس احرار کی تشکیل کی گئی تو مجاہد ملت آل انڈیا مجلس احرارِ اسلام کی مجلس عاملہ وشوریٰ کے رکن نظر آئیں گے۔ اس طرح ۱۸ راگست ۱۹۴۲ء کو جب مرکزی مجلس احرار اسلام نے احرار ورکنگ کمیٹی کا اجلاس لاہور میں طلب کیا اور اعلان کیا کہ ورکنگ کمیٹی کے فیصلے تک سول نافرمانی کی تحریک کو موقوف کر دیں تو صوبائی مجلس احرار کا اجلاس پشاور میں مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی صدارت میں ہوا۔ جس نے مرکزی فیصلے کی توثیق کی کہ فی الحال سول نافرمانی کی تحریک کو صوبہ میں بھی موقوف کیا جائے۔

## یوپی میں آل انڈیا مجلس احرار کا اجلاس اور مولانا ہزارویؒ کی صدارت

۱۹۴۳ء کا سال متحدہ ہندوستان میں سیاسی الجھنوں اور جھگڑوں کا سال شمار ہوتا ہے۔ کانگریس اپنے ذہن کی نمائندگی کرتے ہوئے انگریزی استعمار کے خلاف نبرد آزما تھی۔ برطانوی حکومت جنگ میں پھنسی ہوئی تھی۔ اس کے عروج کا آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ مسلم لیگ واحد نمائندگی کی دعویدار تھی۔ انہیں جھگڑوں کے باعث انسان مذہب کی قدروں کو سبوتاژ کرتا ہوا ایسے ویرانوں کی طرف دوڑتا چلا جا رہا تھا۔ جہاں وحشت و بربریت منہ کھولے کھڑی تھی۔ اس اندھیر گردی میں مجلس احرار نے ۲۵ ر ۲۶ راپریل ۱۹۴۳ء کو سہارنپور (یوپی) میں اپنی مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد

کیا جس میں ملک بھر کے احرار رہنما، کارکن اور رضاکار شریک ہوئے۔ اس سے دو روز بیشتر ۲۳ و ۲۴ اپریل کو سہارنپور (یوپی) میں پراونشل احرار کانفرنس کا اجلاس ہو رہا تھا جس کی صدارت مولانا غلام غوث ہزاروی کر رہے تھے۔ صدر کانفرنس مولانا غلام غوث ہزاروی کا جلوس گلستان افضل حق سے سہ پہر چار بجے روانہ ہوا۔ سب سے آگے احرار کا بینڈ حریت نواز دھنوں سے دلوں کو گرما رہا تھا۔ اجلاس میں سب سے آگے ایک خوبصورت مشکی گھوڑے پر شیخ محمد اکرم صاحب سالار اعظم مجلس احرار اسلام صوبہ (یوپی) دہلی اپنی فوجی وردی میں ملبوس سوار تھے اور جلوس کی قیادت فرما رہے تھے۔ اس کے بعد مقامی و غیر مقامی احرار اسلام کے سالار گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان کے بعد پانچسو رضاکار سرخ وردی میں ملبوس مارچ پاسٹ کے انداز میں چل رہے تھے۔ اور ان کے بعد بے پناہ انسانوں کا متلاطم سمندر جو موجیں مار رہا تھا۔ اس جلوس کی قیادت زعیم احرار مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزاروی" جو پراونشل کانفرنس یوپی کی صدارت فرمارہے تھے۔ ایک شاندار بگھی میں سوار تھے۔ جس بگھی کو چار گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ اس بگھی میں حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے ہمراہ آل انڈیا احرار رضاکاروں کے سالار اعظم سردار محمد شفیع صاحبؒ، نوابزادہ محمد محمود علی خان صاحب، نواب زادہ نصراللہ خان صاحب آف مظفر گڑھ (مشہور سیاسی رہنما) تشریف فرما تھے۔ اسی بگھی میں سید عبدالرحمٰن صاحب رضوی سالار احرار امروہہ اور صوفی عبدالعزیز صابری نائب سالار سہارنپور اپنی فوجی وردی میں ملبوس ہاتھوں میں برہنہ تلواریں لئے یوں کھڑے تھے۔ جیسے کسی سربراہ مملکت کی سواری جا رہی ہے۔ اور محافظ دستہ دائیں بائیں موجود ہے۔ مولاناؒ کی بگھی کے پیچھے ہزارہا انسانوں کا بے پناہ جلوس پورے نظم و ضبط کے ساتھ چل رہا تھا۔ عوام کے ضبط و نظم کی ذمہ داریاں راؤ محمد کامل صاحب اکمل مدیر

" افضل " کے سپرد تھیں۔ اور رضا کارانہ تنظیم کو صحیح لائنوں میں رکھنے کے فرض کو نائب سالار جناب قاضی غلام حسین صاحب مسلّم و جناب حبیب الرحمٰن صاحب سالارِ اعلیٰ میرٹھ ڈویژن سرانجام دے رہے تھے۔ مجلس احرار کے رضا کارانہ تنظیم اور اعلیٰ کی ترتیب ہر دل سے خراجِ تحسین حاصل کر رہی تھی۔ جلوس مولانا ہزارویؒ کی قیادت میں گشت کرتا ہوا ٹھیک ساڑھے سات بجے شام گلستانِ افضل میں جاکر ختم ہوا۔ جلوس کی گذرگاہوں پر شہر کے بازار میں ۲۳ گیٹ رہنماؤں کے نام پر بنائے گئے۔ ان دروازوں میں باب غوث (مولانا غلام غوث ہزارویؒ)، باب مظہر (مولانا مظہر علی اظہر)، باب حبیب (مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ)، باب بخاریؒ (امیر شریعتؒ)، باب فیض (صاحبزادہ فیض الحسن)، باب عزیز (چودھری عبدالعزیز مرحوم بیگووالیہ)، باب شفیعؒ (سردار محمد شفیع مرحوم)، باب جوہر (مولانا محمد علی جوہرؒ)، باب کاظمی (یہ سید محمد کاظمی صاحب ہیں)، باب محمود (محمد محمود علی خان جو نواب تھے)، باب اکرام (یہ بھی سالار تھے)، باب مدنیؒ (حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ)، باب گل شیر (مولانا گل شیر شہید) اور بعض دوسرے رہنماؤں کے نام سے ۲۳ استقبالیہ دروازے مختلف بازاروں میں تعمیر کیئے گئے تھے۔ جلوس جوں جوں بازار سے گذر رہا تھا۔ مشتاقانِ دید نے مختلف جگہوں پر احرار رضا کاروں کی شربت، پانی اور بعض دیگر چیزوں سے تواضع کی۔ نئے بازار کے مسلمانوں نے مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ جو کانفرنس کے صدر تھے۔ اور جلوس کے قائد تھے مسلمانوں نے ایک سو روپیہ کی تھیلی پیش کی۔ اس وقت کا سو روپیہ آج کے ہزاروں روپوں سے زیادہ وقعت رکھتا تھا۔ اور کئی جگہ مولانا ہزارویؒ کو احرار کے فنڈ کے لیئے تھیلیاں پیش کی گئیں۔ محمد علی جوہر لائبریری کے صدر نے مولانا ہزارویؒ کو سپاسنامہ پیش کیا۔ راستے میں شاعر احرار عقیل اصغر امرتسری اور سعید خالدی نے ولولہ انگیز

نظمیں پڑھیں۔ مکانوں کی چھتیں اور دوکانوں کے چھجے مشتاقانِ زیارت سے اٹے پڑے تھے۔ اور قدم قدم پر مولانا ہزارویؒ اور ان کے دیگر رفقاء پر پھولوں کی بارش کی جا رہی تھی۔ اس کے علاوہ ایک اور جدید طریقہ اختیار کیا گیا تھا کہ مسلمانانِ سہارنپور نے فضائے آسمانی میں سرخ اور سبز جھنڈیاں جن پر چاند تارے بنے ہوئے تھے۔ یہ جھنڈیاں بکھیر دی گئی تھیں جو فضا میں بکھر کر عجیب سماں پیش کر رہی تھیں۔ غرضیکہ جلوس کا پروگرام اس قدر شاندار تھا کہ دیکھنے والی آنکھیں اس کی صحیح تصویر کو عرصہ تک محو نہیں کر سکتیں۔ مولانا اس جلوس میں یوں نظر آ رہے تھے جیسے کوئی بادشاہ اپنی فوج اور سپاہ کے جلوس میں رواں دواں ہے۔ رات ٹھیک دس بجے کانفرنس کا پہلا کھلا اجلاس شروع ہوا۔ افتتاحی تقریر بلبلِ گلستان بخاری حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ نے فرمائی۔ شاعرِ احرار طفیل احمد صاحب امرتسری، شاعرِ انقلاب علامہ انور صابری کی نظموں کے بعد محمد علی لائبریری کی طرف سے ایڈریس پڑھ کر سنایا گیا۔ بعد ازاں عالیجناب شیخ محمد اکرم صاحب میونسپل کمشنر و سالارِ اعظم مجلس احرار یوپی نے خطبۂ استقبالیہ ارشاد فرمایا۔ ۱۰ بجے بعد شیرِ سرحد، مجاہدِ ملت، زعیمِ احرار حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا۔ سامنے پنڈال میں انسانی سروں کا موجیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ وسیع و عریض باغ میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔

کانفرنس کا دوسرا اجلاس دوسرے روز رات کو ٹھیک ساڑھے نو بجے شروع ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت بھی مولانا ہزارویؒ فرما رہے تھے۔ تلاوتِ کلام پاک کے بعد احرار شعراء نے اپنا اپنا کلام سنایا۔ صدرِ جلسہ کی طرف سے چند تعزیتی قراردادیں پیش کی گئیں۔ یوپی پراونشل احرار سہارنپور کا یہ اجلاس مفکرِ ملت چوہدری افضل حق کی اہلیہ محترمہ، مولانا ابوالکلام آزاد، غازی منتھے خان کی والدہ محترمہ، چوہدری افضل حق صاحب

عبدالعزیز بیگھو والیہ، ماسٹر محمد شفیع لاہور کی والدہ، برادران مولانا محمد علی جالندہری کی وفات حسرت آیات پر اظہار افسوس کرتا ہے۔ اور دعا کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ مرحومین کو جنتِ فردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

تیسری قرارداد میں ایران احرار کی رہائی کے لیے کہا گیا۔ بعد آزاں ۲۵، ۲۶ کی آل انڈیا احرار اسلام کا منظور کردہ معرکۃ الآراء ریزولیشن جو پاکستان، اکھنڈ بھارت، آزاد پنجاب، حکومتِ الہیہ اور احرار اسلام کی پالیسی کے متعلق پیش کیا گیا۔ جو بالاتفاق آراء منظور ہوا۔ اس قرارداد کی تائید میں مولانا مظہر علی اظہر نے مفصل تقریر کی۔ رات کے ٹھیک دو بجے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نعرہائے تکبیر کے فلک شگاف نعروں کے ساتھ اسٹیج پر تشریف لائے اور تقریر شروع فرمائی۔ صبح چار بجے امیر شریعت کا بیان ختم ہوا۔ ۲۶ راپریل کو شام ۶½ بجے کیلاش پید ہاؤس میں پراونشل احرار کانفرنس یوپی کا اجلاس مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزاروی کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ اور مختلف قراردادیں پیش کی گئیں۔ اور مختلف مسائل پر تبادلہ خیالات ہوئے۔ اس موقع پر مرکزی مجلس احرار اسلام کا سالانہ انتخاب بھی عمل میں آیا۔ جس میں ۱۹۴۳ء و ۱۹۴۴ء کیلیے شیخ حسام الدین مرحوم کو دوبارہ آل انڈیا مجلس احرار کا صدر منتخب کر لیا گیا۔ بعد ازاں صدر نے مندرجہ ذیل عہدیداران و اراکین مرکزیہ مجلس عاملہ کو نامزد کیا۔

نائب صدر اول :۔ مولانا غلام غوث ہزاروی۔

نائب صدر دوم :۔ سید محمد احمد کاظمی (ایم۔ایل۔اے) ایڈووکیٹ الٰہ آباد ہائی کورٹ۔

جنرل سیکرٹری :۔ مولانا مظہر علی اظہر ایڈووکیٹ (ایم۔ایل۔اے) لاہور ہائی کورٹ۔

خزانچی :۔ میاں قمرالدین رئیس اچھرہ لاہور۔

اراکین عاملہ :۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، خواجہ عبدالرحیم عاجز، خان مظہر نواز خان رئیس ملتان، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، نوابزادہ نصر اللہ خان آف مظفر گڑھ، سردار محمد شفیع صاحب، صاحبزادہ فیض الحسن صاحب، آلو مہار شریف، مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب پوپلزئی سرحد، حکیم سید آل نبی فرخ آباد یوپی، خان محمود علی خان رئیس کیلاش پور، حکیم آفتاب احمد جامعی بجنور، ماسٹر تاج الدین انصاری لدھیانہ، ڈاکٹر محمد عمر صاحب سکھر (سندھ) چار سیٹیں خالی رکھی گئیں اور یہاں کی احرار کے لیئے ترانے کی منظوری دی گئی۔ جس کو فرخ آباد کے عبدالجلیل خان بی۔اے۔ ایل۔ ایل۔ بی، نے لکھا تھا جو جیوش احرار کے لیئے ترانہ کی شکل میں منظور کیا گیا۔

قارئین! مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی شخصیت کا اندازہ آپ نے بحوالہ بالا کانفرنس سے کر لیا ہوگا۔ کہ مولانا کا احرار میں کیا مقام تھا۔ آیا مولانا کو مجلس احرار اسلام جیسی منظم تنظیم نے یہ اعزاز ویسے بخشا یا مولانا ہزارویؒ میں کچھ ایسے جوہر تھے۔ جن کی وجہ سے احرار راہنماؤں نے مولانا کی پذیرائی کی۔

## دہلی احرار پراونشل کانفرنس

صوبائی کانفرنسوں کے سلسلے دوسری کانفرنس ۲۲ر اپریل سے ۲۵ر اپریل ۱۹۴۳ء تک دہلی میں منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت شیخ حسام الدین مرحوم نے فرمائی۔ ۲۵ر اپریل کو ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں صدر مرکزیہ کے علاوہ مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ بھی شامل تھے۔ ورکنگ کمیٹی نے بہت اہم فیصلے کیے جن کا تعلق ملکی سیاسیات اور جماعتی پالیسی سے تھا۔ ایک قرارداد مجاہد ملت مولانا ہزارویؒ نے بھی پیش کی جس کی تائید امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے کی۔

قرارداد حسب ذیل ہے۔

قحط بنگال کے سلسلے میں وفدِ احرار کی کارکردگی کو بنظرِ استحسان دیکھتے ہوئے عوام کو متوجہ کیا گیا۔ بنگال میں عوام کی خستہ حالی کے دور کو ختم سمجھ کر غافل نہ ہوں بلکہ وفدِ احرار نے عوام کو بھکاری بننے سے بچانے کے لیئے جو امدادی مرکز کھولنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر یہ اجلاس لوگوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اس پروگرام کی تکمیل کے لیئے مجلس احرار کا زیادہ سے زیادہ ہاتھ بٹائیں۔

(بحوالہ کاروانِ احرار ص ۴۹-۵۰ حصہ ششم)

## قادیان میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ

جولائی ۱۹۳۴ء کا ذکر ہے کہ قادیانی ثانی پوپ آنجہانی مرزا بشیر الدین لعین نے خدا جانے کس ترنگ میں آکر مجلس احرار کو قادیان آنے کی دعوت دی۔ احرار والوں کو خدا ایسا موقع دے۔ انہوں نے یہ دعوت قبول کرتے ہوئے ۲۷، ۲۸، ۲۹ اکتوبر کو قادیان کانفرنس کا اعلان کر دیا۔ اس ضمن میں جماعتی تیاریاں شروع کر دیں۔ ماتحت مجالس کو سرکلر بھیجا گیا۔ ہندوستان بھر کے علماء اور دیگر دانشوروں کو دعوت نامے ارسال کر دیئے۔ کانفرنس

کانفرنس کے لیئے پنڈال اور جگہ کا انتخاب ہو چکا تھا کہ ایوان بالا تک احرار کی للکار پہنچی تو قادیانی پوپ کی آنکھیں کھلیں جو ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس سے پہلے خود احرار کو چیلنج دے چکا تھا۔ چنانچہ قادیانی گھبرا گئے، ایوان بالا تک پہنچے دہائی دی۔ چنانچہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور نے مجلس احرار کے ضلعی جنرل سیکرٹری کو حسب ذیل نوٹس جاری کیا۔

"مجلس احرار کو دو ماہ تک کے لیئے قادیان میں یا اس سے دس میل کے گھیر میں کسی مقام پر کوئی جلسہ، کانفرنس یا کوئی اجتماع کرنے کی اجازت

نہیں، کیونکہ اس ایریا میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی ہے۔ اس کی خلاف ورزی عمل ہوگا۔"

اس سرکاری حکم پر احرار حلقوں میں سخت پریشانی ہوئی۔ حکومت کو بجائے احرار کے نوٹس دینے کے مرزائی شیطان سے بازپرس کرنی چاہیے تھی کہ اس نے مجلس احرار کو قادیان میں آنے کا چیلنج کیوں دیا۔ حکومت نے الٹا احرار کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔ ماں اپنے بچے کو کبھی برا نہیں کہتی۔ اس پر مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزاروی نائب صدر مجلس احرار ہند اور صاحبزادہ فیض الحسن، صوفی عنایت محمد پسروری نے قادیان سے آمدہ اطلاعات بابت نفاذ دفعہ ۱۴۴ کے مندرجہ ذیل بیان جاری کیا۔

"مرزا بشیرالدین نے جو چیلنج علماء دین کو دہلی میں دیا کہ بیشک قادیان میں جلسہ کرو، ہم نے مناسب سمجھا کہ حقیقت بے نقاب ہو جائے اور بعض نادان دوست جو ہر تنگ زمین دام میں پھنسے ہوئے ہیں ان کا راز کھل جانے جائے۔ چنانچہ ہندوستان بھر کے احرار سرفروش، تاجدار نبوت کے پروانے احرار کانفرنس قادیان میں پہنچنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اطراف ملک کے علماء دین اور عامۃ المسلمین اعلائے کلمۃ اللہ کے اہم اقدام فریضہ کے سلسلے میں احرار کی دعوت پر لبیک کہنے کو پروانہ وار بڑھنے لگے۔ ہم پہلے ہی جانتے تھے کہ احرار کے پہنچنے پر مرزائیوں میں بے چینی بڑھ جائے گی۔ چنانچہ جتنا جتنا احرار تبلیغی کانفرنس کا وقت قریب پہنچتا رہا قادیانی بوکھلاہٹ متواتر بڑھتی گئی۔ اب دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ نے اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے کہ خلیفہ قادیان اور مرزائی اہل اسلام کی پرامن تبلیغ کی تاب قطعاً نہیں لا سکتے اور نہ ہی حکومت ان کی حمایت سے باز آ سکتی ہے۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ قادیانیوں کے بڑے بڑے مسلم مراکز مثلاً دہلی، لاہور وغیرہ میں جلسے کرنے

کی کھلی اجازت ہے لیکن قادیان میں جہاں مسلمانوں کی کافی تعداد اور علاقہ میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ عام مسلمانوں کو جلسہ کرنے کی اجازت نہیں۔ غالباً مرزا محمود نے اسی طرح احرار کانفرنس ۲۰، ۲۱، ۲۲ اپریل ۱۹۳۴ء میں مولانا ہزارویؒ اور حکیم عبدالسلام ہزارویؒ کا دشنوں کا نشیمہ تھا۔

**ہزارہ میں فسادات** جوں جوں قیام پاکستان کی منزل قریب آتی جارہی تھی ہندو مسلم فسادات میں بھی اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر دونوں قومیں باہم دست و گریبان ہوتی جاتی تھیں۔ ایک مسلمان میر زمان نامی ساکن نگری بالا ضلع ایبٹ آباد نے ہریپور میں ایک سکھ نوجوان کو قتل کیا۔ اور اس کی بیوی مسماۃ یاسری کو جو قریب پورے دنوں کی حاملہ تھی کو ۲۵ رجنوری ۱۹۴۷ء کو خفیہ طور پر ایبٹ آباد لایا گیا اور اس کے ساتھ شادی کر لی۔ جب اس کی اطلاع ڈپٹی کمشنر ہزارہ کو ہوئی تو وہ ۱۶ر فروری کو نگری بالا علاقہ کالا باغ ایبٹ آباد میں گیا۔ اور مسماۃ یاسری کو گرفتار کر کے اپنی حراست میں پشاور لے آیا۔ ان دنوں ڈاکٹر خان صاحب کی حکومت تھی جنہوں نے اس عورت کو ان کے ورثاء کے حوالے کر دیا۔ اس ایک واقعہ نے ہریپور، ہزارہ اور سرحد میں فرقہ وارانہ فسادات کو ابھارا۔ جھگڑا تو اسی وقت ختم ہو گیا جب عورت ورثاء کے حوالے کر دی گئی تھی لیکن ہیرو کریسی نے اس آگ کو اتنی ہوا دی کہ سارے صوبے کا امن تباہ ہو گیا۔ سرحد مسلم لیگ نے بھی اسی بنیاد پر صوبائی وزارت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔ مغویہ کے عدالتی بیان کے بعد کہ مجھے زبردستی اغواء کر کے میرا نکاح میر زمان سے کر دیا گیا۔ مگر میں اپنے سکھ دھرم پر قائم ہوں۔ اصولاً اس کے بعد بات ختم ہو چکی تھی۔ لیکن قربان جائیے قربان جانے والوں کے کہ بات کا ایسا بتنگڑ بنا کر افسانے کو حقیقت بنا کر رکھ دیا۔ ہریپور کے

واقعہ کی بنیاد مذہب پر تھی اس میں آزاد قبائل بھی ملوث ہو گئے۔ انگریز چونکہ قبائل سے شکست پر شکست کھا چکا تھا اور کھا رہا تھا اس واقعہ سے اس کو مزید بہانہ ملا کہ وہ آزاد قبائل پر بمباری کرے اور نہ ہی ہندوستان کی عبوری حکومت نے اس طرف فوراً توجہ دی۔ اقتدار کی بھوکی جماعتیں آنکھیں بند کر خاموش رہیں، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ آخر ۱۰ جنوری کو آل انڈیا مجلس احرار کے رہنما مولینا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی، مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزاروی، حکیم عبدالسلام ہزاروی، نواب زادہ نصراللہ خان صاحب نے عبوری حکومت کو اس طرف مبذول کرتے ہوئے اپنے مشترکہ بیان میں کہا:

"صوبہ سرحد میں ضلع ہزارہ کی حدود پر جو فسادات رونما ہوئے وہ برطانوی حکومت کے مقامی ایجنٹوں کی شہ پر ہوئے جو دراصل ملوکیت کو استحکام دینے کے لیے برپا کئے گئے۔ ان کا منشاء انگریز کی فارورڈ پالیسی کے جواز کا فتویٰ کانگریس اور مسلم لیگ کی مشترکہ گورنمنٹ سے حاصل کیا جائے۔ ثانیاً اس تشدد کے رد عمل سے جو ملک کے باقی حصوں میں رونما ہو گا اس سے ہندو مسلم تعلقات کو ہمیشہ کے لیے تلخ بنا دیا جائے۔ پنڈت جواہر لعل نہرو اور انٹریم گورنمنٹ کے تمام ممبران کو انتہائی احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ اگر آزاد قبائل کے علاقہ میں بمباری کی گئی تو کسی قسم کی پیش قدمی کرکے انہیں دبا دیا گیا تو اس کا نتیجہ ہندو مسلم فسادات کے علاوہ سیاسی اعتبار سے بھی ملک کے لیے تباہ کن ثابت ہو گا۔ آزاد قبائل کو بھی سوچ لینا چاہیئے کہ فساد کرانے والے ان کے دوست نہیں بلکہ وہ انگریز کے نمائندے ہیں۔ جو چند غیر مسلموں کو قتل کروا کر قبائل کی آزادی کو انگریزی فوجیوں کے ذریعے ہمیشہ کے لیے ختم کرانا چاہتے ہیں آزاد قبائل کی یہ غلطی خود انہیں کے علاوہ اور مجموعی طور پر اسلامی مفاد کو تباہ کر دینے کا باعث ہو گا۔

رہنمایان مسلم لیگ پریس اور پلیٹ فارم کے ذریعے آزاد قبائل کی ہمدردی کا اظہار کرتے رہے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اسلامی نفاذ کے سنتری کی حیثیت سے عبوری حکومت میں داخل ہوئے ہیں۔ اس لیے عبوری حکومت میں ان کے نمائندوں کی موجودگی میں اگر آزاد قبائل کی آزادی سلب ہوئی یا ان کے جان و مال کو تباہ کر دیا گیا۔ تو وہ ملت کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ اس لیے انہیں یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ صوبہ سرحد میں ہندو مسلم فضا خوشگوار رہے تاکہ فسادات کے نتائج کے طور پر آزاد قبائل پر یہ تباہیاں اور ہلاکتیں نازل نہ ہوں۔ ہم مجلس احرار کی طرف سے پنڈت نہرو اور ان کے رفیقوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ حکومت برطانیہ کی فارورڈ پالیسی کو قائم کریں۔

احرار رہنماؤں کے بیانات کے بعد مرکزی اسمبلی میں ۲۰ر فروری کو حکومت ہند نے واقعات ہزارہ پر سوچ وچار کی ابتداء میں کابینہ میں خیال پیش کیا گیا کہ قبائل پر بمباری کی جائے۔ لیکن احرار رہنما اور دیگر رہنماؤں کے احتجاج پر ہزارہ کے حادثہ کے سلسلہ میں قبائل پر بمباری کرنے کا خیال ترک کر دیا گیا۔

(بحوالہ کاروان احرار حصہ ہشتم ص ۲۴۲،۲۴۳)

قارئین کرام! مندرجہ بالا قرار داد کو آپ نے پڑھ لیا ہو گا کہ مجلس نے کس طرح اپنی پالیسی بیان کی اور مرکزی پالیسی بیان مرتب کرنے میں مجاہد ملت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کا کتنا بڑا حصہ تھا۔ مولانا ہزاروی جب تک احرار میں رہے ہر کانفرنس، ہر معاملے میں سرفہرست رہے اس لیے کہ خالق ارض و سما نے مولانا ہزاروی کو ایسی خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا تھا اور ساتھ ساتھ ایمانی بصیرت کا بھی دخل تھا اور قلندروں کی جماعت کا ساتھ اور رفاقت جن کی نظر میں عالمی سیاسی اندرونی ہتھکنڈوں کا احاطہ ہر وقت کیئے رکھتیں۔

پھر جب ۳۰ اپریل ۱۹۳۶ء کو جنرل کونسل مجلس احرار اسلام ہند کا اہم اجلاس لاہور میں میاں محمد رفیع صاحب ایم ایل اے رئیس اچھرہ کی کوٹھی پر بلایا گیا تو مولانا ہزاروی وہاں بھی حضرت امیر شریعت کے ساتھ موجود ہیں۔ اسی طرح جب کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے برطانوی پلان پر غور و خوض کے لیئے اپنی اپنی مجالس عاملہ کے اجلاس طلب کیئے تو مجلس احرار اسلام نے بھی آل انڈیا مجلس احرار کا ایک اہم اجلاس مرکزی مجالس عاملہ کے اراکین کا اجلاس طلب کیا۔ جس میں مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مفتی سرحد مولانا عبدالقیوم پوپلزئی، حکیم عبدالسلام ہزارویؒ، نوابزادہ نصراللہ خان صاحب، شیخ حسام الدین مرحوم، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، آغا عبدالکریم شورش، خواجہ عبدالرحیم عاجز، مولانا محمد علی جالندہری، صاحبزادہ فیض الحسن مرحوم، ماسٹر تاج الدین انصاری وغیرہ شامل تھے۔

۱۹۳۰ء میں عملاً سیاست میں آئے اور کانگریس میں شامل ہوئے۔ استخلاص وطن میں شمولیت اختیار کر لی اور جدوجہد آزادی میں مشغول ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی قید و بند کی صعوبتوں کا آغاز ہو گیا۔ ۱۹۳۱ء میں آپ گرفتار ہوئے۔ خدائی خدمتگاروں کی تحریک صوبہ سرحد میں جاری تھی کہ اسی میں گرفتار ہوئے اور ایک سال قید کی سزا ہوئی ۱۹۳۲ء میں رہا ہوئے۔

؎ سربام بھی پکارا لب دار بھی صدا دی :- میں کہاں کہاں نہ پہنچا تیری دید کی لگن میں

۱۹۳۵ء تک آپ خدائی خدمت گار، احرار اسلام اور جمعیت علماء ہند تینوں جماعتوں سے منسلک رہے۔ لیکن آپ کی اس وقت تک کی خدمت زیادہ تر مجلس احرار اسلام سے وابستہ تھیں، بنہایت جانفشانی، اخلاص سے جد وجہد آزادی مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور اسلام کی سربلندی کے لیئے کوشاں رہے ۱۹۳۶ء میں پشاور میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ صدر جمعیت علماء ہند کی صدارت میں شریعت کانفرنس منعقد

ہوئی۔ اس کانفرنس کی کامیابی کے لیے حضرت ہزاروی نے بڑی محنت اور دلچسپی سے کام کیا اور اسی کانفرنس کے نتیجے میں شریعت ایکٹ بنا اور عورتوں کے حقوق وراثت تسلیم ہوئے۔ نیز خلع، طلاق وغیرہ مسائل شریعت کے مطابق ہونا قرار پایا۔ اس سلسلے میں بعض علماء کرام بھی شہید ہوئے۔ عورتوں کے حقوق میں آواز اٹھانے والوں میں مولانا ہزارویؒ سرفہرست تھے۔ اس کانفرنس کے اختتام پر ہی مولانا ہزارویؒ مجلس احرار میں شامل ہوئے۔ دوسری جنگِ عظیم جب شروع ہوئی تو حضرت ہزارویؒ انگریزی فوج میں بھرتی کے خلاف سول نافرمانی کرتے ہوئے پابندِ سلاسل کر دیا گیا۔ ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۰ء تک مولانا نے بڑی تکلیفیں اور صعوبتیں اٹھائیں۔ نہایت ہی صبر آزما تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن آپ کے استقلال میں ذرا برابر بھی جنبش نہ ہوئی۔

حضرت مولانا ہزارویؒ کی سیاسی زندگی کا آغاز ۱۹۳۱ء میں ہوا۔ انگریزی سامراج سے ٹکر لی۔ اور سفاک انگریز کے کالے قانون کے تحت ۱۹۳۲ء کا پورا سال مولاناؒ نے جیل میں گذارا۔ ۱۹۳۳ء میں انگریز کے خود کاشتہ پودے قادیانیت کے خلاف نبرد آزما ہوئے۔ ۱۹۳۹ء میں جنگ عظیم شروع ہوئی۔ جمعیت کے رہنماؤں نے اپنے سابقہ اور موجودہ موقف کے مطابق انگریزی فوج میں بھرتی کی سخت مخالفت کی جسے حکومت برداشت نہ کر سکی اور جمعیت کے زعماء کی گرفتاریاں شروع کر دیں۔ مجلس احرار نے فوجی بھرتی کے خلاف تحریک سول نافرمانی کا آغاز کر دیا۔ جبکہ مسلم لیگ اور کانگریس نے کوئی واضح فیصلہ نہ کیا۔ اور گومگوں کی پالیسی اختیار کی۔ تحریک سول نافرمانی میں حصہ لینے کی پاداش میں مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۹۴۲ء کا پورا سال پس دیوار زنداں گذارا۔

۱۹۳۴ء میں انگریز نے اپنے خود کاشتہ پودے قادیانیت کو دھن، دھونس، اور دھاندلی سے پروان چڑھانے کا قطعی فیصلہ کر لیا تھا۔ ان دنوں انگریز اپنے

خلاف بات برداشت کرلیتا تھا مگر مرزائیت کے خلاف بات بالکل برداشت نہ کرتا تھا۔ نوشہرہ ضلع پشاور میں مولانا ہزاروی ؒ نے مرزائیت کے خلاف تقریر کی۔ گرفتار ہوکر انگریز اسسٹنٹ کمشنر نوشہرہ کی عدالت میں لائے گئے۔ اس بدفطرت گورے کی یہ عادت تھی کہ جب عدالت میں ملزم اس کے سامنے لایا جاتا تو وہ پہلے ہی آنکھیں نکال کر اور چیخ کر دو چار گالیاں سنا دیتا۔ مطلب یہ ہوتا تھا کہ ملزم پہلے ہی اس کی گھن گرج سے مرعوب ہوکر عدالت میں لب کشائی کی سکت ختم یا کمزور کر بیٹھے۔ مولانا جب اس کے سامنے پہنچے تو وہ مولانا ؒ کے مزاج سے واقف نہ تھا۔ اپنی عادت بد کے مطابق اس نے چلا کر مولانا ؒ سے کہا۔

"ٹم بہت بڈمعاش ہے۔ ٹم ہر جگہ فساڈ کرٹا ہے۔ ہم ٹم کو سیڈھا کرٹا ہے۔"

مولانا نے بڑے تحمل سے اس کو مخاطب کیا کہ جناب یہ عدالت ہے اور عدالت کا احترام سب پر ضروری ہے جو ہم تو ضرور کریں گے لیکن قانونی طریقہ یہ ہے کہ وکیل استغاثہ پیش کرتا ہے۔ مگر یہاں تو آپ خود اپنی عدالت کی توہین کر رہے ہیں۔ اب مولانا نے ہوبہو اس کی نقل اتار کر اس طرح منہ بگاڑ اور چیخنے کی طرز بنا کر اس سے بھی زوردار آواز میں کہا۔ "ٹم بہت بڈمعاش ہے۔ ٹم ہر جگہ فساڈ کرٹا ہے" عدالت میں تمام حاضرین مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ جب مجمع ذرا سنجیدہ ہوا تو مولانا دوبارہ پھر کہا عجیب بات ہے کہ آپ نے مقدمہ پیش ہونے سے پہلے ہی ڈگری دے دی۔ کہ "ٹم بہت بڈمعاش ہے۔ ٹم ہر جگہ فساڈ کرٹا ہے ہم ٹم کو سیڈھا کرٹا ہے" عدالت میں پھر وہی قہقہے سنائی دیئے۔ اس غیر متوقع اور ناگہانی

صورتحال سے اس نے بدحواس ہو کر کہا ۔ جاؤ ایک سال قید ۔ مولانا نے کہا شکریہ اور پولیس کے ساتھ جیل چلے گئے۔

مشہور قومی کارکن ملک پیر بخش خان صاحب مرحوم وکیل پشاور کو جب یہ تفصیل معلوم ہوئی تو اس نے مولانا کی طرف سے اپیل دائر کر دی اور موقف یہ اختیار کیا کہ مجسٹریٹ نے سرکاری وکیل کے استغاثہ پیش کرنے اور استغاثہ کی شہادتیں پیش ہونے اور جواب دعوی صفائی کی شہادتیں اور پھر دو طرفہ وکیلوں کی بحث ہونے سے پہلے ہی سزا کیوں سنا دی۔ معاملہ صاف تھا۔ ایک ہفتہ کے اندر ہی مولانا بری ہو کر رہا ہو گئے۔

# مرثیہ

## مجاہد ملت شہباز حریت حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ
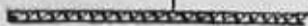
چل بسا تو بھی اے غلام غوث
وعدہ اللہ سے وفا کر کے

سربلندی ہوئی نصیب تجھے
سرفروشی کا حق ادا کر کے

جا بسا آپ خلد میں ہم کو
درد فرقت میں مبتلا کر کے

مار کر ایک نعرہ "یاہو"
رکھ دیا کفر کو فنا کر کے

خرمن کفر میں لگا دی آگ
باغ اسلام کا ہرا کر کے

جوش ڈالا نبی کی الفت کا
درد سے دل کو آشنا کر کے

تو نے دکھلا دیا زمانے کو
تھے جو چھوٹے انہیں بڑا کر کے

ڈر نکالا دلوں سے باطل کا
حق کا اظہار برملا کر کے

مشکلیں مومنوں کی حل کر دیں
ماسوائے خدا کر کے

گل کیا تو نے قادیاں کا چراغ
روشن ایمان کا "دیا" کر کے

تیرے اعداء کی ناؤ ڈوب گئی
تو نے چھوڑا اسے تباہ کر کے

تجھ کو بخشی گئی حیات ابد
جان اسلام پر فدا کر کے

تیری عزت میں چار چاند لگے
جان و دل نذر مصطفےٰ کر کے

تیرے احباب ہو چلے رخصت
تیری بخشش کی التجا کر کے

پیشکش: قاضی شمس الدین درویش

# مولانا ہزارویؒ قادیانیوں کے تعاقب میں

(مرتب: مولانا سید منظور احمد شاہ، مانسہرہ)

۱۹۳۲ء کا پورا سال مولانا ہزارویؒ نے جیل میں گذارا اور ۱۹۳۳ء کو رہا ہوئے۔ اس رہائی کے بعد مولانا ہزاروی کو معلوم ہوا کہ قصبہ زیدہ ضلع مردان میں قادیانی خوانین کا اس قدر رعب ہے کہ ہر شخص مجبور ہے کہ وہ مرزا قادیانی کو لازماً "حضرت مرزا صاحب" کہے۔ مولانا ہزارویؒ کو پتہ چلا تو آپ جہانگیرہ کے علاوہ اپنے دیرینہ رفیق حضرت مولانا عبدالحنان صاحب فاضل دیوبند جیدی ہزاروی وغیرہ کو ساتھ لے کر زیدہ پہنچے۔ گاؤں کے ایک طرف مسلمان پٹھانوں کی شاخ کے چار پانچ گھر آباد تھے اور ان کی ایک چھوٹی مسجد بھی تھی۔ پہلے مولانا نے ان کی رگ ایمانی کو متحرک کیا۔ اور آمادہ کیا کہ وہ اپنی مسجد میں جلسہ کرنے کی اجازت دیں۔ چنانچہ زیدہ کا فرعون صفت قادیانی خان بہادر عجب خان آفریدی مجسٹریٹ پستول بھر لایا اور مسجد میں عین ممبر کے سامنے پستول ہاتھ میں تھام کر بیٹھ گیا۔ مولانا ہزارویؒ نے تقریر شروع کی اور اپنی تقریر کے شباب میں پہنچے تو اپنا سینہ ننگا کر کے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ مرزا قادیانی کافر اور مرتد ہے۔ جو اس کو مسلمان مانے وہ بھی کافر اور مرتد ہے۔ اس پر عجب خان نے بولنا چاہا تو عوام میں شور مچ گیا۔ نتیجہ میں مرزائی بھاگ نکلے اس پر پر جوش نعرے لگے۔ اور اللہ کے فضل سے میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ پھر وہاں اہل زیدہ نے متفقہ فیصلہ کیا کہ آئندہ مرزائیوں کو ہم مسلمانوں نے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیں گے۔ اتفاقاً ایسا ہوا کہ دو چار روز میں مرزائیوں کا ایک بچہ مر گیا۔ تمام مسلمان ڈٹ گئے کہ ہم قبرستان میں دفن نہ ہونے دیں گے۔ اس بچے کی مرزائی باپ نے اپنے کھیت میں قبر کھودنی چاہی تو اس کے دوسرے مسلمان بھائی مزاحم ہوئے کہ یہ کھیت تو مشترکہ

ہے۔ پہلے تقسیم کی درخواست دے کر حسب ضابطہ تقسیم کروا پھر اپنے حصۂ زمین میں دفن کرو۔ چنانچہ علاقہ کے مرزائی جمع ہونے اور اپنے ذاتی کھیت میں خود ہی قبر کھودی اور اپنی میت کو خود ہی دفن کیا پھر اس کے بعد اس پورے علاقے میں قادیانیت کے خلاف کھلم کھلا فضا صاف ہو گئی۔

## مرزائی مناظر کو شکست فاش

۱۹۳۶ء میں مرزائیوں نے عظیم تیاریوں کے بعد اپنے مایہ ناز مناظر اللہ دتہ جالندھری کو کاغان فتح کرنے کے لیئے بھیجا۔ مانسہرہ کے بڑے بڑے مرزائی خان بہادروں، ڈاکٹروں اور وکیلوں کی فوج اس کے ہمراہ تھی۔ اب اللہ دتہ نے دیہاتی امام مسجدوں کو للکارنا شروع کیا۔ خوب لن ترانیاں ہانکیں۔ اب دیہاتی امام بے چارے اللہ دتہ جیسے چھٹے اور منجھے ہوئے عیار و تیز و طرار مناظر کا کیا مقابلہ کرتے۔ نتیجے میں میدان ہر جگہ اللہ دتہ کے ہاتھ رہا۔ اب مسلمانوں کو اپنے ایمان کی فکر ہوئی۔ مولانا قاضی محمد یونس صاحب فاضل دیوبند بالاکوٹ سے دو ساتھیوں کے ہمراہ لبفہ پہنچے۔ مولانا کے سامنے صورتحال تھی۔ یہ وہ نازک وقت تھا کہ مولانا کے لخت جگر زین العابدین کو موت کی آخری ہچکیاں آرہی تھیں۔ مولانا نے تھوڑی دیر حسب عادت غور کیا اور پھر فرمایا کہ آپ ٹھہریں میں گھر سے کتابیں وغیرہ لے کر آتا ہوں۔ اور بالاکوٹ چلتے ہیں۔ اندر جاکر کتابیں باندھنے لگے تو اہلیہ محترمہ نے پوچھا کہ کدھر جارہے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ میں بلاکنڈ جارہا ہوں۔ اہلیہ نے فرمایا کہ زین العابدین کی حالت کو دیکھنے کے بعد بھی جارہے ہیں۔ جو چند ساعتوں کا مہمان نظر آرہا ہے۔ فرمایا کہ ادھر زین العابدین کی بات ہے ادھر امت محمدیہ کے ایمان کی بات ہے۔ لاکھوں زین العابدین آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم قدموں پر قربان ہوں۔ یہ کہہ کر مولانا گھر سے کتابیں لے کر نکل پڑے۔ جب لبفہ کے اڈے پر پہنچے تو پیچھے سے اطلاع آئی کہ زین العابدین اپنے رب سے

لاحق ہوگیا۔ واپس تشریف لے آئے اور تجہیز و تکفین کے بعد چلے جائیں۔ لیکن اس استقامت کے پہاڑ کی بات ہی نرالی ہے۔ یہاں سے تو اکابرین کے عشق رسول کا پتہ چلتا ہے۔ جو ان کو سرکارِ مدنی صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا تو جب یہ اطلاع آئی کہ زین العابدین فوت ہوگیا ہے تو قارئین اندازہ کرسکتے ہیں کہ کتنے بڑے دل گردے کی بات ہے اور عشق مصطفےٰ ؐ کا امتحان بھی ہے۔ زبان سے عشق مصطفےٰ ؐ کرنا تو آسان ہے لیکن عشق کو ثابت کرنا مشکل ہے۔ ایسے عاشق مصطفےٰ ؐ بھی موجود ہیں جو اسٹیجوں پر لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں لیکن جب ناموس رسالت پر جان دینے کا وقت آتا ہے تو پھر سنتِ نبوی کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ لیکن ایک عاشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کو جب پتہ چلا کہ بیٹا فوت ہوگیا ہے تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اور فرمایا جنازہ فرض کفایہ ہے۔ اس کا کفن دفن کردیا میں ناموس رسالت کے تحفظ کیلئے جارہا ہوں۔ اب واپس نہیں آسکتا۔ احباب دل پر ہاتھ رکھ کر ذرا سوچیں اس وقت دل کی کیا کیفیت ہوگی۔ چنانچہ مولانا بالاکوٹ پہنچے۔ اللہ دتہ جالندھری (مرتد) کو للکارا اور پہلے ہی مناظرے میں لاجواب کیا۔ وہاں سے ایسا بھاگا کہ قادیاں جاکر دم لیا۔ "جان بچی سو لاکھوں پائے لوٹ کے بدھو گھر کو آئے" کا مصداق ہوگیا۔

## جسے رب رکھے اسے کون چکھے

حق تعالیٰ سبحانہ نے حضور علیہ السلام کو بے دھڑک تبلیغ کا حکم دینے کے لیے "واللہ یعصمک من الناس" کا وعدہ فرماکر آپ کی حفاظت بھی کی اور جو انبیاء کے صحیح جانشین ہیں اور ان کے ساتھ بھی حق تعالیٰ شانہ یونہی کرتے ہیں۔ مولانا ہزاروی ۱۹۵۳ء میں آخر تک گرفتار نہیں ہوسکے۔ روپوشی کی حالت میں قیادت فرماتے رہے۔ جب ۱۹۵۳ء

میں لاہور میں مارشل لاء نافذ ہوا تو پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو حکومت کی اعلیٰ
کمان نے حکم دیا کہ مولانا ہزاروی جہاں ملیں انہیں گولی ماردی جائے ۔ مرکزی وزیر
مواصلات اس مجلس میں موجود تھے ۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے یہ سابق صدر
جنرل محمد ایوب خان کے بھائی تھے ۔ جب ہری پور پہنچے تو قاضی شمس الدین آف
درویش کو بلایا اور نہایت فکرمندی سے ساری بات ان کے گوش گذار کردی ۔
کہ ہر قیمت پر مولانا ہزاروی کی حفاظت کی جائے ۔ اگر ممکن ہو تو بیرون ملک فرار
کرادیا جائے ۔ خدا کی حفاظت مولانا ہزارویؒ کے شامل حال رہی ۔ مولانا ہزاروی
تو محفوظ رہے اگرچہ سو گھڑ قسم کے مخبرین نے پاکستان کا کونہ کونہ چھان مارا
لیکن ان کا پتہ نہ چلا سکے ، بلکہ مولانا تحریک کی مکمل طور پر قیادت کرتے رہے ۔
اور پھر خدائی شان کبریائی ملاحظہ ہو کہ مولانا کا تو کوئی بال بیکا بھی نہ کرسکا ۔ البتہ
جس نے یہ فیصلہ کیا تھا اس کو خداوند قدوس نے قاہرہ کے مشہور ہوائی حادثہ
میں جلا کر بھسم کردیا ۔ صَدَقَ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ”من عاد لی
ولیًا فقد اٰذنتہٗ بالحرب “

مولانا کی روپوشی کا مخالفتاً سوائے دو تین آدمیوں کے کسی کو پتہ نہ تھا ۔ اس
روپوشی میں حضرت ہزارویؒ کے دیرینہ رفیق کار حضرت مولانا قاضی شمس الدین
آف درویش ہری پور کی نگرانی میں بھی ۔ اس وقت سرحوتی سرگودھا ڈویژن کے
اندر ایک گنجان جنگل کے اندر ایک گمنام جھونپڑے میں یہ زمانہ بسر کیا ۔ اور
فرضی نام مولوی غلام نبی کشمیری رکھا گیا ۔ وہاں سے مولانا لاہور اور ملک کے دیگر
حصوں میں تحریک ختم نبوت کے جیالوں کے نام مولوی غلام نبی کشمیری کے عنوان
سے اطلاعات و ہدایات بھیجتے تھے ۔

یہ فیصلہ کرنے والا کہ مولانا ہزاروی جہاں ملیں گولی ماردی جائے جنرل ضیاء الدین

تھا جو اس وقت ڈیفنس کا سیکرٹری تھا جس کو خداوند قدوس نے قاہرہ میں ہوائی حادثے میں عبرتناک موت سے ہمکنار کیا۔

## قرارداد نہیں بل پیش کیجئے

۱۹۷۴ء میں جب قادیانیوں کے خلاف تحریک ختم نبوت چلی تو جمہوری متحدہ محاذ نے ایک قرارداد پیش کی۔ اس قرارداد پر ۳۷ ممبران قومی اسمبلی نے دستخط کیے۔ جب دستخط کرنے کے لیے مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے پاس لائی گئی تو مولانا ہزارویؒ نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ فرمایا کہ اسمبلی میں پارلیمانی اصولوں کے مطابق قرارداد کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اگر قرارداد پاس بھی ہو جائے تو وہ قانون کا حصہ نہیں بنتی بلکہ اسمبلی میں بل پیش کرنا چاہیئے۔

چنانچہ مولانا ہزاروی نے ایک بل مرتب فرمایا جس پر مولانا عبدالحق صاحب بلوچستانی ایم این اے اور مولانا عبدالحکیم صاحب ایم این اے سے بھی دستخط لیے اور وہ بل اسمبلی میں پیش کر دیا۔ چنانچہ مولانا ہزاروی کے پیش کردہ بل پر ہی اسمبلی میں قادیانی مسئلہ پر بحث شروع ہوئی جس کا فیصلہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو ہوا۔ جو بل مولانا ہزارویؒ نے قومی اسمبلی میں پیش کیا۔ اس بل کا نام "غیر مسلم اقلیت بل" تھا۔ اس میں شک نہیں کہ قومی اسمبلی میں علماء کرام نے قادیانیت کے خلاف زبردست معرکہ لڑا۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ اور دیگر اکابرین نے اسمبلی میں نہایت جرأت ایمانی اور جانفشانی سے کام کیا۔ حضرت مفتی صاحب کو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت" اور مجلس عمل ختم نبوت" اور اپوزیشن ممبران اسمبلی کا بھی تعاون حاصل تھا۔ دوسری طرف مولانا غلام غوث ہزارویؒ اکیلے قادیانیت کے خلاف معروف عمل تھے۔ حضرت مفتی صاحب اسمبلی میں ہر کارروائی فرماتے تھے۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کا مکمل تعاون حاصل کردہ، جب کہ حوالہ جات مولانا سمیع الحق صاحب لے کر

جسٹس مولانا تقی عثمانی صاحب اور مولانا عبدالرحیم اشعر صاحب اس کا مسودہ تیار کر کے مفتی صاحب کو دیتے اور حضرت مفتی صاحب اسمبلی میں جرح فرماتے۔

تحریکِ ختم نبوت کے دوران مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی یہ کیفیت تھی کہ اکیلے ساری رات جاگتے۔ کتابوں کا ڈھیر ارد گرد ہوتا۔ حوالے تلاش کرتے ان کو مرتب کرتے اور رات کا اکثر حصہ جاگتے رہتے۔ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب جو حضرت کے خدام میں سے ہیں کہتے ہیں کہ اکثر و بیشتر جب ہم کھانا لاتے تو بالکل ٹھنڈا ہو جاتا۔ لیکن حضرت توجہ نہ فرماتے۔ مولانا عبدالحکیم صاحب نے مجھے بتایا کہ ایک رات کو ایسا ہوا کہ مولانا ہزارویؒ نمازِ عشاء کے بعد بیٹھے اور ساری رات کتابوں سے حوالے تلاش کرتے رہے یہاں تک کہ صبح کی اذان کی آواز آئی تو میں حیران رہ گیا۔

## جوابِ محضرنامہ

قادیانیوں کے سربراہ مرزا ناصر احمد نے قومی اسمبلی میں ۲۲ جولائی ۱۹۷۴ء کو ایک محضرنامہ داخل کیا جس میں مختلف قسم کے سوالات اٹھائے۔ حضرت مولانا ہزارویؒ نے بھی اس کا جواب اسمبلی میں داخل کیا۔ جس کا نام جوابِ محضرنامہ تھا۔ یہ دو سو ساٹھ صفحات پر مشتمل مولانا ہزارویؒ کا عظیم شاہکار ہے۔ یہ مولانا ہزارویؒ نے اکیلے مرتب فرمایا کسی جماعت کا تعاون مولانا ہزارویؒ کو حاصل نہ تھا۔ قومی اسمبلی کی کاروائی میں قادیانیوں کے خلاف سب سے زیادہ سوالات (۲۲۵) دو سو پچیس کی تعداد میں قادیانیوں پر کیے۔ حضرت مفتی صاحب اور باقی ارکانِ اسمبلی کے وہ جوابات اگر جمع کیے جائیں تو ایک سو کے لگ بھگ ہوں گے۔ لیکن مولانا ہزارویؒ نے جو سوالات اٹھائے ان کی تعداد دو سو پچیس ہے۔ اس طرح مرزائیوں کی لاہوری جماعت کے خلاف مولانا ہزارویؒ نے الگ محضرنامہ داخل فرمایا۔ مولانا ہزارویؒ نے اپنے محضرنامے میں مسئلہ حیاتِ مسیحؑ پر جو عالمانہ محققانہ بحث فرمائی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

یہ مولانا کا عظیم کارنامہ ہے اور پڑھنے کے قابل ہے۔ صفحہ ۱۶۷ سے صفحہ ۲۳۸ تک مولانا نے مسئلہ حیات مسیح ؑ کی تشریح فرمائی ہے۔ قرآن پاک، احادیث نبویہ، علماء متقدمین و متاخرین کے اقوال اور سائنس اور عقل کی روشنی میں مولانا نے حیات مسیح ؑ کا مسئلہ حل فرمایا ہے۔

قادیانیوں کے نزدیک یہ بڑا معرکۃ الآراء مسئلہ ہے۔ مولانا نے نہایت خوش اسلوبی سے حل فرمایا ہے۔ مولانا ہزاروی ؒ کی ان خدمات کا اعتراف قائد جمعیت حضرت مفتی صاحب نے بھی کھلے دل سے فرمایا ہے۔ اور کہا:

"بھائی! مولانا غلام غوث ہزاروی ؒ ساری زندگی مجلس احرار اسلام میں رہے۔ قادیانیت کے خلاف مناظرے اور علمی بحث و مباحثوں میں حصہ لیتے رہے۔ اور قادیانی مبلغین کو بھگاتے رہے اور قادیانیت کے خلاف عملی اور علمی جہاد میں معروف رہے۔ مجھے کب وقت ملا میں تو درس و تدریس میں معروف رہا۔ اس لئے حضرت ہزاروی ؒ کی ہم پر قادیانی مسئلہ میں فوقیت ہے۔"

اسمبلی میں مولانا ہزاروی ؒ نے محضرنامہ داخل فرمایا۔ اس کو مولانا عبد الحکیم صاحب نے مسلسل آٹھ گھنٹے تک اول تا آخر پڑھا۔ ممبران اسمبلی سنتے رہے۔ مولانا ہزاروی چونکہ کمزور بھی تھے اور مسلسل کام کر کے تھک چکے تھے۔ اور نیز مولانا ہزاروی ؒ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ چھوٹوں کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ مولانا کے اٹھائے گئے سوالات کو اس وقت کے اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار صاحب پڑھ کر سناتے اور مرزائی نمائندے اس کا جواب دیتے۔ دیگر ممبران اسمبلی نے بھی "ملت اسلامیہ کے موقف" کے نام سے بھی محضرنامہ پیش کیا۔ لیکن اس میں خارجی اور قادیانیوں کے بارے میں سیاسی معلومات زیادہ ہیں۔

---

# حضرت مولانا غلام غوث وزیر اعظم بھٹو کو سمجھاتے رہے۔

اسمبلی میں جتنی کارروائی ہوئی وہ مولانا ہزاروی کے پیش کردہ بل پر ہوئی۔ یہ ساری باتیں ریکارڈ میں موجود ہیں۔ مولانا عبدالحکیم صاحب کہتے ہیں کہ چھ ستمبر ۱۹۷۴ء کو حضرت ہزاروی نے مجھے فون پر حکم دیا کہ بھائی گاڑی تیار کر کے رکھنا۔ شام کو پرائم منسٹر مسٹر بھٹو سے ملنے جائیں گے۔ اسمبلی کے اندر تو ہم نے اتمام حجت کر دیا ہے۔ اب بالمشافہ بات کریں گے۔ وقت میں نے لے لیا ہے۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں کہ شام کو ہم تین آدمی مسٹر بھٹو کے پاس گئے۔ ایک تو مولانا ہزارویؒ تھے، دوسرا میں اور تیسرے مولانا عبدالحق صاحب بلوچستانی تھے۔ چنانچہ جب ہم بھٹو صاحب کے ہاں پہنچے تو مولانا ہزاروی نے قادیانیوں کے بارے میں تمام مذہبی تجزیے پیش کیے۔ تمام حالات مفصل گوش گذار کیے۔ اور آخر میں فرمایا بھٹو صاحب اب آپ کی آزمائش اور امتحان کا وقت ہے۔ ناموس رسالت کے لیے اگر تم یہ فیصلہ کر دو تو خدا و مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی راضی ہوں گے اور عوام بھی خوش ہو جائیں گے۔ تمہارے لیے دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی ہو گی۔ بھٹو صاحب سنتے رہے اور کہا مولانا آپ درست فرماتے ہیں۔ لیکن میری کچھ مجبوریاں ہیں۔ تمام بیرونی حکومتوں کا دباؤ ہے۔ اس کا مجھے ہی علم ہے۔

قارئین! آپ کو ایک ضمنی واقعہ بتاتا چلوں۔ جب ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت چل رہی تھی تو اس کے بعد جب تحقیقاتی عدالت میں اس وقت کے وزیر اعظم ناظم الدین کو عدالتی بیان کے لیے بلایا گیا تو ایک جج نے سوال کیا کہ آپ نے مرزائیوں کو قوم کے مطالبے کے باوجود غیر مسلم اقلیت کیوں نہیں قرار دیا۔ تو وزیر اعظم نے عدالت میں کہا کہ اگر میں ان کو غیر مسلم قرار دیتا تو امریکہ ہمیں ایک دانہ گندم

بھی نہ دے۔ یہ بیان غیر تحقیقاتی رپورٹ میں موجود ہے۔ تو بھٹو صاحب نے بار بار یہ کہا کہ مولانا میں مجبور ہوں۔ مجھ پر بہت دباؤ ہے تو مولانا نے جوش میں آکر فرمایا: بھٹو صاحب! لعنت بھیجیں بیرونی دباؤ پر۔ آپ اپنے رب کو راضی کریں۔ خدا کی مدد آپکے شامل حال ہو گی۔ خدا پر بھروسہ رکھیں۔ مولانا یہ باتیں کچھ ایسے انداز میں کہیں کہ بھٹو صاحب پر سکتہ طاری ہو گیا اور تین چار منٹ بالکل خاموش آسمان کی طرف دیکھتے رہے اور اس کے بعد کہا اچھا مولانا آپ میرے لیے دعا کریں۔ خداوند قدوس مجھے توفیق دے۔ مولانا بار بار اصرار فرماتے رہے اور مولانا نے دوران گفتگو یہ بھی فرمایا کہ بھٹو صاحب آپ ذہین اور بڑے مدبر آدمی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ پارلیمانی شو شہ چھوڑ کر گڑبڑ نہ کرادیں۔ ہم اس مسئلہ کا مکمل حل چاہتے ہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالحکیم فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے ہی بھٹو صاحب نے اپنا ملٹری سیکرٹری طلب کیا۔ ہماری موجودگی میں چاروں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ سے رابطہ کرکے ان کو حکم دیا کہ آپ راتوں رات اپنے علاقوں کے قومی اسمبلی کے ممبران سے کہیں کہ صبح ۶ ستمبر کو قومی اسمبلی کے اجلاس میں فوراً پہنچیں کوئی ممبر رہ نہ جائے چونکہ آئین میں ترمیم کا مسئلہ ہے۔ اس لیے تمام ممبران سے رابطہ کریں۔ اس کی شہادت بھی پیش کر دوں۔ ۶ ستمبر کو جب قومی اسمبلی میں ممبران اسمبلی دو، تین تین منٹ تقریریں کر رہے تھے تو عبدالولی خان نے اپنی تقریر میں کہا، میں تو نہیں آرہا تھا لیکن مجھے کمشنر پشاور ڈویژن نے مجبور کیا کہ وزیراعظم کا حکم ہے کہ تمام ممبران شریک ہوں۔ اس لیے چلا آیا۔ یہ بات قومی اسمبلی کے ریکارڈ میں آج بھی موجود ہے۔ تو اس سے اندازہ کریں کہ بھٹو صاحب نے ممبران اسمبلی کو جبراً بلایا ورنہ اگر صرف اپوزیشن ممبران کی بات ہوتی تو وہ صرف تیس ۳۰ تھے۔ ترمیم تو اتنے ممبران سے نہ ہو سکتی تھی۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران جب مارشل لا کا نفاذ ہوا تو ہزاروں ختم نبوت کے پروانے گرفتار ہو گئے۔ اور بقول فیروز خان نون دس ہزار افراد لاہور میں شہید ہو گئے۔ چند ایک کے سوا تمام قائدین گرفتار ہوئے مولانا ہزارویؒ کے بارے میں فیصلہ ہوا کہ جہاں ملیں انہیں گولی مار دی جائے۔ حضرت ہزارویؒ نے زیر زمین رہ کر تحریک کی قیادت کی اور رضا کاروں کے نام ہدایات لاہور میں بھیجتے رہے۔

**مشاہرہ لینے سے انکار** حضرت مولانا محمد علی جالندھری ڈسپلن اور انتظام کے انتہائی پابند تھے۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں حضرت ہزارویؒ کا ایک صد روپیہ ماہانہ مشاہرہ مقرر تھا۔ اور تمام مشاہرہ تحریک کے اختتام پر جب حضرت ہزارویؒ سامنے آئے۔ روپوشی ترک کی تو حضرت جالندھریؒ نے جو بائیس صد (۲۲۰۰) روپیہ بنتا تھا حضرت ہزارویؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ مولانا ہزارویؒ نے سخت ضرورت کے تحت صرف تین روپے اٹھا لیے۔ باقی رقم یہ کہہ کر واپس کر دی کہ وقت پاس ہو گیا اب ضرورت نہیں ہے۔ اللہ اکبر ایسی شان استغناء کہاں ہو گی۔

**قادیانیت کا تعاقب** قاسم ازل نے شاید کہ اکابرین علماء دیو بند کا خمیر تیار کرتے وقت ان میں انگریز دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی یہی وجہ ہے کہ سامراج کے خلاف نفرت ان میں بھری ہوئی تھی۔ اور "لعنت بر پدر فرنگ" ان کا نعرہ مستانہ تھا۔ اور انگریزی گماشتوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ انہی میں قادیانی ٹولہ بھی شامل ہے۔ جس کو انگریز نے اپنی ضرورت کے لیے کھڑا کیا۔ چنانچہ مولانا ہزارویؒ نے مجلس احرار اسلام کے اسٹیج سے پورے برصغیر میں قادیانیت کا تعاقب کیا۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت سے پہلے مرزائیوں کا یہ حال تھا کہ پاکستانی وزیر خارجہ آنجہانی سر ظفر اللہ مرزائی تھا۔ اور مغربی طاقتوں کا آلہ کار تھا۔ خود خواجہ ناظم الدین

نے منیر انکوائری کمیشن کے سامنے کہا تھا کہ اگر سر ظفر اللہ کو وزارت خارجہ کے عہدے سے برطرف کر دیتا تو امریکہ ہمیں گندم کا ایک دانہ بھی نہ دیتا۔ آخر کیا وجہ ہے؟ نیز مولانا ہزارویؒ اور مجلس احرار اسلام کے دیگر اکابرین نے مرزائیوں کی سرگرمیوں کا نوٹس لیا تو حکومت کے ذمہ دار بے بس ہو گئے۔ سردار عبدالرب نشتر کو جب مولانا غلام غوث ہزارویؒ مرزائی سرگرمیوں سے آگاہ کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ اور تمام احوال اس کے گوش گذار کیے تو بہت تلملایا لیکن مولانا ہزارویؒ نے اسے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ یہ جنوری ۱۹۵۲ء کا واقعہ ہے۔

۱۸،۱۶ مئی ۱۹۵۲ء کو جہانگیر پارک کراچی میں قادیانیوں نے ایک کھلے جلسۂ عام کا اہتمام کیا۔ سر ظفر اللہ قادیانی کو مہمانِ خصوصی کے طور پر مدعو کیا گیا۔ خواجہ ناظم الدین مرحوم نے ظفر اللہ خان کو بہت روکا کہ اس جلسہ میں نہ جاؤ۔ عوام میں شدید ردِعمل ہوگا لیکن ظفر اللہ خان نہ مانا۔ بلکہ یہاں تک کہا کہ وزارت خارجہ سے میں استعفیٰ دے دوں گا لیکن جلسہ میں شرکت کرنے سے باز نہیں آ سکتا۔ چنانچہ وہ جلسہ میں شامل بھی ہوا۔ صدارت بھی کی اور تقریر بھی کی۔ عوام میں شدید اشتعال پیدا ہوا۔ چنانچہ امیر شریعتؒ اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور دیگر اکابرین کے ساتھ مختلف جگہوں پر اجلاس منعقد کیے۔ میٹنگیں بلائی گئیں۔ سب سے پہلے کراچی میں آل پارٹیز کنونشن منعقد ہوا۔ اس کے بعد دوسرا آل مسلم پارٹیز کنونشن ۱۳ رجولائی کو برکت علی محمڈن ہال لاہور میں بلایا گیا۔ اس کی تمام تر ذمہ داری مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ پر تھی۔ دعوت نامہ مولانا ہزارویؒ نے جاری فرمایا۔ دیگر مندرجہ ذیل حضرات کے دستخط بھی تھے۔

مولانا غلام محمد ترنم، مولانا مفتی محمد حسن صاحب، مولانا احمد علی لاہوری صاحب، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا سید داؤد غزنوی، مولانا سید ابوالحسنات شاہ بخاریؒ،

اور سید مظفر علی شمسی صاحب۔

اسی لاہور کے کنونشن میں تیس کے قریب قریب تمام مکاتب فکر مجلس عمل تحفظ ختم نبوت قائم کی گئی۔ اور تین مطالبات حکومت کے سامنے رکھے گئے۔

۱۔ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ سر ظفر اللہ خان کو وزیر خارجہ کے عہدے سے الگ کیا جائے۔

۳۔ قادیانیوں کو کلیدی آسامیوں سے برطرف کیا جائے۔

چنانچہ پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔ لاہور میں مارشل لاء نافذ ہوا۔ مولانا ہزارویؒ کے بارے میں فیصلہ ہوا کہ ان کو دیکھتے ہی گولی مار دی جائے۔ چونکہ مولانا روپوش ہو کر بھی تحریک کی قیادت فرما رہے تھے۔ حکومت حیران تھی۔ مولانا کے دستخطوں احکام مرکزی قیادت کے ہوتے۔ حکومت تمام تر کوششوں کے باوجود کھوج نہ لگا سکی۔ اس کی تفصیل آپ کو اسی کتاب میں دوسری جگہ مل جائے گا۔

**مانسہرہ میں قادیانیوں کا ناطقہ بند کر دیا** مولانا غلام غوث ہزاروی اگر برصغیر کے علاوہ ہزارہ میں اگر مرزائیت کا تعاقب نہ کرتے تو مانسہرہ کے بڑے بڑے سواتی خان قادیانیت کی گود میں چلے جاتے۔ ایک وہ وقت تھا کہ سواتی خاندان کے بڑے خانوں نے مولانا غلام غوث ہزاروی کو مرکزی جامع مسجد میں محض اس لیے تقریر نہ کرنے کی اجازت دی اور مسجد سے نکال دیا کہ مولانا ہزاروی مرزائیوں کے خلاف سخت بولتے ہیں۔ لیکن مولانا نے ہمت نہ ہاری اور نہ ہی کسی خان سے ڈرے، اپنا مشن جاری رکھا۔ ایک وقت میں مشہور قادیانی خان بہادر غلام ربانی خان جن کی شادی سواتی خاندان میں ہوئی تھی جب کہ ان کے والد مطیع اللہ کشمیری تھے نے چیف آف سواتی بننے کا ارادہ کیا اس کے لیے باقاعدہ جلسہ بلایا اور گئی

میں تقریب منعقد ہوئی جس میں سواتی خاندان کی سربرآوردہ شخصیات شامل تھیں۔ مولانا ہزارویؒ کو پتہ چلا تو آپ دو رفقاء کار جناب خان عبدالقیوم خان مرحوم آف سفیدہ اور فقیرا خان صاحب ملک پورے سے رابطہ قائم کرکے دونوں حضرات کو سمجھا کر بھیجدیا۔ اور فرمایا کہ میں بھی پیچھے آرہا ہوں۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات جب وہاں پہنچے انہوں نے اسٹیج پر چڑھ کر تقاریر بھی کیں اور یہ بھی کہا کہ چیف آف سواتی وہ شخص ہونا چاہیئے جو پڑھا لکھا ہو اور مسلمان بھی ہو۔ اس کے عقائد بھی مسلمانوں جیسے ہوں۔ چنانچہ غلام ربانی قادیانی نے وہاں سے کھسکنے میں عافیت سمجھی۔ اور یوں ان کا یہ منصوبہ ناکام ہوا۔ خود غلام ربانی خان صاحب کا بیان تھا کہ میں دو دفعہ وزیر اعظم کا پرائیویٹ سیکرٹری بنتے بنتے اس لئے رہ گیا کہ مولانا ہزارویؒ اس میں آڑے آگئے۔

**مولانا ہزاروی نے مسٹر بھٹو سے کام لیا** حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی سیاسی بصیرت کا یہ عالم تھا کہ آنے والے خطرات کو بہت پہلے بھانپ لیتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۷۳ء کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین ترتیب دیا جارہا تھا۔ مولانا ہزارویؒ اور مولانا مفتی محمود صاحبان رحمہما اللہ نے آئین میں یہ ترمیم کروائی کہ صدرِ مملکت اور وزیراعظم وہ حلف اٹھائیں گے جو شیڈول ۱۹۷۳ء آئین سے پاکستان میں درج ہیں۔ اور صدر اور وزیراعظم کے لیئے یہ لازم ہوگا کہ وہ مسلمان ہوں اللہ کو پروردگار اور قرآن پر ایمان اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی سمجھتے ہوں۔ ختم نبوت کا اقرار کریں۔ بالفاظ دیگر قصرِ صدارت اور پرائم منسٹر ہاؤس کے دروازے ان بزرگوں نے مرزائیوں اور غیر مسلموں کے لیئے ہمیشہ کے لیئے بند کردیئے۔ اور مرزائی اس شق سے گھبرا اٹھے۔ اندر اندر تلملانے لگے۔ دوسرا کام مولانا ہزارویؒ نے یہ کیا کہ اسلم قریشی جنہوں نے ایم ایم۔ احمد پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ اور ان کو فوجی عدالت

نے پندرہ سال قید بامشقت سزا دی تھی جب بھٹو صاحب برسراقتدار آئے تو اس کی سزا معاف کرائی اور رہا کرایا۔ اور اسلم قریشی دو سال آٹھ مہینے پندرہ دن سزا کاٹ کر رہا ہو گئے۔

ایک کام یہ بھی کیا کہ جنرل ٹکا خان جو کہ چیف آف آرمی سٹاف تھا۔ ان کی مدت ملازمت پوری ہو چکی تھی۔ اور اس کے بعد جس جنرل نے یہ عہدہ سنبھالنا تھا وہ قادیانی تھا۔ مولانا ہزارویؒ نے مسٹر بھٹو سے کہا کہ آپ جنرل ٹکا خان کی مدت ملازمت میں ہی توسیع کر دیں تاکہ قادیانی کمانڈر نہ بن جائے۔ چنانچہ بھٹو صاحب نے ایسا ہی کیا۔ مشہور قادیانی ایم۔ایم۔احمد جو پاکستان کا اقتصادی مشیر تھا اور مرزا قادیانی لعین کا پوتا ہے۔ مولانا ہزارویؒ نے مسٹر بھٹو سے فرمایا کہ اس کو نکال دو۔ چنانچہ اس کو نکال دیا گیا۔ مشہور قادیانی ایئر مارشل ظفر چوہدری جو کہ کٹر قادیانی تھا۔ اور اس نے قادیانیوں کے سالانہ جلسہ میں مرزا ناصر کو فضائیہ سے سلامی دی۔ مولانا ہزارویؒ نے مسٹر بھٹو مرحوم سے فرمایا کہ اس کو سبکدوش کر دو۔ چنانچہ اس کو فوراً ریٹائر کر دیا گیا۔

۱۹۷۴ء میں تحریک ختم نبوت کے دوران مولانا ہزارویؒ اور مسٹر بھٹو صاحب طویل ملاقاتیں کرتے رہے۔ بیگم نصرت بھٹو کو سمجھاتے رہے اور بالآخر انہیں قائل بھی کیا۔ مولانا عبدالحکیم صاحب کے انٹرویو میں تفصیل موجود ہے۔ تحریک ختم نبوت کے دوران ایک طرف مولانا ہزاروی اکیلے قادیانیوں کے تحریری جواب کرتے رہے۔ جب کہ دوسری طرف حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے ساتھ بیسیوں آدمی مصروف کار تھے۔ لیکن جو محضرنامہ حضرت ہزارویؒ نے تیار کیا وہ اس محضرنامے سے بدرجہا بہتر تھا۔ جو کہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے تعاون سے دوسرے علماء نے تیار کیا۔

# تحریک ختم نبوت میں مولانا ہزاروی رحمہ کی روپوشی اور قیادت

۱۹۵۳ء میں قادیانیوں کے خلاف تحریک چلی تو مجلس عمل کے تمام قائدین گرفتار کر لیئے۔ جب فوج نے مسجد وزیر خان میں سینکڑوں مسلمانوں کو شہید کیا تو حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی بھی مسجد میں موجود تھے۔ کسی طرح باہر نکلے تو حضرت لاہوری کے فرزند مولانا حافظ حمید اللہ صاحب نے دیکھا اور حضرت لاہوری اور دیگر اکابرین کا پیغام دیا کہ مولانا ہزاروی گرفتاری سے بچیں اور تحریک کو تیز کریں۔ اس وقت لاہور میں مارشل لاء لگ چکا تھا اور اس وقت کے سیکرٹری دفاع نے اعلیٰ حکام سے اجازت لے کر یہ حکم دے دیا تھا کہ ہزاروی صاحب جہاں ملیں گولی مار دی جائے۔ مولانا ہزاروی تو لاہور سے نکل گئے لیکن تحریک کی قیادت اسی طرح فرماتے رہے کہ مولانا ہزاروی جہاں اس زمانے میں روپوش تھے۔ ان صوفی صاحب مدظلہ کا انٹرویو جو قاری عبدالرحیم صاحب آف واپڈا کالونی کنڈیاں نے قلم بند کیا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیئے حاضر ہے۔

مولانا ہزاروی جس جگہ روپوش رہے اس جگہ کا نام "سجاد کا ڈیرہ" ہے۔ صوفی احمد یار صاحب کا پھوپی زاد بھائی اور بہنوئی ہے۔ اور وہیں صوفی صاحب کی اپنی ذاتی تین مربع زمین بھی ہے۔ اس تعلق کی وجہ سے صوفی صاحب نے مولانا ہزاروی کو وہاں ٹھہرایا۔

۲۔ مولانا مرحوم آٹھ نو ماہ کم وبیش وہاں رہے۔

۳۔ وہاں مولانا ہزاروی کو اس عنوان سے رکھا گیا تھا کہ بچوں کی تعلیم کے لیئے صوفی صاحب لائے ہیں۔ بچوں کو پڑھائیں گے۔ کوئی نام وغیرہ کسی کو نہ بتلایا گیا۔

البتہ شکل وصورت کے پیش نظر کشیر کے علاقے کے عالم دین متصور ہوتے تھے۔

۴۔ منیر انکوائری کے دوران خصوصیت کے ساتھ صوفی احمد یار صاحب اپنی رہائش گاہ موضع چاوہ جو کہ ڈیرہ سجاد سے چار یا پانچ میل کے فاصلے پر ہے سے دو تین یوم کے وقفے سے مولانا کی خدمت میں ملکی اخبارات لے کر حاضر ہوتے اور مولانا مرحوم کو حالات سے آگاہ رکھتے اور مولانا کی طرف سے تحریری ہدایات لے کر لاہور پہنچایا کرتے تھے۔ صوفی صاحب سے جب یہ سوال کیا گیا کہ مولانا مرحوم کیا لکھ کر دیا کرتے تھے تو صوفی صاحب نے فرمایا کہ منیر انکوائری کے دوران تحریک کے خلاف پیش ہونے والے گواہوں پر جرح لکھ کر دیا کرتے تھے جس کو میں ایک کاپی پر بھی کرتا تھا مگر افسوس کہ وہ کاپی گم ہو چکی ہے۔ البتہ صوفی احمد یار صاحب نے فرمایا کہ مولانا ہزاروی فرمایا کرتے تھے کہ حسین شہید سہروردی کے امریکہ سے مراسم ہیں۔ کاش کہ وہ امریکہ سے یہ کہتے کہ مرزائی امریکہ کے کچھ کام نہ آئیں گے۔ (یاد رہے کہ حسین شہید سہروردی اس وقت تحریک ختم نبوت کی طرف سے وکیل تھے)

۵۔ کھانے پینے کا انتظام صوفی صاحب کی ہمشیرہ صاحبہ کیا کرتی تھیں۔ یاد رہے مولانا ہزاروی سے متعلق اصل صورتحال سے آگاہ صوفی صاحب اور ان کی مذکورہ ہمشیرہ صاحبہ اور مولانا عبید اللہ انجا تین ہی افراد تھے۔ اس کے علاوہ سب خاندان کے لوگ اصل صورتحال سے نا آشنا تھے۔

۶۔ البتہ سجاد کا ڈیرہ عام آبادی سے الگ تھلگ تھا۔ اگر د چار پانچ میل تک کوئی آبادی نہ تھی۔ مولانا مرحوم بالکل کھلے ماحول میں آزادی واطمینان کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ ڈیرہ پر آنے والا شخص مولانا سے ملا کرتا تھا۔ کسی کو یہ باور نہیں ہونے دیا گیا کہ یہ مولانا ہزاروی ہیں اور روپوش ہیں۔

۷۔ اس عرصہ میں مولانا کے بھائی فقیر محمد صاحب اور ان کے علاوہ قاضی شمس الدین صاحب درویش والے تشریف لایا کرتے تھے جنہیں انتہائی رازداری سے مولانا سے ملاقات کروایا کرتے تھے۔

مولانا کی خیر و عافیت اور ان کے اہل خانہ کی خیر و عافیت کے لیئے خط وکتابت کا بھی انتظام تھا جو ایک دکاندار کی معرفت سے ہوتی رہی۔

۸۔ مذکورہ عرصہ آٹھ نو ماہ میں صرف ایک مرتبہ سخت تشویش ہوئی کہ ایک روز سجاد کے ڈیرے پر جہاں مولانا روپوش تھے ایک پولیس کانسٹیبل جو کہ تھانہ بھیرہ میں متعین تھا آن پہنچا اور کافی دیر مولانا کی خدمت میں بیٹھا رہا۔ اور جاتے ہوئے صوفی احمد یار کے نام سلام دے کر چلا گیا۔ صوفی صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے اطلاع ہوئی میں فوراً ڈیرہ سجاد پہنچا۔ مولانا مرحوم سے پولیس والے کا حلیہ پوچھا تو مجھے اندازہ ہوا کہ یہ ملک عالم شیر پولیس کانسٹیبل ہے جو کہ میرا دوست بھی تھا اور خانقاہ شریف سے متعلق بھی تھا۔ مجھے اطمینان ہوا۔ مولانا نے میری تشویش کو دیکھ کر صرف اتنا ارشاد فرمایا پولیس والے شیطان ہوتے ہیں۔ ان پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے چنانچہ تھوڑے دنوں میں ملک عالم شیر پولیس کانسٹیبل سے ملاقات ہوئی تو اس نے صوفی صاحب سے کہا میں ڈیرہ پر گیا تھا کہ آپ سے ملاقات ہو جائے۔ مگر آپ تو نہ ملے ایک مولانا صاحب وہاں تھے۔ ان سے مل کر آپ کو سلام دے کر چلا گیا تھا۔ مجھے کہیں تعمیل کے سلسلے میں جانا تھا۔ جس سے ہماری تشویش دور ہوئی۔ مگر مولانا مرحوم بدستور حسب معمول اپنے رقبے کی حد تک چلتے پھرتے تھے۔

۹۔ صوفی احمد یار صاحب سے جب یہ پوچھا گیا کہ مولانا ہزاروی آپ تک

چاوہ مجلوال ضلع سرگودہا کیسے پہنچے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ مجددیہ نقشبندیہ جو کہ میرے پیر و مرشد تھے ان کا گرامی نامہ مجھے۔ جو انہوں نے مانسہرہ ضلع ہزارہ سے تحریر فرمایا تھا۔ گرمیوں کے دن تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اور مولانا عبیداللہ رانجھا مرحوم کو مانسہرہ بلایا۔ ہم حاضر ہو گئے۔ میری طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی سے متعلق حکومت وقت نے دیکھتے ہی گولی مار دینے کا حکم اور اعلان کر دیا ہے۔ (یاد رہے اس وقت مسلم لیگ کی حکومت تھی اور ممتاز دولتانہ وزیراعلیٰ تھے) جس حکومت نے ایک عالم دین کو اس بنیاد پر کہ وہ ختم نبوت کی بات کرتے ہیں اور مرزائیوں کو کافر کہتے ہیں گولی سے اڑانے کا حکم جاری کیا تھا (راقم) (انا للہ وانا الیہ راجعون) اس لیئے ان کی حفاظت کرنی ہے۔ اور مجھے (صوفی احمد یار صاحب کو) اس پر مامور کیا۔ فرمایا مولانا غلام غوث ہزاروی خانقاہ سراجیہ مجددیہ پر روپوش ہیں۔ صرف صوفی محمد عبداللہ صاحب کو علم ہے۔ صوفی صاحب کے ذریعے ان سے ملاقات کر کے پروگرام بنایا جائے۔ ہم وہاں سے نکل کر خانقاہ سراجیہ مجددیہ نقشبندیہ پہنچے۔ رات کے وقت نہر کے کنارے پر مولانا ہزاروی سے ملاقات ہوئی۔ پہلے سے تعارف تو تھا ہی۔ پروگرام مرتب ہوا۔ چنانچہ میں (صوفی احمد یار) پہلے روانہ ہوا۔ اور مولانا ہزاروی کو مولانا عبیداللہ صاحب رانجھا مرحوم رات کو کندیاں سے چلنے والی ٹرین ماڑی انڈس سے شاہ پور صدر تک لائے۔ وہاں سے سپیشل تانگہ کے ذریعے جھاوریاں تک تقریباً نو میل سفر بنتا ہے پہنچے۔ وہاں سے دوسرے تانگے کا انتظام تھا جاوہ پہنچے۔ کچھ دن ٹھہر کر مولانا کو ڈیرہ سجاد پہنچا دیا گیا۔ اور حالات درست ہونے تک وہاں رہے۔ اس کے بعد قاضی شمس الدین صاحب کے ہمراہ پہلے خان

سراجیہ مجددیہ تشریف لائے اور پھر وہاں سے ایبٹ آباد تشریف لے گئے۔
اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس نازک مرحلہ اور ایام میں اپنی حفاظت میں رکھا۔
اور کوئی معتد بہ پریشانی نہ اٹھانی پڑی۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔

یہ سب حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین خانقاہ
سراجیہ کی دعاؤں اور توجہ کی برکت تھی۔ صوفی احمد یار صاحب سے بندہ نے
سوال کیا کہ مولانا ہزارویؒ بہت جید عالم دین اور منجھے ہوئے سیاسی لیڈر تھے۔
اور آپ ان کے ورکر تھے۔ سیاسی میدان میں وہ کیا ہدایات فرمایا کرتے تھے۔
جن سے پیش رفت ان کے دور میں جمعیۃ علماء اسلام کو خصوصاً حاصل رہی؟ تو
صوفی صاحب نے فرمایا مولانا فرمایا کرتے تھے ملاقات مسلسل رہنی چاہیئے۔
موافق مخالف سب سے میل جول رکھو۔ اس سے جماعتی ترقی ہوتی ہے۔ صوفی
صاحب نے فرمایا اس دوران جب مولانا روپوش تھے اخبار میں خواجہ ناظم الدین
وزیر اعظم کا بیان جو اس نے عدالت میں دیا تھا کہ اگر مسلمانوں کے مطالبہ پر سر ظفر اللہ
قادیانی علیہ اللعنۃ وزیر خارجہ کو وزارت خارجہ کے عہدہ سے ہٹا دیا جائے تو امریکہ
ہمیں گندم نہیں دے گا جس کی پاکستان میں بہت ضرورت اور قلت ہے۔
مولانا نے فرمایا اگر میں با اختیار ہوتا تو اس نالائق وزیر اعظم کو گرفتار کر لیتا۔
جسے اتنا شعور نہیں کہ بیرونی امداد کا معاملہ حکومت سے ہوا کرتا ہے نہ کہ کسی فرد
سے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وزیر اعظم اور حکومت کا کچھ وزن نہیں۔ ایک فرد کی
اہمیت ہے اور وہ بھی غیر مسلم فرد۔ صوفی صاحب سے بندہ نے عرض کی مولانا کو
گھر سے جب خط آتا تو مولانا پریشان تو نہ ہو جایا کرتے تھے صوفی صاحب نے فرمایا اس
دوران جب مولانا مرحوم ڈیرہ سجاد پر مقیم تھے، اطلاع آئی کہ مولانا کی والدہ کا انتقال
ہو گیا ہے۔ مولانا مرحوم نے اس صبر و ضبط کا مظاہرہ فرمایا جو ایک پختہ مسلمان سے ہی ہو سکتا ہے۔
ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

# غلام غوث ہزارویؒ میری نظر میں

مولانا محمد سرفراز صفدر شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ صاحب مرحوم تقریباً ۱۸۹۶ء میں سابق ضلع ہزارہ تحصیل مانسہرہ میں پیدا ہوئے۔ جو اس علاقے کا ایک بڑا اور مشہور شہر ہے۔ اور یہی وہ شہر ہے جس میں مولانا غلام رسول صاحبؒ پیدا ہوئے جو دارالعلوم دیوبند کے طبقۂ اولیٰ کے مدرسین میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے ایک اور ان سے عمر میں چھوٹے بھائی بقیدِ حیات ہیں۔ جن کا نام مولانا فقیر محمد صاحب ہے جو پرانے فضلاء دیوبند میں سے ہیں۔ گو مولانا کے والد محترم بھی عالم تھے۔ مگر جو شہرت اور دینی و سیاسی خدمات کا موقع مولانا ہزارویؒ کو ملا تھا وہ ان کا ہی حصہ تھا۔ راقم اثیم کی تقریباً ۱۹۲۶ء میں پہلی ملاقات ہوئی جب مانسہرہ میں انجمن اصلاح الرسوم کے نام سے ان کا مدرسہ شبِ عروج پر تھا۔ اور مولانا غلام محمد صاحب بالاکوٹی عرضی نویس اس کے مہتمم تھے۔ راقم اثیم بھی اسی مدرسہ کا ابتدائی طالب علم ہے۔ جب کہ راقم اثیم کے پھوپھی زاد بھائی حضرت مولانا فتح علی شاہ، دام مجدہم ساکن لمبی ڈاک خانہ چنار کوٹ حال ضلع مانسہرہ اور ان کے چھوٹے بھائی محمد عبداللہ شاہ صاحب جو راقم اثیم کے بہنوئی بھی تھے وہاں پڑھتے تھے۔ راقم اس زمانے میں دوسری جماعت میں پڑھتا تھا۔ راقم اثیم نے حضرت مولانا ہزارویؒ سے مانسہرہ

میں تعلیم الاسلام کے چند اسباق پڑھتے ہیں۔ اور بعد میں جب کہ حضرت مولانا کی حکمت کی دکان بھی تھی راقم اس دکان کا نگران بھی تھا۔ اور ادویہ ساز بھی اور حضرت مولانا سے نحو بھی پڑھتا تھا۔ اس لحاظ سے حضرت مولانا مرحوم راقم الاثیم کے استاذ اول تھے۔ مولانا دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد کچھ عرصہ حیدرآباد دکن بھی رہے۔ اس کے بعد وطن مالوف آکر دینی مدرسہ بھی قائم کیا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اور مختلف طریقے سے قوم کی اصلاح کی جس کا مختصر سا خاکہ درج ذیل ہے۔

**دینی تصلب** سابق ضلع ہزارہ غالباً تمام اضلاع سے رقبہ کے اعتبار سے وسیع ضلع تھا۔ اب اس کے چار ضلعے بنا دیئے گئے ہیں۔ ضلع ایبٹ آباد، مانسہرہ، ہری پور اور ضلع کوہستان۔ لیکن مجموعی اعتبار سے یہ ضلع کم ترقی یافتہ تھا۔ جس کی کئی وجوہات ہیں۔ ہمیں ان سے اس وقت کوئی سروکار نہیں۔ بایں ہمہ دینی لحاظ سے یہ ضلع دیگر تمام اضلاع سے سبقت لے گیا تھا۔ اور دینی علوم کا اس ضلع میں باقی تمام اضلاع کی بہ نسبت زیادہ رجحان تھا۔ انگریزی میں جبکہ پاک و ہند کی تقسیم نہیں ہوئی تھی بمبئی اور کلکتہ تک اس ضلع کے علماء اور آئمہ پھیلے ہوئے تھے۔ اور جرأت اور ہمت کے ساتھ مساجد میں رہ کر اپنی وسعت کے مطابق دین کی خدمت کرتے تھے اور اگر کسی مقام پر کوئی بد باطن یا غلط فہمی کا شکار اور خود غرض ان کو مساجد سے الگ کرنے کی تجویز پیش کرتا تو ڈٹ کر مقابلہ کرتے اور مسجد سے نکلنے کا نام تک نہ لیتے۔ الا ماشاء اللہ تعالیٰ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ مسجد دین کی نشرو اشاعت کا ایک اڈہ اور مورچہ ہے۔ اور اس کو ترک کرنا دین سے بے وفائی کے مترادف ہے۔ اور ضمناً پیٹ کا مسئلہ بھی اسی سے وابستہ ہوتا تھا۔ بہرحال ان کی یہ جرأت اور ثبات قابل داد ہے۔

لطیفہ | سابق صدر پاکستان محمد ایوب خان کے دور میں جب عوام نے ان کے خلاف تحریک چلائی تو اس موقع پر ایک وکیل صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ضلع ہزارہ کا امام مسجد ہو تو اس کو مسجد سے نکالنا خاصا مشکل اور دشوار ہوتا ہے۔ صدر ایوب خان تو آخر صدر پاکستان ہیں۔ اور فیلڈ مارشل بھی ہیں۔ یہ آسانی سے نہیں جائیں گے۔ اسی زمانے میں صدر ایوب خان کے ایماء سے علماء کے بارے میں لفظ ملاّ استعمال کیا گیا تھا۔ جس سے غالباً ان کا مقصد اس طبقہ کی توہین تھا۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے ترکی بہ ترکی اس کے مقابلہ میں لفظ مسٹر کرٹا استعمال کیا۔ اور اخبارات میں یہ لفظ آناً فاناً ملک کے اطراف میں مشہور ہوا کہ مسٹر قسم کے لوگوں کو اس سے منہ پھیرنا مشکل ہو گیا۔ اور جب اس کی تشریح و توضیح کے لیئے مولانا کی طرف رجوع کیا گیا تو مولانا مرحوم نے اپنے وسیع تجربہ اور اطراف کے پیش نظر اس کو معمہ ہی رہنے دیا۔

## غلط نظریات اور رسوم و بدعات کے خلاف جہاد

کم و بیش ہر ملک اور ہر علاقہ پر اسلام کی صحیح تعلیمات سے بُعد کی وجہ سے تیز پیٹ کا دھندا چلانے والوں سے اور رسم و رواج اور بدعات میں لطف محسوس کرنے والوں کی وجہ سے کئی غیر اسلامی رسمیں چل نکلی ہیں۔ اور اب ان کو دین و شریعت کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ بلکہ سُنّی اور غیر سُنّی اور حنفی اور غیر حنفی کا معیار بھی یہ خالص مصنوعی رسمیں قرار پا گئی ہیں۔ کسی مقام پر کوئی بدعت زیادہ نمایاں ہے۔ اور کسی جگہ کوئی ان بد رسوم میں ضلع ہزارہ بھی کسی ضلع سے پیچھے نہیں رہا۔ بلکہ اس کا روائی میں یہ نسبت

دوسرے اضلاع کے پیش پیش رہا۔ ان مشرکانہ رسوم و بدعات میں سے چند مشہور بدعات یہ ہیں۔

۱۔ تکالیف اور مصائب کے وقت بزرگانِ دین کی قبور پر حاضر ہو کر ان سے مرادیں مانگنا اور حاجت طلب کرنا اور اس کے لیئے دور دراز کے سفر طے کر کے جانا اور اپنی مرادوں کے لیئے بزرگوں کے لیئے فرضی عہدے تجویز کرنا۔ مثلاً بزرگ کی قبر پر حاضری دی جائے تو اولاد ملتی ہے۔ اور فلاں کی قبر پر حاضری سے رشتہ ملتا ہے۔ اور فلاں کی قبر پر حاضری سے کوڑھ اور جذام دور ہوتا ہے۔ اور فلاں کی قبر پر حاضری سے فالج زدہ ٹھیک ہوتا ہے اور فلاں کی قبر پر حاضری سے رزق میں وسعت ہوتی ہے۔ اور فلاں کی قبر پر حاضری سے بارش ہوتی ہے اور فلاں کی قبر پر حاضری سب بیماریوں اور تکالیف کا تریاق ہے۔ حتیٰ کہ بعض بزرگوں کی قبروں کے قریب درختوں کی جڑوں کے نیچے سے گذرنا سوکھنا، پرچھاؤں کا علاج ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی ہماری دانست میں وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے طوفانی دورے کر کے اس شرکیہ رسم کی تردید کی۔ چونکہ مولانا مرحوم ہی ہمارے علاقے میں وہ پہلے بزرگ ہیں۔ جو کھڑے ہو کر مجمع میں تقریر کرتے اور اپنے زورِ بیان اور علمی دلائل سے اپنی بات کو منواتے تھے۔ حالانکہ ہمارے علاقے میں اس دور میں مسجد میں مدرس قسم کے عالم رہتے تھے اور شاذ و نادر ہی کوئی مسجد ایسی ہوتی ہو گی جس میں طلباء نہ رہتے ہوں۔ لیکن مدارس کی طرح نظم و نسق نہ ہوتا تھا۔ کہیں علمِ فقہ کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں اور کہیں صرف کی اور کہیں نحو کی۔ اور

کہیں کہیں ہزمن کی اور بعض مقامات پر کہنہ مشق استاذ اور قابل مدرس ہوتے تھے۔ لیکن تقریر کرنا ان کے لیئے ایسی ہی انوکھی بات ہوتی تھی۔ جیسے بالکل ناواقف آدمی کے لیئے ریڈیو اور ٹی وی کی خبریں۔ اور یہ بات اس ابتدائی دور میں بڑے بڑے پرانے علماء کے لیئے بڑی عجیب تھی کہ مولانا غلام غوث کھڑے ہو کر تقریر کرتے ہیں۔ اور اپنی بولی میں۔ علماء کرام ایک دوسرے سے یہ کہا کرتے تھے کہ "مولوی غلام غوث میب پہ ولاڑے تقریر کئی" یعنی مولوی غلام غوث صاحب کھڑے ہو کر تقریر کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں قبروں کے مجاوروں نے اور ان کے ہمنوا جہلاء نے مولانا ہزاروی کے خلاف بڑا زوردار وہابیت کا پروپیگنڈہ کیا۔ لیکن ان کی دال نہ گلی۔ ایک تو اس لیئے کہ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی جس بات کو حق سمجھے تھے اس پر ایسے ڈٹ جاتے تھے کہ ان کو اپنی جگہ سے ہلانا انتہائی دشوار ہو جاتا تھا۔ بقول شخصے "زمین جنبد نہ جنبد گل محمد" اور دوسرے اس لیئے کہ سانپ اگرچہ اس وقت تھا مگر اس کے پاؤں نہ تھے۔ یعنی بدعات تو تھیں لیکن بدعات کو چلانے والے بدعت پسند مولوی نہ ہوتے تو جو کچھ ہوتا ہے ان کی کم ہمتی، مداہنت اور بے پروائی سے ہوتا تھا۔ اور بدعت جب ظاہر ہو جاتی تو وہ اپنی بے ہمتی کی معذرت تو کر دیتے مگر بدعت کی خوبی کی وکالت نہ کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس علاقے میں قبر پرستی اور بد رسوم کی بیخ کنی ہوئی۔ اور اس کا سہرا حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کے سر تھا۔ مولانا مرحوم کے قصبہ بفہ کے قریب ہی ایک گاؤں ہے جس کا نام نکوٹ ہے۔ وہاں ایک بزرگ کی قبر ہے اور قبر کے قریب ایک درخت تھا۔ جس کی جڑھ کے نیچے سے لوگ اپنے سوکھا پن اور پرچھاؤں والے بچوں کو گذارتے تھے۔ اور مثلاً اتوار کے دن وہاں بچوں عورتوں اور مردوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ میلے کا سماں دکھائی دیتا تھا۔

حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی ؒ کی سعی سے اس درخت کی جڑیں کٹوائی گئیں۔ اور جب لوگوں کو توحید خالص کا سبق دیا گیا تو پھر کہیں جا کر یہ قبیح شرکیہ رسم ختم ہوئی۔ اور پھر علماء کرام اور منصف مزاج خوانین نے بھی مولانا مرحوم کا بھرپور ساتھ دیا۔ اور قبوری رسمیں کافی حد تک ختم ہو گئیں۔ اور اس دور میں اس علاقے میں جو شخصیتیں تقریر کرتی تھیں ان میں سے ایک حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی ؒ اور دوسرے حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جریدی بالاکوٹی تھے اور دونوں بزرگ فضلاء دیوبند میں سے تھے۔ اور اس دور میں یہ مقولہ مشہور تھا کہ کھڑے ہو کر تقریر کرنے کے سلسلے میں کل علماء ہزارہ بکم الغلام غوث و عبدالحنان جالاکم اس دور میں اس علاقے میں دیوبند کے بغیر کسی دوسرے مکتب فکر کے علماء سے عوام کے کان ناآشنا تھے۔ اور دیوبند ہی کے مدرسہ کا نام عوام کی زبان پر تھا۔ اور راقم الحروف بھی حضرت مولانا کی ایسی ہی تقاریر اور اس قسم کے مجاہدانہ کارناموں سے متاثر ہوا۔ اور دیوبندیت کے پرواتوں کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ ان کا طریق ہی حب توحید و سنت اور بغض شرک و بدعت کا دوسرا نام اور خلاصہ ہے۔

؎ یہ پروانہ ہے جس نے دیدہ بازی کا ہنر جانا
اس کا کام ہے ذوق نظر میں جل کے مر جانا

۲۔ جنازہ کے بعد لوگ ایک حلقہ بنا لیتے اور کافی مقدار میں رقم کی گٹھڑی (جو کہ بسا اوقات قرض لے کر بلکہ ہندوؤں سے سودی رقم لے کر حاصل کی جاتی) اور ساتھ گڑ رکھا جاتا اور اوپر قرآن کریم جو اکثر کسی مسجد سے اٹھا کر لایا جاتا اور میت کے وارثوں میں سے دو تین گٹھڑی اور اس حلقہ میں گھماتے اور اس طریقہ کو حیلہ اسقاط کا نام دیا جاتا اور دوران قرآن

کی جاتا۔ راقم الشیم کے علم میں حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہی وہ پہلے بزرگ ہیں۔ جنہوں نے یہ بری رسم ختم کرائی اور کتب فقہ کے حوالے نکال نکال کر علماء کو بتائے اور عبارات کے تراجم ان سے کرائے جاتے۔ چنانچہ ۱۹۳۳ء کے لگ بھگ بفہ کی جامع مسجد میں جمعہ کے دن علاقہ کولش میں بائی زیریں کے مولانا صاحب سے عالمگیری کی عبارت پڑھوا کر اس کا ترجمہ کروایا اور راقم الشیم وہاں موجود تھا۔ اور بائی زیریں سے مولانا کے ساتھ ہی آیا تھا۔ چونکہ علما کرام مسلک دیوبند سے منسلک تھے اس لیے وہ مولانا مرحوم کی تائید ہی کرتے اور اس سلسلے میں بھی اس علاقے میں بدعتی رسم کے ختم کرنے میں مولانا مرحوم بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ اور اکثریت نے یہ رسم ترک کر دی۔ ہم نے حیلۂ اسقاط اور مسئلہ دورانِ قرآن پر راہ سنت میں باحوالہ بات کر دی ہے۔ یہاں ہمیں اس بحث اور اس کی شرعی حیثیت سے گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ لوگوں نے دورانِ قرآن کے سلسلے میں فتاوٰی سمرقندیہ کی طرف سے یہ روایت منسوب کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں ایک عورت کے جنازہ میں دورانِ قرآن کرایا مگر یہ روایت اتنی بے اصل ہے کہ بریلوی حضرات کے عالم حضرت مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب بھی یہ لکھنے پر مجبور ہیں کہ

"امیر المؤمنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے سوا اور حضرات سے روایت بے سرو پا اس عبارت میں مذکور ہیں۔ سب باطل و اختراع ہیں۔ نہ یہ عبارت فتاوٰی سمرقندیہ میں ہے۔ یہ اس پر افتراع ہے۔ اور بے چارہ افتراء کرنے والا عربی عبارت بھی باقاعدہ نہ بنا سکا۔ اپنی ٹوٹی پھوٹی جاہلانہ خرافات کو صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ کی طرف منسوب کیا۔" اھ بلفظ (العطایا النبویہ فی الفتاوٰی الرضویہ جلد ۱ صفحہ ۱۷۴) فتاوٰی سمرقندیہ کی عبارت اور اس کی بقدرِ ضرورت تشریح راہ سنت میں ملاحظہ فرمائیں۔

اصل میں بدعت نواز علماء نے حیلۂ اسقاط کے اس مروجہ طریقے سے اپنے وطن مبارک کا انتظام کر رکھا ہے۔ یہ شرعی مسئلہ نہیں ہے۔

ع کوئی صاحب نہ ہوں اللہ ناخوش سُن کے مصرع۔

خیال حبّ قومی پیچھے اور فکر حکم پہلے۔ حیلۂ اسقاط کا فقہی طور پر جائز مسئلہ بحوالہ راہِ سنت میں عرض کر دیا گیا ہے۔

۲۔ **میت کے بعد سوم** ۔

دسواں، جمعرات کا ختم، چہلم، برسی اور گیارہ وغیرہ وغیرہ بدعات بھی اس علاقے میں مروج تھیں۔ حضرت مولانا غلام غوث صاحب کی کوشش سے اس کارروائی میں بھی لوگوں کو بہت اصلاح ہوئی۔ اور لوگ ان بدعات سے بخوبی واقف ہو گئے۔ اور اکثریت نے یہ بدعات ترک کر دیں۔ کیونکہ کتب فقہ حنفی ان تمام بدعات کے رد میں تمام مسالک کی فقہ پر سبقت لے گئی ہیں۔ اور بلا اجرت اور بلا تعین ایصال ثواب کا شرعی طریقہ مولانا غلام غوث صاحب نے عوام کو سمجھایا۔ اور سوائے چند پیٹ پرور مولویوں کے سب مولانا کے دلائل اور حوالوں سے مطمئن ہو گئے۔ اور اس بدعت میں بھی نمایاں کمی آگئی۔

**فتنہ مرزائیت :**

قادیانیت کا فتنہ بھی ضلع ہزارہ میں داخل ہوا اور انگریز کے ٹاؤٹ قسم کے بعض جاگیرداروں اور خانوں نے انگریز کی خوشنودی کے لیئے اس فتنہ کو بھی ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مگر ان کی سرکوبی کے لیئے اللہ تعالیٰ نے مولانا غلام غوث ہزاروی رح کی صورت میں شمشیر برہنہ ان کے سر پر لٹکا دی۔ مولانا نے اس پامردی سے اس فتنہ کا پامردی سے مقابلہ کیا کہ شاید و باید قادیانیت کے خلاف جلسے کیئے، مناظرے ہوئے، تقاریر ہوئیں۔

اور عوام وخواص کے اذہان کو بیدار کیا گیا۔ اس میں بھی حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کا یہ کارنامہ ناقابل تردید کارنامہ ہے۔ اس پرآشوب دور میں حضرت مولانا ظفر علی خان مرحوم کے قادیانیت کے متعلق یہ اشعار ابھی تک ہمارے ذہنوں میں موجود ہیں۔

قادیانیت سے پوچھا کفر نے تو کون ہے
ہنس کر بولی آپ ہی کی دلربا سالی ہوں میں
مسیلمہ کے جانشین گرہ کٹوں سے کم نہیں
کتر کر جیب لے گئے پیغمبری کے نام سے
کاٹنا مقصود ہے جس سے شجر اسلام کا
قادیاں کے لندنی ہاتھوں میں وہ آری بھی دیکھ

حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی طبیعت میں خاص جدت وحدت تھی اور وہ ساری تیزی باطل فرقوں اور غلط نظریات والے لوگوں کے خلاف استعمال ہوتی۔ مولانا مرحوم نے تحریک ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور قومی اسمبلی میں بھی قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کی طرح نمایاں کردار ادا کیا۔

**فتنۂ خاکساریت:**

ایک زمانہ تھا کہ علامہ عنایت اللہ مشرقی نے اپنے زعم کے لحاظ سے مسلمانوں کی پستی کا علاج اس میں سمجھا کہ مذہب اسلام کی قدامت اس میں حائل ہے۔ حالانکہ علامہ عنایت اللہ صاحب کا یہ نظریہ قطعاً باطل تھا۔ مسلمانوں کی پستی کا علاج صرف بدعقیدگی، بے دینی، بے عملی اور مادہ پرستی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ روحانیت سے محروم ہو کر خداوند کریم کی بے پایاں

رحمت سے محروم نصیب رہتے۔ مشرقی صاحب نے اپنی کتاب تذکرہ حصّہ،
عربی اور اردو مقالات اور مولوی کا غلط مذہب وغیرہ کتابوں اور رسائل
میں اپنے ان باطل نظریات کا بڑے زور وشور سے تذکرہ کیا ہے۔ اور
ضلع مانسہرہ ہزارہ میں بھی تحریک خاکساریت جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور
اس تحریک کی نیم فوجی تنظیم اور ڈسپلن سے متاثر ہوکر بعض علماء بھی دام ہمرنگ
زمین میں پھنس گئے۔ مولانا ہزارویؒ نے اپنی خداداد ذہانت اور فطانت، حاضر
جوابی اور جرأت سے کام لیتے ہوئے اس فتنہ کا بھی خوب خوب تعاقب کیا۔
اور علماء کو بھی دلائل سے قائل کیا۔ کہ یہ تحریک اسلام کے خلاف ہے۔ اور اس کے
بانی کے نظریات ملحدانہ ہیں۔ اور جو مذہبی قسم کے مخلص لوگ اس میں شریک ہوئے
ہیں وہ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اور وہ اس کی پریڈ سے متاثر ہوگئے ہیں۔

**مودودیت :**

مولانا غلام غوث صاحب پرانی وضع قطع کے بزرگ تھے۔ جب وہ صوبائی
اور قومی اسمبلی کے ممبر تھے تو ان دنوں بھی ان کی بغل میں اپنی پسند کی کتابوں والا
میلا سا بستہ ہوتا تھا۔ ایک موقع پر مرزا غلام نبی جانباز مرحوم جیسے زندہ دل اور
بے تکلف دوست نے کہا کہ حضرت آپ اسمبلی کے ممبر ہیں۔ یہ میلا بستہ بغل میں نہ
رکھا کریں تو مولانا مرحوم نے برجستہ ہنستے ہوئے کہا کہ کیا پھر میں داڑھی اور شلوار
کے ساتھ اسمبلی نہ جایا کروں۔ پھر فرمایا کہ ہماری عزت قدامت ہی میں ہے جدت
میں نہیں۔

مولانا مرحوم جیسے وضع قطع بدلنے پر آمادہ نہ تھے اور آخری دم تک نہیں بدلی۔
اسی وہ اسلام کے بھی کسی عقیدہ اور حکم کی جدید تشریح سننے کے لیئے آمادہ نہ تھے۔
اس کی وہی تفسیر پسند کرتے اور اس پر مصر رہتے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

حضراتِ صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین اور آئمۂ دین اور معتبر علماء کرامؒ سے منقول اور مروی ہوتی ہے۔ اس کے خلاف ہر تفسیر و تشریح سخت لہجہ میں رد کر دیتے تھے۔ چونکہ مولانا مودودی نے بعض مسائل میں مرفوع احادیث اور حضرات سلف سے ہٹ کر من مانی تعبیرات کی ہیں۔ اس لئے حضرت مولانا غلام غوث اس کے سخت خلاف تھے اور آخری دم تک مخالف رہے۔ اور سابق جمعیت العلماء اسلام سے ان کے الگ ہونے کی وجوہ میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جمعیت کی اکثریت نے قومی اور ملکی مفاد کی خاطر بشمولیت جماعت اسلامی دیگر مذہبی اور سیاسی جماعتوں سے اشتراکِ عمل اور اتحاد کر لیا تھا اور مولانا ہزارویؒ اس کے خلاف تھے۔ کیونکہ اس طریقے سے بجائے فائدہ کے بقول ان کے مسلک کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ اور ان کی یہ رائے غلط نہ تھی۔ ہمیں اس موقع پر مولانا مودودی صاحب کے افکار و نظریات پر گرفت کرنا مقصود نہیں صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ ان کی بعض مسائل میں آراء بالکل غلط ہیں اور بعض مرفوع احادیث اور جمہور سلف اور حضراتِ آئمہ کے فیصلوں سے متصادم ہیں۔ والحق مع الجمہور، مشہور بات ہے کہ گھی آگ کے پاس اور پگھلے نہ، یہ ایک ناممکن سی بات ہے۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ بری مجلس میں بیٹھنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے لوہار کی بھٹی کے پاس بیٹھنے والا اگر چنگاری اور دھوئیں سے بچ گیا تو تپش اور حرارت سے بچ سکا نہیں۔ اسی طرح بری مجلس اور برے آدمی کا اثر غیر شعوری طور پر آجاتا ہے۔ مولانا مودودی صاحب نے اپنی زعم اور طرز سے اسلام کی خاصی خدمت کی ہے لیکن نیاز فتح پوری کی ہمنشینی نے جو خالص ملحد تھا۔ اور اہرمن و یزدان نامی کتابیں اس کے الحاد کا کافی اور وافر ثبوت ہیں۔ مودودی صاحب وغیرہ پر بھی آزادیٔ فکر کا خاصا اثر کیا ہے۔ حالانکہ دینی مسائل

میں نجات اور سعادت کا واحد ذریعہ سلف صالحین اور جمہوریت کے دامن سے وابستہ رہنے میں ہی ہے کیونکہ ید اللہ علی الجماعۃ۔ یہ یاد رہے کہ مولانا مودودی صاحب ۳ رجب ۱۳۲۱ھ / ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء کو اورنگ آباد محلہ چیلی پورہ حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے اور مولانا خود فرماتے ہیں کہ جناب نیاز فتح پوری سے دوستانہ تعلقات تھے اور ان کی شہرت کی وجہ تحریک بنی۔

(اخبار نوائے وقت ۳۰ شوال ۱۳۹۹ھ، ۲۳ دسمبر ۱۹۷۹ء ص۲ کالم ۳)

اور مودودی صاحب کی وفات ۲۹ شوال ۱۳۹۹ھ، ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء چھ بجے شام امریکہ کے شہر بفلو میں ہوئی۔ کیونکہ کالعدم پیپلز پارٹی سیاسی طور پر جماعت اسلامی کے سخت خلاف تھی اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ مذہبی طور پر اس کے سخت خلاف تھے اس لیے بظاہر ان کا جھکاؤ پیپلز پارٹی کی طرف سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کے لیے لوگ کچھ قرائن اور شواہد بھی پیش کرتے ہیں۔ مگر مولانا مرحوم نے جمعیت کا ہزاروی گروپ سے عنوان دے کر اپنی جماعت کو الگ اور پوزیشن کو صاف کرنے کی کوشش کی ہے۔

## رد رفض و شیعیت:

مولانا ہزارویؒ جس علاقہ میں پیدا ہوئے۔ اس علاقہ میں اس وقت رفض و شیعیت کا کوئی وجود نہ تھا۔ لیکن کہیں سے اس کی اطلاع ملتی کہ فلاں جگہ ایسی کارروائی ہو رہی ہے۔ تو اس کو اپنا دینی فریضہ سمجھتے کہ اہل سنت والجماعت کے دلائل کو اجاگر کریں۔ اور فریق مخالف پر عملی طور پہ کاری ضرب لگائیں۔

لاہور میں سنی کانفرنس جس میں امام اہل سنت والجماعت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ کی علمی تقریر ہوئی تھی۔ ایک مشہور واقعہ ہے۔ ان کے بعد رد رفض پر حضرت مولانا ہزارویؒ کی تقریر جس سے سارا مجمع محظوظ ہوا جس میں راقم الاثیم

بھی موجود تھا ایک عملی کارنامہ ہے

## تحریک آزادی:

مولانا ہزاروی کے ساتھ ان کی آخری عمر میں سیاسی نقطۂ نظر سے اختلاف کرنے کی کافی گنجائش ہے۔ اور ہم بھی اس کی بعض آراء کو مفید سمجھتے ہوئے بھی مجموعی حیثیت سے ان سے متفق نہ ہو سکے۔ لیکن اس بات میں ذرا بھر بھی شک نہیں کہ حضرت مولانا نے جمعیت سے علیحدگی کے لیئے جو کچھ بھی کیا محض اپنی صوابدید اور اجتہادی رائے سے کیا۔ اپنی ذات کے لیئے ایک پیسہ کا فائدہ بھی نہیں حاصل کیا۔ اگرچہ ان کی علیحدگی کے وقت بعض جذباتی لوگوں نے یہ کہا کہ ان کا جماعت سے الگ ہونا خلوص پر مبنی نہیں بلکہ برائے فلوس ہے۔ لیکن ان لوگوں کی یہ رائے بالکل غلط اور بے بنیاد تھی۔ ملک کی آزادی کے لیئے مولانا مرحوم نے ظالم برطانیہ کے خلاف جس پرجوش طریقے سے حصہ لیا۔ اور متعدد مرتبہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں کسی بھی حساس پاکستانی سے یہ بات مخفی نہیں ہے۔ اور ہر موقع پر وہ خاص اسلام کے نفاذ کے لیئے سرگرم عمل رہے۔ مجلس احرار اسلام جو ملک میں حکومت الٰہیہ کے قیام اور انگریز کو ملک سے نکالنے اور قادیانیت کے توڑ کے لیئے قائم کی گئی تھی ۱۹۳۰ء میں اور اس کے بعد مولانا نے اس میں شامل ہو کر بھرپور حصہ لیا۔ اور کچھ عرصہ اس کے صدر بھی رہے۔ مولانا مرحوم جماعتی نظم و نسق کے (سوائے اپنے مخالفین کے بارے میں طبیعت کی حدت کی وجہ سے الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کے تحت سخت کلامی کے) اور اپنی جماعت کے خدام اور ورکروں کی ہمت افزائی اور ان کی غمی خوشی میں حاضر ہونے کے بڑے پابند اور مشتاق تھے۔ ہر ایک کے غم کو اپنا غم تصور کرتے ہوئے اس کی دلجوئی فرماتے اور جہاں پہنچنا ہوتا تو تعزیت کے لیئے خود پہنچتے۔ لباس اور کھانے پینے میں

اتنی سادگی تھی کرنا واقف آدمی ان کی سادگی کو دیکھ کر حیران رہ جاتا۔ ایک موقع پر راقم الشیم اور عزیزم صوفی عبدالحمید سلمہٗ اللہ تعالیٰ مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ چند رفقاء کے ساتھ لاہور میں جمعیت علماء اسلام کے پرانے دفتر حضرت شاہ محمد غوث کے پاس بوقت شام مولانا مرحوم کی ملاقات کے لیے حاضر ہوئے ہم کھانے کے سلسلے سے فارغ تھے۔ مولانا نے ہم سے کھانے کا پوچھا تو ہم نے واضح کر دیا کہ ہم طلب گار نہیں ہے۔ مولانا نے اپنے لیے خادم کو بھیجا جو ایک روٹی اور آدھ پاؤ دہی کی لسی بنا کر لایا۔ مولانا نے ہمارے سامنے روٹی لسی کے ساتھ کھائی اور آخر میں الحمدُ للہ کی مسنون دعا پڑھ کر اپنا بستہ کھولا اور اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ الغرض باوجود انتہائی سادگی اور سلف صالحین کے نمونہ پر ہونے کے مولانا بڑے فعال، مستعد و بیدار مغز اور سیاست بلکہ بین الاقوامی سیاسی پر بھی بڑی بصیرت سے گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ اور ان کی اکثر باتیں درست ثابت ہوتیں اور بعض اوقات بڑے عجیب انداز سے اپنے مخالفین پر چوٹ کرتے۔ لاہور برکت علی ہال میں علماء کا ایک اجتماع تھا۔ اس میں دو مخالف جماعتوں کے سربراہوں کا تذکرہ ہوا تو مولانا نے فرمایا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو جھوٹا کہتے ہیں اور ہم اس میں ان دونوں کو سچا مانتے ہیں۔

ڈھاکہ میں علماء کا ایک عظیم اجتماع تھا اس میں ایک صاحب نے کہا اپنی بصیرت اور پہلے سیاسی سمجھ بوجھ سے سوراخ بند کر دیں۔ مولانا ہزاروی نے فی الفور فرمایا کہ مصیبت یہ ہے کہ سوراخ دو ہی ایک نہیں۔ اس پہ وقت لگے گا۔

مولانا میں بہت سی خوبیاں تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو رفع درجات کا ذریعہ

بالآخر مولانا ہزاروی ؒ نے ۲۸ ربیع الاوّل سنہ ۱۴۰۱ھ کو مانسہرہ میں وفات پائی۔ اور اپنے آبائی گاؤں بفہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے اور باوجود سخت سردی اور بارش کے ہزاروں آدمی ان کے جنازہ میں شریک ہوئے جو ان کی مقبولیت کی واضح دلیل ہے۔

؎ اکیلا کون کہتا ہے لحد میں نعش حاتم کو
ہزاروں حسرتیں لیٹی اس دریا کے پہلو سے

فرحمہ اللہ تعالیٰ رَحْمَۃً واسعۃً وادخلہ فی جنۃ الفردوس۔ آمین ثم آمین

شکریہ ماہنامہ ,, تعمیرِ نو ،، ۱۹۸۱ء

كذا الأستاذ مولانا — هزبر لیث غابات
على الأعداء ضربته — وكم كم من دمارات
شجاع لا يخوفه — جبابرة الزمانات
وان الموت بغيته — إذا ما شن غارات
وجولته لامر الدين — أيامًا وليلات
غلام عنوب مسكين — فيكشف عن ملمات
ويدعو ربه ليلًا — ويهريق الدموعات
قنوع صابر يرضى — ويقنع بالتقسيمات
وهمته رضى المولى — فيبذل فيه همات
جزاه الله يرفعه — قبولا حسب خدمات
ويدخله كما يشتاق — الأنهارا وجنات
واخزى من يخالفه
بتبكيت و إسكات

| |
|---|
| نتیجہ فکر حضرت مولانا محمد ظہور الحق صاحب . مدرس جامعہ مدنیہ لاہور |
| بشکریہ ماہنامہ الوارِ مدینہ رجب ۱۳۹۱ھ |

## مولانا ہزاروی کے دیرینہ رفیق حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب کا تحریر شدہ مضمون ذیل میں درج کیا جارہا ہے

مولانا غلام غوث ہزاروی ۱۸۹۶ء میں مولوی سید گل صاحب ولد امان شاہ کے گھر پیدا ہوئے۔ مولانا نے ناظرہ قرآن کے معیار تک دینی تعلیم اپنی والدہ اور والد صاحب سے حاصل کی اور سکول میں بھی والد صاحب سے پڑھا۔ ۱۹۱۲ء میں مڈل سٹینڈرڈ کے امتحان میں پورے ضلع میں اول آئے۔ اس وقت کے ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس مرزا علی محمد نے مولانا صاحب کے والد صاحب کو مبارکباد دی اور کہا، ماشاء اللہ آپ کا بچہ بہت ہونہار ہے۔ میں آپ کے بچے کے چار روپے ماہوار وظیفہ مقرر کرتا ہوں۔ مگر مولانا کے والد نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جو بچہ ہونہار ہو تو اس کو انگریزی پڑھائی جائے اور جو اندھا ہو جائے اس کو مسجد میں بھیجدیا جائے۔ چنانچہ مولانا سید گل صاحب نے مولانا ہزارویؒ کو دارالعلوم دیوبند بھیجدیا۔

**مولانا ہزاروی کے فرمودہ اذکار بزبان خود** مولانا ہزارویؒ نے کئی بار اس کا ذکر کیا ہے کہ میں نے ۱۹۱۲ء میں مڈل کا امتحان مانسہرہ ضلع ہزارہ سے پاس کیا۔ اور اس کے بعد مجھے میرے والد نے دارالعلوم دیوبند کے عظیم استاذ حضرت مولانا غلام رسول لغویؒ کے ہمراہ دینی تعلیم کی تکمیل کے لیئے دارالعلوم دیوبند بھیجدیا۔ جہاں ایک عرصہ تک مندرجہ ذیل اکابرینِ دین سے علم و فیض حاصل کیا۔

(۱) حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ۔

۲۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

۳۔ استاذِ کل حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

۵۔ مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند (صاحبزادہ حضرت نانوتوی)

۶۔ استاذ العلماء مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ۔

۷۔ حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ صدر مظاہر العلوم سہارنپور۔

۸۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کاملپوری۔

۹۔ استاذ کل حضرت مولانا غلام رسول بفویؒ (آپ کا فراد دیوبند میں سے حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں سے ہیں۔

دار العلوم دیوبند میں جمعیت طلباء کی داغ بیل بھی حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے رکھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جب میں ۱۹۱۹ء میں فراغت کے بعد جمعیت طلباء کے قیام کے ضمن میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند کی خدمت میں اجازت حاصل کرنے کے لیئے حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ جمعیۃ طلباء کے قیام کی اجازت اس صورت میں دی جاسکتی ہے جب کہ دار العلوم دیوبند کے درجہ علیا کے کوئی استاذ اس کی صدارت قبول فرمائیں۔ مولانا فرماتے تھے کہ میں نے چند ساتھیوں سمیت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رح کو جمعیت طلباء کی صدارت کیلیئے راضی کر لیا تو ہم کو جمعیت طلباء دار العلوم دیوبند کے قیام کی اجازت مل گئی۔

چنانچہ جمعیت طلباء دار العلوم دیوبند کے پہلے صدر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

تھے۔ جبکہ جنرل سیکرٹری (ناظم عمومی) مولانا غلام غوث ہزاروی طلباء کی اکثریت کی رائے پر منتخب ہوئے۔ مولانا ہزاروی نے فرمایا کہ جمعیت طلبہ کے جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے میں نے ہندوستان کی درسگاہوں کا انتظامی دورہ کیا۔ چنانچہ اس ضمن میں ندوۃ العلماء لکھنؤ جاتا رہا۔ جہاں ان دنوں میں حضرت مولانا عبدالباری لکھنوی صدر مدرس تھے۔ وہاں کے طلباء نے ہماری دعوت کی اور عربی زبان میں تحریر شدہ ایک سپاسنامہ پیش کیا۔ مولانا ہزاروی نے فرمایا کہ میں نے اس سپاسنامے کا جواب اسی وقت عربی زبان میں زبانی دیا۔ جس کو ندوۃ العلماء کے مدرسین اور طلباء نے نہایت پسند کیا۔ اس دورے کا ذکر کرتے ہوئے حضرت ہزاروی نے یہ بھی بیان فرمایا کہ ندوۃ العلماء والوں کو ادب عربی کی مہارت پر بڑا ناز تھا۔ چنانچہ ایک منتہی طالبعلم نے امتحاناً ادب عربی کی مشہور کتاب حماسہ کے ایک قصیدے کا پہلا شعر سنا کر مجھ سے کہا کہ آگے پڑھو تو میں نے الحمدللہ باقی پورا قصیدہ وہیں پر زبانی سنا دیا۔ جس پر سننے والوں نے کچھ تعریفی کلمات کہے۔

۱۹۱۹ء کے بعد مولانا بسلسلہ تبلیغ دین ملازم ہو کر حیدر آباد دکن چلے گئے۔ ۱۹۱۹ء میں ہی آپ کی شادی ہوئی اور ۱۹۲۷ء میں راقم الحروف آپ کے ہمراہ حیدر آباد دکن گیا۔ اس وقت احقر کی عمر گیارہ بارہ سال تھی۔ اور مولانا کے ساتھ احقر کا یہ پہلا سفر تھا۔ اور پھر اللہ کی عنایت سے زندگی کے چون سال حضرت مولانا ہزاروی کے ساتھ گذر گئے۔ راقم الحروف نے، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مفتی کفایت اللہ، حضرت مدنی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور ان کے والد مولانا محمد زکریا

صاحب، حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، چوہدری افضل حق صاحب، خان عبدالغفار خان صاحب، ڈاکٹر خان صاحب، مولانا ابوالکلام آزاد رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے بہت سے اکابر کی مجلس وزیارت کی۔ لیکن اس تمام عمر میں فطرتی قلندر چار آدمی دیکھے (۱) چوہدری افضل حق صاحب (۲) مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ۔ (۳) مفتی فقیر اللہ راۓ پوریؒ اور (۴) مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہم اللہ۔

مولانا کا ایک لڑکا زین العابدین نامی تھا جو ۱۹۳۲ء میں فوت ہوگیا۔ وہ بچپن میں کہا کرتا تھا کہ میرے والد کی جیب میں چار آنے بھی ہوئے تو پھر وہ گھر نہیں ٹک سکتا۔

مولاناؒ نے ساری عمر خود اختیار کردہ تنگی میں گذاری۔ تکلف وتصنع سے سخت نفرت تھی۔ ۱۹۳۸ء میں مطب کیا کرتے تھے ایک دفعہ حضرت مولانا عبدالحئ صاحب ساکن بھوئی گاڑ اور مولانا داؤد صاحب ساکن ٹیکسلا ہم تینوں مولانا کی ملاقات کے لیۓ بفہ گئے۔ دوپہر کا کھانا مانسہرہ میں کھا لیا تھا۔ میرا بفہ پہنچے۔ ہم نے راستے میں طے کر لیا تھا کہ رات کو مولانا کے پاس بفہ میں رہیں گے۔ مانسہرہ میں ایک تاجر نے چاندی کے دوسو روپے دے دیئے کہ بفہ کے گوہر رحمٰن نامی تاجر کو آپ مولانا کے ذریعے یہ رقم پہنچا دینا۔ ہم نے وہ رقم مولانا کو دی تو مولانا نے وہ رقم اپنی میز پر ڈھیر لگا دی۔ اب ہاتھوں سے ان روپوں کو اٹھانا اور چھن کرانا شروع کر دیا اور فرماتے ہیں کہ بازار میں لوگ سامنے سے گذر رہے ہیں۔ جو مہربان گذریں گے خوش ہوں گے کہ آج مولاناؒ کے پاس بہت ساری دولت آگئی ہے۔ (۱۹۳۸ء میں چاندی کے دوسو روپے بڑی بات تھی)

اور جو دشمن ہوں گے وہ جلیں گے کہ اتنی دولت غلام غوث کے پاس کیوں آگئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک آدمی بھیج کر گوہر رحمٰن کو بلا کر وہ رقم اس کے حوالے کر دی۔ اس اثنا میں مولانا داؤد صاحب نے مجھے اشارہ کیا کہ رات رہنے کی بات پکی کرو۔ میں نے اندازِ کلام یہ اختیار کیا کہ مولانا ملاقات تو ہو گئی اب اجازت دیں تو ہم چلے جائیں۔ ہمارا مطلب یہ تھا کہ ہم اس طرح کہیں گے تو مولانا فرمائیں گے کہ رات ٹھہر جاؤ تو ہم رہ پڑیں گے۔ لیکن مولانا نے تھوڑی دیر سوچا پھر فرمایا۔ نہیں تھوڑی دیر ٹھہریں ظہر نماز پڑھ کر چائے پی کر چلے جائیں۔ ہم تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا کہ فائر تو خطا گیا۔ رات ٹھہرنے والی بات تو نہ بنی مگر ہم خود تو مولانا کو نہ کہہ سکتے تھے کہ "قمان نہ مان ہم تیرے مہمان"۔ ویسے ہی خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ مولانا بھی کچھ افسردہ تھے۔ ظہر کی نماز پڑھ کر مکان پر آنے چائے منگوائی تو اس اثناء میں ایک مریض آگیا۔ چاندی کے سفید سفید دو روپے کی دوائی لی۔ دو روپے ہاتھ میں آنے کے بعد مولانا کا چہرہ مسرت سے کھل گیا۔ اب دو روپوں کو بار بار بجاتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں اب تو آپ نہیں جا سکتے۔ اب تو اللہ نے آپ کا رزق بھیج دیا ہے۔ اب خوب دعوت اڑائیں گے پہلے تو یہ بات تھی کہ آج گھر میں کچھ نہ تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر سے ادھار لینے کا تانا بانا سوچا مگر خیال آیا کہ یہ تکلف ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اب جو دو روپے بھیج دیئے ہیں تو اب میں آپ کو کب جانے دیتا ہوں۔ چنانچہ ہم بڑی خوشی سے رات رہے۔ چالیس سال سے زیادہ عرصہ گذر گیا ہے مگر مولانا کی اس عظیم بے نفسی کے سامنے سر جھک جاتا ہے۔

۱۹۶۳ء میں مولانا حج پر گئے۔ ماہ ذی الحجہ کا چاند بہت سے حاجیوں نے بدھوار کی شام کو یعنی شب جمعرات کو دیکھا تھا۔ اس حساب سے یوم الحج بروز جمعہ

۹ ذی الحجہ کو ہوتا تھا لیکن سعودی حکومت کسی وجہ سے اعلان کر بیٹھی کہ یوم الحج بروز ہفتہ ہوگا۔ کچھ لوگوں نے مولانا ہزاروی کو متوجہ کیا تو مولانا نماز کے بعد کھڑے ہوگئے اور عوام کو متوجہ کر کے عربی، اردو اور پشتو میں ایک جوشیلی تقریر کی جس کا خلاصہ کچھ یوں تھا کہ اسلام کے ایام عبادت چاند دیکھنے پر مقرر ہیں، کسی کیلنڈر، جنتری یا کسی شاہی حکم کے ماتحت نہیں۔ چونکہ عوام کی اکثریت نے شب جمعرات کو خود چاند دیکھا ہے۔ اس لیے شرعی احکام کے مطابق میدانِ عرفات میں یوم الحج بروز جمعہ ہوگا۔ قافلے کی قیادت میں خود کروں گا۔ جو مسلمان میرے ساتھ متفق ہیں وہ ہاتھ کھڑا کریں۔

چونکہ تقریر تین زبانوں میں ہوئی تھی۔ اس لیے حرم شریف کا تمام مجمع مولانا کا ہمنوا بن گیا۔ اس اعلان سے مکہ شریف کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہلچل مچ گئی۔ حکومت نے رات گیارہ بجے پھر اعلان کیا کہ حج بروز جمعہ کو ہوگا۔ مولانا کی اس جرأتمندانہ تقریر پر دنیا کے مسلمان شکر گذار اور حیران ہوئے۔

۱۹۶۲ء کی ون یونٹ مغربی پاکستان اسمبلی میں، مولانا ہزاروی ممبر اسمبلی منتخب ہوگئے تو انہوں نے اسمبلی میں ایک مجاہد عالم دین ہونے کی حیثیت سے اتنا موثر کردار ادا کیا کہ اسمبلی میں پہلی بار جب کسی کی وفات پر انگریزی طریقے کے مطابق چند منٹ کھڑے ہو کر مکمل خاموشی اختیار کرنے کی تحریک آئی تو یہ مرد مجاہد مولانا ہزاروی تھے۔ جنہوں نے بھرے ہاؤس میں خطاب کرتے ہوئے اراکین پارلیمنٹ سے فرمایا کہ انگریز ایک عرصہ ہوا اس ملک کو چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ اب اظہار تعزیت کیلئے خاموشی ایک انگریزی لعنت ہے جس کو مسلمانوں کے اس ہاؤس میں باقی رکھنا اسلامی اقدار کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔ اس لیے میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ کسی مرنے والے مسلمان کے لیے فاتحہ پڑھ کر اس کو ایصال ثواب کیا جائے۔ صرف خاموشی کا آخر کیا فائدہ؟

چنانچہ مغربی پاکستان اسمبلی لاہور کی تاریخ میں پہلی بار سپیکر کے کہنے پر مولانا ہزاروی نے خاموشی کے بجائے ایصال ثواب کے لیئے دعا کرائی ۔ اور انگریزوں کا چلا ہوا طریقہ تعزیت تاریخ میں پہلی بار ایک مرد مجاہد کی جرأت اور بے باکی کے نتیجے میں فین میں ہمیشہ کے لیئے دفن کر دیا گیا۔

۱۹۷۰ء میں جب جامعہ ازہر مصر کے ہزار سالہ جشن موتمر عالم اسلامی کے اجلاس میں مولانا صاحب حکومت مصر کی دعوت پر شریک ہوئے۔ وہاں ایک سوال یہ بھی تھا کہ جس طرح قرون اولیٰ میں اسلام کی اشاعت بہت تیز ہوتی تھی اب کیوں رک گئی ہے۔ اس پر ایک یورپ زدہ سوڈانی کالجی مولوی نے تقریر کی۔ تقریر میں کہا کہ اسلام چونکہ نظام غلامی کو تسلیم کرتا ہے۔ اور انسانی فطرت نظام غلامی کو ناپسند کرتی ہے۔ اس لیئے اب تعلیم عام ہوجانے کی وجہ سے دنیا اسلام کے اس نظریہ کو ناپسند کرتی ہے۔ اس لیئے لوگ اسلام سے رغبت نہیں رکھتے۔ اس مرحلے پر مولانا کھڑے ہو گئے اور صدر اجلاس کو مخاطب کر کے کہا کہ جناب عالی مجھے محترم مقرر کے اس نظریہ سے اختلاف ہے۔ اس لیئے اس مسئلے کی وضاحت کے لیئے مجھے وقت دیا جائے۔ چنانچہ صدر اجلاس نے مولانا کے لیئے دوسرے دن کا وقت مخصوص کر دیا۔ اس سفر میں مولانا بنوری کراچی، مولانا تاج الاسلام ڈھاکہ اور مفتی محمود صاحب بھی ہمراہ تھے۔ مولانا نے ایک ولولہ انگیز تقریر تیار کی اور دوسرے دن سوڈانی یورپ زدہ لیکچرار کی تقریر کے پرخچے اڑا کر رکھ دیئے ۔

مصر سے مولانا واپس آئے تو قاضی شمس الدین صاحب نے مولانا سے اس تقریر کا مسودہ لے کر اس کا سلیس اردو میں ترجمہ کیا۔ پھر یہ ترجمہ روزنامہ جنگ راولپنڈی کی ۱۲ جولائی ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا۔ پھر جنگ سے ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور نے نقل کیا۔ اور ترجمان اسلام سے ہفت روزہ خدام الدین، ماہنامہ "تبصرہ" لاہور

اور ماہنامہ "شمس الاسلام" سرگودھا نے شائع کیا۔ اور ان کے علاوہ مختلف کتابچوں کی شکل میں لوگوں نے شائع کیا۔ اور اکابر علماء سے سنا کہ پہلے ہم مولانا ہزاروی کو صرف مقرر ہی سمجھتے تھے مگر یہ مقالہ پڑھنے کے بعد علوم دینیہ میں مولانا کی وسیع النظری کا اعتراف کرنا پڑا۔

۱۹۳۶ء میں مانسہرہ کے دو فریقین مقدمہ کی خواہش کے مطابق ایک مقدمہ جج نے شرعی عدالت کے لیئے حضرت مولانا کے پاس بھیجدیا اور مولانا نے شرعی فیصلہ کردیا۔ ہارے ہوئے فریق نے اس فیصلے کے خلاف بالائی عدالت میں اپیل کی۔ اور ایک قابل وکیل بڑی فیس پر کرلیا۔ تاریخ مقدمہ پر اپنے فیصلے کی وضاحت کے لیئے مولانا عدالت میں پہنچے تو وکیل نے مولانا پر جرح کی۔ مولانا نے جرح کا جواب دیا۔ اب مولانا نے وکیل صاحب پر دو تین جرحیں کردیں۔ مولانا کی جرحیں ایسی پر لطف اور شگفتہ تھیں کہ کمرہ عدالت کشت زعفران بن گیا۔ مولانا کی دو تین الزامی اور ظریفانہ جرحوں کے نتیجے میں وکیل صاحب کی قانونی تگ و دو تمام ہوگئی۔ وکیل صاحب بولے جناب عالی مجھے افسوس ہے کہ میں مقدمہ کی تیاری کر کے نہیں آیا۔ اس پر مولانا نے عدالت کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہوئے یہ شعر پڑھا۔

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

فیس تو پہلے وصول کرلی مگر تیاری کے بغیر ہی مقدمہ کو لڑنے آگئے۔ اس پر زبردست قہقہہ لگا۔ اور جج صاحب نے اپیل خارج کردی۔

اکابر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق مودودی صاحب کے انتہائی ... لیے اور بے رحمانہ حملوں کی وجہ سے فتنۂ مودودیت سے بطور خاص ہر طرح کا

مقابلہ رہتا تھا۔ اور دہشت گرد صالحین " نے بھی مولانا صاحب پر ہتھیار ولی سے ہر طرح کے حملے کیئے۔ اور ظالمانہ کردار کشی کا کوئی ادنیٰ موقع بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

علمی دہشت گردی کے تحت عام طور پر ہزارہ میں ہر جگہ مودودی صاحب کے چیلے بکتے پھرتے تھے کہ لاہور میں مولانا ہزاروی کی اتنی کوٹھیاں ہیں۔ ہزارہ میں مولانا کی اتنی بسیں چلتی ہیں۔ مولانا کے خلاف انتہائی گھٹیا اور گندی زبان میں اشتہار، پمفلٹ اور رسالے چھاپے۔ چنانچہ ہمارے ہریپور کے ایک نوجوان (جس کو خود اس کے مہربان موشے وایان کہتے ہیں) نے بھی ایک چیتھڑہ "مولانا ہزار داستان" کے نام سے چھاپ دیا۔ اور انتہائی بازاری زبان میں نہایت گندے جھوٹ لکھ کر اپنی عاقبت خراب کی۔ یہ ذلیل مولانا مفتی محمودؒ کو مولانا ڈبل میم اور مولانا ہزاروی صاحب کو مولانا ڈبل غین لکھا کرتے تھے۔ حالانکہ ان کے مقدس آب مفتی ڈبل وال مشہور تھے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے :

دیا ہم کو طعنہ ڈبل غین کا
کہ جب خود بدولت ڈبل وال ہیں

یہ لوگ دراصل مولانا کے مزاج سے واقف نہیں تھے۔ مولانا پر ایک مقدمہ ہتک عزت کا ایبٹ آباد میں دائر کیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ مولانا صاحب مرعوب ہو جائیں۔ لیکن جب مودودیوں کی توقعات کے برعکس مولانا ڈٹ گئے۔ اور گواہوں کی فہرست میں مفتی ڈبل وال کو بھی طلب کر لیا۔ تو صالحین ایبٹ آباد کو دن میں تارے نظر آنے لگے۔ اب اپنے مقدمہ کی خود ہی عدم پیروی کر کے مقدمہ خارج کرا لیا۔ اور متوقع رسوائی سے جان چھڑائی۔ گویا کہ جان بچی تو لاکھوں پائے۔ اس کے بعد مولانا نے بھی رفتار کو

تیز کر دیا۔ تو بالآخر مفسدوں نے بھی مولانا کی زندگی ختم کر دینے کا فیصلہ کر دیا۔ آخر کار اسلحہ کی دہشت گردی پر اتر آئے۔ اور اجرتی قاتلوں سے مولانا پر لیس اڈہ حویلیاں میں آتشین اسلحہ اور تیز دہار خنجروں سے حملہ کر دیا۔ چھ انچ کے فاصلے سے گولی سے مولانا کے دل کا نشانہ بنایا۔ اور سان پر لگی۔ چھری سے دوسرے اجرتی نے بھی حملہ کیا مگر تینوں اجرتی موقع پر ہی رنگے ہاتھوں پکڑے گئے۔ اور مولانا اور ان کے ساتھ مسعود الرحمٰن گیلانی والے بال بال بچ گئے اور صالحین کی صالحیت کا پورے ملک میں جنازہ نکل گیا۔ ملزم ذلیل وخوار ہو کر اپنے انجام بد کو پہنچے۔

سنہ ۱۹۷۷ء میں صوبائی انتخاب تھا۔ مولانا کا مقابلہ خان عطائی خان ساکن بجل کے ساتھ تھا۔ دوسرے دن پولنگ تھا۔ آپ بہت معروف تھے۔ کارکنوں کو وہ شوروں کی فہرستیں دے رہے تھے۔ اور ہدایات جاری فرما رہے تھے۔ کہ اچانک ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہانپتا کانپتا ہوا آیا۔ یہ موضع بھیر کنڈ کا ایک خان تھا۔ بہت پریشانی سے کہتا ہے کہ میرے بھانجے میاں فتاح اللہ کاکاخیل کے گاؤں کہنیاں میں لکھنؤ کا ایک تیز طرار شفیع الحسنین نامی شیعہ مجتہد آگیا ہے۔ جو للکار کر مسلمانوں کو رافضی کرنے پر تلا ہوا ہے۔ اور علاقے کے سب مولوی اس نے لاجواب اور بے بس کر دیئے ہیں۔ خدارا آپ جلدی پہنچیں تاکہ میرے بھانجے اور مسلمانوں کے ایمان بچ جائیں۔ مولانا نے کہا کہ بھائی میں سخت مجبور ہوں کل صبح میرا پولنگ ہے۔ آج کا ہی ایک دن میرے پاس ہے۔ اس لیئے میں نہیں جا سکتا۔ اس نے کچھ اصرار کیا۔ تو مولانا نے سختی سے اس کو جھڑک دیا۔ اب اس نے ایک دوسرا رخ اختیار کیا اور مولانا سے معانقہ کرتے ہوئے بولا۔ اچھا مولانا! اب میں رخصت ہوتا ہوں۔ اب جا کر ہم لوگ شیعہ ہو جائیں گے۔ قیامت

کے دن اللہ ہم سے پوچھیں گے تو ہم کہیں گے کہ ہمارے پاس لکھنؤ کا ایک مجتہد شیعہ آگیا تھا۔ جس کا جواب ہم سے نہ بن سکا اور ہم مولوی غلام غوث ہزاروی کے پاس گئے تھے مگر اس نے جواب دیا کہ میرا الیکشن ہے۔ میں نہیں جاسکتا۔ اس وجہ سے ہم شیعہ ہو گئے تو مولوی صاحب آپ بھی اس دن کے لئے جواب تیار رکھنا۔ یہ کہہ کر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر جانے لگا تو مولانا نے دوڑتے ہوئے اس گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ اور فرمایا بھائی تم نے بہت سخت بات کہہ دی ہے۔ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ چنانچہ سب کام چھوڑ کر مولانا بھیر کنڈ روانہ ہو گئے۔ اللہ کی شان وہ شیعہ مجتہد مولانا کے پہلے سوال پر ہی ایسا لاجواب ہوا کہ بدحواسی میں کتابیں، جوتے وہیں چھوڑ کر نالوں، کھیتوں اور پہاڑیوں کو پھلانگتا دوڑتا، ہانپتا پیدل لکھنؤ پہنچ کر دم لیا۔

نتیجہ میں مولانا الیکشن ہار گئے مگر علاقہ مانسہرہ کے لوگوں کا ایمان بچ گیا۔ مولانا جب بھی اس واقعہ کا ذکر فرماتے تو فرمایا کرتے تھے کہ کہاں وہ جیت الیکشن جیتنے سے ہزاروں گنا بڑی جیت تھی۔

**کمینہ پن اور اس کا طریقہ اظہار** ایک دفعہ مودودی پارٹی کے چند کمینوں نے یہ حرکت کی کہ مولانا کے فوٹو کے ساتھ کسی نوخیز خوبصورت عورت کا فوٹو جوڑ کر اس کا دوبارہ فوٹو لیا تو نیا فوٹو یوں لگتا تھا کہ مولانا کسی عورت کے ساتھ جڑ کر کھڑے ہیں۔ پھر یہ نیا فوٹو کسی عورت کے ذریعے مولانا کی اہلیہ محترمہ کے پاس اس بیان کے ساتھ بھیجا دیا کہ مولانا نے اس عورت کو نئی نویلی دلہن بنا کر لاہور کی عالیشان کوٹھی میں رکھا ہوا ہے۔

مولانا سفر سے گھر پہنچے تو اہلیہ محترمہ بگڑی بیٹھی تھیں وجہ پوچھنے پر وہ فوٹو نکال کر سامنے رکھ دیا کہ لاہور میں اس کے ساتھ شادی کر رکھی ہے۔

مولانا کمیلپوری مخالفین کی اس حرکت پر حیران رہ گئے۔ کوٹھی کی بات آگئی تو اس ضمن میں دو واقعات اور بھی پڑھتے چلیں۔ مولانا بھوسہ منڈی کی مسجد کے ایک حجرے میں رہا کرتے تھے جس کا طول و عرض آٹھ مربع فٹ تھا۔ ایک دفعہ مولانا کوثر نیازی صاحب مولانا کو ملنے آئے اور جب اس کوٹھڑی میں پہنچے تو مولانا نے ہنس کر فرمایا "لیجئے تو آپ میری کوٹھڑی دیکھ چکے ہیں اچھا ہوا کہ آپ نے پنڈی کی یہ عالیشان کوٹھی بھی دیکھ لی جس کا مخالفین نے بڑا چرچا کر رکھا ہے۔

ایک دفعہ تحصیل مانسہرہ کے رئیس اعظم اور مولانا کے الیکشن کے قدیمی حلیف بادشاہ خان (محمد ہارون خان آف سم الہی منگ) مولانا صاحب کو ملنے آگئے۔ اس وقت مولانا تو مسجد میں تھے۔ اسی کوٹھڑی میں راقم الحروف بھی موجود تھا۔ ہارون خان صاحب مجھ سے پوچھنے لگے کہ مولانا کا ڈرائینگ روم کہاں ہے۔ میں نے مسکرا کہا کہ جہاں آپ تشریف رکھتے ہیں۔ بادشاہ خان بکے بکے رہ گئے۔

۱۹۶۵ء میں رمضان کا مہینہ تھا مولانا ٹائیفائڈ میں مبتلا ہو گئے اور اپنے گھر میں قیام پذیر تھے۔ عیدالفطر کے دوسرے روز راقم الحروف بمع دو ساتھیوں کے بغرض عیادت کے لیئے حاضر ہوا۔ مولانا کی طبیعت کافی کمزور تھی۔ پردہ کرواکر اندر برآمدے میں بلوایا۔

برآمدہ اتنا اونچا تھا کہ احقر ایک دفعہ اٹھا تو سر چھت کے ساتھ ٹکرانے لگا۔ اور چھت سیاہ کالی، یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سالہا سال سے مکان کی مرمت نہیں ہوئی۔ میں نے عرض کیا حضرت! اگر یہ چھت ذرا اونچی ہو اور قدرے اونچی ہو تاکہ پریشانی نہ ہو۔ فرمایا! مولانا وہ زندگی بھی کیا زندگی ہے جو

مٹی اور گارے کی نظر ہو جائے۔ اس مکان میں بھی گذر جائے گی۔ اور عالیشان کوٹھی میں بھی گذر جاتی ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ اس فانی زندگی کو اس طرح گذارے کہ مرنے کے بعد اگر کوئی کلمۂ خیر نہ کہے تو کم از کم برائی سے تو بچے۔ اوپر عنیـ ـدوں کی فوٹو والی کمینہ حرکت آپ نے پڑھی ہے۔ تو اب اپنوں کی بھی ایک شریفانہ حرکت ملاحظہ فرمائیں اور مولانا کی مظلومیت کا اندازہ لگائیں۔

جب دار العلوم دیو بند کے جشن صد سالہ پر پاکستان سے فضلاء دیو بند نے جانا تھا اور مولانا تو باسٹھ سال پہلے کے فاضل دیو بند تھے جب معمول واصول مولانا کے کاغذات بھی اسلام آباد میں تیار ہو گئے اور مولانا صاحب کو بذریعہ ٹیلیفون بعد میں اطلاع دے دی گئی۔ جب مولانا تیار ہو کر پنڈی پہنچے تو مولانا کو معلوم ہوا کہ کاغذات تو تیار ہی نہیں ہوئے۔ بنے بنائے کاغذات خراب ہو گئے۔ اس طرح مولانا کو سفرِ دیو بند سے محروم کر دیا گیا۔ وہ بغلیں بجاتے اور پھولے نہ سماتے تھے کہ بڑا تیر مارا۔ حالانکہ جن مقدسین نے یہ حرکت کی تھی وہ خود فاضل دیو بند نہ تھے۔ مگر ان کو خطرہ تھا کہ مولانا دیو بند گئے تو ان کی کروفر وہاں قائم نہ رہ سکے گی۔

دیکھا جو تیر کھا کے کمین گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ

(القرآن)

**لباس** مولانا کا لباس ہمیشہ سفید ہوتا تھا۔ جو بالعموم کھدر کا ہوتا

تھا۔ اور شلوار، قمیص اور کھلے جیبوں والی صدری اور پگڑی۔ اور بقول جناب کوثر نیازی صاحب کی صدری کی یہ جیبیں اپنے غریب حاجتمند ساتھیوں کی درخواستوں کا بریف کیس ہوتی تھیں۔ اور وزیراعظم سے لے کر ہر متعلقہ وزیر سے ان درخواستوں پر بے دریغ احکام لکھواتے چلے جاتے۔ مگر خود سنگِ پارس کی مثال تھے کہ دوستوں کے لاکھوں روپے کے کام کرواتے مگر خود اپنا ایک دمڑی کا ذاتی کام کسی کو نہ کہا۔ جن دنوں پرمٹوں لائسنس ایجنسیوں کے احکام مولانا لوگوں کے لیئے لکھوایا کرتے تھے احقر کے دل میں خیال آیا کہ مولانا کی مالی حالت ہمیشہ خراب رہی ہے۔ کیوں نہ کوئی ایجنسی مولانا کے لیئے کسی دوسرے نام پر حاصل کر لی جائے۔ چنانچہ میں نے مولانا صاحب سے ڈرتے ڈرتے یہ بات کی تو مولانا یکدم بھڑک اٹھے اور بڑی رنجیدگی سے مجھے کہا کہ قاضی صاحب چودہ برس سے مجھے آپ پر جو اعتماد تھا۔ اسے آپ نے ٹھیس پہنچا دی۔ آپ کو وہ حدیث یاد نہ رہی کہ بچے پر باپ سے ماں زیادہ مہربان ہوتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ماں سے بھی زیادہ شفیق ہے۔ ماں بھول بھی سکتی ہے، سو بھی سکتی ہے، غافل بھی ہو سکتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نہ بھولتا ہے، نہ غافل ہوتا ہے اور نہ ہی سوتا ہے تو اللہ کے دائمی یقینی فضل وکرم پر میرا جو اعتماد ہے۔ آپ اس کو ہٹا کر ایجنسی کی فانی آمدنی پر لانا چاہتے ہیں۔

لباس کے ضمن میں ایک اور واقعہ بھی پڑھ لیں۔ ۱۹۷۰ء کی ون یونٹ مغربی پاکستان اسمبلی کیلیئے (جو آجکل کی قومی اسمبلی کے برابر تھی)

نوٹ :۔ یہ مضمون ماہنامہ تبصرہ مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے خصوصی نمبر میں شائع ہو چکا ہے۔

وہ جس پہ غلبۂ حبِ نبی ہے — غلام غوث وہ مردِ جری ہے
سراپا عشق، اخلاص و محبت — ولی ہے بالیقین کامل ولی ہے
وہ باطل کیلئے ہے برقِ سوزاں — مثیلِ آفتابِ آگہی ہے
صفِ اوّل میں تھا احرار کی بھی — جمعیۃ کی وہ روحِ تازگی ہے
بوذرِ دورِ حاضر کا وہ ہے اک — براہیم بتانِ آزری ہے
ہمیشہ خدمتِ دیں نجے سے کی — یہی ان کی متاعِ زندگی ہے
تکلم میں بھی شاہانہ تکلم — فقیری میں بھی شانِ تازگی ہے
ہر باطل سے ٹکرایا ہے واللہ — سرِ مقتل بھی سچی بات کہی ہے
ہوالاعلیٰ کا مندر جس نے توڑا — زمانے کا وہ اپنے غزنوی ہے
وہ ہے اک غیر ذخولی کا مرقع — بظاہر مفلسی سا آدمی ہے
مجددِ الفِ ثانی سے ہے نسبت — خدا شاہد بڑی نسبت قوی ہے
سراپا عزم و ہمت، زہد و تقویٰ — عجب ان کی مثالی زندگی ہے
ولی اللہ کے مکتب کا عارف — وہ گویا اک چراغِ آخری ہے۔

—: محمود احمد صاحب عارف لاہور :—

مرتب :۔ مولانا سید منظور احمد شاہ ۔ مانسہرہ

حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی اسلام کی برہنہ شمشیر تھے ۔ وہ حق بات کہنے میں اپنوں اور بیگانوں کا کبھی لحاظ نہ کرتے تھے ۔ مولانا ہزاروی کو مودودی صاحب کی تحریروں اور سیاسی روش دونوں سے اختلاف تھا۔ چنانچہ مودودی کی تحریروں کے اقتباس حاضر ہیں جو مودودی صاحب کی اصل کتابوں سے لیے گئے ہیں۔

## مودودی صاحب کی زندگی کا پس منظر

اس قسم کے لوگوں میں آج کل ایک مشہور شخصیت جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی ہے جو بچپن ہی سے طباع و ذہین مگر معاشی پریشانی میں مبتلا تھے۔ ابتدا میں اخبار مدینہ بجنور میں ملازم ہوئے اور پھر دہلی میں جمعیت علماء ہند کے اخبار "مسلم" سے وابستہ رہے۔ پھر چند سالوں کے بعد اخبار "الجمعیۃ" دہلی میں ملازم ہو گئے ۔ جو جمعیت علماء ہند کا ترجمان تھا۔ دہلی سے نکلتا تھا غالباً سہ روزہ تھا۔ تاریخ کے جواہر پاروں کے عنوان سے ان کے مضامین بہت آب و تاب سے نکلتے تھے اس طرح مودودی صاحب کی قلمی تربیت مولانا احمد سعید صاحب کے ذریعے سے ہوتی گئی۔ والد مرحوم کی وفات کی وجہ سے اپنی تعلیم نہ صرف یہ کہ مکمل نہ کر سکے بلکہ وہ بالکل ابتدائی عربی تعلیم کی کتابوں میں رہ گئے ۔ نہ جدید تعلیم سے بہرہ ور ہو سکے۔ پرائیویٹ انگریزی تعلیم حاصل کی اور انگریزی سے کچھ مناسبت ہو گئی ۔ اس دور کے اچھے اچھے لکھنے والوں کی کتابوں اور تحریرات اور مجلات و جرائد سے بہت کچھ فائدہ حاصل کیا اور قلمی قابلیت روز افزوں ہوتی گئی۔ بدقسمتی سے نہ کسی دینی درسگاہ سے فیض حاصل کر سکے نہ جدید علوم کے گریجویٹ بن سکے۔ نہ کسی پختہ کار عالم دین کی صحبت نصیب ہو سکی۔ ایک مضمون میں خود اس کا اعتراف کیا ہے جو عرصہ ہوا ہندوستان میں مولانا عبدالحق مدنی مرادآبادی کے جواب میں شائع ہوا تھا۔ بلکہ بدقسمتی سے نیاز فتحپوری

جیسے ملحد و زندیق کی صحبت نصیب ہوئی ۔ ان سے دوستی رہی ان کی صحبت و رفاقت سے بہت کچھ غلط رجحانات و میلانات پیدا ہو گئے۔ حیدرآباد دکن سے ۱۹۳۳ء میں ماہنامہ ترجمان القرآن جاری کیا، آب و تاب سے مضمون لکھے ، بہتر سے بہتر پیرائے میں کچھ قلمی و علمی چیزیں ابھرنے لگیں ۔ ان دنوں ملک کی سیاسی فضا مرتعش تھی ۔ تحریکِ آزادی ہند فیصلہ کن مراحل میں تھی ۔ ہندوستان کے بہترین دماغ اسی کی طرف متوجہ تھے ۔ مودودی صاحب نے سب سے ہٹ کر " اقامتِ دین " اور " حکومتِ الٰہیہ " کا نعرہ لگایا ۔ اور تحریک آزادی کی تمام قوتوں پر بھرپور تنقید کی ۔ ان کے بھولے مداح یہ سمجھے کہ شاید دینِ قیّم کا آخری سہارا بس مودودی صاحب کی ذات رہ گئی ہے ۔ چنانچہ بہت جلد مولانا سید ابوالحسن ندوی ، مناظر احسن گیلانی اور عبدالماجد دریا آبادی کے قلم سے خراجِ تحسین وصول ہونے لگا ۔ ظاہر ہے کہ اس وقت مودودی صاحب صرف ایک شخص کا نام تھا ۔ نہ اس وقت اس کی دعوت تھی نہ جماعت تھی نہ تحریک تھی ۔ ان کی تحریرات اور زورِ بیان سے بعض اہلِ حق کو ان سے توقعات وابستہ ہوئیں ۔ ان کی آمادگی اور چودہری محمد نیاز کی حوصلہ افزائی سے پٹھان کوٹ میں " دارالاسلام " کی بنیاد ڈالی گئی ۔ لیگ و کانگریس کی رسہ کشی شروع ہوگئی تھی ۔ ان کے قلم سے ایسے مضامین نکلے اور سیاسی کشمکش کے نام سے ایسی کتاب وجود میں آگئی کہ ہمنوا حضرات سے اس کو خراجِ تحسین حاصل ہوا اور سیاسی مصالح نے اس کو پروان چڑھایا ۔ لاہور میں اجتماع ہوا اور باقاعدہ امارت کی بنیاد ڈالی گئی ۔ اور ان کی ایک تقریر پڑھی گئی جس میں بتایا گیا کہ امیرِ وقت کے لئے کیا کیا امور ضروری ہیں ۔ اربابِ اجتماع میں مشہور شخصیتیں جناب مولانا محمد منظور نعمانی ،

مولانا ابو الحسن علی ندوی، مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا مسعود عالم ندوی بھی تھے۔ بڑے امیر خود منتخب ہو گئے۔ اور چار امراء یہ حضرات ماتحت امراء منتخب ہوئے۔ جماعت اسلامی باقاعدہ وجود میں آگئی، اس کا دستور آگیا، اس کا منشور آگیا، لوگوں کی نگاہیں اٹھیں، ہر طرف سے امیدیں وابستہ ہو گئیں۔

(بحوالہ اکابر امت اور مودودی صاحب صفحہ ۵۴ تا صفحہ ۵۵)

حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی نے مودودی صاحب ...... اور جماعت اسلامی کے خلاف کیوں شدت اختیار کی۔ اس کی بنیادی وجہ مودودی صاحب کے عقائد اور تحریروں سے اختلاف تھا، مودودی صاحب نے انبیا کرام علیہم السلام کی توہین کی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تنقید کا نشانہ بنایا، وہ شیعی روایات جو خود ساختہ اور من گھڑت تھیں۔ ان کا سہارا لے کر اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کیا۔

اختلاف کی دوسری وجہ جماعت اسلامی کا سیاسی نظریہ بھی تھا جو نام تو اسلام کا لیتی تھی لیکن سیاست سراسر غیر اسلامی کرتی، اور جب بھی موقع آتا تو جماعت اسلامی میدان چھوڑ کر بھاگ جاتی۔ مثلاً ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں ابتداً میں شامل ہوئی اور جب دیکھا کہ تحریک تو دن بدن شدت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ اور تحریک کے قائدین کو مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا تو مودودی صاحب فوراً بدل گئے۔ ہر مذہبی تحریک میں جماعت کا کردار یہی رہا کہ جہاں جماعت کا مفاد دیکھا تو شامل ہو گئے۔ جہاں مفاد نظر نہ آیا تو کھسک جانے میں ہی عافیت سمجھی۔

اب بطور نمونہ مودودی صاحب کے عقائد کے بارے میں ان کی وہ دلآزار

تحریریں پیش خدمت ہیں۔ اگر پوری تحریریں درج کی جائیں تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔ بطور مشتے از خروارے حاضر خدمت ہیں، ملاحظہ ہوں۔ یہ حوالے اصل کتابوں سے نقل کیئے گئے ہیں اگر کسی اور کتاب سے نقل کیئے ہیں تو حوالہ ساتھ دے دیا ہے۔ اکثر جگہ نئے ایڈیشنوں میں چھاپنے والوں نے صفحات آگے پیچھے کر دیئے ہیں۔ میں نے ساتھ ایڈیشن کا بھی حوالہ دیا ہے تاکہ تلاش کرنے والوں کو آسانی رہے۔

**مودودی صاحب اور متعہ** متعہ کی حرمت پر قرآن کریم، نصوص صریحہ موجود ہیں اور امت کا اجماع ہے بلکہ محققین کا نظریہ تو یہ ہے کہ اسلام میں متعہ مروجہ ایک آن کے لیئے بھی حلال نہیں ہوا۔ مکہ میں نازل شدہ صریح آیات کے خلاف مدینہ پہنچ کر اجازت کیسے مل گئی؟ جن احادیث سے عارضی طور کے چند دن کا جواز معلوم ہوتا ہے ان سے متعہ مروجہ مراد نہیں بلکہ نکاح بمہر قلیل با ضمار نیت فرقت مراد ہے یہ اجازت بھی بعد میں منسوخ ہو گئی۔ بہر کیف حقیقت کچھ بھی ہو اس پر امت کا اجماع ہے کہ متعہ قیامت تک کے لیئے حرام کر دیا گیا ہے۔ مگر پوری امت اور نصوص قرآن کے خلاف مودودی صاحب نے ترجمان القرآن بابت اگست ۱۹۵۵ء میں بوقت ضرورت جواز متعہ کا فتویٰ شائع کیا۔ پھر جب اس پر چاروں طرف سے لے دے شروع ہوئی تو فرماتے ہیں کہ میں نے شیعہ کو یہ مشورہ دیا تھا۔ حالانکہ ہر شخص مودودی صاحب کا پہلا مضمون دیکھ کر یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ انہوں نے یہ مضمون اہلسنت اور شیعہ کے درمیان محاکمہ کے طور پر تحریر کیا ہے۔

(بحوالہ مودودی صاحب اور ان کی تحریرات کے متعلق چند اہم مضامین ص۱۰)

**جمع بین الاختین اور مودودی** دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت قرآن پاک میں صاف موجود ہے کہ دو بہنیں ایک مرد کے نکاح میں بیک وقت نہیں آسکتیں۔

لیکن مودودی صاحب نے جڑواں بہنوں کا نکاح ایک مرد سے جائز قرار دیا ہے۔ اور اس کے لیئے خود ایک مفروضہ گھڑا اور خود ہی سوال کیا خود ہی جواب دیا کہ بہاولپور میں دو ایسی بہنیں ہیں جو جڑواں ہیں ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ان کا نکاح ایک ہی مرد سے ہو سکتا ہے۔ علاوہ یہ بیان کی ہے چونکہ یہ اطمینان ہے کہ جڑواں بہنیں آپس میں اتفاق و محبت سے رہیں گی۔ اس لیئے دونوں کا نکاح ایک مرد سے کیا جا سکتا ہے۔ قطع رحم کی نوبت نہیں آنے گی۔

( بحوالہ

جب علماء نے پتہ کرایا تو پتہ چلا کہ بہاولپور میں ایسی کوئی لڑکیاں نہیں ہیں۔

**نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین** "اس مشن کا خلاصہ یہ ہے کہ "حزب اللہ" کے لیڈر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ..... !" (تفہیمات حصہ اول ص ۱۳۲ طبع ششم)

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لیڈر کہا، گستاخی نہیں ؟

**حضرت موسٰی علیہ السلام سے بڑا گناہ ہوا** "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تو حضرت موسٰی علیہ السلام سے بھی ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا تھا کہ انہوں نے ایک انسان کو قتل کر دیا تھا۔" (رسائل مسائل حصہ اول ص ۳۱ طبع دوم)

**حضرت موسٰی علیہ السلام اسرائیلی چرواہا** پھر اس اسرائیلی چرواہے کو بھی دیکھیئے جس سے وادی مقدس طویٰ میں بلا کر باتیں کی گئیں وہ بھی عام چرواہوں کی طرح نہ تھا۔ (تفہیمات ص ۲۹۲ جلد ۱ طبع ہشتم)

**حضرت یونس علیہ السلام کی توہین** حضرت یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئیں تھیں غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا۔ (تفہیمات جلد ۲ حاشیہ ص ۳۱۲ طبع اول)

**حضرت یوسف علیہ السلام کی توہین** "یہ محض وزیر مالیات کے منصب کا

مطالبہ نہیں تھا جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ یہ تو ڈکٹیٹر شپ کا مطالبہ تھا۔ اس کے نتیجے میں سیدنا یوسف علیہ السلام کو جو پوزیشن حاصل ہوئی۔ وہ قریب قریب وہی پوزیشن تھی جو اس وقت اٹلی میں مسولینی کو حاصل ہے۔

(تفہیمات حصہ دوم صفحہ ۱۲۲ طبع پنجم)

**حضرت داؤد علیہ السلام کی توہین** حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے عہد کی اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہو کر "اوریا" سے طلاق کی درخواست کی تھی۔ (تفہیمات حصہ دوم صفحہ ۴۲ طبع دوم)

"حضرت داؤد علیہ السلام کے فعل میں خواہش نفس کا کچھ دخل تھا۔ اس کے حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا اور وہ کوئی ایسا فعل جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا کو زیب نہ دیتا تھا۔"

(تفہیم القرآن جلد ۴ صفحہ ۳۲۷ طبع اول)

**حضرت نوح علیہ السلام کی توہین** بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ و اشرف انسان بھی تھوڑی دیر کے لئے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اس کو محض اس لئے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے تو وہ اپنے دل سے بے پرواہ ہو کر اس طرز فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں جو اسلام کا مقتضاء ہے۔

(تفہیم القرآن۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۴۴۔ طبع سوم)

**عصمت انبیاء نبی کے لازم ذات سے نہیں** عصمت دراصل انبیاء کے لوازم ذات سے نہیں ہے۔ اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں ہو جانے دی

ہیں تاکہ لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کو خدا نہ سمجھیں اور جان لیں کہ یہ بھی بشر ہیں۔
(تفہیمات جلد ۲ ص۵۷ طبع دوئم)

**سارے انبیاء کی توہین** اور تو اور بسا اوقات پیغمبروں تک کو اس نفس شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آئے ہیں۔ (تفہیمات جلد ا ص۱۶۱ طبع پنجم)

**آدم علیہ السلام کی توہین** یہاں اس بشری کمزوری کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہیئے جو آدم علیہ السلام سے ظہور میں آئی تھیں بس ایک فوری جذبے نے جو شیطانی تحریص کے زیر اثر ابھر آیا تھا ان پر ذہول طاری کر دیا، اور ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے بلند مقام سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔
(تفہیم القرآن جلد ۳ ص۱۳۳)

**حضرت عائشہؓ و حفصہؓ کی توہین** "وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کچھ جری ہوگئی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زبان درازی کرنے لگی تھیں"۔
(ہفت روزہ ایشیاء مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۷۶ء)

**حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین** انبیاء علیہم السلام کے بعد انسانیت کا سب سے مقدس گروہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے۔ خصوصاً خلفاء راشدین اور عشرہ مبشرہ کا مقام دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بلند ہے۔ مودودی صاحب نے ان کو بھی معاف نہیں کیا۔ جبکہ مولانا مودودی صاحب نے قبل ازیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں تحریر کیا تھا۔ ملاحظہ ہو۔

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنے والا میرے نزدیک صرف فاسق ہی نہیں بلکہ اس کا ایمان بھی مشتبہ ہے "من ابغضھم فببغضی ابغضھم" (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی بناء پر ان سے بغض رکھا)۔

(ترجمان القرآن اگست ۱۹۶۱ء)

اب ذرا خود مودودی صاحب کی تحریروں کو پڑھیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر کس طرح تنقید کی گئی۔ کیا مودودی صاحب اپنے فتوای کی زد میں نہیں آتے۔" بقولِ شاعر

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

۱۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو بے شبہ غلط تھا اور غلط کام بہر حال غلط ہے خواہ کسی نے کیا اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا، نہ عقل و انصاف کا تقاضہ اور نہ ہی دین کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ کہا جائے۔

(خلافت و ملوکیت ص۱۱۶)

۲۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جن پر اس کارِ عظیم (خلافت) کا بار رکھا گیا تھا۔ ان خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیشرؤں کو عطا ہوتی تھی۔ اس لیئے جاہلیت کو اسلامی نظامِ اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ (تجدید احیاء دین ص۳۳)

۳۔ خلفاء راشدین کے فیصلے بھی اسلامی قانون نہیں قرار پاتے جو انہوں نے قاضی کی حیثیت سے کیئے تھے۔ (ترجمان القرآن جنوری ۱۹۵۸ء)

**حضرت معاویہؓ کے بارے میں مودودی نے جن روایات پیش کی ہیں وہ خلاف واقع ہیں اور روافض کی مرتب شدہ ہیں جس میں مودودی صاحب نے بھی دجل و فریب سے کام لیا۔** ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ ایک نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ شروع

ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے گورنر بر سرِ منبر حضرت علیؓ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے حتیٰ کہ مسجد نبویؐ میں منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عین روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں۔ اور حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے سنتے تھے۔ کسی کو مرنے کے بعد گالی دینا شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبہ کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین و اخلاق کے لحاظ سے بھی سخت گھناؤنا فعل تھا۔

(خلافت وملوکیت ص۱۷۴)

۲۔ مال غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہؓ نے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ (خلافت وملوکیت ص۱۷۵)

۳۔ زیاد بن سمیہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہؓ کے ان افعال میں سے جن میں انہوں نے سیاسی اغراض کے لیے شریعت کے مسلّم قاعدہ کی خلاف ورزی کی.... یہ ایک صریح ناجائز فعل تھا۔ (خلافت وملوکیت ص۱۷۵)

۴۔ حضرت معاویہؓ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دیا اور ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ (خلافت وملوکیت ص۱۷۵)

۵۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جہاد فی سبیل اللہ کی اصلی اسپرٹ سمجھنے میں بار بار غلطیاں کر جاتے تھے۔ (ترجمان القرآن ص۲۹۲ ۱۹۵۵ء)

۶۔ ایک مرتبہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسا بے نفس، متورع اور سراپا للّٰہیت بھی اسلام کے نازک ترین مطالبہ کو پورا کرنے سے چوک گیا۔

(ترجمان القرآن ص۳۰ ۱۹۵۵ء)

**داڑھی کے بارے میں مودودی صاحب کا نظریہ** "میں اسوہ اور سنت و بدعت وغیرہ اصطلاحات کے ان مفہومات کو غلط، دین میں تحریف کا موجب سمجھتا ہوں جو بالعموم آپ حضرات کے ہاں رائج ہیں۔ آپ کا یہ خیال کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جتنی بڑی داڑھی رکھتے تھے اتنی ہی بڑی داڑھی رکھنا سنت رسول یا اسوۂ رسول ہے، یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ عاداتِ رسول کو سنت سمجھتے ہیں، جس کے جاری اور قائم رکھنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء مبعوث کیے جاتے رہے ہیں۔ مگر میرے نزدیک صرف یہی نہیں کہ یہ سنت کی صحیح تعریف نہیں بلکہ یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا اور پھر ان کے اتباع پر زور دینا ایک سخت قسم کی "بدعت" ایک خطرناک تحریف دین ہے۔ جس سے نہایت برے نتائج پہلے ظاہر ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ظاہر ہونے کا خطرہ ہے۔

(رسائل مسائل حصہ اول ص۳۰۰، ص۳۰۱ طبع سوئم)

**تقلید گناہ سے بھی شدید ہے** "میرے نزدیک ایک صاحب علم آدمی کے لیے تقلید ناجائز گناہ بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز ہے۔"

(رسائل مسائل حصہ اول ص۲۴۴ طبع دوم)

۲۔ "میں نہ مسلک اہل حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ ہی حنفیت یا شافعیت کا پابند ہوں۔" (رسائل مسائل حصہ اول ص۱۸۹)

۳۔ "میرا طریقہ یہ ہے کہ میں بزرگانِ سلف کے خیالات اور کاموں پر بے لاگ تحقیقی و تنقیدی نگاہ ڈالتا ہوں جو کچھ ان میں حق پاتا ہوں اسے حق کہتا ہوں اور جس چیز کو کتاب و سنت کے لحاظ سے یا "حکمت عملی" کے اعتبار سے درست نہیں پاتا ہوں اس کو صاف صاف نادرست کہدیتا ہوں۔" (رسائل مسائل حصہ اول ص۳۱۵ طبع دوم)

۴۔ امام ابو حنیفہؒ کی فقہ میں آپ بکثرت ایسے مسائل دیکھتے ہیں جو مرسل اور معضل اور منقطع احادیث پر مبنی ہیں یا جن میں ایک قوی الاسناد احادیث کو چھوڑ کر ضعیف الاسناد حدیث کو قبول کیا گیا ہے۔ یا جن میں احادیث کچھ کہتی ہیں اور امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کچھ کہتے ہیں۔ یہی حال امام مالکؒ کا ہے اور امام شافعیؒ کا حال بھی اس سے زیادہ مختلف نہیں۔

۵۔ جب تک مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ قرآن و سنت تک بلا واسطہ دسترس حاصل نہ کرے گا اسلام کی روح کو نہ پا سکے گا ، نہ اسلام میں بصیرت حاصل کر سکے گا۔ وہ ہمیشہ تراجم و شارح کا محتاج رہے گا۔" (تنقیحات ص۲۲۱)

**تصوف اور صوفیا پر تنقید** | پہلی چیز جو مجھ کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وقت سے شاہ صاحبؒ اور ان کے خلفاء تک کے تجدیدی کام میں کھٹکی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے تصوف کے بارے میں مسلمانوں کی بیماری کا پورا اندازہ نہیں لگایا اور ان کو پھر وہی غذا دے دی جس سے مکمل پرہیز کی ضرورت تھی۔" (تجدید احیاء دین ص۱۳۰)

۶۔ اب جس کو تجدید دین کے لئے کوئی کام کرنا ہو اس کے لئے لازم ہے کہ متصوفین کی زبان و اصطلاحات ، رموز و اشارات ، لباس اطوار ، پیری مریدی ، اور ہر اس چیز سے جو اس طریقہ کی یاد تازہ کرنے والی ہو مسلمانوں کو اس طرح پرہیز کرائے جیسے ذیابیطس کے مریض کو شکر سے پرہیز کرایا جاتا ہے۔"

(ترجمان القرآن جلد ۲ ، عدد ۴ ص۲۴۱ تجدید احیائے دین ص۸)

**مودودی صاحب اور خدام الحرمین الشریفین** | مودودی صاحب کعبۃ اللہ کے خدام کو بنارس اور ہردوار کے پنڈت سمجھتے ہیں۔ (خطبات ص۲۰۲)

**حدیث کے بارے میں** | احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچتی ہوئی آئی ہیں جن میں حد سے حد اگر کوئی چیز حاصل ہوتی ہے تو وہ گمان محض ہے

ذکر علم یقین ۔ (ترجمان القرآن جلد ۲۶ عدد ۳ ص ۲۹۶)

۲۔ بخاری شریف کی مرفوع حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

"یہ مہمل افسانہ ہے ..." (رسائل مسائل ج ۲ ص ۲۵ طبع سوم)

**حدیث کی توہین** ۔ اصول روایت کو تو چھوڑیئے کہ اس دور جدید میں اگلے وقتوں کے بکواس کو کون سنتا ہے۔ (ترجمان القرآن جلد ۱۴ عدد ۳ ص ۱۱)

**فقہی علوم سے نفرت** ۔ قیامت کے روز حق تعالیٰ کے سامنے ان گناہگاروں کے ساتھ ساتھ ان کے دینی پیشوا بھی پکڑے ہوئے آئیں گے اور حق تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ کیا ہم نے تم کو علم و عقل سے اس لیئے سرفراز کیا تھا کہ تم اس سے کام نہ لو کیا۔ کیا ہماری کتاب اور ہمارے نبی کی سنت تمہارے پاس اس لیے تھی کہ تم اس کو لیئے بیٹھے رہو اور مسلمان گمراہی میں مبتلا رہیں۔ ہم نے اپنے دین کو یسر بنایا تھا۔ تم کو کیا حق تھا کہ اس کو عسر بنا دو۔ ہم نے قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم دیا تھا تم پر یہ کس نے فرض کیا کہ ان دونوں سے بڑھ کر اپنے اسلاف کی پیروی کرو۔ ہم نے ہر مشکل کا حل قرآن میں رکھا تھا تم سے کس نے کہا کہ قرآن کو ہاتھ نہ لگاؤ اور اپنے لیئے انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو کافی سمجھو۔ اس باز پرس کے جواب میں امید نہیں کہ کسی عالم دین کو کنز الدقائق۔ ہدایہ اور عالمگیری کے مصنفین کے دامنوں میں پناہ مل سکے گی۔ البتہ جہلاء کو جوابدہی کرنے کا یہ موقع ضرور مل جائے گا کہ "ربنا انا اطعنا سادتنا وکبراءنا فاضلونا السبیلا۔ ربنا آتهم ضعفین من العذاب والعنهم لعنا کبیرا۔"

(حقوق الزوجین ص ۹۵)

میں چونکہ مودودی صاحب کی اصل عبارات نقل کر رہا ہوں۔ اگر تنقید کروں تو مضمون طویل ہو جائے گا۔ خدارا غور کریں! جو آیات کفار کے بارے میں نازل ہوئیں

ان آیات کو صاحب ہدایہ یا کنز الدقائق یا عالمگیری کے مرتب کرنے والوں پر چسپاں کرنا کتنا بڑا ظلم ہے گویا کہ یہ فقہاء کافروں کے سردار تھے۔

**امام مہدی کے بارے میں** مسلمانوں میں جو لوگ "الامام المہدی" کے قائل ہیں وہ بھی ان متجددین سے جو کہ اس کے قائل نہیں، اپنی غلطیوں میں کچھ پیچھے نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ امام مہدی کوئی اگلے وقتوں کے مولویانہ وصوفیانہ وضع قطع کے آدمی ہوں گے۔ تسبیح ہاتھ میں لئے یکایک کسی مدرسے یا خانقاہ کے حجرے سے برآمد ہوں گے۔ آتے ہی "انا المہدی" کا اعلان کریں گے۔ علماء اور مشائخ کتابیں لئے پہنچ جائیں گے اور لکھی ہوئی علامتوں سے ان کے جسم کی ساخت وغیرہ کا مقابلہ کر کے انہیں شناخت کر لیں گے۔ پھر بیعت ہو گی اور اعلان جہاد کر دیا جائے گا۔ چلے کھینچے ہوئے درویش اور پرانے طرز کے "بقیۃ السلف" ان کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے۔ تلوار تو محض شرط پوری کرنے کے لئے برائے نام چلانی پڑے گی۔ اصل میں سارا کام برکت اور روحانی تصرف سے ہو گا۔ پھونکوں اور وظیفوں کے زور سے میدان جیتے جائیں گے اور جس بد دعا کی تاثیر سے ٹینکوں اور ہوائی جہازوں میں کیڑے پڑ جائیں گے۔

(تجدید احیاء دین ص۵۵ طبع ششم)

**امام مہدی کے بارے میں ذرا مودودی صاحب کا اپنا نظریہ ملاحظہ فرماتے جائیں۔** میرا اندازہ یہ ہے کہ آنے والا اپنے زمانہ میں "جدید ترین طرز کا لیڈر" ہو گا۔ وقت کے تمام علوم جدیدہ پر اس کو مجتہدانہ بصیرت حاصل ہو گی۔ زندگی کے سارے مسائل مہمہ کو خوب سمجھتا ہو گا۔ عقلی و ذہنی ریاست، سیاسی تدبیر اور جنگی مہارت کے اعتبار

سے وہ تمام دنیا پر اپنا سکہ جما دے گا اور اپنے عہد کے تمام جدیدوں سے بڑھ کر جدید ثابت ہو گا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی جدتوں کے خلاف مولوی اور صوفی صاحبان ہی سب سے پہلے شورش برپا کریں گے"!

(تجدید احیاء دین ص۵۵)

**مودودی صاحب اور دجال** - یہ "کانا دجال" وغیرہ تو افسانے ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ ان چیزوں کو تلاش کرنے کی ہمیں کوئی ضرورت بھی نہیں۔ عوام میں اس قسم کی جو باتیں مشہور ہیں ان کی کوئی ذمہ داری اسلام پر نہیں ہے۔ اور ان میں سے کوئی چیز اگر غلط ثابت ہو جائے تو اس سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

(رسائل مسائل حصہ اوّل ص۵۳ طبع اوّل)

۲۔ ان امور کے متعلق جو مختلف باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث میں منقول ہیں وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں جن کے بارے میں آپ خود شک میں تھے۔ کبھی آپ نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ دجال خراسان سے اٹھے گا۔ کبھی یہ کہ اصفہان سے اور کبھی یہ کہ شام و عراق کے درمیانی علاقے سے۔ (رسائل مسائل جلد ا ص۵۵ طبع اوّل)

لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اندیشہ صحیح نہ تھا؟ اب ان چیزوں کو اس طرح نقل و روایت کیے جانا کہ گویا یہ بھی اسلامی عقائد ہیں۔ نہ تو اسلام کی صحیح نمائندگی ہے اور نہ اسے حدیث ہی صحیح فہم کہا جا سکتا ہے۔

(رسائل مسائل جلد ا ص۵۵)

**مودودی کا دامن صاف ہے** - خدا کے فضل سے میں کوئی کام ناکوئی

بات جذبات جذبات سے مغلوب ہو کر نہیں کیا کرتا کہ ایک ایک لفظ جو میں نے اپنی تقریر میں کہا ہے اور یہ سمجھتے ہوئے کہا ہے کہ اس کا حساب مجھے خدا کو دینا ہے نہ کہ بندوں کو۔ چنانچہ میں اپنی جگہ بالکل مطمئن ہوں کہ میں نے کوئی ایک لفظ بھی خلاف حق نہیں کہا۔" (رسائل مسائل حصہ اول ص۳۱۶ طبع اول)

**مودودی صاحب کا دامن داغ دھبوں سے صاف ہے اور وہ معصوم ہے۔**

"اللہ کے فضل سے مجھے مدافعت کی حاجت نہیں ہے۔ میں کہیں خلاء سے یکایک نہیں آگیا ہوں۔ اس سرزمین میں سالہا سال سے کام کر رہا ہوں۔ میرے کام سے لاکھوں آدمی براہ راست واقف ہیں۔ میری تحریریں صرف اسی ملک میں نہیں دنیا کے اچھے خاصے حصے میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور میرے رب کی مجھ پر عنایت ہے کہ اس نے میرے دامن کو داغوں سے محفوظ رکھا ہے۔"

(تقریر چار روزہ کانفرنس جماعت اسلامی پاکستان بمقام لاہور، روزنامہ مشرق ۲۷ اکتوبر ۱۹۶۳ء)

**کوئی مجدد کامل پیدا نہیں ہوا۔**

"تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مجدد کامل پیدا نہیں ہوا۔ قریب تھا کہ عمر بن عبد العزیز رح اس منصب پر فائز ہو جاتے مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ ان کے بعد جتنے مجدد پیدا ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک نے کسی خاص شعبے میں یا چند شعبوں ہی میں کام کیا۔ مجدد کامل کا مقام ابھی تک خالی ہے مگر عقل چاہتی، فطرت مطالبہ کرتی ہے اور دنیا کے حالات کی رفتار متقاضی ہے کہ ایسا لیڈر پیدا ہو خواہ اس دور میں پیدا ہو یا زمانے کی ہزاروں گردشوں کے بعد پیدا ہو اسی کا نام "الامام المہدی" ہوگا۔" (تجدید احیاء دین ص۴۹)

**لاہوری مرزائی کفر اور اسلام کے بین بین ہیں۔**

محترمی و مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط ملا۔ مرزائیوں کی لاہوری جماعت کفر واسلام کے درمیان معلق ہے۔ یہ نہ ایک مدعی نبوت سے بالکل براءت ظاہر کرتی ہے کہ اسکے افراد کو مسلمان قرار دیا جاسکے نہ اس کی نبوت کا صاف اقرار کرتی ہے کہ اس کی تکفیر کی جاسکے۔

خاکسار غلام علی۔ معاون خصوصی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔

"یہ جواب میری ہدایات کے مطابق ہے"

## علم حدیث اور محدثین کے بارے میں مودودی صاحب کا نظریہ

محدثین رحمہم اللہ کی خدمات مسلم، یہ بھی مسلم نقد حدیث کے لیے جو مواد انہوں نے فراہم کیا ہے وہ صدر اول کے اخبار و آثار کی تحقیق میں بہت کار آمد ہے۔ کلام اس میں نہیں بلکہ صرف اس امر میں ہے کہ کلیۃً ان پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے؟ وہ بہر حال تھے تو انسان ہی۔ انسانی علم کے لئے جو حدیں فطرتاً اللہ نے مقرر کر رکھی ہیں ان سے آگے تو نہیں جا سکتے تھے۔ انسانی کاموں میں جو نقص فطرتی طور پر رہ جاتا ہے اس سے تو ان کے کام محفوظ نہ تھے۔ پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جس کو وہ صحیح قرار دیتے ہیں وہ حقیقت میں بھی صحیح ہے۔

(تفہیمات ص۲۸۹، ص۲۹۰)

۲۔ اول تو رواۃ کی سیرت اور ان کے حافظے اور ان کی دوسری باطنی خصوصیات کے متعلق بالکل صحیح علم حاصل کرنا مشکل، دوسرے خود وہ لوگ جو ان راویوں کے متعلق رائے قائم کرنے والے تھے انسانی کمزوریوں سے مبرا ............"

(تفہیمات ص۲۹۲، ص۲۹۰)

۳۔ "ان سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ بسا اوقات صحابہ کرامؓ پر بشری کمزوریوں کا اثر ہو جاتا تھا اور وہ ایک دوسرے پر چوٹیں کر جایا کرتے تھے۔"

(تفہیمات صفحہ ۲۹۴)

## تصوف کا مذاق

"پس جس طرح پانی جیسی حلال چیز بھی اس وقت ممنوع ہو جاتی ہے جب وہ مریض کے لیئے نقصان دہ ہو۔ اسی طرح یہ قالب بھی مباح ہونے کے باوجود اس بناء پر قطعی چھوڑ دینے کے قابل ہو گیا ہے کہ اس کے لباس میں مسلمانوں کو "افیون کا جھپکا" لگا یا گیا ہے۔ اور اس کے قریب جاتے ہی ان مرض مریضوں کو پھر وہی "چنیا بیگم" یاد آ جاتی ہے جو صدیوں تک ان کو تھپک تھپک کر سلاتی رہی ہے۔" (تجدید احیاء دین صفحہ ۱۳۲)

۲۔ "مسلمانوں کے اس مرض سے نہ حضرت مجدد ناواقف تھے نہ شاہ صاحب دونوں کے کلام میں اس پر تنقید موجود ہے۔ مگر غالباً اس مرض کی شدت کا انہیں پورا اندازہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں بزرگوں نے ان بیماروں کو پھر وہی غذا دے دی جو اس مرض میں مہلک ثابت ہو چکی تھی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ دونوں کا حلقہ پھر سے پرانے مرض میں مبتلا ہوتا چلا گیا۔"

(تجدید احیاء دین صفحہ ۱۳۳)

۳۔ اگرچہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے اس روش کو صحیح طرح سمجھ کر ٹھیک وہی روش اختیار کی جو ابن تیمیہ کی تھی لیکن شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے لٹریچر میں تو یہ سامان موجود تھا جس کا کچھ اثر شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریروں میں بھی باقی رہا۔ اور پیری مریدی کا سلسلہ بھی سید صاحب کی تحریک میں چل رہا تھا۔ اس لیئے "مرض صوفیت" کے جراثیم سے یہ تحریک پاک نہ رہ سکی۔

(تجدید احیاء دین صفحہ ۱۳۴)

**شرعی سزاؤں کا نفاذ ظلم** لیکن جہاں حالات اس سے مختلف ہوں، جہاں عورتوں اور مردوں کی سوسائٹی مخلوط رکھی گئی ہو، جہاں مدرسوں میں، دفتروں میں، کلبوں میں، تفریح گاہوں، خلوت اور جلوت میں ہر جگہ جوان مردوں اور بنی ٹھنی عورتوں کو آزادانہ ملنے جلنے اور اٹھنے بیٹھنے کا موقع ملتا ہے۔ جہاں ہر طرف بے شمار صنفی محرکات پھیلے ہوئے ہوں اور ازدواجی رشتے کے بغیر خواہشات کی تسکین کے لیئے ہر قسم کی سہولتیں بھی موجود ہوں۔ جہاں معیار اخلاق بھی اتنا پست ہو کہ ناجائز تعلقات معیوب نہ سمجھا جاتا ہو ایسی جگہ زنا اور قذف کی شرعی حد جاری کرنا بلاشبہ ظلم ہو گا۔

(تفہیمات جلد ۲ ص۲۳۵)

**صحابہؓ میں یہودی اخلاق کا اثر تھا** ۔ چنانچہ یہودی اثرات ہی کا اثر تھا کہ مدینہ میں بعض انصار اپنے مہاجر بھائیوں کی خاطر بیویوں کو طلاق دے کر ان سے بیاہ دینے پر آمادہ ہو گئے۔

(تفہیمات جلد ۲ حاشیہ ص۲۷)

**حرمین شریفین کی توہین** ۔ لوگ دور دور سے گہری عقیدتیں لیئے ہوئے حرم پاک کا سفر کرتے ہیں، مگر اس علاقہ میں پہنچ کر جب ہر طرف ان کو جہالت، گندگی، طمع، بے حیائی، دنیا پرستی، بداخلاقی، بدانتظامی اور عام باشندوں کی طرح گری ہوئی حالت نظر آتی ہے تو ان کی توقعات کا طلسم پاش پاش ہو کر رہ جاتا ہے حتیٰ کہ بہت سے لوگ حج کر کے اپنا ایمان بڑھانے کے بجائے الٹا کچھ کھو آتے ہیں۔ یہ بنارس اور ہردوار کے پنڈوں کی سی کیفیت اس دین کے نام نہاد خدمت گذاروں اور مرکزی عبادت گاہ، کے مجاوروں نے اختیار کر رکھی ہے، جس نے منت گری کے کاروبار کی

جڑ کاٹ دی تھی ۔ (خطبات مودودی ص )

**سجدہ تلاوت بغیر وضو بھی مودودی صاحب کے نزدیک جائز ہے** مودودی نے لکھا ہے کہ سجدۂ تلاوت بغیر وضو بھی جائز ہے حالانکہ جمہور علماء اسلام نماز کے سجدہ میں اور تلاوت کے سجدہ میں کوئی فرق نہیں کرتے ۔ دونوں کے لیئے وضو ہونا ضروری ہے ۔ (تفہیم القرآن جلد ۲ ص ۱۱۶)

**عورت کی سربراہی** اب تو جماعت اسلامی بڑی شد و مد سے عورت کی سربراہی کے بارے میں لنگوٹ کس کر میدان عمل میں معروف ہے جو قابل تحسین بات ہے ۔ لیکن یہی جماعت اسلامی تھی جس نے ۱۹۶۴-۶۵ء میں فاطمہ جناح کی حمایت کی اور جب کسی نے مودودی صاحب سے پوچھا کہ اب آپ عورت کی سربراہی کے حامی ہیں جبکہ "پردہ" نامی کتاب میں آپ نے نفی کی ہے ۔ تو مودودی صاحب نے جواب دیا کہ ایوب خان میں کوئی خصوصیت نہیں سوائے اس کے کہ وہ مرد ہے اور فاطمہ جناح میں کوئی خامی نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ عورت ہے ۔ میں نے جماعت اسلامی کے بڑے بڑے رہنماؤں سے جب اس سلسلے میں بات کی تو ان کے پاس کوئی معقول عذر نہ تھا ۔ اور نہ ہی اس کا جواب تھا ۔

**حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رفع جسمانی کا انکار** "قرآن نہ اس کی تصریح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جسم و روح کے ساتھ کرۂ زمین سے اٹھا کر آسمانوں پر کہیں لے گیا ۔ اور نہ ہی صاف کہتا ہے کہ انہوں نے زمین پر طبعی موت پائی ۔ اور صرف ان کی روح اٹھائی گئی ہے ۔ اس لیے قرآن کی بنیاد پر نہ تو ان میں سے کسی ایک پہلو کی قطعی نفی کی جاسکتی ہے اور نہ اثبات ۔ قرآن کی روح سے زیادہ مطابقت اگر کوئی طرز عمل رکھتا ہے تو صرف یہی کہ رفع جسمانی کی تصریح سے

اجتناب کیا جائے اور موت کی تصریح سے بھی۔ بلکہ مسیح علیہ السلام کے اٹھائے جانے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ کا ایک غیر معمولی ظہور سمجھتے ہوئے اس کی کیفیت کو اس طرح مجمل چھوڑ دیا جائے جس طرح خود اللہ تعالیٰ نے مجمل چھوڑ دیا ہے۔ (تفہیم القرآن جلد ۱ طبع دوم صفحہ ۴۲۰ حاشیہ ۱۹۵ سورۃ النساء)

قارئین کتاب کا صفحہ ۴۲۰ ہے اور عقیدہ کا نمبر بھی ۴۲۰ ہی بنتا ہے اس دفعہ کو قانون کی کتاب یا کسی تھانے کے ایس ایچ او صاحب سے پوچھ لیجئے کہ یہ کس جرم پر لگتا ہے۔ اور پھر مودودی عقائد سے موازنہ کر دیجئے۔

## غلاف کعبہ کی تیاری کا ڈھونگ

۱۹۶۳ء میں جماعت اسلامی نے غلاف کعبہ کو تیار کرایا مقصد یہ تھا کہ اس غلاف کو خانہ کعبہ کے اوپر ڈالا جائے گا۔ جب غلاف تیار ہو گیا تو جماعت اسلامی نے "غلاف کعبہ" کی زیارت کے بہانے سے ایک اور سوانگ رچایا اور وہ یہ ہے کہ پشاور سے لے کر کراچی تک ایک ٹرین پر رکھا گیا اب ہر اسٹیشن پر وہ ٹرین رکتی۔ لوگ اس غلاف کعبہ کو چومتے چاٹتے آنکھوں سے لگاتے اور نذرانے پیش کرتے۔ یوں جماعت اسلامی نے لاکھوں روپے کی رقم بھی بٹورلی اور عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے ایک ڈھونگ بھی رچا لیا۔ چونکہ انتخابات کی آمد بھی تھی۔ جب وہ غلاف کعبہ لاہور حضرت علی ہجویری" المعروف "داتا صاحب" کے مزار پر لایا گیا تو غلاف کعبہ کے آگے آگے ایک بینڈ باجہ بھی بج رہا تھا۔ غلاف مزار پر لایا گیا اور اس کا ایک ٹکڑا حضرت داتا صاحب کے مزار پر چڑھایا گیا۔ اور شومئی قسمت سے جب وہ غلاف کعبہ سعودی عرب پہنچا تو سعودی حکومت نے اس کو خانہ کعبہ پر نہ چڑھایا۔ گو جماعت اسلامی نے بڑا ڈھنڈورہ پیٹا کہ ہمارا تیار کردہ ہی غلاف کعبہ خانہ کعبہ پر ڈالا گیا ہے۔ لیکن جب حجاج آئے تو پتہ چلا کہ خانہ کعبہ پر جو غلاف پڑا ہوا تھا اس پہ مجتمع

فی المکۃ "یعنی یہ مکہ مکرمہ میں تیار کیا گیا ہے۔ لکھا ہوا تھا۔

## مودودی صاحب کے بارے میں غلام احمد پرویز کی رائے

مشہور منکر حدیث مسٹر غلام احمد پرویز جس پر تمام مکاتب فکر کے ایک ہزار سے زائد علماء نے متفقہ طور پر کفر کا فتوی لگایا تھا اس کی وجہ احادیث اور معجزات کا انکار تھا۔ تو مسٹر پرویز مودودی صاحب سے کہتا ہے کہ تم بھی تو احادیث کے بارے میں وہی کچھ کہتے ہو جو میں کہتا ہوں پھر مجھے کیوں برا بھلا کہتے ہو۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔ حدیث کے متعلق بعینہ یہی مسلک (جو مودودی صاحب کا ہے) "طلوع اسلام" کا ہے۔ صرف اس فرق کے ساتھ کہ وہ کسی ایک فرد کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ جس بات کو اس کی نگاہ جوہر شناس سنت رسول قرار دے دے اس کی اتباع ساری امت پر لازم قرار پا جائے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ یہ حق صرف امت کے قرآنی نظام کو حاصل ہے کہ وہ روایات کے اس ذخیرہ کو چھان پھٹک کر دیکھے کہ اس میں کونسی چیز صحیح ہو سکتی ہے۔ اور کون کونسی جزئیات ایسی ہیں کہ جن میں کسی تغیر و تبدل کی ضرورت نہیں۔ لیکن آپ دیکھیے اس کے باوجود جماعت اسلامی "طلوع اسلام" کو مسلسل اور پیہم منکر حدیث اور منکر شان رسالت ٹھہرا کر ایک بہت بڑے فتنے کا موجب قرار دیتی رہتی ہے۔ اور اپنے امیر کو حدیث کا سب سے بڑا حامی اور سنت کا جنید متبع قرار دیتی ہے۔ اس کے جواب میں جماعت اسلامی والے کہیں گے کہ یہ اقتباسات مودودی صاحب کی تحریروں سے توڑ موڑ کر لکھ دیئے گئے ہیں۔ اس کے جواب میں ہم آپ سے اتنا عرض کریں گے کہ ان کتابوں کو نکال کر اپنا اطمینان خود کر لیجیے کہ یہ اقتباسات سیاق و سباق کے مطابق ہیں یا توڑ مروڑ کر لکھے گئے ہیں۔ سچ اور جھوٹ خود سامنے آ جائے گا۔

(بحوالہ طلوع اسلام کراچی جلد ۸ شمارہ ۹ ۔ ۳۰ اپریل ۱۹۵۵ء)

جماعت اسلامی سیاسی لحاظ سے عجیب پالیسی کی حامل ہے۔ مودودی صاحب نے پردہ نامی کتاب لکھ عورت کی سربراہ مملکت ہونے کی نفی کی لیکن اس کے بعد فاطمہ جناح کو بطور صدارتی امیدوار کے مکمل طور پر تائید ونصرت سے نوازا اور کسی اخباری نمائندے کے جواب میں کہ آپ تو عورت کے سربراہ مملکت ہونے کے قائل نہیں تو جواب میں کہا کہ "فاطمہ جناح میں کوئی خامی نہیں سوائے اس کے کہ وہ عورت ہے" جماعت اسلامی نے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ اسی طرح ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت میں ابتداً میں ساتھ دیا لیکن جب یہ دیکھا کہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تو جماعت نے پسپائی اختیار کر لی۔ اس کی تفسیر آپ کو مولانا ہزاروی کے انٹرویو اور منیر انکوائری رپورٹ میں مل سکتی ہے۔ لیکن بجاتے دامن بچانے کے مودودی کو پھانسی کی سزا سنائی گئی اور جو غلط بیانی تحقیقاتی ٹریبونل کے سامنے مودودی صاحب نے کی تھی "وہ مجلس ختم نبوت" نے "بیان صادق" کے عنوان سے شائع کیا تھا۔ ماسٹر تاج الدین مرحوم کا تحریر کردہ پمفلٹ تھا۔ پھر جماعت اسلامی ہر دور میں جہاں مفاد نظر آیا وہاں شامل ہو گئی اور مشہور یہ کیا کہ یہ جماعت اسلامی کے تعاون سے کامیاب ہوئی۔ جب کہ جماعت اسلامی کے پورے ملک میں چند ہزار کارکنوں سے زائد افراد نہیں۔ لیکن کاغذی پروپیگنڈہ اتنا زیادہ ہے کہ گویا پورے ملک کی اکثریت کا تعلق جماعت اسلامی سے ہے۔ نیچے آپ کو ایک مفصل واقعہ کی روداد جو ملکی اخبارات میں شائع ہوتی تھی' میں جماعت کا کردار دیکھیں کہ جماعت نے کس ذہنیت کا مظاہرہ کیا اور مسجد کے تقدس کو کس طرح پائمال کیا۔ مولانا ہزاروی جماعت اسلامی کی ایسی ہی پالیسی کے مخالف تھے۔

## ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں جماعت اسلامی کا کردار

۱۹۷۴ء میں پھر تحریک تحفظ ختم نبوت چلی اس بار پھر مجلس عمل تشکیل پائی جس کا ابتدائی پروگرام مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ لاہور میں حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ کوششوں سے تشکیل پایا تھا۔ اور اس میں تمام جماعتوں کے نمائندے شامل تھے۔ ابھی اس اجلاس کی کاروائی شروع نہیں ہوئی تھی، مدعووین کی آمد شروع کی آمد شروع تھی، آغا شورش کاشمیری مرحوم آئے اجلاس کے کمرہ میں داخل ہوئے اور جماعت اسلامی کے نمائندے کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے مخصوص پر زور انداز میں کہا اب ہم جماعت اسلامی کو بھاگنے نہیں دیں گے۔ پورے کمرے میں قہقہہ بلند ہوا اور جماعت اسلامی کا نمائندہ پانی پانی ہو گیا۔ پورے ملک میں تحریک شروع ہو گئی۔ مودودی صاحب امریکہ کو سدھار رہے۔ کچھ دنوں بعد جماعت اسلامی کے امیر میاں طفیل محمد بھی عازم امریکہ ہوئے اور دونوں امریکہ میں بیٹھ کر حالات کا جائزہ لینے لگے۔ ایسے نازک وقت میں ان دونوں کی ملک سے غیر موجودگی ناس تحریک سے جماعت اسلامی کو لاتعلق رکھنے کی ایک چال تھی۔ ملک میں جماعت اسلامی کے کارکن تحریک میں شریک تھے اور جماعت کے دونوں ناخدا ملک سے دور سمندر پار امریکہ میں آرام فرما تھے۔ اور حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔ جماعت کے کارکنوں کا تحریک میں حصہ لینا اور قیادت کا خود اختیاری جلاوطنی اختیار کرنا یہ دو رخہ پالیسی تھی جو جماعت کی روایت ہے تاکہ اگر تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو تو جماعت کے کارکنوں کی شمولیت سے جماعت کے وقار میں اضافہ ہو اور اگر ناکام ہو تو جماعت یہ کہہ کر اپنی لاتعلقی ظاہر کر دے کہ جماعت کی غیر موجودگی میں جماعت کے کارکنوں کی تحریک میں شمولیت کارکنوں

کا ذاتی معاملہ تھا۔ اس بارے میں کارکنوں کو جماعت کی طرف سے کوئی ہدایات نہیں تھیں۔ لیکن چال کامیاب نہ ہو سکی اور ملک کے مذہبی و سیاسی حلقے جماعت اسلامی کے اس ڈرامہ کی حقیقت کو اس کے ماضی کی روشنی میں سمجھ گئے۔ اور جماعت پر دباؤ ڈالا جانے لگا کہ اس کی قیادت واپس ملک میں آکر تحریک میں شامل ہو۔ اور جماعت کے کارکنوں کی شمولیت کی ذمہ داری کو قبول کرے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی بہر دو جماعت کے ذمہ داروں کا خود اختیار کی ہوئی جلاوطنی ختم کر کے واپس ملک آنا پڑا۔

۱۹۷۴ء کی یہ تحریک تحفظ ختم نبوت اگر خالص مذہبی نہ ہوتی تو جماعت اسلامی یقیناً اس میں شامل نہ ہوتی۔ جیسا کہ ایک سال پہلے غلام مصطفےٰ کھر کی پنجاب پر حکومت کے دنوں میں جب متحدہ جمہوری محاذ کی طرف سے تحریک بحالی جمہوریت چلائی گئی تھی جماعت اسلامی بھی اس محاذ میں شامل تھی۔ لیکن تحریک بحالی جمہوریت سے یہ کہہ کر علیحدہ رہی کہ ہمارے لئے سیلاب زدگان کی امداد اس سے زیادہ ضروری ہے۔ اور اپنی میڈیکل ٹیمیں اور لوگوں سے اکٹھے کئے ہوئے پرانے کپڑے لے کر دریا کے کنارے خیمہ زن ہو گئی۔ اور اپنے کارکنوں کو پانی کی لہروں کا مقابلہ کرنے کی تربیت دینے لگی۔ متحدہ جمہوری محاذ کے باقی جماعتوں کے کارکن گرفتاریاں پیش کر رہے تھے۔ تھانوں اور جیلوں میں سڑ رہے تھے۔ اور پولیس تشدد کا نشانہ بن رہے تھے۔ اور جماعت اسلامی کے کارکن راوی کے کنارے ساون کی گھٹاؤں سے دل بہلا رہے تھے۔ جماعت اسلامی اس تحریک سے نہ صرف قطعی طور سے الگ تھلگ رہی بلکہ اس میں شمولیت اختیار نہ کرنے کی خفت مٹانے کے لیے متحدہ جمہوری محاذ کی جماعتوں پر تنقید کرنے لگی۔ اور محاذ کی اس تحریک کو غلط اور بے موقع قرار دینے لگی۔ اور یہ تاثر دینے لگی کہ

لوگ ڈوب رہے ہیں اور وہ سراسر ہماری امداد کے محتاج ہیں ۔ حکومت کے بجائے سیلاب سے نبرد آزما ہونا چاہیئے۔

تحریک ختم نبوت جو جون کے پہلے عشرے میں شروع ہوئی تھی اور اگست کے مہینے میں داخل ہو چکی تھی میں کامیابی کے بظاہر کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ قومی اسمبلی کے اجلاس جاری تھے اور اس موضوع پر بحث زوروں پر تھی ، مولانا مفتی محمود اور مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہما اللہ نمایاں طور سے قومی اسمبلی میں اپنی سرگرمیاں اختیار کیئے ہوئے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جماعت احمدیہ کے امیر کو قومی اسمبلی میں حاضر ہو کر اپنا موقف پیش کرنے کا حکم دیا گیا۔ جس پر مرزا ناصر ملعون امیر جماعت احمدیہ نے ربوہ سے اسلام آباد جا کر قومی اسمبلی میں محضر نامہ کے نام سے اپنا موقف پیش کیا جس کے جواب میں جمعیۃ علماء اسلام کے مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے اس کا جواب مرتب کیا جو آٹھ گھنٹوں میں قومی اسمبلی میں پڑھ کر سنایا گیا۔ جو بعد میں جواب محضر نامہ کے نام سے شائع ہوا۔ مرکزی مجلس عمل نے یکم ستمبر کو شیرانوالہ میں مجلس عمل کا ملک گیر کنونشن بلایا۔ جس کی دو نشستیں تجویز ہوئیں۔ پہلی دن کے پہلے اور دوسری نشست رات کو عشاء کے بعد بادشاہی مسجد میں جلسہ عام کی صورت میں ۔ اس کنونشن اور جلسہ کے لیئے انتظامی امور طے کرنے کی غرض سے لاہور مجلس عمل کا اجلاس طلب کیا گیا۔ جس میں مجلس عمل لاہور کو بطور میزبان فرائض سرانجام دینے کے لیئے غور کرنا تھا۔ مجلس عمل لاہور کا دفتر شاہراہ فاطمہ جناح پر تھا۔ جو کہ جماعت اسلامی کا شہری دفتر ہے۔ مجلس عمل لاہور کے صدر صاحبزادہ فیض القادری اور جنرل سیکرٹری جماعت اسلامی کے بارک اللہ تھے۔ اس اجلاس میں دیگر امور کے علاوہ بادشاہی مسجد میں مرکزی مجلس عمل کے جلسہ کے انتظامات طے ہوئے۔ جس میں جلسہ کی

صدارت اور اسٹیج سیکرٹری کا تقرر بھی تھا۔ اجلاس میں جماعت اسلامی کے نمائندوں کی طرف سے یہ تجویز پیش ہوئی کہ لاہور مجلس عمل کی طرف سے یہ تجویز پیش ہوئی کہ لاہور مجلس عمل کے صدر جلسہ کے صدر ہوں۔ اور جنرل سیکرٹری جلسہ کے اسٹیج سیکرٹری ہوں۔ لیکن صاحبزادہ فیض القادری صدر جلسہ مجلس عمل لاہور نے تجویز کیا کہ چونکہ یہ جلسہ مرکزی مجلس عمل کا ہے۔ اس لیئے اس کی صدارت بھی مرکزی مجلس عمل کے صدر مولانا محمد یوسف بنوری فرمائیں اور اسٹیج سیکرٹری کے فرائض مرکزی جنرل سیکرٹری محمود احمد رضوی سرانجام دیں گے۔ مگر یہ تجویز جماعت اسلامی کو پسند نہ آئی۔ جماعت اسلامی کی تجویز کا مقصد یہ تھا کہ چونکہ لاہور مجلس عمل کے جنرل سیکرٹری جماعت اسلامی کے بارک اللہ ہیں۔ اس لیئے جلسہ کے اسٹیج سیکرٹری بھی وہی ہونا چاہیئے۔ اور یہ کہ صدارت لاہور کے صدر کریں۔ یہ محض فیض القادری کو لقمہ ڈالنے کی کوشش تھی جسے فیض القادری نے قبول نہ کرتے ہوئے اپنی مذکورہ تجویز پیش کی۔ اور اس پر زور دیا جسے بالاتفاق منظور کرلیا گیا۔

یہ اجلاس چونکہ جماعت اسلامی کے شہری دفتر میں منعقد ہوا تھا۔ اس لیئے جماعت اسلامی کے با اصول اور قواعد وضوابط کے پابند، سلیقہ مند، اسلام کے درد مند اراکین ونمائندوں کے پیٹ میں ان کی تجویز وسکیم کے ناکام ہونے کی وجہ سے طے شدہ فیصلے کے خلاف درد اٹھنا شروع ہوا۔ اپنے روایتی اخلاق کا مظاہرہ شروع کیا۔ پہلے اپنے بڑوں کو بلالانے اور ان کو بیچ میں ڈال کر فیصلہ اپنے حق بدلوانا چاہا لیکن جب بات نہ بنی تو زبان اور ہاتھ کا مظاہرہ شروع ہوا اور اجلاس کا کمرہ جماعت اسلامی کی طرف سے طے شدہ فیصلہ کے خلاف اظہار نفرت کا اکھاڑا بن گیا۔ بات بڑھتے دیکھ

کر جماعت کے بڑے آئے اور اپنے تربیت دیئے ہوئے مظاہرین کو خاموش کرانے لگے۔ انہیں ملامت کرنے کے بجائے بات کا رخ بدلنے کی کوشش کرنے لگے۔

یکم ستمبر کو شیر انوالہ مسجد میں دن کا کنونشن ہوا رات کا جلسۂ عام بادشاہی مسجد میں منعقد ہوا۔ بادشاہی مسجد میں خلافِ فیصلہ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض جماعتِ اسلامی کے بارک اللہ کو سرانجام دیتے دیکھا گیا۔ جبکہ فیصلہ کی رو سے مرکزی مجلس عمل کے جنرل سیکرٹری محمود احمد صاحب رضوی کو یہ فرائض سرانجام دینے تھے۔ سٹیج پر جماعتِ اسلامی کا قبضہ یقیناً کسی حادثہ کا پیش خیمہ تھا۔ بہت جلد مسجد سامعین سے بھر گئی۔ جلسہ شروع ہوا اور مقررین کی آمد جاری رہی۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے سید عطاء المنعم کی تقریر جاری تھی کہ بادشاہی مسجد کے صحن کا جنوبی حصہ نعروں کبوتر چھوڑنے اور گولے چلانے کی کارروائیوں کا مرکز بن گیا۔ مجمع جو ایسے موقع پر کسی قسم کے ممکنہ حادثہ کے اندیشے میں مبتلا ہو گیا۔ اس دھماکہ خیز اور نعرہ باز فضا سے پریشان ہو گیا۔ اور کھڑے ہو کر حالات کا جائزہ لینے لگا۔ لاکھوں کے مجمع کو اکھڑنے کے بعد قابو رکھنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ فوراً اسٹیج سے ابو الاعلیٰ مودودی کی تشریف آوری کی خوشخبری نشر کی گئی۔ تب معلوم ہوا کہ یہ نعرے اور گولے اور کبوتر ان کے شایانِ استقبال کے لیئے تھے۔ اور ہر شخص اس طرح سوچ کی لہروں کے سپرد تھا۔ عطاء المنعم صاحب تقریر نہ کر سکے اور انہیں اپنی تقریر ادھوری چھوڑنا پڑی۔ اور وہ احتجاجاً بیٹھ گئے۔

بادشاہی مسجد کا یہ جلسہ اپنی نوعیت کا اہم ترین جلسہ تھا۔ خدا

نخواستہ یہ جلسہ ناکام ہو جاتا تو تحریک ختم نبوت ضرور متاثر ہوتی۔ منکرین ختم نبوت اور حکومتِ وقت کا یہی منشا تھا۔ ابوالاعلیٰ کا اس رنگ ڈھنگ اور سج دھج سے وارد ہونا ایسی صورتحال کا باعث ہو سکتا تھا۔ اس ہیجان کے پیدا کر دیئے جانے کے باوجود مجمع سنبھل گیا اور جلسہ جاری رہا۔ جلسہ کے درہم برہم ہونے میں یہ کچھ کم نہ تھا لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ اس سے بھی زیادہ شرمناک تھا۔ جلسہ کی حفاظت کا سامان خدا تعالیٰ نے پیدا کیا۔ اور آخر تک جاری رہا۔ لیکن قدرت نے اس حرکت کی سزا دینے میں دیر نہ لگائی۔ ابوالاعلیٰ کی تقریر کی باری پر ان کا اعلان ہوا۔ ابھی جماعتِ اسلامی کے بارک اللہ جنہوں نے سینہ زوری اور دھونس سے اسٹیج پر قبضہ جما رکھا تھا۔ اور اسٹیج سیکرٹری بن بیٹھے تھے اعلان کر کے بیٹھے بھی نہ تھے کہ ورابوالاعلیٰ اپنی نشست سے اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ مولانا مفتی محمودؒ نعروں کی گونج میں مسجد میں داخل ہوئے۔ "آپ آمد تیم رفت" کے مصداق ابوالاعلیٰ کا مائیک پر آنے کے بجائے اسٹیج سے جلد اترنے کا فکر دامن گیر ہو گیا۔ وجہ معلوم ہوئے بغیر اسٹیج سے غائب ہو گئے اور ساتھ ہی اعلان ہوا کہ وہ جا چکے ہیں ان کی تقریر کل اخباروں میں پڑھ لیں۔ جو وہ لکھی ہوئی چھوڑ گئے ہیں۔ ان کے جانے کے بعد بارک بھی پھر آخر تک نظر نہیں آئے۔ اور سٹیج جماعتِ اسلامی سے ایک منصوبے کے تحت خالی ہو گیا۔ حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی تقریر سب سے آخری تقریر تھی۔ ان سے پہلے اس قسم کی کوئی ہیجانی کیفیت سامنے نہیں آئی جو ابو الاعلیٰ کے آنے پر دیکھنے میں آئی تھی۔ ان کے مائیک پر آنے تک فضا پرسکون رہی۔ لیکن مفتی صاحب کے مائیک پر آتے ہی ارتعاش پیدا ہوا۔ اور پھر تقریر نہیں سنیں گے۔ تقریر نہیں ہونے دیں گے۔ واپس جاؤ کی آوازیں بلند ہونا شروع

ہوئیں اور لحظہ بہ لحظہ بڑھتی اور بلند ہوتی گئیں۔ مفتی صاحب نے خطبہ مسنونہ بھی نہ پڑھا تھا کہ فضا میں جوتے بلند ہونا شروع ہوئے جو مفتی صاحب کو دکھائے گئے اور اسٹیج کی طرف پھینکے گئے اس ہنگامہ خیزی اور ہڑبونگ کی وجہ سے پرامن سامعین بھی اس منظر کو دیکھنے کے لئے کھڑے ہوگئے۔ جس پر شر پسندوں کو اوٹ مل گئی اور مجمع کو افراتفری میں مبتلا کرنے میں دلیر بن گئے۔

ان سرکشوں اور بدمستوں کو ہوش میں لانے والا کوئی نہ تھا۔ انتقامی جذبہ تھا۔ یا سوچا سمجھا منصوبہ جس کی تکمیل ہو رہی تھی۔ اسٹیج سے پرامن رہنے اور خاموشی اختیار کرنے کی ہر ممکن تلقین، مسئلہ ختم نبوت کے احساس کرنے اور مسجد کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھنے کی اپیلوں کے باوجود ابلیس کی یہ اولاد اور مرزائیوں کے ایجنٹ اپنی شورش پسندی سے باز نہ آئے۔ تمام قائدین ایک ایک کرکے خاموش رہنے کی پر درد ہدایت کرتے اور ایسی کوئی حرکت جس سے شیطان خوش ہو باز رہنے کا کہتے ہیں۔ لیکن شیطان کی جماعت کے یہ افراد تمام پروگرام درہم برہم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ ان سے دست بستہ درخواستیں کی گئیں، خدا کا رسول کی عظمت کا واسطہ دیا گیا پر ان شرارت کے پتلوں کو کچھ بھی شرم نہ آئی، ان انسان نما خبیث روحوں پر کوئی بات اثر نہ کر سکتی، کافی وقت گذر چکا تھا۔ مفتی صاحب اپنی جگہ جمے کھڑے تھے۔ اور شتونگڑے اپنی اچھل کود میں مصروف تھے۔ یہ غداران ختم نبوت بھیڑیوں کی طرح دندناتے پھر رہے تھے۔ اور اسٹیج کی طرف بڑھنے کی کوشش میں تھے۔ تاکہ مفتی صاحب بلکہ تمام قائدین کو اپنی بربریت کا شکار بنائیں۔

انسان جب اپنی بہادری کے مظاہرہ کا تہیہ کر لیتا ہے تو سنگین سے سنگین صورتحال اور نازک سے نازک گھڑی، خوفناک ماحول اور ہیبت ناک فضا بھی اس

کے قدم نہیں اکھاڑ سکتی۔ اور یہ استقامت کسی نظریہ کی حفاظت اور کسی مقصد کے حصول کے لیئے پختہ ارادے کے بغیر ممکن نہیں۔ خدانخواستہ اگر مفتی صاحب بد دل اور غضب ناک ہو کر بیٹھ جاتے تو اس سے نہ صرف یہ کہ جلسہ ناکام ہو جاتا بلکہ ختم نبوت کا مسئلہ بھی کھٹائی میں پڑ جاتا۔ اور تحریک جلسہ کی ناکامی کی نذر ہو جاتی۔ خدا اپنی بے پناہ رحمتیں مفتی صاحب پہ نازل کرے کہ موقع کی نزاکت کا خوب احساس کیا اور اس پریشان کن مسئلہ میں اپنی عزت و وقار کو داؤ پہ لگا کر استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑے رہے۔ گالیاں سنتے، جوتے دیکھتے بلکہ جوتوں کو اپنی طرف آتا دیکھتے رہے۔ لیکن مسئلہ ختم نبوت کی ناموس کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دینے کے لیئے اپنی جگہ سے انچ برابر بھی نہ ہٹے۔ وہ کیا خوفناک منظر تھا۔ شیطان اپنی قوت صرف کر دیا تھا اور ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا کہ لیکن مقام محمود کے ملک، تاج و تخت ختم نبوت کے تاجدار و تخت نشین کے تاج و تخت کے محافظ مفتی محمود نہایت پر وقار انداز سے اپنی جگہ کھڑے ڈٹے رہے۔ غنڈہ گردی کی ہر راہ اختیار کی گئی اور پھر بجلی کاٹ دی گئی۔ مسجد اندھیرے میں ڈوب گئی۔ اور لاؤڈ سپیکر بند ہو گئے۔ اور جلسہ کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ شیطان کی اولاد ننگا ناچ ناچ رہی تھی اور شیطان قہقہے لگا رہا تھا۔ آج شیطان کتنا خوش تھا۔ اور اس کی اولاد کس قدر فرمانبرداری کا ثبوت دے رہی تھی۔ ایسا نظارہ اس مسجد نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو گا۔ مایوسی اور خوف نے دلوں پر تسلط کر لیا تھا۔ لوگ تیزی سے مسجد سے نکل نکل کر جا رہے تھے کہ وہ اس تماشا کی تاب نہ لا سکتے تھے۔ ایک انجانا خوف تھا جو طاری تھا۔ لیکن اس کے برعکس بہت سے باایمان لوگ دل ہی دل میں صورتحال کے سنورنے کی دعائیں کر رہے تھے اس کے سوا یہ کر کیا سکتے تھے۔

بہت دیر تک اندھیرا رہا۔ خیال تھا کہ مفتی صاحب جا چکے ہوں گے۔ کیونکہ اب جلسہ کا انتظام بحال ہونا مشکل نظر آرہا تھا۔ اس لیئے بھی لوگ مایوسی کا شکار ہو کر واپس جانے کے لیئے سوچ رہے تھے۔ رات بہت بیت چکی تھی۔ اگر کچھ دیر مزید یہی صورتحال رہتی تو لوگ شاید نہ ٹھہرتے۔ گھپ اندھیرا اور شور وغل اور دنگا فساد با ایمان لوگوں کو خون کے آنسو رلا رہا تھا۔ اور ان بے ایمانوں کو پیچ وتاب دلا رہا تھا۔ ہر عاشق رسول ان منافقوں کے پکڑنے کے لیئے بے قرار تھا۔ مگر اندھیرا مجبوری بن گیا تھا۔ اور یہ بدقماش لوگ بھی اندھیرے سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ چاہتے تھے کہ یہ کیفیت مسلسل جاری رہے تاکہ جلسہ کی ناکامی کا ڈھنڈورہ پیٹا جا سکے اور تحریک کو کمزور کیا جا سکے۔ لیکن خدا کو اپنے دین اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی حفاظت منظور تھی۔ بجلی کا منقطع سلسلہ بحال ہو گیا۔ روشنی آگئی۔ اندھیرا ختم ہوا اور لاؤڈ سپیکر بولنے لگا۔ سب نے دیکھا اور سب کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ مفتی صاحب اپنی اسی جگہ کھڑے ہیں۔ لیکن مسیلمہ اور ابن سبا کی ناجائز اولاد اپنی فطرت خبیثہ کا بدستور مظاہرہ کر رہے تھے حق وباطل کا عجیب معرکہ تھا۔ کہ مرزا غلام احمد قادیانی کذاب کی روح کو خوش اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس کو غمگین کرنے والے شیطانی مجسے اپنی اسلام دشمنی کا مظاہرہ کرتے تھکتے نہیں تھے۔ جبکہ قومی اتحاد کے نشان مفتی صاحب کی آواز گونجی۔ وہ کہہ رہے تھے کہ مجھے بہرحال تقریر کرنا ہے۔ اور تقریر کیئے بغیر میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ اور ساتھ ہی ناصحانہ انداز میں سکوت اختیار کرنے کو کہا۔ مگر بازاری ماؤں کے بیٹوں کی طرح زیادہ اودھم مچانا شروع کر دیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ نامعلوم نسب کے اوباش جمع ہو کر اپنی اصلیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ جسم فروشی کرنے والی ماؤں کے بیٹے ایمان فروشی کا مظاہرہ

کر رہے تھے۔ اور زیادہ سے زیادہ اپنے ایمان کی قیمت وصول کرنے کی طرف سے سرگرمی دکھا رہے تھے۔ ورنہ ان لوگوں کو مفتی صاحبؒ کی ذات سے کیا ضد ہو سکتی تھی۔ انہوں نے ان کا کیا بگاڑا تھا۔ ایک منصوبہ تھا جسے پورا کرنا مقصود تھا۔ ہزار کوشش کے باوجود انہوں نے عقل کے ناخن نہ لیئے۔ جب کوئی تدبیر کام نہ آسکی تو مفتی صاحب نے للکارتے ہوئے کہا میں اپنے رضاکاروں کو کہتا ہوں کہ انہیں پکڑ لو۔ اور یہ جہاں جہاں بھی ہیں انہیں ٹھکانے لگا دو۔ یہ مفتی صاحب کی کرامت تھی کہ ختم نبوت کا اعجاز تھا کہ چند منٹوں کے اندر یہ پیشاب کی طرح بہادر جھاگ بن گئے۔ وہ کون تھے جنہوں نے گدھے دودھ سے پرورش پانے والوں کو یوں دبوچ لیا۔ جیسے عقاب چڑیا کو اچک لیتا ہے۔ جس کے بعد مفتی صاحب کے لیئے تقریر کرنا ممکن ہو سکا اور جلسہ کا مجلس عمل ختم نبوت کے صدر مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی دعا پر خیر و عافیت سے اختتام ہوا۔ شیطان ذلیل و رسوا ہو حق کو فتح حاصل ہوئی۔ یہ کس کے ذریعے سے ہو سکا۔ یہ بات معلوم نہ ہو سکی۔ لیکن اگلے دن دیکھا گیا کہ جماعتِ اسلامی کے کارکنوں کے چہرے سوجھے ہوئے تھے۔ اور سر پر پٹیاں بندھی ہوئیں تھیں اور منہ اور سر رومال سے لپیٹ رکھے تھے۔ تب یہ بھید کھلا کہ بادشاہی مسجد میں منعقد ہونے والے ختم نبوت کے جلسہ میں گڑبڑ کر کے اسے ناکام بنانے کی کوشش کرنے والے جماعت اسلامی کی کوکھ سے پیدا ہونے والے اور جماعت اسلامی کے دودھ سے پرورش پانے والے شوربا تھے۔

جماعتِ اسلامی یکم ستمبر کی شب کو بادشاہی مسجد میں منعقد ہونے والے جلسہ میں اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کر کے اپنی روایت قائم رکھنا

چاہتی تھی اور باقی رکھا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ایسے ناپاک ارادوں کو شکست دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ چنانچہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان قومی اسمبلی نے بالاتفاق مرزائیوں کی قادیانی اور لاہوری ہر دو پارٹی کو غیر مسلم قرار دینے کا فیصلہ کر دیا۔ اور شہدائے ختم نبوت کا خون رنگ لایا۔

(بحوالہ تحفظ ختم نبوت اور جماعت اسلامی ص ۱۰۱ تا ۱۰۸) (مصنفہ محمد طفیل رشیدی)

# خاکسار تحریک

## "ملت کے ترجمان تھے حضرت غلام غوث"

ملت کے ترجمان تھے حضرت غلام غوثؒ
گلشن کے پاسباں تھے حضرت غلام غوثؒ

یکتائے علم و فضل تھے عالم میں بالیقین
انشاء کے آسمان تھے حضرت غلام غوثؒ

ہر ہر قدم پر ان کو شریعت کا پاس تھا
بے مثل نکتہ دان تھے حضرت غلام غوثؒ

اکثر دلوں پہ نقش ہے بس انکی سادگی
اسلاف کا نشان تھے حضرت غلام غوثؒ

قدرت تھی یکساں انکو زبان و بیان پر
مخلص تھے، محنت جاں تھے حضرت غلام غوثؒ

مخلوق کو سکھایا صحابہؓ کا اقدام
فطرت کے مہرباں تھے حضرت غلام غوثؒ

دیتے رہے وہ دنیا کو پیغام حریت
آزاد این و آں تھے حضرت غلام غوثؒ

رائج ہوا اپنے ملک میں اسلام کا نظام
رحمت کی داستان تھے حضرت غلام غوث

شارق نہیں ہے، ایک زمانہ ہے معترف
جرأت کا اک نشاں تھے حضرت غلام غوثؒ

(علامہ شارق ایناکوری، بشکریہ ہفت روزہ لولاک ۲۰ر فروری ۱۹۸۸ء)

# خاکسار تحریک کے بانی کا تعاقب

تحریر:۔ مولانا سید منظور احمد شاہ۔

ایک وقت تھا کہ عنایت اللہ خان مشرقی نے اپنے خیال اور سوچ
کے مطابق مسلمانوں کی پستی اور تنزلی کا واحد علاج مذہب کی قدامت
پرستی سے نجات حاصل کرنے میں ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کی پستی کا سبب مذہب
کی قدامت پرستی نہ تھی بلکہ بے دینی اور روحانیت سے محرومی تھی کہ اسلام
پر عمل کو جیسے مسلمانوں نے ترک کیا قعر مذلت میں گر پڑے۔ مشرقی صاحب
نے اپنی کتاب تذکرہ اردو اور عربی، اپنے دیگر مقالات میں مثلاً "مولوی
کا غلط مذہب" وغیرہ میں اپنے باطل نظریات کا بڑے زور و شور سے
پرچار کیا۔ یہاں تک کہ اسلامی ارکان میں ہی تبدیلی کر دی جس کی آج تک
کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ تو مشرقی صاحب نے جب خاکسار تحریک کی بنیاد
رکھی تو بڑے زور و شور سے یہ تحریک پھیلی۔ اس تنظیم میں جو فوجی ڈسپلن
اور عسکریانہ جذبہ تھا اس سے متاثر ہو کر بہت سے عوام حتیٰ کہ کچھ علماء بھی
اس جال میں پھنس گئے۔ مولانا ہزارویؒ نے اپنی خداداد ذہانت، فطانت،
جرأت اور دلیری سے کام لیتے ہوئے اس فتنے کا نہایت بے باکی سے مقابلہ
کیا۔ اور مشرقی کے اسلام باطل اور ملحدانہ نظریات کے پرخچے اڑا دیئے۔

مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی زندگی کا ایک خاصہ یہ تھا کہ کلمۂ حق کا اظہار
کرنے میں کبھی مصلحت سے کام نہیں لیا۔ اور نہ ہی نتائج و عواقب کا خیال
دل میں لائے۔ وہ قرآن کی اس آیت کا مصداق تھے "لا یخافون
لومة لائم" کہ وہ ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے"
یہی وصف مولانا ہزارویؒ میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ مولانا ہزارویؒ کو

اگر کوئی اختلاف تھا تو علامہ مشرقی کے باطل نظریات سے، تحریک سے نہیں۔

خاکسار تحریک کے بانی علامہ عنایت اللہ المشرقی ۲۵ ر اگست ۱۸۸۸ء کو خان عطا محمد خان کے گھر امرتسر میں پیدا ہوئے۔ چونکہ ان کا گھرانہ علمی تھا۔ حصولِ علم کے بعد ۱۹۱۲ء میں درس و تدریس کی دنیا میں وارد ہوئے۔ ۱۹۲۴ء میں "تذکرہ" جو علامہ المشرقی کی مشہور تصنیف تھی تصنیف کی۔ یہ کتاب عربی زبان میں تھی۔ جب تذکرہ منظرِ عام پر آئی تو علماء کرام کے کان کھڑے ہو گئے۔ ۱۹۳۱ء میں علامہ مشرقی نے اپنی دوسری کتاب "اشارات" لکھی۔ اسی سال خاکسار تحریک نے عوامی حلقوں میں پذیرائی حاصل کی۔ بگل کی آواز، چپ وراست کے عمل کا شش اور بیلچوں کی چمک دمک اور سپاہیانہ سج دھج نے نوجوانوں کو قطاروں میں لا کھڑا کیا۔ عسکری لحاظ سے خاکسار تحریک بہترین جماعت تھی۔ علامہ اقبالؒ کا مقولہ ہے کہ "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" اگر علامہ مشرقی کے ملحدانہ نظریات نہ ہوتے اور بے دینی میں مشرقی حد سے تجاوز نہ کرتے اور یہ تحریک خالص اسلامی نظریات کی حامل جماعت ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مجلس احرار اسلام اور دیگر اکابر علماء اس تحریک کی شدت سے مخالفت کرتے۔ جب کہ وہ آزادیٔ وطن کے لیئے ہر اس جماعت اور فرد سے تعاون کے لیئے تیار اور آمادہ تھے۔ جو انگریز سامراج کا بستر بوریہ ہندوستان سے گول کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ بہر حال خاکسار تحریک کی شہرت کے کئی عوامل تھے۔ مثلاً جنگ کے خطرات سے دہشت زدہ سرمایہ دار اپنی تجوریوں کو منتقل کر چکا تھا، بنکوں کی عمارات میں بوم

اپنے ڈیرے ڈال چکے تھے۔ ایسے حالات و واقعات نے خاکسار تحریک کو ایسی رونق دی کہ یونینسٹ پارٹی سمیت صوبے کی تمام سیاسی جماعتیں منہ دیکھنے لگ گئیں، ہر روز شہر کے میدانوں میں مصنوعی جنگ کا مظاہرہ، توپوں کی گن گرج، گولہ بارود کا دھواں، جوانوں کے جذبات کو برانگیختہ کرنا، اس طرح یہ تحریک شہروں، دیہاتوں اور قصبوں تک پھیل گئی۔ ہر بے کار اور جذباتی مسلمان خاکی وردی پہنے، مساوات کا سرخ بیج لگائے، بیلچہ اٹھائے چاک و چوبند نظر آنے لگا۔ تحریک کے مقاصد کیا ہیں؟ بانی تحریک کیا چاہتا ہے؟ تحریک کے لیے سرمایہ کہاں سے فراہم ہوتا ہے؟ ان سوالات کے جواب میں ابھی تک کوئی زبان نہیں کھلی تھی۔ تاہم یہ عظیم و فعال تحریک آگے بڑھ رہی تھی۔ قوم میں عسکری شوق انگڑائیاں لینے لگا۔ امراء سے نچلے طبقے تک، گھروں سے دفاتر تک، ملازم سے افسر تک تحریک کو پسندیدگی حاصل ہو رہی تھی کہ بانی تحریک المشرقی کا ایک پمفلٹ "مولوی کا غلط مذہب دو دو پیسے میں" خاکسار رضا کار بازار میں فروخت کرتے دکھائی دینے لگے۔ اس پر علماء کے کان کھڑے ہو گئے۔ انہیں دنوں المشرقی کی تیسری تصنیف "قول فیصل" شائع ہوئی۔ یہ ۱۹۳۰ء کا ذکر ہے۔ "قول فیصل" میں بانی تحریک نے اپنے مقاصد کو بیان کرتے ہوئے ایک طرف اسلام کی سربلندی کو اپنا مقصد قرار دیا۔ اس کے ساتھ ہی علماء دین کے متعلق لکھا۔

"جو ملا اور مولوی گھر گھر کے باسی ٹکڑے اور پس خوردہ سالن میلے اور بدبودار کٹوروں میں کھا کھا کر اپنی مسجد کے میلے اور بدبودار حجرے میں چھپا بیٹھا ہے۔ مہینوں کی میلی اور جراثیم سے بھری ہوئی مسواک سے دانت

صاف کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ میلے اور بدبودار پسینے میں بھیگے ہوئے نجس کپڑوں کو پہن کر اور سردیوں میں مہینوں تک غسل نہ کرکے پاکیزہ اور مقدس بنا بیٹھا ہے۔ ناف کے بال خدا کے گھر پھینک کر بڑے حاکم کی گستاخیاں اور بڑے گھر کو ناپاک کر رہا ہے لیکن شرم حیا نہیں کرتا۔ ہندوستان میں دنیا کے سب سے لمبے دریا میں نہا کر کبھی اپنے جسم کی گندگی کو پانی سے صاف نہیں کرتا اور مذہب کے بہانے سے بے حیاؤں کی طرح اپنی شرمگاہ کو پکڑ کر لوگوں کو دکھاتا پھرتا ہے۔ جس ملّا اور مولوی نے تاریخ کا ایک صفحہ بھی عمر بھر نہیں پڑھا ہے اس علم تاریخ کے مطالعہ سے نفرت کرتا ہے۔ اور جس کی ایجاد کا فخر اسلام کو ہے جس کو قرآن حکیم کی ایک آیت کا صحیح مطلب معلوم نہیں جو اس کو طوطے کی طرح رٹ رٹ کر اور گدھے کی طرح لاد لاد کر حافظ اور عالم بنا بیٹھا ہے۔ جس کو یہ معلوم نہیں کہ تلوار کس طرح ہاتھ میں پکڑتے ہیں، بندوق کی شکل کیا ہوتی ہے۔ تیر کمان میں زہ کس طرح کی جاتی ہے۔ وہ ملّا اور مولوی کیا اس بات کا اہل رہ گیا ہے کہ آج ہم اس سے اپنا مذہب سیکھیں؟

(قول فیصل ص ۹۴۸)

اس طرح خاکسار تحریک کے چوبیس اصول بیان کیے ان میں سے دو اصول ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) کسی مسلمان کے خلاف نہ ہو۔ (۲) خاکسار صرف خاکسار سے سودا خریدے۔

ایک طرف تو مسلمانوں کو صرف اتحاد کا درس دیا، دوسری طرف علامہ مشرقی نے مسلمانوں کو خود افتراق و انتشار کا سبق دیا کہ

"خاکسار صرف خاکسار سے سودا خریدے۔" اغراض و مقاصد میں خاکسار رضاکاروں کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر صبح انگریز افسروں کے بنگلوں میں جائیں انہیں سلام کریں، ان کے گھوڑوں کو گھاس ڈالیں، ان کے خانساموں سے تعاون کرتے ہوئے ان کے لیے مرغیاں اور انڈے فراہم کریں۔ (بحوالہ "کاروانِ احرار" حصہ چہارم ص۴۶ ؍ ۴۸)

علامہ مشرقی ایک متشدد مزاج کا آدمی تھا جب دل آئے تو مرزا قادیانی کی طرح مغلظات منہ سے نکلتی جاتی تھیں انسانی شرافت منہ پیٹ کر رہ جاتی۔ سب سے بڑی خامی تو یہ تھی نہایت بے دینی اور الحاد کا علمبردار تھا۔ عیسائیوں کے متعلق علامہ مشرقی کا عقیدہ تھا کہ اس زمانے میں صحیح مومن اور نیک عمل کرنے والے نصاریٰ ہی ہیں۔ میں علامہ مشرقی کی مشہور کتاب "تذکرہ" کا ترجمہ ہی درج کروں گا۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) "اس زمانے میں مغربی لوگ یعنی نصاریٰ ہی ایماندار اور عمل صالح کرنے والے لوگ ہیں انہیں کو اللہ تعالیٰ زمین خلافت عطا فرمائے گا۔ اور تمہیں (اے مسلمانو!) ایسے طریقے سے دوزخ میں پہنچائے گا کہ تمہیں پتہ بھی نہ چلے گا۔" ("تذکرہ" عربی ص۹)

(۲) "اور مغربی لوگ یعنی نصاریٰ ہی عالم ہیں جنہوں نے صحیفۂ فطرت کے ذریعہ اپنے رب کو پہچانا ہے۔" (تذکرہ، ص۳۳ سطر عربی)

(۳) "اور جس قدر ممکن ہو سکے دشمن کے لیے قوت تیار رکھو، گھوڑے پالو، اس وقت سے اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن سے ڈراؤ اور ان دشمنوں کے علاوہ دوسرے جنہیں تم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ ہی

نہیں جانتا ہے "۔ اے مسلمانو! تمہارے علماء نے اس آیت کو جھٹلایا اور مغربیوں یعنی نصرانیوں نے اس آیت کی عملی تصدیق کی اور جہاں تک ممکن ہو سکا اس پر ایمان لائے "۔ (تذکرہ " عربی ص۲۶ سطر ۳)

(۳) "نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کی اس لیئے وہ دنیا میں فلاح پانے والے ہو گئے۔ اور اس میں شک نہیں کہ وہ اللہ کے مومن بندوں میں سے ہوں گے "۔ (تذکرہ "عربی ص۲۶)

علامہ مشرقی نے ایک جگہ لکھا ہے " نصاریٰ ہی عارف باللہ ہیں، نصاریٰ ہی خدا کے قدردان ہیں۔ نصاریٰ ہی خدا کے عابد ہیں، نصاریٰ ہی خدا کے شکر گذار ہیں "۔ ملاحظہ ہو۔

" مسلمانوں کو خدا کی ایسی معرفت حاصل نہیں ہوئی جس طرح نصاریٰ ہی خدا کے عابد ہیں، اور مسلمانوں نے خدا کی ایسی قدر نہیں کی جیسی نصاریٰ نے کی ہے۔ پھر کیوں نہ اللہ تعالیٰ ان کی مزدوریاں دیدے اور دنیا میں عبادت کا حق ادا کرنے کے باعث کیوں نہ اجر دے اور کیوں نہ اپنی نعمت ان پر پوری کرے کیونکہ وہ شکر گذار ہیں "۔

("تذکرہ" عربی ص۲۶)

خدا نے ایمانداروں اور نیکوکاروں سے خلافت ارضی کا جو وعدہ کیا تھا وہ وعدہ نصاریٰ کی سلطنت سے پوری ہو رہا ہے "

حوالہ ملاحظہ ہو۔

" اور کس طرح خلیفہ نہ بنائے زمین میں ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ شکر قبول کرنے والا بردبار ہے "۔ ("تذکرہ" عربی ص۲۶ سطر ۱۲)

دوسری جگہ یوں رقمطراز ہیں۔

"اکثر فرشتے اسی قوم نصاریٰ ہی کو سجدہ کرتے ہیں"

(ترجمہ۔ تذکرہ۔ عربی ص۲۶ سطر ۱)

خدا تعالیٰ نے جب فرشتوں کو فرمایا تھا کہ میں آدم کو پیدا کروں تو اسے سجدہ کریں اس سے مراد نصاریٰ ہی تھے۔ حوالہ ملاحظہ کیجیئے۔

"انہیں نصاریٰ اور اس قسم کے دوسرے لوگوں کے حق میں ہی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا تھا بیشک میں مٹی سے آدم پیدا کرنے والا ہوں جس وقت میں اسے بنا لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے سامنے سربسجود ہو کر گر جاؤ۔ تب فرشتوں نے مل کر سجدہ کیا"

(ترجمہ "تذکرہ" عربی ص۳ سطر ۱۵ بحوالہ کاروان احرار ص۵۳)

مندرجہ بالا تمام حوالہ جات کاروانِ احرار کے حوالہ سے درج کیئے گئے ہیں۔

ارکان اسلام کے بارے میں علامہ مشرقی کا نظریہ کیا تھا۔ ذرا غور کے ساتھ پڑھیں۔ جو شخص اپنے من گھڑت اور معزوضہ عقائد دوسرے پر ٹھونسے جو اپنے ذہن میں آئے اسی کو اسلام اور ایمان بتائے۔ اسی کا نام الحاد بے دینی ہے، زندیقی ہے۔ یہی کچھ علامہ مشرقی میں تھا۔ ذرا ان حوالوں پر غور فرمائیں۔

"اسلام کی بنیاد ان چیزوں پر نہیں رکھی گئی جن پر تم خیال کرتے ہو اور کلمہ شہادت، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ارکانِ اسلام نہیں ہیں۔ خدا کی قسم کی اسلام کی بنیاد اس چیز رکھی گئی ہے۔ (۱) قول کے ساتھ عمل میں وحدت پیدا کرنا۔ (۲) اتحاد جماعت (۳) افسر کی اطاعت کرنا (۴) دشمنوں کے ساتھ

مال سے جہاد کرنا (۵) تلوار اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنا۔ (۶) شہروں کی طرف ہجرت کرنا۔ اور کوشش کرنے سے جو چیز مانع ہو اس کا چھوڑ دینا۔ (۷) سعی میں استقامت کے باوجود نتائج میں توکل۔ (۸) عمدہ اخلاق (۹) علم (۱۰) آخرت پر ایمان لانا۔

(ترجمہ "تذکرہ" عربی ص۵۴ سطر ۱۲ تا ۱۵ بحوالہ "کاروانِ احرار" ص۵۵/۵۶)

تمام شیعہ، سنی، دامن گیر اولیاء ہوں یا متبعین آئمہ عظام سب ذرخی ہیں۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

شیعہ، سنی، حنفی اور شافعی، مقلد اور غیر مقلد، صوفی اور وہابی وغیرہ وغیرہ میرے نزدیک کچھ شے نہیں یہ سب جہنم کی تیاری ہے۔ ("تذکرہ" حصہ اردو ص۶)

امت کے کسی موجودہ یا گذشتہ قائد یا مدعی قیادت اور کسی پیر یا امام کو کسی بزرگ یا ولی کو، کسی سجادہ نشین اور مرشد کو، کسی مزار یا خانقاہ کو پیش نظر رکھ کر ان کا اتباع کرنا شرک ہے ظلم عظیم ہے اس میں موت کی تیاری ہے، آگے چل کر جہنم کی لکڑیاں بننا ہے ان بے چاروں کو دوزخ کا ایندھن بنانا ہے۔

("تذکرہ" حصہ اردو ص۶۱)

اس پر فتن دور میں دنیائے اسلام جن مصائب و آلام میں مبتلا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اور ان مصائب کا سب سے بڑا سبب عیسائیوں کی ریشہ دوانیاں ہیں۔

خدا تعالیٰ چونکہ عالم الغیب والشہادہ ہیں۔ اسے نصاریٰ کے ذہنی خباثتوں کا پورا علم ہے اسی بنا پر اس نے مسلمانوں کو قرآنِ مجید میں

ان سے دوستی رکھنے کی سخت مخالفت کردی ہے۔ یہاں تک سختی سے کام لیا ہے۔ کہ تم نے ان سے دوستی کی تو تمہیں بھی ایسا ہی نافرمان خیال کروں گا۔ مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اے مسلمانو! نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ۔ اے ایمان والو! مت بناؤ یہود و نصاریٰ کو رفیق وہی آپس میں رفیق ہیں ایک دوسرے کے اگر تم نے ان سے رفاقت کی تو تم بھی انہی میں سے ہو جاؤ گے تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ظالموں کو۔

۲- اگر تم نے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے کسی فریق کی بھی اطاعت کی تو وہ تمہیں کافر بنا دیں گے لیکن علامہ مشرقی کا مذہب و موقف ملاحظہ ہو۔

"انگریزوں اور عیسائیوں کے بنگلوں پر جا کر بے خوف و خطر خدمت کے لیئے درخواست کی جائے، انگریز ملاقات کے لیئے باہر نکلے تو بیلچے کندھے پر رکھ کر اور دائیں ہاتھ کو دھماکے سے بیلچے کے دستے پر چپٹا کر فوجی سلام کیا جائے۔ کچھ پوچھے تو اس کا متانت اور ادب سے جواب دو۔ جواب میں عاجزی نظر آئے۔ جناب کہہ کر خطاب ہو۔ جب رخصت ہونا ہو تو فوج کے سپاہی کی طرح رخصت کا فوجی سلام ہو۔ الغرض انگریز کو ملک کا بادشاہ سمجھ کر اس سے شاہانہ اور فیاضانہ سلوک کیا جائے۔ یاد رکھا جائے کہ زمین کی بادشاہت دینے والا خدا ہے جس کو مناسب سمجھتا ہے۔ کسی خدمت کے لیئے انگریز کہے تو نہایت مستعد ہو کر اور خلوص سے کی جائے۔ حتی الوسع انگریزوں کے مجلسی آداب کا لحاظ کیا جائے۔ سالار عامل اتوار کے روز ان کے پاس

نہ جائیں۔ یہ ان کے آرام کا وقت ہے۔ لیڈیوں سے چند قدم دور رہ کر بات کی جائے۔ ان کو جناب کہہ کر خطاب کریں۔ انگریزوں کی خدمت نہ بھی ہوں تو عاملوں کو اپنی خاکساری اور دوستی کے اظہار کے لیئے انگریزوں کے پاس ضرور جانا چاہیئے۔ ان کے خانساموں اور بیروں کے گھروں کی خدمت نہایت خلوص سے ہو۔ انگریز افسر دورہ کرتے ہوئے شہر سے باہر اتریں تو سالاروں کو ان کی خدمت کے لیئے مقررہ وقت پر جانا چاہیئے۔ خانساموں کی وساطت سے ان کے کھانے پینے کا سامان فراہم کریں ان کے لیئے مرغیاں انڈے مناسب داموں پر فراہم کریں۔ پانی کا سامان فراہم کریں، خیموں کو گاڑھنے اکھیڑنے میں ان کی مدد کریں۔ ان کے گھوڑوں کی خدمت کریں، گھوڑوں کے لیئے گھاس سستے نرخوں پر پیدا کریں، خدمت کے بعد صاحب سے بے خطر ملیں۔

(اشارات ص ۱۱۳/۱۱۴ بحوالہ کاروان احرار، حصہ چہارم ص ۵۷/۵۸)

ذرا غور سے پڑھیں اور سوچیں کہ علامہ مشرقی کی اس عبارت کا اشارہ کس کی طرف ہے۔

" پس اگر گری ہوئی قوم کا کوئی رہنما بجز اس کے کہ وہ اللہ والوں کی ایک خطرناک اور ناقابل شکست جماعت پیدا کر دے، تم سے چندہ مانگتا ہے تو وہ رہنما بدنیت ہے۔ بڑا ہوشیار اور چالاک ہے۔ قوم کو دھوکہ دے کر اپنے اور اپنے یاروں کے لیئے روپیہ وصول کرنا چاہتا ہے۔ اس چور اور بدمعاش کے گھر کی تلاشی لی جائے اور گھر سے اس کا اپنا پیدا کیا ہوا کچھ نہ نکلے اور سب چوری کا ہو تو ہتھکڑی لگا کر جہنم واصل کر دیا جائے۔ وہ رہنما نہیں خطرناک ڈاکو ہے۔ خواہ اس کی تقریریں اور تحریریں تمہیں کتنی بھلی لگیں۔ خواہ وہ بدمعاش تمہیں یہ جتلانے کے لیئے کہ "وہ سید زادہ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کو "نانا" کہے، اپنے آپ کو کالی کملی والے کا نواسہ کہے، قادیان کے غلام احمد کو دجال اور کافر کہے وہ سب سے پہلے آپ کافر ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بے چین کر دینے والی محبت سے فائدہ اٹھا کر اپنے آپ کو نواسہ کہہ کر غریب مسلمان کو اور غریب کرتا ہے۔ وہ قادیانیت کی لعنت کو کب ختم کرنا چاہتا ہے وہ اس کو پورے اٹھ کروڑ مسلمانوں کی زبان پر لا کر، امت کے دل میں شیطانی وسوسے پیدا کر کے غلام احمد کو مشہور کرنا چاہتا ہے تاکہ کم از کم چھپن (۵۶) ہزار اور مسلمان قادیانی بنیں اور وہ شور مچاتا ہے کہ قادیانیت کا سیلاب بڑھتا جا رہا ہے کہ پچھلا چندہ کافی نہ تھا۔

("قول فیصل" صفحہ ۳۳/۳۴)

بانیٔ تحریک المشرقی کی اوپر کی تحریروں کے مطالعہ نے تحریک اور بانیٔ تحریک کو الگ الگ کر دیا۔ جہاں تک تنظیم کا تعلق ہے۔ جاذب نظر ہی نہیں قابل تحسین بھی ہے۔ اس کی بدولت مسلمان متحرک ہوا، فوجی سپرٹ پیدا ہوئی، اطاعت امیر کی کھوئی ہوئی متاع پھر سے میسر آئی، مایوس دلوں میں روشنی کی جھلک پیدا ہوئی کہ شاید تحریک خلافت کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں میں حیات ملی کا نیا شعور عود کر آئے۔ اور اسی روشنی میں گمشدہ زندگی کے اوراق تلاش کرنے کا موقع ملے۔ اور قطار اندر قطار منظم مسلمان کسی منزل پر پہنچ سکے۔ لیکن جیسے ہی بانیٔ تحریک ذاتی خیالات عوام تک پہنچے تو بنی بنائی عمارت دھڑام سے نیچے آ رہی۔

مسلم لیگ کا ان دنوں پنجاب میں کوئی وجود نہیں تھا۔ یونینسٹ پارٹی انگریزی گماشتوں کا گروہ تھی۔ مجلس احرار کو مسجد شہید گنج کے جلسے سے نکل چکی تھی تاہم گرد و غبار باقی تھا۔ کانگریس اندرونی جھگڑوں میں الجھی ہوئی تھی۔ مسلم لیگ ہنوز

برائے نام جماعت تھی۔ رہے علماء تو انہیں ۱۹۳۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ نے پہلے معاہدہ کرکے پھر معاہدے کی وفا نہ کرکے رسوا کر دیا تھا۔ میدان فارغ دیکھ کر عنایت اللہ المشرقی نے تحریک خاکسار کا جال اس انداز سے پھیلایا کہ الشتی لشکروں کو زیر دام کو چیز دکھائی نہ دی۔ تنظیم حقیقتاً سونا تھی۔ اسے آج بھی ملمع نہیں کہا جا سکتا لیکن لیڈر کی ذاتی اور ذہنی خلفشار نے پہلے علماء کو پھر کانگریس کو اور آخر میں مجلس احرار کو اپنی تحریک کے نشیب و فراز پر غور کرنے کی دعوت دی۔ پنجاب کی فوجی گورنمنٹ اور حکومت ہند اس اہم فوجی تنظیم پر ارادتاً خاموش تھی۔ کیونکہ باقی تنظیم کے جذبات یا پروگرام میں حکومت سے الجھاؤ کا شائبہ تک نہ تھا مگر اس سے غافل بھی نہ تھی۔ اس پر ۱۹۳۶ء کا سال بھی گذر گیا۔ اس دوران پنجاب اور شمال مغربی سرحدی صوبہ میں اس تحریک کے برگ و بار خاصے بکھرے اور علامہ مشرقی آل انڈیا حیثیت کے رہنماؤں میں شمار ہونے لگے۔

(بحوالہ کاروان احرار حصہ چہارم صفحہ ۵۰-۵۱)

## علامہ مشرقی سے ٹھن گئی

علامہ مشرقی کی ان اشتعال انگیز تحریروں کے باوجود کسی سیاسی جماعت نے ابھی تک کوئی نوٹس لینا مناسب نہ سمجھا ان معنوں میں خاکسار تنظیم بذات خود بہر طور مسلمانوں کے لئے بہتر تھی۔ مگر تحریک کے لیڈر کی خواہش رہی کہ الجھاؤ پیدا ہو۔ چنانچہ ۵، ۶ / ستمبر ۱۹۳۷ء کو سرحد جمعیت علماء کی پشاور میں وزیرستان کانفرنس ہوئی۔ تو اس میں گورنمنٹ برطانیہ کی صوبہ سرحد کے آزاد قبائل پر مسلسل بمباری اور دیگر تشدد کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا تھا۔ اس کی صدارت مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیت علماء ہند

کر رہے تھے۔ ہندوستان بھر کے علماء اس غرض سے پشاور پہنچ
شہر کو دلہن کی طرح سجایا جا رہا تھا کہ اجلاس سے ایک دن پہلے ۴ ستمبر
کو علامہ عنایت اللہ المشرقی پشاور پہنچا اور جلسۂ عام میں بلا استثناء
تمام علماء کو برا بھلا کہا اور ایسے الفاظ استعمال کیے کہ حامیانِ دین اور
علماء کا احترام کرنے والوں نے اس طرزِ تکلم کو ناپسند کیا۔ ۵ ستمبر
کے اجلاس میں چند خاکساروں نے علماء کے خلاف مظاہرے کیے
اور نعرے لگائے۔ اجلاس خراب کرنے کی کوشش کی۔ حالانکہ اس
اجتماع کا خاکسار تحریک سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا لیکن "آ بیل مجھے
مار" کے مصداق علامہ مشرقی اپنے رضاکاروں کو فساد پر آمادہ کر کے
خود لاہور پہنچ گئے۔ ۶ ستمبر کو وزیرستان کانفرنس کی سبجیکٹ کمیٹی
نے اس امر کی ضرورت شدت سے محسوس کی کہ مشرقی صاحب
نے علماء کرام کے متعلق جو غلط فہمی عوام میں پھیلائی ہے اس پر کمیٹی کو
توجہ دینا چاہیے۔ بالآخر مولانا احمد علی لاہوریؒ علماء کرام کے اصرار
پر "تذکرہ" کا مطالعہ کیا اور رات کے اجلاس میں مشرقی کی
اس عربی کتاب سے مختلف اقتباسات پڑھ کر سنائے۔

(بحوالہ "کاروانِ احرار" حصہ چہارم ص۵)

حضرت لاہوریؒ نے اس کانفرنس میں فرمایا مجھے مشرقی کے
عقائد اور تحریروں سے بالکل اتفاق نہیں ہے۔ البتہ اس کی تنظیم یعنی
خاکسار تحریک سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ مشرقی صاحب کے
نزدیک جس کو حکومت مل جائے وہی نیک ہے، صالح ہے اگرچہ
وہ فرعون اور نمرود ہی کیوں نہ ہو۔

مسلمان اپنی تنظیم کی بے حد ضرورت محسوس کر رہا ہے اور وہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتا ہے کہ منظم جماعتیں ہندوستان میں اپنے حقوقِ تنظیم کے زور سے حکومتوں سے لے رہی ہیں...... ایک مسلمان کروڑہا تعداد کے بہت ذلیل وخوار ہے۔ اور اس کی آواز کی کوئی قدر نہیں کرتا اور اس کے حقوق مالِ غنیمت کی طرح غصب کیے جا رہے ہیں۔ حالانکہ مسلمان میں دوسری قوموں سے بڑھ کر قربانی کا جذبہ موجود ہے۔ مسلمان نہتہ ہونے کے باوجود بندوقوں اور سنگینوں کے سامنے سینہ سپر ہونے کا عادی ہے۔ گورنمنٹ کی طاغوتی طاقتوں کا ہر طرح سے مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تحریک خلافت، کشمیر ایجی ٹیشن، پشاور کا قصہ خوانی بازار اس غیرت، حریت اور جانبازانہ اقدامات کے شاہد عدل ہیں۔ باوجود ان تمام استعدادوں کے پھر مسلمان کیوں ذلیل وخوار ہیں۔ محض اس لیے کہ وہ غیر منظم ہے۔ یہ بالکل ٹھیک ہے کہ جب تک مسلمان منظم نہیں ہوتا نہ اپنے حقوق کی حفاظت کر سکتا ہے نہ اس کی کوئی قدر ہو سکتی ہے۔ (کاروان احرار حصہ ۴ صفحہ ۵۸/۵۹)

اسی جلسہ میں حضرت لاہوری نے خاکساروں کی خدمت میں ایک عرضداشت پیش کی۔

میرے معزز خاکسار بھائیو! مجھے آپ کی سپاہیانہ وردی پسند آتی ہے، آپ کی پریڈ محبوب ہے، خدمتِ خلق کا جذبہ بہت ہی پیارا ہے، آپ کی ذات سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بفضلہ تعالیٰ آپ مسلمان ہیں اور دردِ دل رکھتے ہیں۔ اسلام کی

سربلندی کے خواہاں ہیں، صرف ایک چیز اس سلسلے میں قابل اعتراض ہے۔ اور وہ عنایت اللہ المشرقی کی امارت ہے۔ ایسا شخص جس کے خیالات قرآن مجید کے خلاف ہوں تو وہ اس قابل ہرگز نہیں کہ اسے مسلمانوں کا امیر بنایا جائے۔ مسلمانوں کے امیر کے لیے کتاب وسنت کا عالم باعمل ہونا ضروری ہے۔ اسکے علاوہ متین، متحمل مزاج ہونا لازمی ہے۔ ہر مصلح کے لیے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم ہو ضبط نفس، متانت اور تحمل مزاجی ضروری چیزیں ہیں۔ ہندوؤں میں بھی مصلح موجود ہیں۔ ان کی تحریریں اٹھا کر بھی دیکھئے اور مشرقی صاحب کی بھی۔ ان تحریروں میں بھی اپنی قوم اور اس کے رہنماؤں پر ایسے رکیک حملے ہوئے ہیں اور کیا وہ بھی اپنی قوم کی اس طرح توہین وتذلیل کرتے ہیں۔

برادران محترم! بڑا وہ ہے جس کا سینہ بڑا ہو۔ گالیاں دینے سے تو آدمی بڑا نہیں بن جاتا اور نہ قوم اصلاح ہوتی ہے۔ کیا مشرقی کے اور اس کی تحریک خاکساران کے وجود سے قبل اسلام برباد ہوچکا تھا۔ جواب مشرقی صاحب نئے سرے سے زندہ کرنا چاہتے ہیں؟ کیا قرآن مجید میں جو حفاظت کا وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا نہیں ہو رہا۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔"

"ہم نے اس قرآن کو نازل فرمایا اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

پھر وہ کونسی جماعت ہے جس نے آج تک اسلام کی حفاظت کی ہے؟ سوائے علماء کرام اور صوفیاء عظام کے اور کوئی جماعت ہے؟

ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ ہر جماعت میں اچھے افراد بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔ مشرقی صاحب کو چاہیئے کہ اچھے علماء کا ساتھ دیں۔ اور برے لوگوں سے بے شک بچیں بچائیں۔ موجودہ رویہ ان کا یقیناً غلط ہے اگر اہل حق علماء کرام کو اپنے ساتھ ملالیں اور اپنے حال وقال کی اصلاح اسوۂ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کرلیں اور کسی مقتدر اور مستند عالم کو اس تحریک کا رہنما بنا دیں اور خود بحیثیت ایک مشیر کے کام میں شریک رہیں تو چند روز کے اندر اندر دیکھیئے کہ کس طرح تنظیم ہو سکتی ہے اور کیا نتائج و فوائد مرتب ہو سکتے ہیں۔" وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔

اس کے بعد حضرت لاہوریؒ نے ان الفاظ میں دعا کی:

"اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مشرقی صاحب کے غصہ کو ٹھنڈا کردے۔ اور انہیں ٹھنڈے دل سے اہل حق کی باتوں کو سننے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ ہرگز نہیں کہتا کہ وہ اسلام کی دانستہ مخالفت کر رہے ہیں۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ جن خیالات کا اظہار انہوں نے "تذکرہ" میں کیا ہے وہ یقیناً اسلام کے خلاف ہیں۔" (کاروانِ احرار حصہ چہارم صفحہ ۵۹)

کانفرنس کے آخری دن مولانا احمد سعید دہلویؒ، مولانا مظہر علی اظہر، مولانا عبدالقیوم پوپلزئی، مولانا خان میر بلا گی، مولانا حکیم عبدالسلام ہزارویؒ اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے علامہ مشرقی کے طرزِ تحریر کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

قارئین! یہاں ہی سے خاکساروں کا علماء کرام سے ٹکراؤ پیدا ہوا اور خاکساروں کے امیر علامہ مشرقی کا برصغیر کے اندر جن علماء کرام نے سب سے زیادہ مقابلہ کیا وہ دو شخصیتیں ہیں ایک مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ

اور دوسرے مولانا بہاؤ الحق قاسمی تھے۔ آپ اوپر پڑھ چکے کہ علماء کرامؒ خاکسار تحریک کے عسکری نظام پر بہت خوش تھے۔ لیکن جب مشرقی کے خبثِ باطن کو دیکھا، اس کے ملحدانہ نظریات کو پڑھا تو بددل ہو گئے۔ اس کو سمجھایا حتی الامکان تصادم سے بچنے کی کوشش کی لیکن مشرقی ایک انتہا پسند طبیعت کا مالک تھا۔ بجائے غور و فکر کرنے کے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا اور اس کی خواہش تھی کہ جو میرے نظریات ہیں مثلاً نصاریٰ ہی صحیح مسلمان ہیں اور وہی بخشے جائیں گے، نصاریٰ ہی اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرنے والے ہیں، نصاریٰ ہی کے سامنے فرشتوں نے سجدہ کیا تھا، نصاریٰ ہی ابرار اور عارف باللہ ہیں، اللہ کی زمین میں نائب صرف نصاریٰ ہیں۔ اس طرح ارکانِ اسلام کی تبدیلی، نیز تمام شیعہ سنی، دامن گیر اولیاء یا متبعین آئمۂ عظام سب دوزخی ہیں اور اس طرح دوسرے عقائد تو جب علماء کے سمجھانے پر بھی علامہ مشرقی نے اپنا رویہ تبدیل نہ کیا اور نہ ہی اپنے ملحدانہ نظریات کو ترک کیا تو ایسے مجاہد ملت، فخرِ سرحد مولانا غلام غوث ہزارویؒ علامہ مشرقی کے مقابل آگئے اور علامہ مشرقی کے غلط عقائد و نظریات کی تردید عوامی اجتماعات، اجلاس، تحریر و تقریر سے مسلح ہو کر اپنا فرض کما حقہٗ ادا فرمایا۔

پشاور کانفرنس کی روداد جب اخبارات میں شائع ہوئیں اور خاکساروں کو پتہ چلا تو سیخ پا ہو گئے اور اس وقت برصغیر میں جتنی جماعتیں تھیں ان کے پاس رضاکارانہ اور عسکریانہ نظام نہ تھا۔ صرف ایک مجلس احرار تھی یا خاکسار تحریک کہ جس کا عسکری نظام تھا۔ اور علامہ مشرقی بھی جانتا تھا کہ مجلس احرار اسلام ایک عوامی جماعت ہے۔ لہٰذا فطرتی بات تھی کہ الجھاؤ بھی احرار سے ہوا۔ اور جو

لٹریچر یا پمفلٹ علامہ مشرقی نے شائع کیئے اس کا جواب بھی مجلس احرار کے سٹیج سے مولانا غلام غوث ہزاروی نے دیا۔ جب بھی کوئی باطل فتنہ اٹھا تو مولانا ہزاروی کی سرکوبی کے لیئے بغیر کسی مصلحت کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نہ ہی مصلحت وقت کو دیکھا نہ ہی لالچ و ذاتی مفاد کو خاطر میں لائے۔

۱۹۳۶ء میں خاکسار تحریک پورے جوبن پر تھی اور ہری پور میں خاص طور سے اس کا زور اور چرچا تھا۔ علاقے کا رئیس اعظم یہاں خاکساروں کا سالار تھا اور تھانیدار ابو طالب کا بیٹا بھی خاکسار تھا جو اپنے باپ کی سرکاری وردی پریڈ کے وقت پہن لیتا تھا۔ ان حالات میں قاضی شمس الدین مدظلہ نے اپنے رفقاء کے مشورے سے خاکساروں کے خلاف جلسے کا اعلان کیا۔ اعلان کیا تھا گویا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا تھا۔ مولانا ہزاروی، مولانا عبدالحی ساکن بھوئی گاڑ درویش کے لیئے آہی رہے تھے کہ یہ دونوں حضرات درویش میں مولانا قاضی شمس الدین کے گھر کے سامنے ہی پہنچے تھے کہ پیچھے سے وہ بڑے سالار صاحب تعاقب کرتے ہوئے گلی میں مولانا ہزاروی سے آملے۔ علیک سلیک کے بعد مولانا ہزاروی سے کہنے لگے کہ مولانا آپ دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھائیں گے۔ مولانا ہزاروی نے فرمایا "آپ کا شکریہ میرا یہ اصول ہے کہ میں خاکساروں کا کھانا نہیں کھایا کرتا"۔ سالار بولا کہ لیکن میرا اصول یہ بھی ہے کہ کوئی ہندو سکھ بھی میرے گاؤں میں آجائے تو میں اس کو بھی کھانے کی دعوت دیتا ہوں۔ مولانا ہزاروی بولے: "آپ کو ضرور ایسا کرنا چاہیئے وجہ یہ ہے کہ آپ خاندانی رئیس ہیں اور مہمان نوازی سرحدی خوانین کی خاندانی فطرت اور فرائض میں داخل ہے۔ لیکن میرا اصول تو یہ ہے کہ میں ہندو سکھ کا کھانا تو کھالیتا ہوں لیکن کسی خاکسار کا

کا نہیں کھاتا۔ آپ کا بہرحال شکریہ " مولانا کا یہ مسکت اور جرأت مندانہ جواب جب اس سالار نے سنا تو منہ لٹکا کر چلا گیا۔ ہر چند جا کر خاکسار رضاکار مسلح باوردی جامع مسجد میں فوراً پہنچ جائیں اور اگلی صفوں پر قبضہ کر کے منبر کو گھیرے میں لے لیں دیکھیں گے کون ہمارے خلاف تقریر کرتا ہے اور ہم کیسے بچ کر اس کو جانے دیں گے۔

چنانچہ ساٹھ ستر رضاکار باوردی بمع بیلچہ آکر اگلی صفوں میں بیٹھ گئے۔ نماز کے بعد حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب مدظلہ آف درویش کی صدارت میں جلسہ شروع ہوا اور خاکساروں نے اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق بیلچوں کو الٹا پلٹنا شروع کر دیا۔ گویا حملے کے لئے پر تول رہے ہیں۔ مولانا قاضی فقیر محمد کی تقریر ختم ہونے کے بعد قاضی شمس الدین نے علارقی خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں آیت ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین۔ تلاوت کی اور فرمایا کہ مومنوں پر آزمائش کا آنا ضروری ہے اور جو مومن استقامت سے ان کو اپنے سروں پر جھیلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں۔ چونکہ قاضی صاحب کی تقریر محتاط انداز میں تھی لہٰذا مولانا ہزاروی نے وہ ختم کرا دی اور خود منبر پر تشریف لے آئے اور خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا کہ قاضی شمس الدین صاحب کی تقریر سے یہ سماں آنکھوں کے سامنے پھر گیا کہ گویا توپیں کسی ہوئی ہیں، پھانسیاں لٹکی ہوئی ہیں۔ بس حق بات کہی نہیں کہ وہ پھانسی پر لٹکا دیئے گئے اور توپوں سے اڑا دیئے گئے۔ اور میں حیران ہوں کہ قاضی صاحب مرعوب کس چیز سے ہو گئے۔ ان چمچوں (یعنی بیلچوں) سے حالانکہ قاضی صاحب کو معلوم نہیں۔

؎ نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے ‌‌ یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

بھائیو! ہماری اور ان کی کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے بات صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عزت کی ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

؎ نہ جب تک کٹ مروں خواجہ بطحاؐ کی عزت پر
خدا شاہد ہے کہ کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا۔

یہ دیکھو! مسلمانو! میرے ہاتھ میں تذکرہ ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم مر کر مٹی ہو گئے۔ کیوں مسلمانو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی توہین ہے یا نہیں؟ سب مسلمانوں نے بیک آواز کہا:

"توہین ہے توہین ہے"

مولانا ہزارویؒ نے کہا:

"اب آپ لوگ یہ بتائیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی توہین کسی کے ڈر کے مارے برداشت کریں؟

عوام کے مجمعے سے آواز آئی ہرگز ہرگز نہیں ہم کبھی برداشت نہیں کریں گے ہم سب آپ کے ساتھ ہیں اب اس کے بعد علامہ مشرقی کی دوسری کفریات مولانا ہزارویؒ نے کھول کھول کر بیان کرنا شروع کر دیں اور ہر کفریہ حوالہ پیش کرنے کے بعد عوام سے پوچھتے کہ کیوں یہ کفر ہے یا کہ نہیں؟ سب کہتے ہاں کفر ہے تو مولانا شرعی مسئلہ بیان کرتے کہ جو مسلمان اس کفر کو صحیح سمجھے یا کہنے والے کو مسلمان سمجھے وہ کافر ہو جاتا ہے کہ نہیں؟ عوام جواب دیتے کہ بیشک وہ کافر ہو جاتا ہے۔ مولانا پوچھتے کہ اس کی بیوی طلاق ہو جاتی ہے کہ نہیں؟ عوام کا مجمع جواب دیتا کہ بے شک ہو جاتی ہے عوام مولانا کی بات کی پر زور تائید کرتے۔

قارئین کرام! معذرت کے ساتھ اس جلسے کا ایک پر لطف تماشا بھی دکھانا ضروری ہے۔ جب شہر میں مولانا کے جلسے اور خاکساروں کے حملے کا چرچا ہوا تو اس وقت ایک شعر کی حقیقت معلوم ہوئی۔

سرفروشوں کے قبیلے اور ہیں
عافیت کوشوں کی نسلیں اور ہیں

تو اس چرچے کی وجہ سے اس دن دو قسم کے لوگ تھے جو عافیت کوش بزدل تھے وہ تو جماعت کے ختم ہوتے اور سلام پھیرتے ہیں جوتا اٹھا اور یہ جا وہ جا کہ مبادا ہمارا ہی پتیا چارٹ ہو جائے۔ لیکن جو منچلے سرفروش مزاج تھے وہ پورے شہر کی دوسری مساجد سے بھی نماز سے فارغ ہو کر گروہ در گروہ جلسہ گاہ کا رخ کر چکے تھے۔ بقول شاعر۔

فاروق جن پہ فاش تھے راز و رموز عشق
وہ مقتل حیات میں بھی سر کے بل گئے۔

مسجد کے اندر مجمع بڑھتے بڑھتے ہزاروں تک پہنچ گیا اور اس عظیم مجمع میں ساٹھ ستر خاکسار "اونٹ کی پیٹھ پر تل" کا مصداق بن کر رہ گئے۔ اب مولانا ہزاروی علامہ مشرقی کی ہر کفریہ بات بیان کر کے عوام سے فتوی دلاتے کہ جس کا یہ عقیدہ ہو اس کی بیوی طلاق ہو گئی کہ نہیں تو عوام بلند آواز میں جواب دیتے اور توثیق کرتے تو یہ صورتحال خاکساروں کے لیئے غیر متوقع تھی۔ "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن" کا مصداق بن گئی۔ آخر خاکساروں کے کمانڈر نے "برخیز" کا حکم دیا۔ (برخیز کے معنی کھڑے ہو جاؤ۔ یہ خاکساروں کا کاشن تھا جو انگلش کے لفظ اٹینشن کا ہم معنی تھا) اب خاکسار اٹھ کر نکلنے لگے تو عوام ان کو نکلنے کا راستہ

نہ دیتے بالآخر شرمندہ ہو کر وہاں سے نکلے ۔ بقول شاعر

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے

اور میدان مولانا ہزاروی اور ان کے رفقاء کے ہاتھ رہا۔ تو مولانا کی جرأت ایمانی، تدبر، حوصلہ اور دلیری کا مشاہدہ کریں کہ ایسے حالات میں بڑے بڑے لوگوں کا پتہ پانی ہو جاتا ہے۔ لیکن مولانا ہزاروی استقامت کا پہاڑ ہیں۔ مولانا نے زندگی بھر کبھی بزدلی نہیں دکھائی جہاں حق بات بیان کرنے کا موقع آتا تو کسی مصلحت یا وقت کے حالات کو کبھی خاطر میں نہ لاتے۔ حق بات انجام سے بے نیاز ہو کر کہہ دیتے۔ کسی شاعر کے اس شعر کا مصداق مولانا ہزارویؒ سے بہتر کون ہو سکتا ہے۔

؎ سر بام کبھی پکارا، لب دار کبھی صدا دی
میں کہاں کہاں نہ پہنچا تیری دید کی لگن میں

قارئین! یہ تو ایک واقعہ تھا میں ایسے بیسیوں واقعات آپ کو بتاؤں گا کہ مولانا ہزارویؒ نے حق بات کہنے میں کبھی بزدلی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مولانا ہزارویؒ کو حق بات کہنے کے لیئے ہی پیدا کیا تھا۔ منبر و محراب سے بھی اپنے اکابرین اور اسلاف کی سنت کے مطابق حق کا پرچار کرتے رہے۔ اور وقت آیا تو دار و رسن کو چوم کر بھی حق کا اعلان کیا۔ کبھی ہواؤں کا، کبھی فضاؤں کا اور بدلتے موسموں کا رخ نہیں دیکھا۔ یہی وجہ تھی کہ کمزور دل و گروہ والے یا ہواؤں کے رخ پر چلنے والے لوگ مولانا ہزارویؒ کے دوش بدوش نہ چل سکے تو مولانا ہزاروی کو طرح طرح کے القابات سے نوازا کبھی متعصب کہا، کبھی متشدد کہا۔ لیکن مولانا چلتے گئے آگے بڑھتے گئے نہ تھکے نہ رکے۔

# علمائے ازہر کا جواب

آج سے تقریباً نصف صدی پہلے پنجاب و سرحد میں عنایت اللہ خان مشرق کا غلغلہ بلند تھا۔ ایک طرف ان کی بیلچہ بردار "چپ وراست" کی گونج در و دیوار سے ٹکرا رہی تھی تو دوسری طرف ان کے "عسکری اسلام" نے ذہنی فضا میں ایک ہیجان پیدا کر دیا۔ دنیا کے بڑے بڑے آئمہ ضلال اور دعاۃ فتنہ کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو بعض چیزیں ان میں قدرِ مشترک نظر آئیں گی۔ مثلاً بلا کی ذہانت، غضب کی قائدانہ صلاحیت، بے پناہ کبر و غرور، انتہائی خود رائی و خود پسندی، سلفِ صالحین کی تحقیر، ہر بات میں نئی اختراع کا شوق، نمود و نمائش کا جذبہ اور تعمیر کے نام پر دین و ایمان اور قوم و وطن کی تخریب۔

علامہ مشرقی بھی اسی گروہ کے سرخیل تھے۔ وہ اپنے تئیں "علامہ" کہتے تھے۔ انہیں غلط فہمی تھی کہ قرآن کے مفہوم و معانی عرشِ معلیٰ سے پہلی بار انہی کے دماغ پر نازل ہوئے ہیں۔ انہوں نے اسی غرہ میں قرآنِ کریم پر مشق شروع کر دی۔ پہلے "تذکرہ" نامی کتاب لکھی۔ یہ ان کے الحاد کا نقش اول تھا۔ پھر کچھ عرصہ خاموشی کے بعد "اشارات" لکھی اور خاکسار تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ ایک پرچہ جاری کیا اور بالآخر "مولوی کا غلط مذہب" نامی کتابچے کے نمبر نکالنا شروع کر دیئے۔ یہ ان کی ذہنی و فکری صلاحیتوں کا ماحصل تھا۔

چونکہ عنایت اللہ خان مشرقی پشاور کی انگریزی درس گاہ میں مدرس رہ چکے تھے، اس لیے وہاں ان کا خاصا اثر تھا۔ اور حضرت بنوری جب فارغ

التحصیل ہونے کے بعد پشاور پہنچے تو مشرقی نظریات اور علماء کرام کے درمیان معرکہ کارزار برپا تھا۔ حضرت آتے ہی اس میدان جہاد میں کود گئے۔ خاکسار ان کی "ھل من مبارز" کا چیلنج کیا اور جلسوں اور تقریروں سے مشرقی فتنہ کا ناطقہ بند کر دیا۔ خاکساروں کا دعویٰ تھا کہ مشرقی صاحب کو علماء مصر نے "علامہ" کا خطاب دیا ہے۔ علماء ہند اس کے مقام و مرتبہ کو کیا پہنچتے اس کی باتیں سمجھنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے۔ حضرت بنوریؒ مشرقی کے اس منبع "علامیت" کو خشک کرنا چاہتے تھے۔ ۱۹۳۷ء میں آپ علمی مجلس ڈابھیل کے مندوب کی حیثیت سے نصب الرایہ اور فیض الباری چھپوانے مصر گئے تو مشرقی کی کتاب "تذکرہ" علماء مصر کو دکھائی اور اس کی تحریفات و کفریات سے انہیں آگاہ کیا۔ اس پر بعض علماء مصر نے ایک استفتاء مرتب کیا اور علماء ازہر کی جماعت کے ایک رکن اور الازہرہ کے مفتی شیخ "وجرتی" نے اس کا جواب لکھا۔ جس میں مشرقی نظریات پر شدید تنقید کی گئی۔ اور انہیں صریح کفر و الحاد قرار دیا گیا۔ غالباً مصر میں اس فتوے سے علماء ہند کے بارے میں یہ تاثر لیا گیا کہ انہوں نے ایسے گمراہ شخص کا کیوں نوٹس نہیں لیا۔ اس پر حضرت بنوریؒ نے وضاحت کے لئے ایک مختصر سا مضمون لکھا جو وہاں کے "مجلۃ الاسلام" جلد ۲ شمارہ ۳۲، ۲۲ شوال ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۷ دسمبر ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا۔ مقالہ کا عنوان تھا "کلمۃ عن الالحاد وکتاب التذکرۃ لاحد الملاحدۃ المشرقی وجمہور علماء ہند فی ھذا الصدد"۔

حضرت بنوریؒ کا یہ تاریخی مقالہ ان کی دینی حمیت اور تب و تاب کا مرقع ہے۔ دین اسلام پر ملاحدہ کی دست درازیوں کا شکوہ کرتے ہوئے

اسلام کی بے کسی کا نقشہ کس درد سے کھینچا ہے۔

"اصبح الدین کثلة الغنم لا راعی او ترتع حصب لا زائد عن حماة، او یتیم مات ابواہ فاصبح من لا من یتربیہ ویحنو علیہ او مریض مدنف اشرف علی الموت لا یلقیٰ طبیبا یداویہ بجرعة من دواء۔

"آج دین کی حالت اس ریوڑ کی سی ہے جس کا کوئی گلہ بان نہ ہو۔ یا سرسبز چراگاہ کی سی ہے جس کا کوئی رکھوالا نہ ہو یا اس بے کس یتیم کی سی ہے جس کے ماں باپ مر چکے ہوں اور بھری دنیا میں اس کا کوئی مربی اور شفیق میسر نہ ہو یا اس لاغر اور جاں بلب مریض کی سی ہے جسے کوئی طبیب نہ ملے جو اس کے منہ میں دوائی کی ایک گھونٹ ڈال دے:

پھر اس مقالہ میں حضرت بنوری علماء ہند کا ذکر فرماتے ہیں کہ علماء نے اس فتنہ کے استیصال کی بہت کوشش کی ہے کہ جب مشرقی کے کفر والحاد کا طومار سامنے آیا تو علماء ہند اس کے مقابلے کے لیئے کھڑے ہو گئے۔ اور دین کی پاسبانی کا حق ادا کر دیا۔ عبارت ملاحظہ ہو۔

ودعاة العلماء مبحث والمناظرمرات وراقم هذه السطور من الذين دعوا هذا الرجل وحزبه للمناظرة لکنه جبن ولا یحضر۔

"اور علماء نے اس کو کئی بار بحث ومناظرہ کی دعوت بھی دی عنوان سطور کا راقم ان لوگوں میں ہے جنہوں نے اس کو اور اس کی جماعت کو

مناظرہ کا چیلنج دیا مگر اسے سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اب آپ ذرا حضرت بنوریؒ کی آگلی عبارت ذرا غور سے پڑھیں جس میں مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی خدمات کا ذکر ہے۔ اور مولانا بہاؤالحق قاسمیؒ کی خدمات کا ذکر بھی کس خوبی سے فرمایا ہے۔ یہ مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت تھی ملاحظہ ہو۔

فالعلماء الهند فی هذا السبیل جهود وتشکر دائماً فهم لم یفعلوا ولم یتغافلوا ولم یحجموا ولم یقصروا۔ وعلی الأخص جماعة ،، احرار اسلام ،، فی الهند فان لها مجهودات کبیرة ، ومن المبرزین فی هذه الجماعة الباقین الی الغایات الاستاذ الفاضل بهاؤ الحق القاسمی وصدیقنا الفاضل الاستاذ غلام غوث الهزاروی . فانهما قد القماه احجاراً فی فیه۔ وشد علیه کل حیلة بحتالها وترکا فتنة بین انیاب الاسد فتشکر لهما جلیل خدمتها ودفاعها عن الدین و الاسلام وفقهما الله للخدمة الصحیحة وبارك ما علیهما المنجعة وجهودهما المشکورة ۔

(ماہنامہ بینات حضرت بنوریؒ نمبر ۲۰۸ تا ۲۱۱)

قارئین حضرات! خط کشیدہ عربی عبارت ذرا غور سے پڑھیں کہ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور مولانا بہاؤالحق قاسمیؒ نے خاکساری فتنہ کے خلاف کتنا بڑا کام کیا اور یہ حضرت بنوریؒ کا مقالہ ۱۹۳۶ء کا ہے۔ جو آپ نے مصر میں لکھا اور پیش فرمایا۔ حضرت ہزارویؒ کی شخصیت کا

اندازہ اسی بات سے کرلیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ خداوندِ قدوس نے حضرت ہزاروی کو فرقِ باطلہ کی سرکوبی کے لیئے پیدا کیا تھا خواہ وہ کسی لبادے میں ہوں، خاکساریت کے روپ میں ہوں یا قادیانیت اور مودودیت کے لبادے میں ہوں۔

**مانسہرہ میں خاکساروں کے خلاف جلسہ** قارئین حضرات! حضرت بنوری کے حوالے سے آپ مولانا ہزاروی کی جدوجہد خاکسار تحریک خلاف پڑھ چکے ہیں۔ جس کا تذکرہ حضرت بنوری نے اپنے اس تاریخی مقالے میں کیا۔ جو آج سے نصف صدی پہلے مصر میں شائع کیا۔ مولانا ہزاروی نے برصغیر میں حفاظتِ دین کے لیئے جو کام کیا وہ ایک جماعت کا کام تھا۔ اسی ضمن میں ایک دلچسپ واقعہ بھی آپ کے سامنے پیش کردوں جس کا ذکر میرے مخدوم ومحترم حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ نے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نمبر کے ماہنامہ بینات میں ص۲۸۰ پر کیا ہے۔

واقعہ کچھ اس طرح ہوا کہ حضرت ہزاروی نے حضرت بنوری کو مانسہرہ میں جلسہ کی دعوت دی۔ حضرت بنوری نے قبول فرمائی۔ جلسہ کے بعد کیا ہوا۔ اسی تذکرہ کو حضرت مولانا ہزاروی کی زبانی ہی پڑھیں۔

"مرزائیوں اور خاکساروں کے خلاف ان کی جدوجہد (یعنی حضرت بنوری آپ کی) سب کو معلوم ہے۔ ایک بار میرے کہنے سے حضرت نے مانسہرہ کے جلسہ میں شرکت منظور فرمائی جو ہم مشرقی کے خلاف کر رہے تھے۔ حضرت نے نہایت عالمانہ طویل اور مدلل تقریر فرمائی۔ بڑے افسروں اور پولیس افسروں نے اس دن مانسہرہ چھوڑ رکھا تھا۔ ایک اناڑی اسسٹنٹ سب انسپکٹر موجود تھا جس نے مولانا موصوف کی گرفتاری کا حکم دیا۔ حالانکہ

گرفتار صرف مجھے کرنا تھا۔ حضرت کی تقریر قانون کے اندر مدلل اور معقول تھی۔
ان کی گرفتاری کے بعد میں نے اسٹیج پر اعلان کیا کہ میں حضرت مولانا محمد یوسف
بنوری کی تقریر کے ایک ایک حرف کی تصدیق و تائید کرتا ہوں، اس اناڑی نے
میری گرفتاری کا بھی حکم دیدیا۔ چنانچہ ہم دونوں عظیم جلوس کی شکل میں تھانہ اور
کچہریوں کو گئے پھر یہ لوگ حیران تھے اب کیا کریں۔ ہم نے کہا اگر ہم گرفتار
نہیں تو چلے جائیں۔ ورنہ ہمیں کسی ٹھکانے پر لگاؤ۔ بڑا افسر کوئی تھا نہیں۔
آخر کار ہم سب جیل (حوالات) میں بھیجدیا۔ اس دروازہ پر ہمارے رضا
کاروں اور عوام نے جو کچھ کیا۔ وہ بیان سے باہر ہے۔ آخر میں ہمارے
سمجھانے بجھانے سے وہ نرم ہوئے اور ہم اندر جا سکے۔ دو تین رات ہم
اندر رہے۔ پھر حکومت نے ہم کو رہا کر دیا۔ یہ طویل قصہ ہے جس کو چھوڑا
جاتا ہے۔ اتنی بات عرض ہے کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رح
نے حضرت کو گرامی نامہ لکھا کہ یوسف میں قید ہونے کی ایک کمی ہی باقی تھی۔
وہ بھی پوری ہوگئی۔

## انگریز کمشنر کو ترکی بترکی جواب

حضرات! حضرت ہزاروی کا ایک اور ایسا واقعہ مشاہدہ فرمائیں:

۱۹۳۰ء میں مجلس احرار انگریزوں کے خلاف معروف عمل تھی۔ انگریزوں
کے حریت پسندوں پر مظالم عروج پر تھے۔ حضرت ہزارویؒ دیگر اکابرین کی
طرح آزادی کے نغمے آلاپ رہے تھے۔ گورنمنٹ نے آپ کو گرفتار کرکے ڈسٹرکٹ
جیل ایبٹ آباد میں بند کر دیا۔ اس وقت کا انگریز کمشنر چند افسران کو لے کر طنز
کے لیے جیل میں آیا۔ بظاہر وہ جیل کے معائنے کے لئے آیا تھا۔ پہلے اس
کمشنر نے علماء کو اپنی کرسی کے رعب سے دبانا چاہا کہ کسی طرح مرعوب کردے۔

کمشنر کہنے لگا کہ آپ انگریزوں کے خلاف بغاوت نہ پیدا کریں اور پرسکون رہیں۔ حضرت ہزارویؒ نے جواب دیا ہمیں سکون تب ملے گا جب آپ ہمارے ملک سے نکل جائیں گے۔ ہم آخر تک تمہارے خلاف تحریک چلائیں گے۔ یہاں تک کہ تم کو اس ملک سے نکال دیں۔ کمشنر کہنے لگا کہ تم ہم کو اس ملک سے کیسے نکال سکتے ہو تمہارے پاس مادی وسائل نہیں۔ تو حضرت ہزاروی صاحبؒ نے جلال میں آکر فرمایا کہ ہم تم کو اس دیس سے ایسا دیس نکالا دیں گے جیسے کسی پاجامے میں بھڑ داخل ہو کر کاٹ لے تو وہ انتہائی کرب واضطراب کے عالم میں فوراً اپنا پاجامہ نکال پھینک دے۔ ہم تمہیں تکالیف دے دے کر اس طرح نکال دیں گے۔ حضرت ہزارویؒ کے اس جواب پر کمشنر آگ بگولہ ہو گیا اور اٹھ کر چیخ چیخ کر کمرے میں گھومنے لگا اور غصہ کے عالم میں کمرے میں ٹہلنے لگا۔ کمشنر نے مولانا ہزارویؒ سے کہا میں تمہیں پھانسی کی سزا دوں گا۔ حضرت ہزاروی نے فرمایا کہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ ہمارے اسلاف کے ساتھ بھی تم نے وحشیانہ سلوک کئے۔ پھانسیاں دیں، گرم چولے میں ڈالا، توپ کے آگے باندھ کر انہیں اڑایا گیا۔ ہم اپنے پیشروؤں کی طرح کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ حضرت کے جرأتمندانہ جواب سے انگریز کمشنر بوکھلا گیا اور دو حال کے لئے مولانا کو حوالہ زنداں کر دیا۔

اسی دن مولانا ہزارویؒ کے حق میں ہزارہ کے غیور وجسور عوام نے ایک زبردست جلوس نکالا جنہوں نے جیل کے سامنے سخت مظاہرہ کیا اور جیل کا دروازہ توڑ ڈالا جس میں مولانا ہزاروی کے بہت سے ساتھی زخمی ہوئے۔ ایسا کیوں نہ ہو جس قافلہ حریت کے باقی ماندہ اسلاف سے تھے ان کا جذبہ، ان کا ولولہ، ان کا شوق شہادت، ان کی حق گوئی وبے باکی ہی تو ضرب المثل تھی۔ حضرت ہزارویؒ اس قافلہ کے رہنما تھے جس کی جانفروشی اور سرفروشی کی گواہی کوفہ کی جیلوں نے جلادینے

دی جس قافلے کے سالار امام احمد بن حنبلؒ کے درے مارے گئے۔ جس قافلہ کی جان سپاری گوالیار کے قلعے نے دی۔ جس قافلہ کے میر کارواں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ہاتھ کاٹے گئے۔ جس قافلے کی حریت کے نغموں کی گواہی شاملی کے میدان دے رہے ہیں۔ جس قافلہ کی جانبازی کا بالاکوٹ کی شہادت گاہ موجود ہے۔ یہی قافلہ سفر کرتے کرتے بابائے جمعیت مولانا غلام غوث ہزارویؒ تک پہنچا تو مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے اس قافلے کو، اس ریت کو، اس رسم کو قائم و دائم رکھا۔ جب حق کہنے کا وقت آیا تو

؎ بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

کا مصداق حق گوئی کا حق ادا کیا۔ جس میں اپنے بھی ناراض ہوئے۔ غیر تو غیر تھے۔ لیکن اس مرد حق آگاہ نے کسی کی پرواہ نہ کی۔ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو نہ دیکھا۔ بلکہ اپنا چراغ جلاتا چلا گیا۔

**اکوڑہ خٹک میں خاکساروں سے مناظرہ** علامہ مشرقی کی خاکسار تحریک تنظیم اور فوجی تربیت کے لحاظ سے بہترین جماعت تھی۔ لیکن مشرقی نے الحاد اور بے دینی پھیلانے کی کوشش کی تو علماء حق نے اپنا فرض منصبی سمجھتے ہوئے مشرقی کا تعاقب شروع کیا۔ تو اس سلسلے میں مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے مشرقی کا مقابلہ دیگر تمام علماء سے زیادہ کیا۔ عنایت اللہ خان مشرقی کے ساتھ متعدد بار مولانا کا مقابلہ ہوا۔ خاکساری لوگ اپنے پر پرزے نکال رہے تھے کہ اکوڑہ خٹک میں مولانا عبدالحق صاحبؒ نے مولانا ہزارویؒ کو دعوت دی۔ مولانا اکوڑہ خٹک تشریف لے گئے۔ وہاں خاکساروں کے ساتھ مولانا ہزارویؒ کا مشہور مناظرہ ہوا۔ اس مناظرے میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ ثالث بنائے گئے۔ شیخ الحدیث نے نہایت حکیمانہ اسلوب

سے اس کا فیصلہ کیا۔ مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے ایسے دلائل و براہین سے مشرقی کے ملحدانہ نظریات کا پول کھول کر خاکساروں سے اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اور لاجواب ہو کر "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" کے مصداق تشدد پر اتر آئے۔ چنانچہ احراریوں نے مقابلہ کیا اور خاکساروں کے پاؤں ایسے اکھڑے کہ دوبارہ نہ سنبھل سکے۔

## علامہ مشرقی بھاگ اٹھے

برصغیر کے اندر خاکسار تحریک کے بانی علامہ مشرقی کے الحاد اور باطل نظریات کا مقابلہ سب سے زیادہ مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور مولانا بہاء الحق قاسمیؒ نے کیا۔ مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے تقریر و تحریر اور مناظرہ و مقالات وغیرہ کی صورت میں کیا۔ ایسے ہی ایک مناظرہ کی روداد حاضر خدمت ہے۔ جو ایبٹ آباد میں ہوا تھا۔ اس مناظرہ میں قاضی شمس الدین صاحب آف درویش بھی شامل تھے اور اس کی روداد انہوں نے ایک پمفلٹ میں شائع کی جو ہدیہ قارئین ہے۔

محترم برادران اسلام! جو احباب کیمپ کے دنوں میں ایبٹ آباد تشریف لے گئے تھے۔ ان کو مشرقی صاحب اور ان کے مجاہد خاکساروں کے کیمپ اور انصار المسلمین کیمپ اور انصار مصنوعی جنگ بچشم خود دیکھنے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ لیکن جو مسلمان ایبٹ آباد تشریف نہ لے جا سکے اور خاکساروں کے غلط پروپیگنڈہ کی وجہ سے پریشان ہوئے ان کی واقفیت کے لیے مناسب سمجھا گیا کہ ایبٹ آباد کیمپ کے تمام صحیح حالات کو مفصل طور پر شائع کر دیا جائے۔ انجمن انصار المسلمین ضلع ہزارہ نے ایبٹ آباد میں انصار فوجی کیمپ اور تبلیغ کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ ۱۲ رجون ۱۹۳۶ء کو کیا تھا۔ اس سے ایک ماہ قبل خاکساروں نے بڑی شد و مد سے خاکسار کیمپ کے انعقاد کا اعلان کر دیا۔ اور چھ ہزار خاکساروں

کے عملاً حاضر کیمپ ہونے کا اعلان کیا۔ مشرقی نے بھی الاصلاح میں اعلان کر دیا۔ اور خود بھی آنے کا اعلان بقلم خود کر دیا۔ اس کے بعد پوسٹروں اور ہینڈ بلوں کے ذریعے بے پناہ پرچار کیا گیا۔ انصار کیمپ کے اعلان کے بعد خاکساری حلقوں میں کھلبلی مچ گئی۔ اور مشرقی صاحب نے جلسہ کا اعلان کر دیا کہ ایبٹ آباد مشرقی کے آنے کا اعلان کلرکوں کی غلطی سے ہوا ہے۔ خاکساروں کے جلسے کے لیئے دو ہفتہ پہلے ہی ڈین آباد متصل گراس فارم کے وسیع و عریض میدان کی منظوری حاصل کر لی تھی۔ ادھر انصار المسلمین کے مخلص اراکین بھی اپنی جد و جہد میں معروف رہے۔

انصار المسلمین کیمپ کے لیئے ۲۲ جون کو بروز جمعۃ المبارک راولپنڈی سے خیمے وغیرہ بمعہ اسباب روانہ کر دیئے گئے۔ جو شام کو ایبٹ آباد پہنچ گئے تھے۔ لیکن خاکساروں کی بد دیانتی کی وجہ سے وہ خیمے سیدھے خاکسار کیمپ میں چلے گئے۔ حالانکہ خاکسار ڈرائیور کو راولپنڈی سے روانگی کے وقت تاکید کی گئی تھی کہ خیمے انصار المسلمین کے لیئے کمپنی باغ میں ایبٹ آباد لے جانے ہیں۔ خاکساروں کے کیمپ میں نہ لے جانا۔

۲۰ جون کو ملک غلام حیدر صاحب نے ایک درخواست انصار المسلمین کی طرف سے ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر کی خدمت میں بھیجی کہ کمپنی باغ میں جلسہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ مگر ڈی سی صاحب موصوف نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ جس سے تمام مسلمانوں میں شدید ہیجان و اضطراب پیدا ہو گیا۔ اور انصار المسلمین کے مجاہد وارکان نے فیصلہ کر دیا کہ جلسہ ضرور ہو گا۔ اور کیمپ بھی لگایا جائے گا۔ اور اس سلسلے میں سب گرفتاری کے لیئے تیار ہو گئے۔ زیادہ تشویش اس لیئے تھی کہ انصار تحریک خالص مذہبی ہے۔

موجودہ وقتی سیاست میں نہ دخل دیتی ہے نہ حصہ لیتی ہے ۔جلسہ بھی خالص تبلیغ اسلام کے لیے کرنا چاہتی ہے۔ اس لیئے اسلام پر ہم کم ازکم وہ پابندی برداشت نہیں کرسکتے ۔

احباب کے مشورہ سے میں نے مناسب سمجھا کر اتمام حجت کے لیئے ایک دفعہ بالمشافہ بات چیت کر لی جائے ۔تاکہ پھر حکومت کو شکایت کی گنجائش نہ رہے ۔ چنانچہ میں ۲۲ جون کو ڈپٹی کمشنر صاحب موصوف کی ملاقات کے لیئے گیا۔ صاحب موصوف نہایت خندہ پیشانی سے اٹھ کر ملے ۔علیک سلیک کے بعد پوچھا کس طرح آنا ہوا ۔ میں نے کہا کمپنی باغ میں تبلیغی جلسے کی اجازت لینے کے لیۓ آیا ہوں۔

ڈپٹی کمشنر :! کیسا جلسہ ہوگا ؟

میں : تبلیغی جلسہ ہوگا ،

ڈی سی : اس میں خاکساروں کا ذکر تو نہ ہوگا ؟

میں : خاکساروں کا ذکر تو ضرور ہوگا بلکہ یہ جلسہ خاکساریت کی تردید ہی کے لیئے منعقد کیا جا رہا ہے ۔

ڈی سی : اچھا کون کون تقریر کرے گا ؟ ( یہ کہہ کر صاحب موصوف پنسل لے کر کاغذ پہ نام لکھنے کے لیئے تیار ہو بیٹھے اور میرے منتظر ہوگئے ) ۔

میں : ایک تو میں خود تقریر کروں گا ۔

ڈی سی : اچھا اور ؟

میں : اور مولانا عبدالحئ صاحب ( بھوئی ) تقریر کریں گے ۔

ڈی سی : اچھا اور ؟

میں : مولوی محمد داؤد صاحب ( کیملا ) تقریر کریں گے ۔

ڈی سی : اچھا اور ؟

میں : اور مولوی عبدالقیوم صاحب پوپلزئی (پشاور) تقریر کریں گے۔ مولانا موصوف کو دعوت دی ہے۔

ڈی سی : یہ (مولوی عبدالقیوم) پولیٹیکل (سیاسی) آدمی ہے۔

میں : مگر تقریر تو پولیٹیکل نہیں کریں گے۔

ڈی سی : اچھا اور ؟

میں : اور مولوی غلام غوث صاحب تقریر کریں گے۔

ڈی سی : دگھبراکر نہیں نہیں۔ ہم گلام گوس کو اچھا نہیں مانگتا وہ طلاک ٹلاک (طلاق طلاق) کا باٹ بولتا ہے۔

میں : مگر ہم اچھا مانگتا ہے۔

ڈی سی : اگر خاکسار کا ذکر نہ کرو تو اجازت ہو سکتی ہے۔

میں : مگر ہم اپنی تقریر وں کا پابندی نہیں چاہتے۔

ڈی سی : اچھا مولوی گلام گوس تقریر نہ کرے۔

میں : ہم یہ پابندی بھی قبول نہیں کر سکتے۔

ڈی سی : تو اجازت نہیں دی جا سکتی۔

میں بہت اچھا کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا تو صاحب موصوف نے کہا کہ اچھا آدھ گھنٹہ بعد آؤ۔ اس وقت ساڑھے دس بجے تھے۔ میں نے کہا تو گیارہ بجے آؤں۔ ڈپٹی کمشنر! ہاں گیارہ بجے آؤ۔ یہ کہہ کر موصوف بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے بھی رخصت کر دیا۔ میرا خیال ہے کہ اس وقفے میں انہوں نے شاید ڈاکٹر خان صاحب جو ان دنوں نتھیا گلی میں تھے سے اس سلسلے میں بات کی ہوگی۔ ٹھیک گیارہ بجے میں پہنچ گیا۔ تو صاحب موصوف نے

مجھے کہا تمہیں اجازت ہے۔ مگر ڈسپلن کا خیال رہے۔ کیونکہ ہم شہر کے ڈسپلن کا ذمہ دار ہے۔ میں نے کہا! ہم نہ خود خاکساروں کی طرف جاتے ہیں نہ ہی کوئی والنٹیئر جائے گا۔ لیکن اگر خاکسار ہم پر حملہ کردیں تو ڈیفنس (دفاع) کا ہر شخص کو حق حاصل ہے۔ پھر میں نے کہا آپ اجازت تحریر کردیں تو صاحب موصوف نے کہا! اوہ نہیں تحریر کی کوئی ضرورت نہیں۔

صاحب موصوف نے جس شرافت اور متانت سے گفتگو کی اس کا اثر اب تک طبیعت پر ہے۔ اس کی توقع حکام بالاخصوصاً انگریزافسروں سے نہیں کی جاسکتی۔ بہت ممکن ہے کہ اس میں کانگریس گورنمنٹ کا کسی حد تک دخل ہوا ہو۔ بہرحال صاحب موصوف ہماری طرف سے تحسین کے مستحق ہیں۔ چنانچہ میں واپس آگیا۔ اور سب احباب جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیئے جامع مسجد میں چلے گئے تھے۔ خاکساروں نے مرزائیوں کی سنت پوری کرتے ہوئے تمام علاقے میں سائیکلوں اور دیگر ذرائع اور ماتحت خاکساروں کے ذریعے یہ افواہ اڑادی کہ انصار کیمپ کو ڈپٹی کمشنر نے روک دیا ہے۔ اور ان کا کیمپ بند ہوگیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علاقہ دھمتوڑ، باغبانڈھی اور پہاڑ کے مسلمان جو دس بارہ ہزار کی تعداد میں آرہے تھے وہ مایوس ہوکر واپس چلے گئے۔ خطبہ سے پہلے مولوی عبدالغنی صاحب اویسی اور مولانا غلام غوث صاحب نے تقریر کی۔ اور پہلا اجلاس چھ بجے شام کو ختم کیا گیا۔ دوسرے دن صبح پھر دوسرا اجلاس شروع ہوا۔ اور بارہ بجے ختم کردیا گیا۔ تیسرے پہر کو انصار کے سپاہیوں کی پھر شاندار مارچنگ ہوئی۔ سب سے آگے انصار سپاہی تھے پیچھے احرارِ اسلام کے باوردی سپاہی مع بینڈ شریک تھے۔ اور ان کے پیچھے سفید لباس والے عام مسلمان تھے۔ چنانچہ یہ فوج ظفر موج دو گھنٹے تک شہر کے مشہور بازاروں

میں مارچ نگ کرنے کے بعد واپس آئی اور کیمپ میں داخل ہو گئی۔ تیسرے روز بروز اتوار پھر عظیم الشان جلسہ شروع ہوا، مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب، مولانا خلیل الرحمٰن صاحب مدرس جامعہ رحمانیہ ہر بیپور اور حضرت مولانا محمد داؤد صاحب نے تقاریر فرمائیں۔ میں ایک بجے کے قریب قاضی القضاۃ علاقہ سرحد حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب دس بارہ ہزار مسلمانوں کے بے پناہ سیلاب کے ساتھ شہر کا گشت لگاتے ہوئے تشریف لائے۔ چنانچہ انصار کیمپ سے آپ کے اعزاز میں سات عدد توپیں داغی گئیں۔ اور جلسہ شروع ہو گیا۔ حضرت قاضی صاحب موصوف کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئے۔ تین بجے تک جلسہ جاری رہا۔ مسلمانانِ سرحد کا یہ سیلاب عظیم چونکہ خاکسار کیمپ کے سامنے سے گزرا تھا اس لیے مشرقی نے اپنے چھ سو غازیوں اور سینتر پولیس کے سپاہیوں کو ناکافی اور اپنے آپ کو اکیلا سمجھ کر ڈپٹی کمشنر سے درخواست کی کہ وہ خاکسار کیمپ کے ہر چہار طرف دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کردے۔ چنانچہ ڈپٹی کمشنر نے خاکسار کیمپ کے ہر چہار طرف دو سو گز کے اندر دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کر دیا۔ مشرقی صاحب نے دوبارہ کہا کہ دو سو گز ناکافی ہے۔ اس لیے کم از کم چار سو گز ہونا چاہیئے۔ چنانچہ مشرقی کی یہ ضد بھی مان لی گئی۔ چھپے ہوئے اشتہاروں پر نیلی سیاہی سے دو سو کے ہندسے کو کاٹ کر چار سو (۴۰۰) کا ہندسہ لکھا گیا۔ اور پھر کہا جاتا ہے کہ نازی جماعت سے تعلق رکھتی ہے۔

شام کو شاندار انصار جنگ کمپنی باغ میں لڑی گئی۔ گولہ باری اور بم باری کا ہیجان خیز منظر لوگوں کو حیران کر رہا تھا۔ گولہ باری اور جمباری کا عجیب نظارہ ڈاکٹروں کی جماعت مرہم پٹی سمیت، ہلال احمر کے رضا کار زخمیوں کے اٹھانے

والے سٹریچر سمیت موجود تھے۔ گرفتار شدگان کے طوق سلاسل کا رقت آمیز منظر قابل دید تھا۔ حاضرین کی تعداد تقریباً دس بارہ ہزار تھی۔ لوگوں پر اس کا بہت عمدہ اثر ہوا۔ اس کے بعد گتکہ بازی کا مظاہرہ ہوا اور تلوار کے کرتب بھی دکھائے گئے۔ چنانچہ چھ بجے یہ اجتماع منتشر ہوا۔ اور تمام سپاہی بھی رخصت ہو گئے۔

تین دن کے مسلسل اور مکرر مختلف چیلنجوں کے بعد آخر ۲۶ تاریخ کو مشرقی صاحب نے خان صاحب جلال الدین گورنمنٹ کنٹریکٹر کے اصرار پر بحث منظور کر لی اور قلی خان اسلامیہ ہال میں چار بجے بحث ہونا قرار پایا۔ علماء علاقہ زش کا ایک مختصر سا اجلاس ہوا جس میں بحث کے لیے بحث و تمحیص کے بعد احقر کا نام بالاتفاق طے ہوا۔ دو بجے ہی ملک غلام حیدر اور یعقوب میر صاحبان کو مولانا غلام غوث صاحب کی تلاش میں سپیشل موٹر دے کر بھیج دیا گیا تھا۔ نیز اس خیال سے کہ مولانا بفہ میں ہوں میں نے دو بجے مولانا صاحب کو بفہ میں میاں عبدالقیوم صاحب کی معرفت تار دیا مگر مولانا صاحب کا جواب آیا کہ مولانا غلام غوث صاحب بفہ میں نہیں پہنچے۔ اور نہ ہمیں پتہ ہے کہ وہ کہاں ہیں۔ علماء اسلام کا اجلاس جاری تھا کہ ٹھیک چار بجے مولانا غلام غوث صاحب اچانک آپہنچے اور طے ہوا کہ اب بحث مولانا غلام غوث صاحب ہی کریں گے۔ چنانچہ دعائے خیر کے بعد علماء اسلام کا یہ مبارک گروہ ساڑھے چار بجے قلی خان اسلامیہ ہال کی طرف روانہ ہو گیا۔ مولانا غلام غوث صاحب کے آنے کے بعد مشرقی صاحب نے پروگرام تبدیل کر دیا اور میدان میں نکلنے سے انکار کر دیا۔ قلی خان اسلامیہ ہال میں نہ آئے۔ باوجودیکہ پولیس کا کافی پہرہ تھا۔ تین چار انسپکٹر اور سب انسپکٹر پولیس مصروف انتظام تھے۔ مولانا

قاضی شمس الدین صاحب نے رائے پیش کی اگر مشرقی صاحب اسلامیہ ہال میں نہیں آنا چاہتے تو وہ ٹاؤن ہال میں تشریف لاویں۔ مگر مشرقی صاحب نے وہاں جانے سے بھی انکار کر دیا۔ آخر بعض علماء حضرات جن میں سردار بہادر خان وکیل پیش پیش تھے۔ مولانا صاحب سے اصرار کیا کہ آپ ہی مشرقی صاحب کے ہاں تشریف لے چلیئے تاکہ حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے۔ اتنے میں خان صاحب جلال الدین صاحب موٹر لے کر وہاں آ پہنچے کہ چلیے خان محمد اکبر خان کی کوٹھی ہی بحث ہو گی۔ چنانچہ موٹر میں بیٹھ کر خان محمد اکبر خان جاگیردار کی کوٹھی پر سب احباب پہنچے۔ وہاں پہلے ہی سے قاضی عبدالحکیم صاحب نخلک، میاں اکبر شاہ بیرسٹر، مولوی شاکر اللہ قاضی خاکساراں و دیگر چیدہ احباب موجود تھے کوٹھی کے اندر اور باہر مسلح پولیس کا بڑا زبردست انتظام تھا۔ باہر سے جانے والے حضرات میں سے حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا قاضی شمس الدین صاحب، مولانا محمد اسحٰق صاحب، حضرت مولانا عبدالغنی صاحب، خانصاحب جلال الدین صاحب، حضرت مولانا قاضی محمد عبداللہ صاحب دھمتوڑ، حضرت مولانا عصمت اللہ صاحب نوانشہر، حضرت مولانا شمس الدین صاحب پنڈی گھیپ، جناب حاجی سمندر خان صاحب اور جناب خان رحم خان صاحب وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ مشرقی صاحب کمرہ میں موجود نہ تھے۔ بعد میں مشرقی صاحب تشریف لائے اور سلام کہا۔ مسلمانوں میں سے کسی نے جواب نہ دیا اور نہ ہی کوئی اٹھا۔ مشرقی صاحب نے آتے ہی پوچھا کون بحث کرے گا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی نے کہا میں کچھ کہوں گا۔ اتنے میں مشرقی صاحب بیٹھ گئے اور کہا "یہ کتابیں کیا ہیں" جواب دیا یہ تذکرہ وغیرہ آپ کی تصنیفات ہیں۔ تو مشرقی صاحب نے گھبراہٹ سے کہا ان کو اٹھا دیجیے اور یہاں سے

دور کر دیجیے۔ خیر اس پر تھوڑی دیر جھگڑا ہوتا رہا۔ آخر مولانا غلام غوث صاحب نے اپنا لیٹرا اٹھا کر اپنے قبضہ میں کر لیا۔ باقی کتابیں اٹھا دی گئیں۔ مولانا غلام غوث صاحب نے تذکرہ کے متعلق کچھ کہنا چاہا۔ مگر مشرقی صاحب نے یہ کہا کہ تذکرہ کا جواب تذکرہ جیسی ہی کتاب سے ہو سکتا ہے۔ آپ بھی تذکرہ جیسی کتاب لکھیں اس کے بعد اگر دنیا نے آپ کی کتاب کو مان لیا تو معلوم ہو جائے گا کہ تذکرہ غلط تھا (کتنا مہمل جواب ہے) اور تذکرہ پر بحث کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔ اور کہا آپ تحریک پر کوئی اعتراض کریں۔ مولانا صاحب نے کہا کہ اختلاف تحریک سے نہیں ہے۔ تذکرہ کی خرافات سے ہے اور تذکرہ پر ہی بحث ہوگی۔ اور اب تو ۹ رجون کے پرچے میں اپنے تذکرے کو لازوال حقیقت کہا ہے۔ مشرقی صاحب نے کہا کہ اب میں تذکرہ پر ایک لفظ بھی نہیں کہنا چاہتا۔ اور نہ ہی یہ بحث کی سپرٹ ہے۔ طریقہ تو یہ تھا کہ جب میں باہر سے آیا اور میں نے سلام علیک کہا اور آپ نے وعلیکم السلام کہا ہوتا اس کے بیٹھتے اور نرم طریقے سے باتیں ہوتیں۔ مولانا نے کہا جناب ہم نے سلام کا جواب دیا اور نہ ہی اٹھے اور ہم غیر مسلم کے سلام کا جواب نہیں دے سکتے۔ مشرقی صاحب نے کہا قرآن میں ہے "ولا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مومنا" "جو تمہیں سلام کرے اسے غیر مسلم مت کہو" مولانا نے کہا "بشرطیکہ سلام دینے والا عقیدوں کو بد معاشی نہ کہے اور روزوں کو شہوتوں کی پیروی نہ کہے، حج کو بت پرستی نہ کہے، نماز کو سلام نہ کہے، تخلیق آدم کا انکار نہ کرے وغیرہ۔ آخر بحث سے مایوسی ہونے لگی تھی کہ خان صاحب جلال الدین صاحب نے کہا آپ تحریک پر ہی کوئی

اعتراض کریں۔ کچھ فیصلہ تو ہو۔ تو مولانا نے کہا کہ ہمیں تحریک پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ تحریک مذہبی ہے اور اس کا قائد غیر مسلم ہے۔ اس لیئے یہ تحریک مسلمانوں کی نہیں ہو سکتی۔ مشرقی نے کہا کہ قائد غیر مسلم کیوں ہے۔ مولانا نے کہا کہ بات پھر تذکرے پر ہی آتی ہے۔ قائد اس لیئے اسلام سے خارج ہے کہ اس نے تذکرے میں لکھا ہے کہ عقیدے بدمعاشی ہیں اور ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو عامل ہے اس کو کسی عقیدے کی ضرورت نہیں حالانکہ عقیدہ اسلام کی بنیادی چیز ہے۔ ایمان نام ہے اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کا تو جب تک تصدیق بالقلب نہ ہو ایمان نہیں ہو سکتا۔ مشرقی صاحب نے کہا کہ میں نے عقیدوں کا انکار کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ صرف عقیدہ کوئی چیز نہیں ہے۔ اور مثال دی ہے کہ حاکم کسی کو حکم دے کہ تم فلاں دن اتنے بجے عدالت میں حاضر ہونا۔ وہ شخص حکم لیئے لیئے پھرتا ہے۔ اسے ریشمی رومالوں میں لپیٹے، اسے روز چومے، تلاوت کرے مگر پیشی کے روز عدالت میں حاضر نہ ہو تو وہ حکم اسے کہے کہ تم کیوں پیش نہ ہو لے۔ وہ کہے حضور میں ایمان لایا، آپ کے حکم کو قبول کیا، اسے ریشمی رومال میں لپیٹا، اسے آنکھوں سے لگایا اور اسے طاق میں رکھا تو حاکم اسے کیا کہے گا۔ اس لیئے میں نے کہا ہے کہ ایسے عقیدے کی کوئی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی قرآن کریم چارپائی کے نیچے پڑے رہتے تھے۔ لیکن لوگوں کے دل ان کے سبب ہر وقت خائف رہتے تھے۔ اسی لیئے عبادت ہر وقت کے خوف کو میں نے کہا ہے۔ صرف نماز اگر عبادت ہوتی تو ہر وقت کا خوف نہ ہو سکتا تھا۔ اس کے بعد مشرقی صاحب نے آیت پڑھی "کانوا یقیمون الصلوٰۃ"

و یا تون الزکوٰۃ" آیت غلط پڑھی تو مولانا عبدالغنی صاحب نے فرمایا کہ آیت میں یا تون الزکوٰۃ نہیں وہاں تو یؤتون الزکوٰۃ ہو سکتا ہے۔ تو مشرقی صاحب نے کہا کہ اچھا تو یوں ہی سہی۔ یہ تقریر تقریباً ۳۰،۲۵ منٹ طویل ہو گئی۔ تو مولانا ہزاروی صاحب نے خان صاحب کو کہا کہ کچھ وقت کی پابندی بھی ہے۔ خان صاحب کے جواب سے پہلے مشرقی صاحب نے کہا کہ کوئی پابندی نہیں۔ جتنی دیر میرا جی چاہے گا میں بولوں گا۔ تو مولانا نے کہا تو مجھے بھی اتنی ہی دیر جواب دینے کا وقت ملے گا۔ تو مشرقی نے کہا نہیں، اس کے بعد کوئی جواب نہیں۔ تم یا کہو کہ سمجھے یا کہو کہ نہیں سمجھے اور چلے جاؤ۔ درمیان میں مولانا محمد اسحٰق صاحب اور مولانا محمد اکرم صاحب جلیس کی کچھ چپقلش سی ہو گئی تو مولانا نے کہا، ہم لیکچر سننے کے لیے تو نہیں آئے۔ تو کیا آپ بحث نہیں کریں گے۔ تو مشرقی صاحب نے کہا نہیں میں بحث نہیں کروں گا۔ اور دراصل خاکساروں سے علامہ صاحب نے پہلے ہی یہ سازش کر کے طے کیا ہوا تھا کہ جس وقت بحث میں کمزوری آئے تو تم سب شور کرنا اور محمد اکبر خان کہے کہ میرے گھر فساد نہ کریں، آپ سب تشریف لے جائیں۔ چنانچہ طے شدہ پروگرام کے مطابق خان محمد اکبر خان اندر آئے اور کہا کہ آپ میرے گھر سے چلے جائیں۔ چنانچہ سب علماء واپس آ گئے۔

**نوٹ**:۔ چونکہ خاکساروں کی طرف سے اس بات کا امکان تھا کہ وہ کہیں یہ روئیداد بحث غلط ہے۔ اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ جو لوگ اس مجلس میں شریک تھے۔ ان کو یہ روئیداد سنا کر تصدیق کرا لی جائے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل دین دار حضرات نے تصدیق کی ہے۔

حضرت مولانا عبدالغنی صاحب اویسی ، حضرت مولانا ابو فاق محمد اسحاق ناظم جنیفہ نشرو اشاعت مسلم لیگ ایبٹ آباد ، خان رحم خان صاحب نمبردار، دھمتوڑ، حضرت مولانا محمد عصمت اللہ صاحب ، حاجی سمندر خان صاحب ، حاجی جہانداد صاحب اور حضرت مولانا قاضی عبداللہ صاحب ۔

"ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین" مشرقی صاحب کا سب سے پہلا مقصد یہ ہے کہ خزانۂ اسلام کے چوکیداروں کو دنیا سے مٹا دیا جائے تاکہ مسلمانوں کے متاع ایمان پر ڈاکہ ڈالنا آسان ہو جائے کیونکہ اسلام کی عمارت میں جو بدبخت رخنہ اندازی کرنا چاہتا ہے تو علماء کرام کثر اللہ سوادہم سینہ تان کر میدان میں آجاتے ہیں ، اور کسی بدبخت کے بدارادے کو کامیاب نہیں ہونے دیتے ۔ چنانچہ مشرقی خود لکھتا ہے ۔

(۱) میں چاہتا ہوں کہ پانچ لفظوں کے اندر تمہیں واضح کر دوں کہ خاکسار تحریک کیا ہے ۔ تم ان لفظوں کو یاد کر کے روئے عالم پر پھیلا دو ۔ پانچ لفظوں کو زندہ باد اور مردہ باد کی طرح تکیۂ کلام بنا لو ۔ اور اگر اس کے بعد کوئی تمہیں چلتے چلتے یہ پوچھ لے کہ بھائی یہ خاکسار کیا کر رہے ہیں تو تم ان کو جواب دے سکو ۔ میں تم کو بتاتا ہوں کہ خاکسار ہندوستان میں صرف اس لیئے اٹھے ہیں کہ " مولوی کا اسلام غلط ہے " ۔ (غلط مذہب ۲۶ )

(۲) الغرض خاکسار تحریک کا منتہا (یعنی اصل مقصد) اس امر کا کئی قرنوں کے بعد پھر اعلان کرنا ہے کہ مولوی ، پیر وغیرہ کا پچھلے سو سال کا اسلام غلط ہے ۔ ( غلط مذہب ۲۱ )

(۳) الغرض مولوی کا اسلام تحقیقاً غلط ہے ۔ سرتاپا غلط ہے سرتاسر غلط ہے ۔ ( غلط مذہب ۳۰ ) دوسرا مقصد جو مشرقی صاحب نے ملک رسکر

بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ علماء کے مٹ جانے کے بعد مشرق کا نیا "مذہب اسلام" (یعنی نیا کفر) ع برعکس نام زنگی نہند کافور مرتب" کے بعد فروغ حاصل کرے اور ہر جگہ مشرقی کی نیکو کارامت خوب کثرت سے پھلے پھولے چنانچہ مشرقی صاحب اپنے اس نئے مذہب کے بارے میں لکھتے ہیں۔

۱۔ آخری بات جو میں اس کیمپ میں واضح کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ خاکسار تحریک نیا، ٹھیٹھ، خالص اور بے داغ مذہب اسلام ہے۔ اس (خاکسار تحریک) کے سوا کوئی مذہب اسلام نہیں۔ اگر اس تحریک کو مذہب اسلام سمجھ کر اختیار کرو گے تو فتح یقینی ہے۔ (غلط مذہب ط۲ ص۱)

۲۔ ہم تیرہ سو پچپن (۱۳۵۵) برس کے پرانے اور کھوسٹ اسلام جو کفر کے برابر ہو چکا ہے اتار کر نیا اور اصلی اسلام اختیار کر رہے ہیں۔ اس اسلام کو اختیار کرنے کے لیے قرآن کو پھر نئے سرے سے اتارنا پڑے گا۔ جبرائیل کی وحی اب پھر ایک دل پر اتر کر رہے گی۔ (ٹریکٹ میری سمجھ گہرہاں ص۱۲)

اور مشرقی صاحب کے اس نئے اسلام کا جزو اعظم بیلچہ ہے۔ بقول مشرقی جو شخص بیلچہ نہ اٹھائے وہ مسلمان نہیں (یعنی کافر ہے)۔ چنانچہ مشرقی صاحب فرماتے ہیں:

"نہیں بلکہ آج بیلچے کے بغیر کوئی مسلمان مسلمان ہی نہیں" (قول فیصل ص۱۲)

باہر ٹرنک روڈ پر مسلمانان علاقہ کا بے پناہ ہجوم نتیجہ کا منتظر تھا۔ چنانچہ ان کو کہا گیا کہ آپ سب کمپنی باغ تشریف لے چلیں، وہاں آپ کو تمام حالات سنائے جائیں گے۔ چنانچہ سب لوگ کمپنی باغ میں آ گئے۔ وہاں مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب، مولانا شمس الدین پنڈی گھیپ، مولانا عبدالغنی صاحب اویسی اور میں نے تقریریں کیں۔ اور مباحثے کے مندرجہ بالا

حالات تفصیل سے سنائے گئے. مجمع بے حد مشتعل تھا. مشرقی مردہ باد، خاکساری مردہ باد کے فلک شگاف نعرے بار بار سنائی دے رہے تھے. چنانچہ سات بجے یہ جلسہ دعائے خیر پر ختم ہوا. آخر میں سخت ناشکری اور احسان فراموشی ہوگی کہ اپنے معاونین کا شکریہ ادا نہ کیا جائے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل حضرات کا خصوصًا اور مسلمانانِ علاقہ کا بالعموم تہِ دل سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

۱. مسلم لیگ ایبٹ آباد۔ (۲) مجلسِ احرار ایبٹ آباد عالشہرہ ولیفہ قاضی محمد عبیداللہ صاحب دھمتوڑ بمع مسلمانانِ علاقہ دھمتوڑ۔ (۳) حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب۔ (۴) حضرت مولانا عصمت اللہ صاحب۔ (۵) نور احمد صاحب۔ (۶) محمد جان صاحب (۷) سید عالم صاحب نواں شہر بمع مسلمانانِ نواں شہر۔ (۸) خان صاحب جلال الدین گورنمنٹ کنٹریکٹر ایبٹ آباد (۹) ماسٹر محمد حسین صاحب۔ (۱۰) عطا خان (۱۱) حیدری زمان خان صاحب کھلابٹ، (۱۲) حاجی فقیر خان صاحب (۱۳) استاذی حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب بھوئی ملا۔ ان کے علاوہ اُن سے کے احباب جو ان اجلاسات میں شریک ہوئے. اور ہر قسم کی امداد کی، صمیم قلب اور تہہ دل سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین۔

(فقیر محمد شمس الدین کان اللہ لہٗ۔

خاکسار بھائی عمومًا کہا کرتے ہیں کہ تذکرہ کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی یہ تحریک کی کتاب ہے. بلکہ بعض خاکساروں کی زبان سے یہ الفاظ بھی سننے میں آئے ہیں کہ "تذکرہ کو جلا دو"

کاش ایسی مطالبہ خاکسار مشرقی سے کرتے (مرتب) اس کو پھاڑ دو یا تم تحریک پر کوئی اعتراض کرو۔ اور جب خاکساروں سے پوچھا جاتا ہے کہ بھائی

آپ ہندوستان میں کیوں لٹے ہیں تو کبھی خدمت خلق کا ڈھنڈورہ پیٹا جاتا ہے۔ وہ تم تحریک پر کوئی اعتراض کرو۔ اور جب خاکساروں سے پوچھا جاتا ہے کہ بھائی آپ ہندوستان میں کیوں لٹے ہیں تو کبھی خدمتِ خلق کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ (جیسا کہ مولانا محمد بخش صاحب خطیب راولپنڈی پر قاتلانہ حملہ کی صورت میں کی گئی)۔ کبھی تحمل، بردباری اور خاکساری کے بلند بانگ دعوے کیے جاتے ہیں۔ لیکن خاکسار تحریک کا اصل مقصد جو خود مشرقی صاحب نے بیان کیا ہے۔ اس کو عمداً بددیانتی سے یا لاعلمی سے خاکسار مبلغ بیان نہیں کرتے۔ آج ہم اس کا اصل مقصد مشرقی کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ مشرقی اور اس کے چیلوں چانٹوں کو بانگ دہل چیلنج کرتے ہیں کہ وہ مندرجہ ذیل حوالہ جات میں سے کسی ایک حوالے کو غلط ثابت کریں۔ ان کو ہر حوالے پر مبلغ ۵۰۰ روپے نقد انعام دیا جائے گا۔

تمام خاکساروں کو یقین کرنا چاہیئے کہ ہمیں ان کی ذات سے کوئی عناد و مخالفت نہیں لیکن ہم ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے کے لیے بھی یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ مشرقی صاحب، ہمارے ہی اعضاء یعنی آپ کو ہم سے کاٹ کر اپنی ملعون امت میں داخل کرنا چاہیں اس لیئے ان سے پھر مخلصانہ گذارش ہے کہ وہ خاکسارمیت کی اصل غرض و غایت پر پھر ایک دفعہ غور کریں۔ ان کی گڑ جیسی بظاہر میٹھی تحریک کے اندر سے سنکھیے کے ریزے جدا کر کے دیکھیں کہ سب گڑ دراصل زہر قاتل ہے۔ اور اس سے بچیں اور اپنے محلے، اپنے گاؤں، اپنے شہر، اپنی قوم میں خواہ مخواہ اختراع و انتشار پیدا کر کے علیک سلیک، بات چیت، نکاح جنازے علیحدہ نہ کریں۔ اللہ ہم سب کو نیک راہ کی ہدایت کریں۔ اور اسلام کو اس کے اندرونی اور بیرونی سب دشمنوں سے بچائے۔

۔آمین ثم آمین۔

وہ مردِ مجاہد ہوا اللہ کو پیارا
طوفانِ بلا میں تھا مضبوط کنارا

کہتے ہیں وہ فہم و فراست کا نگین تھا
سنتے ہیں کہ وہ علم کا اک باب حسین تھا

اسلاف کی عظمت کا طلبگار رہا ہے
آزادی کی تحریک میں سالار رہا ہے

وہ شوکتِ احرار رہا ایک زمانہ
حق گوئی میں اس کو کوئی حیلہ نہ بہانہ

تا عمر وہ آفات سے ٹکراتا رہا ہے
گُر جینے کے کیا ہیں ہمیں سمجھاتا رہا ہے

وہ سختی و گرمی سے زمانہ کی لڑا ہے
بے باک، نڈر حق و صداقت پہ اڑا ہے

ہر وقت آذان دیتا رہا ہے یہ مؤذن
ہر چند کہ گھٹتی رہی آواز یہ مدفن

اللہ کے اس شیر میں روباہی نہ آئی
اس نے تہ تلوار بھی گردن نہ جھکائی

ہاں موت کی آواز پہ لبیک کہا ہے
انکار بھی کیا کرتا یہ حکم خدا ہے

(جناب حافظ امرتسری صاحب)

بشکریہ ماہنامہ تبصرہ اپریل سنہ ۱۹۸۹ء

# متفرق واقعات

مرتب :۔ مولانا سید منظور احمد شاہ مانسہرہ ۔

**اخلاص وللّٰہیت** مولانا اسلام الدین صاحب مہتمم مدرسہ مظہر السلام تورو ڈھیر تحصیل صوابی ضلع مردان نے بیان کیا کہ جن دنوں کشمیری مہاجرین آئے ہوئے تھے ۔ اور ان کے لیئے بطور امداد کپڑے اور لحاف وغیرہ دیتے تھے تو ان دنوں مجھے لاہور جانے کا اتفاق ہوا اور میں جمعیت العلماء اسلام کے دفتر میں مقیم ہوا ۔ ناظم دفتر نے ان لحافوں میں سے مجھے ایک لحاف بچھا دیا اور میں نے اپنا بستر نہ کھولا ۔ رات کو تقریباً گیارہ بجے حضرت مولانا ہزاروی صاحب دفتر تشریف لائے ، دروازہ کھٹکھٹایا ۔ منتظم نے دروازہ کھولا ۔ مولانا اندر تشریف لائے وضو کیا اور نماز شروع کر دی ۔ منتظم نے کشمیری مہاجرین کے چندے والے لحافوں میں سے ایک لحاف مولانا کے لیئے بھی بچھا دیا ۔ مولانا نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا کہ یہ لحاف کس کا ہے ۔ ناظم نے بتایا کہ یہ مہاجرین کشمیر کی امداد کے لیئے آئے ہوئے لحافوں میں سے ایک ہے ۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ لحاف کشمیریوں کی امانت ہیں ۔ اور ان کا ذاتی استعمال امانت میں خیانت ہے ۔ یہ ناجائز ہے ۔ چنانچہ آپ نے وہ لحاف اٹھوا دیا اور اپنی چادر ہی میں پاؤں سمیٹ کر ایک کونے میں لیٹ گئے ۔ مولانا کی یہ بات سن کر میں نے بھی وہ لحاف اٹھوا دیا اور اپنا بستر کھول کر بچھایا اور اپنا لحاف مولانا پر ڈال دیا ۔ مولانا نے پھر پوچھا کہ یہ لحاف کس کا ہے ۔ میں نے کہا حضور یہ میرا ہے ۔ تب مولانا خاموش ہوئے اور میں بھی سو گیا ۔ تھوڑی دیر بعد میری آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ مولانا مصلے پر کھڑے نماز میں مصروف ہیں ۔

**شانِ استغناء** بابو میر احمد صاحب ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جن کو

کافی عرصہ حضرت مولانا کی خدمت گذاری کی سعادت نصیب ہوئی۔ بابو صاحب موصوف پشاور کے ایک خوشحال گھرانے کے نوجوان تھے۔ خود مانسہرہ میں چمڑے کے تاجر تھے۔ اور مولانا کے خادم تھے۔ اکثر بفہ آتے جاتے مولانا ان کے پاس ضرور ٹھہرتے تھے۔ بابو صاحب بتاتے ہیں کہ سخت جاڑا تھا۔ مولانا پنجاب سے گھر جاتے ہوئے میرے پاس ٹھہرے تو مولانا ایک نہایت اعلیٰ اون کی لوئی اوڑھے ہوئے تھے۔ چند دن بعد پھر واپس آئے تو وہ لوئی نہ تھی۔ اس دوران برف باری ہونے کی وجہ سے جاڑا مزید تیز ہو گیا تھا۔ میں نے لوئی کا پوچھا تو فرمایا کہ نہ ہر بات پوچھنے کی ہوتی ہے۔ اور نہ بتانے کی۔ مگر جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا کہ ڈیرہ اسمٰعیل خان احرار کانفرنس پر جانا ہے۔ کرایہ نہ تھا تو لوئی بیچ دی ہے۔ پنجاب کی طرف سردی ویسے بھی کم ہوتی ہے۔ چادر میں گذارہ ہو جائے گا۔

**نکتہ آفرینی اور حاضر جوابی** اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو ذہانت، نکتہ آفرینی اور فی البدیہہ حاضر جوابی کی نعمت سے بطور خاص نوازا تھا۔ مخالف کے وار کو اپنی حاضر جوابی اور نکتہ آفرینی کے زور سے اس کی طرف پلٹ دینا مولانا کی قابلِ رشک زندگی کا ایک سنہری باب تھا۔ چند واقعات پیشِ خدمت ہیں۔

۱۔ ایک مجلس میں امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پشتو لفظ "ٹُوھیٔیُوَن" کا ترجمہ "یرکانے" سے کیا اور بطور مثال فرمایا کہ دو بھینسے جب لڑتے ہیں تو آپس میں سر تو جوڑ لیتے ہیں مگر کمزور بھینسا یرک جاتا ہے۔ وہ گو مقابل بھینسے کو دھکیلنے کی کوشش کرتا ہے مگر پچھلی طرف سے اس کا گوبر بھی نکلتا ہے۔ مولانا ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً فرمایا کہ پتلا ہو کر۔ شاہ صاحب نے داد دیتے ہوئے فرمایا کہ واہ واہ سچ ہے کہ جائے استاد خالی نیست۔

۲۔ ۱۹۴۳ء میں حضرت مولانا نے بباو لنگر چشتیاں، ابورے والا اور میاں چنوں کا

دورہ کیا۔ میاں چنوں میں رات کو عظیم الشان جلسہ ہوا۔ مولانا کی شہرت کی بنا پر میاں چنوں کی تاریخ کی بے مثال حاضری تھی۔ اثناء تقریر میں ایک رقعہ آیا کہ آٹا نہیں ملتا۔ مولانا نے رقعہ پڑھ کر فرمایا یہ کوئی مودودیہ ہوگا۔ میں عوام سے پوچھتا کہ کیوں بھائی آٹے کی واقعی تکلیف ہے؟ مجمع یک زبان ہو کر بولا واقعی تکلیف ہے۔ میں ہمراہ تھا۔ میں نے دل میں سوچا مولانا نے خواہ مخواہ پوچھ کر اپنے آپ کو پھنسا لیا (جمعیۃ نے اس حلقے سے مولانا سید نیاز احمد شاہ صاحب گیلانی ساکن تلمبہ ضلع ملتان کو ٹکٹ دیا تھا جو پیپلز پارٹی کے امیدوار سے شکست کھا گئے تھے۔) مولانا نے اب یہ فرمایا کہ بہت اچھا ہوا، تمہارا علاج یہی ہے۔ تم پیران پیر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی گیارہویں کے حلوے مانڈے تو چٹ کر جاتے ہو لیکن جب ہم نے پیران پیر کے پوتے سید نیاز احمد شاہ صاحب کو کھڑا کیا جو فاضل دیوبند اور پیر طریقت تھے تو تم نے ان کو ووٹ کیوں نہ دیا۔ تم سمجھتے تھے کہ بھٹو کے دروازے سے روٹی، کپڑا اور مکان ملے گا۔ اب تو بھٹو سے روٹی۔ اس پر مجمع شرمندہ ہو کر خاموش ہو گیا۔ اور ڈائس پر موجود پیپلز پارٹی کے ایم۔ این۔ اے اور ایم۔ پی۔ اے اپنے اپنے رومالوں سے منہ ڈھانپ کر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔

۳۔ موضع کہنیاں میں جس لکھنوی شیعہ مجتہد کے ساتھ مولانا کا ذکر آیا ہے۔ اس کا مفصل واقعہ یہ ہے کہ اس مجتہد کا طریقۂ واردات یہ تھا کہ وہ بڑی چرب زبانی سے حضور علیہ السلام کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قرب ایمانی اور خاندان کو کچھ ایسے لہجے اور الفاظ میں بیان کرتا تھا کہ گویا حضرت علیؓ ہی سب کچھ ہیں۔ دوسرا کوئی صحابی کچھ بھی نہیں۔ جب مولانا اس کے سامنے پہنچے تو اس سے سوال کیا۔

مولانا : حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مزار مبارک کہاں ہے ؟
مجتہد : نجف اشرف کوفہ میں۔
مولانا : جب حضرت علیؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے قریب تھے تو پھر آپ کے مدینہ میں کیوں نہ دفن ہوئے۔ اور بقول تمہارے جو حضرت علیؓ کے معاذ اللہ دشمن تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن ہو گئے ؟
مجتہد : یوں اس لئے ہوا کہ دو تین صحابیوں کو چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سب صحابہ مرتد ہو گئے تھے۔ (معاذ اللہ)

مولانا نے مسلمانوں کی توجہ دلاتے ہوئے مجتہد سے پوچھا کہ ایک استاذ نے لاکھوں شاگردوں کو پورے تئیس ۲۳ برس لگاتار دن رات پوری جان فشانی سے تعلیم دی، لیکن جب تئیس برس بعد امتحان ہوا تو دو تین شاگردوں کو چھوڑ کر لاکھوں شاگرد (صحابہ) بالکل ہی فیل ہو گئے تو اس سے تعلیم دینے والے استاذ کی قابلیت ثابت ہوئی یا نالائقی۔ یہ تو خود حضور علیہ السلام کی تربیت و تزکیہ پر سخت خوفناک اعتراض ہے۔ جب مولاناؒ یہاں پہنچے تو وہ مجتہد لاجواب ہو کر بھاگ نکلا۔ اور بحمد اللہ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

**جناب خواجہ محمد صاحب لاہور** ون یونٹ اسمبلی کے ممبر منتخب ہونے کے بعد حضرت مولانا دکان پر تشریف لائے اور اپنی ضعف بصارت کا فرمایا۔ ان دنوں بھائی منیر الحق صاحب سے ان کی آنکھوں کا معائنہ کروانے پر معلوم ہوا کہ عینک کا نمبر تبدیل ہو چکا ہے۔ والد محترم نے حضرت مولانا صاحب سے عرض کیا کہ حضرت اب آپ ممبر اسمبلی ہیں۔ بہت سی میٹنگوں اور اجلاس میں آپ کو شریک ہونا ہوتا ہے۔ اس لئے اب آپ بہت عمدہ خوبصورت فریم کی دو عینکیں بنوالیں جس کے لئے والد صاحب نے کچھ ہدیہ پیش کیا۔ حضرت صاحب نے اسی وقت وہ روپے لئے اور عینکیں

بنوانے کے لیئے تشریف لے گئے جب عینکیں بنواکر واپس تشریف لائے تو باقی روپے والدِ محترم کو لوٹا دیئے والدِ محترم نے دیکھا کہ بہت معمولی فریم کی عینکیں تھی۔ والدِ محترم نے عرض کیا حضرت میں نے کہا تھا بہت عمدہ خوبصورت قسم کی عینکیں بنوائیں۔ آپ نے یہ کیا بنوائیں۔ فرمایا فریم میں کیا رکھا ہے۔ شیشے عمدہ چاہئیں سو میں نے لگوالیئے ہیں۔

**قیام پاکستان کے بعد حضرت مولانا ہزارویؒ کی خدمات** مولانا ہزارویؒ نے راقم الحروف سے بارہا اس کا ذکر کیا کہ تقسیم ملک کا جب اعلان ہوا تو میں دہلی میں تھا میں نے آئندہ دینی کاموں کے ضمن میں مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ سے اپنے لیئے استفسار کیا تو حضرت نے فرمایا کہ اب پاکستان میں دینی اقدار کی سربلندی کے لیئے علماء کو کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اور خصوصیت سے حضرت مفتی اعظمؒ نے یہ بھی فرمایا کہ صوبۂ سرحد کے ریفرنڈم میں پاکستان کا ساتھ دینا مسلمانوں کے حق میں مفید ہوگا۔ قیام پاکستان کے بعد جب مجلس احرار اسلام کے اکثر لیڈر سیاسی کام کرنے سے دلبرداشتہ ہو گئے اور حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا محمد علی جالندھریؒ نے مجلس تحفظ ختم نبوت اور مجلس احرار کو صرف ایک مذہبی تنظیم کی بنیاد پر قائم رکھنے کا عزم کر لیا تو مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے ایسے میں بھی حوصلہ بلند رکھتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو دینی احکام کے مطابق سیاسی کام کرنے کا مشورہ دیا۔

**جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کی نشاۃ ثانیہ** حضرت مولانا ہزارویؒ نے اپنی روایتی انتھک اور بے لوث خدمات کو جاری رکھتے ہوئے علماء کو متحد کرنے کا عزم صمیم لے کر ۱۹۵۶ء میں ملک بھر کا دورہ کیا۔ مولانا کا موقف یہ تھا کہ اگر اس وقت علماء سیاست میں حصہ نہیں لیں گے تو پاکستان میں مسلمانوں کو فتنۂ قادیانیت

اور فتنۂ الحاد و اشتراکیت اور فتنہ تجدد پسندی سے بچا کر پاکستان کے مقصدِ وجود یعنی اسلامی نظام کو نافذ کرنے کا موقع کبھی نہیں ملے گا۔ چنانچہ مولانا کی مخلصانہ کوششیں اور منتظمانہ صلاحیتیں بار آور ثابت ہوئیں اور مولانا ہزاروی اور قطب زمان حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہما اللہ کی رفاقت میں جمعیۃ علماء اسلام کی نشاۃِ ثانیہ میں علماء کی ایک مضبوط جماعت کو معرضِ وجود میں لانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ پاکستان کی سیاست میں مولانا مفتی محمود صاحب بانیٔ جمعیت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی کی کوششوں سے میدانِ سیاست میں تشریف لائے۔ جبکہ اس سے قبل حضرت مفتی صاحب صرف درس و تدریس اور افتاء جیسے دینی کاموں میں مصروف تھے۔ چنانچہ ۱۹۵۶ء میں قائم ہونے والی جمعیۃ علماء اسلام میں نائب امیر حضرت مولانا مفتی محمود صاحب ہی تھے۔ حضرت مولانا کی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے حضرت مولانا احمد علی لاہوری نے بحیثیت جمعیۃ علماء اسلام کے امیر کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے کام کریں تو میں امارت قبول کرتا ہوں۔ ورنہ نہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۵۶ء کو جب راقم الحروف حضرت الاستاذ الشیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری کے دورۂ تفسیر میں شریک تھا تو میں نے دیکھا کہ تقسیم اسناد کے وقت حضرت لاہوری نے شیرانوالہ کی مسجد میں علماء کے اجتماع سے اپنی علالت کی وجہ سے انتہائی مختصر خطاب فرمایا کہ اے علماء کرام میں نے یہ قرآن پاک تیرہویں صدی ہجری کے علماء سے پڑھا ہے۔ اور خود چودہویں صدی میں کھڑا ہوں اور آپ حضرات جو انشاء اللہ العزیز پندرہویں صدی ہجری میں اس دین کی خدمت کریں گے۔ یہ امانتِ خداوندی آپ کے سپرد کر رہا ہوں۔ پھر فرمایا اب تفصیلی تقریر ہمارے مردِ مجاہد حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی فرمائیں گے۔ واقعی اس موقع پر مولانا ہزاروی نے علماء کو جرأت سے کام کرنے اور

دینِ اسلام کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کی نفاندہی اس انداز میں فرمائی کہ حاضرین میں دینی جرأت کے جذبات کی ایک لہر دوڑ گئی۔

۱۹۵۸ء میں ایوب خان مرحوم کا جب مارشل لاء لگا تو مولانا ہزاروی کی تجویز پر دینی کام جاری رکھنے کے لیے نظام العلماء کا قیام عمل میں لایا۔ جس کے امیر حضرت لاہوریؒ اور ناظمِ اعلیٰ حضرت ہزارویؒ منتخب ہوئے۔ اس طرح ایوب خان مرحوم کے نافذ کردہ عائلی قوانین کے خلاف پہلی دفعہ مغربی پاکستان اسمبلی لاہور میں مولانا کی جرأتِ ایمانی اور علمی استعداد کا اندازہ لوگوں کو اس وقت ہوا جب مولانا ہزارویؒ کے خطاب کے بعد پورے ہاؤس نے عائلی قوانین کے خلاف قرارداد پاس کر دی۔ لیکن قومی اسمبلی میں مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے علمی اور محققانہ دلائل کے باوجود ایوب خان مرحوم کی دخل اندازی کی وجہ سے اکثریت کی وجہ سے اکثریت کے بل بوتے پر مسترد کر دی گئی۔

**سیاسی میدان میں علماء کا سیاسی دور** جمعیت علماء اسلام پاکستان کے نامور مجاہد اور دار العلوم دیوبند کے عظیم سپوت مولانا غوث ہزارویؒ نے قیامِ پاکستان کے بعد پورے ملک میں علماء کو سیاسی ذہن دیا۔ چنانچہ ملک کے چپہ چپہ میں گھوم پھر کر علماء سے ملاقاتیں کیں۔ اور ان کو اپنی سرگرمیاں محراب و منبر اور دینی مدارس تک محدود رکھنے کے بجائے دینِ اسلام کے عملی نفاذ کی خاطر ایوانِ حکومت تک وسیع کرنے کے لیے اپنے فرائض کو پہچاننا سمجھایا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان میں علماء کا سیاسی میدان میں ورود مولنا ہزارویؒ کی ترغیب سے ہوا۔ چنانچہ ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں متحدہ پاکستان میں سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے والی جماعتوں میں تیسرے نمبر پر اور مغربی پاکستان یعنی موجودہ کل پاکستان میں دوسرے نمبر پر جمعیت

علماء اسلام کے ووٹ تھے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں ملک کی اس عظیم جماعت کو ہزاروی گروپ کے نام سے اخبارات میں لکھا جاتا تھا۔ اور ابلاغ عامہ کے عالمی ادارے بی۔بی۔سی لندن اور وائس آف امریکہ سے بھی اسی نام سے اس جماعت کا ذکر کیا جاتا تھا۔ اگرچہ مولانا ہزارویؒ اپنی عجز وانکساری اور بے نفسی کی بنا پر جمعیت کو ہزاروی گروپ سے یاد کرنے کو نہ صرف ناپسند کرتے تھے بلکہ بعض اخباری بیانوں میں اس پر برہمی کا اظہار بھی فرمایا اور یہ بات تو اخبارات میں شہ سرخیوں سے آتی تھی کہ انتخابات سے قبل مولانا ہزارویؒ نے جب ڈیرہ اسمٰعیل خان کا دورہ ختم کر کے ایک اخباری پریس کانفرنس میں چیلنج دیتے ہوئے اعلان فرمایا کہ مسٹر بھٹو اگر حضرت مفتی صاحب کو شکست دیدیں تو میں سیاست سے دست بردار ہو جاؤں گا۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ اس مرد قلندر کی پیشگوئی یوں سچی ہوئی کہ مسٹر بھٹو جنہوں نے پانچ مقامات پر بڑوں بڑوں کو شکست دے کر نمایاں کامیابی حاصل کی تھی۔ لیکن چھٹی جگہ ڈیرہ اسمٰعیل خان میں حضرت مفتی اعظمؒ کے مقابلے میں نمایاں شکست سے دوچار ہوا۔ اسی طرح ایک سیاسی جماعت کے لیے جو تھائی کا ذکر فرمایا تھا اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ملک بھر میں یہ جماعت صرف چار سیٹیں لے کر کامیاب ہو سکی۔ حضرت بنوریؒ ان پیشگوئیوں کو حضرت ہزارویؒ کی کرامت کے طور پر بیان فرمایا کرتے تھے۔

حضرت ہزارویؒ کے متعلق مفکر اسلام قائد تحریک نظام مصطفےٰ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے کئی مجالس میں فرمایا کہ مولانا ہزارویؒ اگر درس و تدریس ہی میں مگن رہتے تو وہ ایک انقلابی بزرگ سیاستدان کے بجائے ایک عظیم محدث و مفسر ہوتے۔

حضرت ہزاروی کی زندگی کا بڑا حصہ اگرچہ دینی تبلیغ اور مجاہدانہ سیاست میں گذرا ہے۔

لیکن ان کی وہ چند تصانیف جو مطبوعہ اور غیر مطبوعہ ہمارے سامنے ہیں۔ ان سے حضرت مولانا ہزاروی کے علمی و ادبی جلالتِ شان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا کی ایک تصنیف "مسئلہ اصولِ جنگ سیرت النبوی علیہ السلام کی روشنی میں ۳۲۰ صفحات نہایت علمی و ادبی ذخیرہ پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے بارے میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے حضرت ہزاروی کے استاذ بھائی شمس العلماء والمسلمین حضرت علامہ شمس الحق افغانی شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند، شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل اور رئیس الجامعہ اسلامیہ بہاولپور و سابق وزیر معارف ریاستہائے بلوچستان، حال رکن اسلامی نظریاتی کونسل حکومتِ پاکستان نے مولانا ہزاروی کی اس تصنیف پر تقریظ یوں تحریر فرمائی ہے۔

"یہ حضرت مولانا ہزاروی کی تصنیف ہے اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس موضوع پر اردو زبان میں پہلی اہم تصنیف ہے۔ جنگ میں بنیادی چیزیں دو ہیں۔

(۱) اصولِ جنگ۔

(۲) آلاتِ جنگ

دونوں امور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ اس دور کی ترقی میں بھی فائق تر مقام رکھتا ہے۔ حضرت مولانا نے اس جدید معیاری تصنیف کو لکھ کر سیرت النبی میں ایک جدید پہلو کا اضافہ کیا ہے جو اہم اور قابلِ قدر ہے۔

۱۔ ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی پاکستان میں جب مرزائیت کا مسئلہ آیا تو حضرت مولانا ہزاروی نے اپنی تمام توجہ اس مسئلے پر مبذول کر دی۔ قومی اسمبلی میں حضرت ہزاروی نے مرزائیوں کے لاہوری اور قادیانی ہر دو گروہوں پر سوالات کیے۔ پوری اسمبلی میں سب سے زیادہ سوالات حضرت مولانا ہزاروی کے تھے۔ مرزائیوں کے دونوں

گروپوں کی طرف سے قومی اسمبلی میں علیحدہ علیحدہ محضرنامے تحریری طور پر پیش کیے گئے۔ صرف مرزا ناصر محمود کا محضر نامہ ۱۹۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ حضرت ہزاروی نے اس پیرانہ سالی اور بیماریوں کی کثرت کے باوجود تمام مسائل منسوخ کرکے ان محضرناموں کا تحریری جواب ۲۸۰ صفحات پر مشتمل کتابچہ کی شکل میں دیا اور یہ کتاب قومی اسمبلی میں فیصلے سے قبل حضرت ہزاروی کی طرف سے مولانا عبدالحکیم صاحب نے آٹھ گھنٹے میں حرف بحرف سنائی تھی۔ بہت سے ممبران اسمبلی نے محضرنامے کے اس جواب پر حضرت ہزاروی کو مبارکباد دی۔ جواب محضرنامے کے نام سے یہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔

۲۔ **دفاع صحابہ پر مقالہ تحریر فرمایا** ۱۰ رمارچ ۱۹۷۶ء کو پشاور میں منعقدہ عالمی سیرت کے اجلاس میں پاکستانی مندوب کی حیثیت سے حضرت ہزاروی نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب پر ایک علمی مقالہ عربی زبان میں عرب ممالک کے جلیل القدر علماء کی موجودگی میں پڑھ کر مولانا نے اپنا مقالہ جب ختم کیا تو امام حرم فضیلۃ الشیخ جناب محمد بن عبداللہ بن السبیل نے مولانا کے اس مقالہ پر فوراً عربی زبان میں تقریظ لکھی اور جناب امام حرم نے اس مقالہ کا عربی نام خود ہی الذب عن الصحابہ تجویز فرمایا (یعنی صحابہ کی طرف سے دفاع)، تقریظ کا اردو ترجمہ یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ

میں نے فضیلۃ الشیخ مولانا غلام غوث ہزاروی سربراہ جمعیۃ علماء اسلام پاکستان اور رکن پارلیمنٹ کا مقالہ سنا۔ یہ ایک ایسا بیش قیمت مقالہ ہے جس میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دفاع کیا گیا ہے اور جو کوئی ان پر عیب جوئی کرے اس کی مذمت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو بہترین جزا عطا فرمائے۔ اور اپنے پسندیدہ

اور محبوب کاموں کی توفیق بخشے۔ اللہ تعالیٰ کا درود و سلام ہو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کے اہل اور ان کے صحابہ پر۔

۱۹۶۳ء میں مولانا ہزاروی مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ تو ایوب خان مرحوم کے نافذ کردہ عائلی قوانین کے خلاف قرارداد میں آپ نے ایک تاریخی، علمی، موثر ترین تقریر فرمائی جس میں قرآن وحدیث اور فقہائے امت کی تصریحات کی روشنی میں عائلی قانون کی بہت سی دفعات کو خلافِ اسلام ثابت کیا۔ مولانا کی تقریر کا اثر یہ ہوا کہ جب اسمبلی کے سپیکر نے آپ کی تقریر کے اختتام پر ووٹنگ کرائی تو عائلی قانون کے خلاف اور مولانا کی تقریر کے حق میں پورے ہاؤس نے رائے دی۔ جب کہ صرف تین خواتین اور ایک مرد نے عائلی قانون کے حق میں ووٹ دیئے۔

۱۹۶۳ء میں دنیائے اسلام کی قدیم یونیورسٹی جامعۃ الازہر قاہرہ کے اجلاس میں دوبار شرکت فرمائی۔ ۱۹۶۳ء میں جامعۃ الازہر کے ہزار سال کی تکمیل پر منعقد ہونے والے جس علمی اجلاس میں حضرت مولانا ہزاروی نے شرکت فرمائی۔ اس اجلاس میں پاکستان سے قائدِ تحریک اسلامی حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف بنوری بھی شریک ہوئے۔ اس دورے سے واپسی پر جب کہ یہ بزرگ تشریف لا رہے تھے۔ کراچی میں ایک عظیم الشان جلسے میں خطاب کرنے کے لیے روک لیا گیا۔ حضرت بنوری نے حضرت ہزاروی کا تعارف فرماتے ہوئے ان کی ایک انقلابی تقریر کا حال بھی سنایا۔ یہ تقریر مندوبین کے اس اجلاس میں ہوئی تھی۔ جو حکومت مصر کے مردِ آہن جمال عبدالناصر نے ممالکِ اسلامیہ کے مندوبین کے اعزاز میں اسکندریہ میں منعقد کیا تھا۔ مولانا ہزاروی نے عربی زبان میں مختصر وقت میں امریکہ، برطانیہ، فرانس اور اسرائیل کی بھرپور انداز میں مذمت کی تھی۔ حضرت بنوری

فرمانے لگے ..... کہ چند منٹوں میں تصفیق (تالیاں) بھی شروع ہو گئیں۔

اسی منظر پر حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ نے فرمایا کہ سیاست اس کو کہتے ہیں۔

حضرت بنوریؒ نے پاکستان کے مندوبین سے جمال عبدالناصر مرحوم کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے ناصر مرحوم کے جو الفاظ عربی میں سنائے تھے وہ راقم الحروف کو بحمدللہ اب تک بلفظہ یاد ہیں۔ بنوری صاحب نے فرمایا کہ ناصر مرحوم نے ملاقات کے لیے جانے سے قابل مولانا ہزاروی سمیت ہم سب کو خطاب کرتے ہوئے یہ الفاظ فرمائے۔

"سادتنا العظام! کنا اخوان فی اللہ وقد تفرق الاستعمار بیننا لاغراض السیاسیۃ"

ترجمہ: میرے محترم بزرگو! دنیائے اسلام کے ناطے ہم سب بھائی بھائی ہیں جب کہ استعمار نے اپنے سیاسی اغراض پورا کرنے کے لیے ہم میں تفرقے ڈال دیے ہیں"

**قلمی کارنامے** اللہ تعالیٰ نے مولانا کو تحریر و انشاء کا ملکہ بھی بڑی فیاضی سے عطا فرمایا۔ رواں دواں شگفتگی سے لکھتے تھے۔ نمود و نام سے فطرتی نفرت تھی۔ عرصہ تک اپنا نام لکھے بغیر، برسہا برس ترجمانِ اسلام اور خدام الدین کے اداریے لکھتے رہے۔ بے شمار مضامین لکھے۔ بہت سی تصانیف کیں۔

**اہم تصانیف** (۱) مشرقی کا غلط مذہب (اول و دوم) (۲) یتیم پوتے کی میراث۔ (۳) سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس اصولِ جنگ۔ (۴) سیرتِ طیبہ بحیثیت سالار جنگ۔ ایک قابلِ دید کتاب ہے۔ (۵) اسلام اور غلامی۔ (۶) مرزا ناصر احمد قادیانی کی علمی حیثیت کی حقیقت جو قانون کی پابندی کے سبب اس کی اشاعت نہیں کی جا سکی۔

**اصابتِ رائے** حضرت مولانا ایک صاحب فراست تھے۔ جو بات فرماتے مستقبل میں وہ ہو بہو صحیح ثابت ہو جاتی۔ سن ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں "صالحین" نے اشتہار بازی کا طوفان اٹھا رکھا تھا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ یہ لوگ کاغذی گھوڑے تو بہت دوڑا رہے ہیں۔ لیکن ان کو پورے ملک میں چار سیٹوں سے زیادہ نہ ملیں گی۔ مبینہ طور پر سات کروڑ روپے خرچ کرلے کے باوجود پورے ملک سے بمشکل ہی چار سیٹیں ان لوگوں ملیں۔ اس طرح ڈیرہ اسمٰعیل خان کی سیٹ کا ذکر جو گذشتہ اوراق میں گذر چکا ہے۔ جو لیاں میں جیساکہ گذرا ہے کہ مولانا اور ان کے ساتھی مسعود الرحمٰن پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ جس سے وہ بال بال بچ گئے۔ اس کے بعد مولانا صاحب نے فرمایا کہ ان لوگوں کا سربراہ مجھ سے عمر میں دس برس چھوٹا ہے۔ پھر اسے میری زندگی سے خاص دشمنی اور میری موت سے دلچسپی ہے۔ مگر مجھے اللہ تعالیٰ سے قوی امید ہے کہ میں اس کی زندگی میں نہیں مروں گا۔ بلکہ وہ میری زندگی میں مرے گا۔ اور امریکہ میں مرے گا۔ چنانچہ دنیا کو معلوم ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ واقعی مودودی صاحب امریکہ میں ۲۰/۹/۷۹ کو چل بسے۔ اس طرح مودودی صاحب سولہ مہینے گیارہ دن پہلے مولانا صاحب سے پہلے فوت ہو گئے۔

**اختلافِ جماعت** جماعت میں اختلاف ہوا تو مولانا کو اپنی بصیرت پر پورے ملک میں عظیم مخالفت کے مہیب طوفانوں کا مولانا نے مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اور بڑی پختگی سے اپنی رائے پر ڈٹے رہے۔ بڑے دکھ سے فرمایا کرتے تھے کہ دوستوں کی اس غلط کاری سے پورے ملک سیاسی اور مذہبی طور پر بہت بڑا نقصان پہنچے گا۔ ملک سو سال پیچھے چلا جائے گا۔ بیرونی افراد کی گرفت مضبوط تر ہو جائے گی۔ وقت گذرتا گیا اور بالآخر پوری دنیا

ہنے بڑی ندامت کے ساتھ تسلیم کیا کہ مولانا کی رائے بے حد صائب تھی۔ سبحان اللہ سچ ہے کہ "قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید"۔ لیکن اب کیا پچھتائے ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ مولانا کی حضرت لاہوریؒ اور ان کے ادارہ سے جو تعلق خاطر تھا وہ انہوں نے آخر وقت تک نبھایا۔ وفاداری بشرطِ استواری عین ایمان کے مصداق وہ دم واپسیں تک شیرانوالہ برابر آتے رہے۔ جماعت سے رسمی تعلق ٹوٹنے کے بعد بعض حضرات کو ان کا یہاں آنا بھی پسند نہ تھا۔ لیکن ہمارے لیئے ان کا آنا خوشی کا باعث تھا۔ کیونکہ علاوہ اسلامی روایات و اخلاق ان کی طویل اور صبر آزما جد و جہد اس بات کی متقاضی تھی کہ ان کو سر آنکھوں پر جگہ دی جائے۔ بعض حضرات کی خفگی کا شاید مولانا کو اندازہ تھا۔ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ شیرانوالہ اور خانقاہ سراجیہ کندیاں کو چھوڑ نہیں سکتا۔

مولانا مرحوم اپنی وضع قطع بدلنے پر آمادہ نہ تھے۔ جب وہ صوبائی اور قومی اسمبلی کے ممبر تھے تو ان دنوں بھی ان کی بغل میں اپنی پسند کی کتابوں کا میلا سابستہ ہوتا تھا۔ ایک موقع پر مرزا غلام نبی جانباز مرحوم جیسے زندہ دل اور بے تکلف دوست نے کہا کہ حضرت آپ اسمبلی کے ممبر ہیں یہ میلا سابستہ بغل میں نہ رکھا کریں۔ تو مولانا نے برجستہ ہنستے ہوئے فرمایا کہ پھر میں داڑھی اور شلوار کے ساتھ اسمبلی نہ جایا کروں۔ پھر فرمایا ہماری عزت قدامت ہی میں ہے۔ جدت میں نہیں۔ یہی کیفیت آخری دم تک رہی۔ اس طرح وہ اسلام میں کسی عقیدہ اور حکم کی جدید تشریح سننے کے لیئے آمادہ نہ تھے۔ اس کی وہی تفسیر پسند کرتے اور اسی پر مُصر رہتے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرامؓ و تابعینؒ، تبع تابعین اور آئمۂ دین اور معتبر علماء کرام سے منقول اور مروی ہوتی۔ اس کے

خلاف ہر تفسیر و تشریح لہجہ میں رد کر دیتے تھے۔ چونکہ مودودی صاحب نے بعض مسائل میں مرفوع احادیث اور حضرات سلف سے ہٹ کر من مانی تعبیرات کی ہیں۔ اس لیے حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ ان کے سخت خلاف تھے اور آخری دم تک خلاف رہے۔ اور سابق جمعیۃ علماء اسلام سے ان کے علیحدہ ہونے کے وجوہ میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جمعیت کی اکثریت نے قومی اور ملکی مفاد کی خاطر نظریات جماعت اسلامی دیگر مذہبی وسیاسی جماعتوں سے اشتراک عمل اور اتحاد کر لیا تھا۔ اور مولانا ہزارویؒ اس کے خلاف تھے۔

**حق گوئی و بے باکی** حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو اللہ پاک نے جرأت و بے باکی سے نوازا تھا۔ مولانا نے کبھی حق بات کہنے میں مصلحت وقت سے کام نہیں لیا۔ اور باری تعالیٰ کے قول کے مطابق لَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ "کہ وہ ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے" مولاناؒ اس آیت کا بعینہٖ مصداق تھے۔ اور علامہ اقبال مرحوم نے بھی شاید انہیں لوگوں کے بارے میں کہا تھا۔

کہتا ہوں وہی بات جسے سمجھتا ہوں میں حق
نہ ابلۂ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

مولانا ہزارویؒ کسی مجلس میں شریک تھے اور مرحوم ایوب خان بھی اس دعوت میں اپنی کابینہ کے وزیروں اور مشیروں کے ساتھ شریک تھے۔ اس وقت عائلی قوانین جیسے بدنام زمانہ قوانین مرتب کیے جا رہے تھے یا نافذ کیے جا چکے تھے۔ ایوب خان مولانا ہزارویؒ سے کہنے لگے کہ مولانا اس مسئلے کو اسلام کی رو سے میں جو سمجھا ہوں وہ کچھ یوں ہے۔ اور ایوب خان وہ مسئلہ سراسر اسلام کیخلاف

بیان کر رہے تھے۔ مولانا نے فوراً پہلو بدلا اور نہایت زور دار الفاظ میں فرمایا کہ خان صاحب واقعی جتنے اچھے انداز میں اور بہترین اسلام کی تشریح و تعبیر کرشانِ کیلئر کے ساتھ ننگا غسل کرنے والے کر سکتے ہیں یا سمجھ سکتے ہیں بھلا ہم پرانے خیالات کے دقیانوسی مولوی اس طرح کب سمجھ سکتے ہیں۔ اور ایوب خان کی کابینہ کے وزیر مشیر اور خود ایوب خان ہکا بکا رہ گئے۔ لیکن اس مرد قلندر کو کسی قسم کی کوئی فکر نہ تھی۔

**میدان کسی کا تھا جیت کسی نے لیا** آزاد کشمیر کے دارالحکومت مظفر آباد میں پیر صاحب دیول شریف کا کوئی جلسہ یا کنونشن تھا جس میں پیر صاحب کے ہزارہا مریدین جمع تھے۔ پیر صاحب دیول شریف نے جب تقریر کی تو مجمع ہمہ تن گوش تھا۔ پیر دیول صاحب کہنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے بندوں میں حلول کرتی ہے۔ اور اللہ کے بندوں کی عزت و تکریم گویا اللہ کی عزت و تکریم ہوتی ہے۔ مولانا ہزارویؒ بھی مظفر آباد گئے ہوئے تھے اور پیر صاحب سے اچھی طرح واقف تھے کہ پیر صاحب بدعت و شرک کے رسیا ہیں۔ چنانچہ مولانا بھی اکیلے ہی اس جلسے میں جا کر سامعین میں بیٹھ گئے۔ پیر صاحب کی تقریر کے دوران ہی مولانا نے چٹ بھیجی کہ ایک مولوی صاحب دس منٹ وقت مانگ رہے ہیں۔ لیکن پیر صاحب نے توجہ نہ دی۔ چونکہ چٹ پر مولانا ہزارویؒ نے اپنا نام جان بوجھ کر نہ لکھا تھا۔ تھوڑی دیر انتظار کے بعد مولانا ہزاروی نے دوسری چٹ بھیجی کہ مولانا غلام غوث ہزاروی دس منٹ وقت مانگتے ہیں تو جب وہ چٹ پیر صاحب کے ہاتھ پہنچی تو پڑھ کر ہاتھ کانپنے لگے جو دور تک نظر آ رہے تھے اور پیر صاحب بولنے سے رک گئے۔ مولانا ہزارویؒ فوراً اٹھے اور اسٹیج پر پہنچ گئے اور مائیک چھین کر مولانا ہزارویؒ نے تقریر شروع کر دی۔ مولانا ہزارویؒ نے فرمایا کہ پیر صاحب نے جو کہا ہے کہ

خداوندِ قدوس مخلوق میں حلول کرتا ہے یہ عقیدہ تو پڑوس (یعنی بھارت کے ہندو مذہب) والوں کا ہے کہ خدا جنس میں، گائے، شجر میں، حجر میں، پھول میں، گل میں حلول کرتا ہے۔ اور مولانا نے تفصیلی جواب دیا۔ پیر صاحب کو وہاں سے کھسکنے میں ہی عافیت نظر آئی جس جلسہ پر پیر صاحب کے چیلوں نے ہزاروں روپے لگائے تھے اس پر مولانا نے قبضہ کر لیا اور ایسا سماں باندھا کہ "بدعتی کمپنی" کو بھاگنے میں ہی عافیت نظر آئی۔ آج کوئی موحد مولوی ایسی جرأت کا مظاہرہ کر کے اپنے ایمان کا عملی ثبوت تو دے۔ اس کارروائی کی روداد جب جماعتی پرچے میں آئی تو اس کا عنوان تھا۔ "میدان کسی کا تھا جیت کسی نے لیا"۔

## سکندر مرزا کو حضرت ہزارویؒ کا چیلنج

حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ جیسی شخصیات صدیوں کے بعد پیدا ہوتی ہیں۔ مولانا ہزارویؒ نے حق بات کہنے میں کبھی مصلحت سے کام نہیں لیا۔ اور نہ مناسب وقت کے انتظار میں رہے۔ انگریز کے خلاف آزادی کی جنگ لڑی۔ قیامِ پاکستان کے بعد اسلامی نظام کے لیے جابر حکام کے سامنے کلمۂ حق کا اظہار کیا۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اپنے اکابرین کی جانشینی کا صحیح حق ادا کر دیا۔ ایسا ہی ایک واقعہ نذرِ قارئین ہے۔

۱۹۵۴ء کے آخر کی بات ہے گورنر جنرل غلام محمد اور وزیرِ داخلہ سکندر مرزا دیوال شریف جانے کے لیے لکھنؤ کے ہوائی اڈہ پر اترے۔ مرزا سکندر اس وقت پاکستان کے مردِ آہن کہلاتے تھے۔ اور ملک میں اسلامی دستور کے نفاذ کا مطالبہ زور و شور سے جاری تھا۔ اخباری نمائندوں نے اسلامی نظام کے بارے میں سوال کیا تو سکندر مرزا نے کہا کہ یہ ہندوستان سے گئے ہوئے مولویوں کی اودھم ہے میں ان کو چاندی کی کشتی میں لنگر بیہ بھیج دوں گا۔ یہ بیان اکثر اخبارات میں شائع ہوا۔ اتفاق سے مولانا ہزارویؒ سکھر میں ایک کانفرنس کے سلسلے میں جا رہے تھے۔ رات

کو سکھر میں ایک بہت بڑی کانفرنس میں مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے سکندر مرزا کو للکارا اور فرمایا کہ ، سکندر مرزا ! تم کہتے ہو کہ میں علماء کو چاندی کی کشتی میں سوار کر کے سمندر پار بھیجدوں گا ۔ یاد رکھو ! تم علماء کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ۔ البتہ تمہارے لیے جہاز تیار ہو چکا ہے ۔ تمہیں اس ملک میں دو گز زمین کا ٹکڑا بھی میسر نہ آئے گا ۔ بلکہ وقت آئے گا تمہاری لاش کو زمین سے نکال کر پھینک دیا جائے گا ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ۔ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ ۔ " جو میرے دوست سے دشمنی رکھے میرا اس سے اعلانِ جنگ ہے ۔" اب قدرت کا کرشمہ دیکھیے کہ سکندر مرزا کو ۱۹۵۸ء میں ایوب نے اسی آن بان سے لندن بھیجدیا ۔ اقتدار پر قبضہ کر لیا ۔ سکندر مرزا صاحب لندن میں ایک ہوٹل کے منیجر رہے اور مرنے کے بعد لاش ایران میں لا کر شاہ رضا پہلوی نے دفن کرائی ۔ جب خمینی برسر اقتدار آیا تو ایرانی رضا کاروں نے سکندر مرزا کی لاش نکلوا کر جلا دی ۔ اور اس کی لاش سمندر میں بہا دی ۔ یہ مولانا کی فراستِ ایمانی تھی ۔ جو پیشگوئی کی تھی وہ حرف بحرف پوری ہوئی ۔

**جمعیتہ علماء اسلام کی تجدید** قیام پاکستان کے بعد جمعیت علماء اسلام کا وہی ڈھانچہ قائم تھا جس کو شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے قائم فرمایا تھا ۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کی جمعیتہ کے امیر حضرت شیخ الاسلام تھے ۔ اس کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور نے بھی قیادت فرمائی ۔ جب ون یونٹ قائم ہوا تو اکابرین نے آپس میں تنظیمی کام کے لیے مشورہ کیا ۔ مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے ملک بھر کا دورہ کیا ۔ علماء کرام سے مولانا کا موقف یہ تھا کہ اگر اس وقت علماء سیاست میں حصہ نہ لیں گے تو پاکستان میں مسلمانوں کو قادیانی ، اشتراکی اور دیگر فتنوں سے بچایا نہ جا سکے گا ۔ اور نہ ہی قیام پاکستان کا اصل مقصد یعنی

اسلامی نظام کے نفاذ کو عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے۔

اس وقت جمعیت علماء اسلام کی قیادت حضرت تھانویؒ کے سلسلے کے بزرگوں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمہم اللہ اور دوسرے بزرگوں کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن عملی طور پر کوئی کام نہ ہو رہا تھا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ تھانوی سلسلہ کے اکابرین علماء کرام صوفی مزاج تھے۔ سیاست کے داؤ پیچ پر حاوی نہ تھے اور نہ ان کا ذہن سیاسی تھا۔ ان کی طبیعت ہی نازک مزاج تھی۔ مصائب و شدائد کا مقابلہ کرنا، کانٹوں پہ چلنا، دار و رسن کو چوم کر گذر جانا ان کے مزاج کے خلاف تھا۔ اس لیئے جمعیت ان اکابرین کی سیادت میں وہ مقام حاصل نہ کر سکی جو اسے حاصل کرنا چاہیئے تھا۔ اس وقت یہ سوچ پیدا ہوئی کہ مغربی پاکستان میں صوبائی سطح پر تنظیم نو کی جائے۔ اور مرکزی سطح پر وہی ڈھانچہ قائم رہے جو موجود ہے۔ اس پر ۸، ۹ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو شیخ التفسیر قطب دوراں مولانا احمد علی لاہوریؒ کی دعوت پر سندھ، پنجاب، سرحد اور بلوچستان سے تقریباً پانچسو سے زائد علماء کرام کا ایک اجلاس قاسم العلوم ملتان میں طلب کیا گیا۔ جس میں جمعیت کی تشکیل جدید کی گئی۔ تمام اکابرین نے قطب دوراں حضرت لاہوریؒ کو امیر منتخب کیا گیا۔ جبکہ ناظم اعلیٰ کے لیئے مولانا عبدالحنان صاحب جہدیؒ سابق ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانویؒ دونوں حضرات کا نام پیش کیا گیا۔ حضرت لاہوری نے کھڑے ہو کر فرمایا علماء کرام! اگر آپ کا مقصد کام ہے۔ تو مجھے اجازت دیجیئے کہ میں خود نام پیش کروں۔ اور وہ نہایت مخلص، انتھک، اور فعال آدمی ہے۔ اکابرین نے کہا حضرت آپ کو

اختیار ہے۔ حضرت لاہوریؒ نے فرمایا کہ آپ میری صدارت چاہتے تو ناظمِ علیٰ (جنرل سیکرٹری) مولانا غلام غوث ہزارویؒ ہوں گے۔ چنانچہ مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو متفقہ طور پر جنرل سیکرٹری چن لیا گیا۔ حضرت لاہوریؒ صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے۔ اہل حق کے نزدیک ان کا کشف مسلم تھا۔ انہوں نے اپنی فراستِ ایمانی سے "جمعیت علماءِ اسلام" کی قیادت کے لیے مولانا ہزارویؒ کا انتخاب فرمایا۔ جب کہ دستور مرتب کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اکابرین پر مشتمل ایک سب کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔

۱. شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ۔
۲. حضرت مولانا عبدالحنان جہدیؒ رحمۃ اللہ علیہ۔
۳. حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔
۴. حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خیرالمدارس ملتان
۵. حضرت مولانا عبدالواحد صاحبؒ گوجرانوالہ۔

جبکہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو نائب امیر جمعیت علماء اسلام مقرر کیا گیا۔

جمعیت علماء اسلام کا اس سے قبل پورے ملک میں کوئی دفتر اور نہ ہی کوئی تنظیمی ڈھانچہ تھا۔ حضرت لاہوریؒ کی دعا سے کام کی ابتداء ہوئی۔ ممبر سازی کے فارم چھپوائے گئے۔ دستور بنایا گیا۔ جمعیت علماءِ اسلام کا مرکزی دفتر لاہور میں رکھا گیا۔ جس کے لیے غازی خدا بخش مرحوم کو پہلا ناظم مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد ۲۶ جون ۱۹۵۶ء کو جمعیت علماء اسلام کے ارگن "ترجمانِ اسلام" کا پہلا پرچہ شائع ہوا۔ ترجمانِ اسلام کا ڈیکلریشن غازی خدا بخش مرحوم کے نام تھا۔ جبکہ اس کے ایڈیٹر، کارکن، واتنڈ مولانا غلام غوث ہزارویؒ تھے۔ مولانا

خود تمام مضامین اور خبریں لکھتے، خود چھپواتے، اور خود پیک کر کے ڈاک کے حوالے کرتے۔ اور اس کے تمام اخراجات دفتر میں آنے والے مہمانوں کے اخراجات مولانا اپنی جیب سے عطا کرتے۔ جو دوائیوں اور سالاجیت کی آمدن ہوتی، وہ سب جمعیت کے کھاتے میں جاتی۔ لیکن کبھی کسی سے اس کا ذکر تک نہ کیا۔ چنانچہ چھ ماہ کی قلیل مدت میں مولانا ہزاروی نے جمعیت علماء اسلام کی تقریباً تین ہزار شاخیں اور ڈھائی سو کے قریب دفاتر قائم کیے۔ جو کسی بھی جماعت کا ایک ریکارڈ ہے۔ مرکزی دفتر رنگ محل میں قائم کیا۔ مولانا کا نظریہ تھا کہ ہم نے خلوص نیت سے دین کا کام کرنا ہے۔ تاکہ دین کا غلبہ ہو، قیام پاکستان کا مقصد پورا ہو۔ لہٰذا ہم نے شرعی جائز و ناجائز کی تمیز کرتے ہوئے کام کرنا ہے۔ سیاست کو خالصتاً دین کے تابع رکھ کر ہم نے کام کرنا ہے جس طرح اکابرین نے کام کیا تھا۔ حضرت ہزاروی کی ایک یہ بھی عادت تھی کہ ہر آدمی کے پاس خود جاتے تھے۔ تمام دینی مدارس میں تشریف لے جاتے، علماء کو توجہ دلاتے کہ علماء کرام! کام کریں، ہمارے ساتھ تعاون کریں تاکہ اس ملک میں دین کا غلبہ ہو۔

**ایک شبہ کا ازالہ** جمعیت علماء اسلام کی بنیاد ۱۹۴۵ء میں جمعیۃ علماء ہند کے مقابل کلکتہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد اسی جماعت کی تشکیل جدید خطیب اسلام مولانا احتشام الحق تھانوی نے کی تھی۔ مولانا احتشام الحق تھانوی کا یہ اقدام آزاد خیال مسلم لیگیوں کو پسند نہ آیا۔ جمعیت کی سرگرمیاں نرم پڑ گئیں۔ مولانا تھانوی بھی دل شکستہ تھے۔ چنانچہ اسی جمعیت علماء اسلام کو حضرت مولانا احمد علی لاہوری کی صدارت اور مولانا غلام غوث ہزاروی کی نظامت میں نئے سرے سے تشکیل کیا گیا۔ بعض لوگ جمعیت علماء اسلام کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ یہ جمعیۃ علماء ہند کی

شاخ ہے تو یہ بات سراسر غلط ہے بلکہ یہ وہ "جمعیت علماء اسلام" ہے جس کے بانی شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رح تھے۔

**نظام العلماء کا قیام** | یہ قافلۂ حریت "جمعیت علماء اسلام" ۱۹۵۶ء میں تشکیل جدید کے بعد حضرت لاہوری رح کی امارت اور بانئے جمعیت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رح کی نظامت میں نفاذ اسلام کے لیے رواں دواں تھا کہ ہمارے ملک کے مفاد پرست سیاستدانوں کے نا عاقبت اندیشانہ رویے کی بنا پر جنرل ایوب خان نے اکتوبر ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء لگا دیا۔ تمام سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دے کر سیاسی پابندی لگا دی گئی۔ تو موقع پرست سیاستدان اپنے اپنے گھروں میں جا بیٹھے اور مکمل خاموشی اختیار کر لی۔ لیکن یہ انہیں علماء حق کا کردار تھا کہ

یہ دامن ہے یہ گریبان آؤ کوئی کام کریں
موسم کا منہ تکتے رہنا کام نہیں دیوانوں کا

جمعیت علماء اسلام جو کالعدم قرار دی جا چکی تھی۔ مولانا ہزاروی رح کی ایمانی بصیرت یہاں بھی کام آئی۔ اور دوبارہ ملتان میں ایک عظیم کنونشن علماء کا طلب فرمایا اور نظام العلماء کے نام سے جمعیت علماء اسلام کا قیام عمل میں لایا گیا۔ یوں سیاسی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اور پھر لاہور میں ایک عظیم الشان جلسۂ عام منعقد کیا گیا۔ جس میں تمام ملک میں تین سو سے زائد علماء کرام نے شرکت کی اور عائلی قوانین کے منسوخ کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس دور میں حکومت کے کسی اقدام کے خلاف لب کشائی کرنا شاہی غیظ و غضب کی دعوت دینا تھا۔ لیکن مولانا قاسم نانوتوی رح کے نام لیوا اور مولانا حسین احمد مدنی رح کے جانشین ان اکابر نے اپنے فرض منصبی کو محسوس کرتے ہوئے جابر حاکم کا مقابلہ کیا اور زبان حال سے یہ کہتے ہوئے کہ

ستمگر تجھ سے امید کرم ہوگی جنہیں ہوگی
ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہ تو ظالم کہاں تک ہوگی

مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اس کے صلے میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو لاہور میں گورنمنٹ نے چھ چھ ماہ کے لیئے نظر بند کردیا۔ اور ساتھ ہی نظر بندی کا حکم بھی جاری کردیا۔ لیکن حضرت ہزارویؒ حصول منزل کے لیئے گامزن رہے۔ اور جابر حکومت کا کوئی حربہ بھی انہیں اپنے مقصد کے حصول سے باز نہ رکھ سکا۔

جو رکے تو کوہ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گذر گئے۔
رہ یار! ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا۔

**سامراج دشمنی** مولانا غلام غوث ہزاروی اور ان کے رفقاء کا ساری زندگی مغربی سامراج اور سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور انگریز کے ٹوڈیوں کے خلاف مصروف عمل رہے۔ وہ فرماتے تھے کہ وڈیروں اور جاگیرداروں کے کتے بھی مکھن کھائیں اور غریب مزارعین کو دو وقت کی روٹی بھی میسر نہ ہو۔ اور حیوانوں جیسی زندگی کیوں بسر کریں۔ جب محنت تو غریب کسانوں کی ہوتی ہے۔ اور جماعت کے منشور میں بھی یہ باتیں تھیں۔ اور تقاریر میں بھی فرماتے تھے کہ ہم برسر اقتدار آکر انگریزوں سے وفاداری میں ملی ہوئی جاگیروں کو ضبط کریں گے۔ اور غریب کسانوں میں تقسیم کریں گے۔ کیونکہ انگریز نے انہیں غداری اور کاسہ لیسی کے صلے میں دی ہیں۔ مغربی سامراج کی دشمنی جمعیت علماء اسلام کے رگ وریشہ میں رچی بسی ہوئی تھی۔ چنانچہ جن ممالک میں مغربی سامراج کے خلاف جدوجہد ہو رہی تھی یا جو جماعتیں کام کر رہی تھیں۔ اکابرین جمعیت ان کی ہر طرح حمایت کرتے رہے۔ مشہور امریکی سفیر جوسی۔ آئی۔ اے کا خاص

آدمی تھا۔ اور سیاسی جوڑ توڑ میں ماہر تھا۔ سنہ ۱۹۷۰ء میں پاکستان آیا۔ اس سے قبل مسٹر بھٹو اپنی پارٹی کی طرف سے یہ اعلان کر چکا تھا کہ میں جمعیت علماء اسلام کے چار حضرات کے مقابلہ میں اپنا نمائندہ نہیں کھڑا کروں گا۔

(۱) حضرت مولانا عبداللہ درخواستی، (۲) مولانا غلام غوث ہزاروی ؒ، (۳) مولانا مفتی محمود صاحب، (۴) مولانا عبیداللہ انور صاحب۔

چنانچہ مسٹر جوزف فارلینڈ میں مسٹر بھٹو سے ملاقات کی۔ اور اکسایا۔ چنانچہ بھٹو نے ان حضرات کے مقابلہ میں نہ صرف اپنے نمائندے کھڑے کیئے۔ بلکہ قائد جمعیت مولانا مفتی محمود صاحب کے مقابلہ میں خود بھی کھڑا ہوا۔ جبکہ خود مسٹر بھٹو کے ساتھیوں نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا تھا۔ لیکن وہ نہ مانا۔ اور نتیجے میں شکست فاش ہوئی۔ مولانا ہزاروی ؒ نے جمعیت علماء اسلام کو ایک منظم جماعت بنایا۔ جس جگہ تشریف لے جاتے۔ جمعیت کے دفتر میں ٹھہرتے۔ مولانا ہزاروی ؒ جماعتی پالیسیوں اور پارٹی ڈسپلن کے بارے میں نہایت ہی سخت تھے۔

## قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

سنہ ۱۹۷۰ء سے قبل جمعیت علماء اسلام کی پالیسی دیکھیئے۔ "ترجمان اسلام" میں آپ کو خالصتاً مذہبی سیاست کی جھلک نظر آئے گی۔ عالمی سیاسیات پر تبصرہ، فرق باطلہ کا مقابلہ اس وقت تک ترجمانِ اسلام پہ مولانا ہزاروی ؒ کی گرفت مضبوط تھی۔ وہ نہ تو کسی شخص کو جماعتی پالیسی سے سرمو انحراف کرنے دیتے۔ اور نہ ہی سیاست کو مذہب سے جدا کرنے دیتے۔ سنہ ۱۹۷۰ء میں ایک طرف سامراجی گماشتے تھے۔ جن کے پاس جدید دور کے تمام وسائل موجود تھے۔ ڈالروں کی تجوریوں کے منہ کھلے ہوئے تھے۔ مختلف ہفت روزے

وسائل سے بھی زائد تھے۔ نیز ان کے تنخواہ دار ملازم صحافی جو ہم اخبارات میں حتیٰ کہ ٹرسٹ کے اخبارات میں بھی گھسے ہوئے تھے۔ اور ہاتھ دھو کر جمعیت علماء اسلام کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ ایک طرف مسلم لیگ کے نوابوں، جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور وڈیروں سے جمعیت علماء اسلام کے درویشوں کا مقابلہ تھا۔ تو دوسرے طرف تمام ملحدین اور لادینی طاقتیں اور ان کے ساتھ جماعتِ اسلامی کے صالحین سے ٹکراؤ تھا۔ جو خوش فہمی سے اقتدار سنبھالنے کی تیاریاں کر رہے تھی۔ اور یہی باور کرایا جاتا رہا تھا کہ جماعتِ اسلامی بھاری اکثریت سے جیت لے گی۔

ادھر یہ ہزارہ کا مردِ قلندر، اپنے دور کا ولی یہ اعلان کرتا پھرتا تھا کہ جماعتِ اسلامی کو چار سیٹوں سے زیادہ کچھ نہ ملے گا۔ کیونکہ جنازہ کو کندھا دینے کے لیئے چار آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے اکابرین حیران تھے کہ مولانا ہزارویؒ یہ کیا پیشگوئیاں کرتے پھر رہے ہیں۔ پروپیگنڈہ اتنا زیادہ تھا کہ جماعتِ اسلامی کے پالتوں صحافیوں نے حق نمک ادا کر دیا تھا۔ لیکن تین پیشگوئیاں جو مولانا ہزارویؒ نے فرمائیں وہ بالکل اس طرح پوری ہوئیں کہ جماعتِ اسلامی کو چار سیٹوں سے زیادہ نہیں ملیں گی۔ مولانا مفتی محمود صاحب اگر مسٹر بھٹو سے ہار گئے تو میں سیاست سے ریٹائرڈ ہو جاؤں گا۔ جبکہ مسٹر بھٹو نے ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں مغربی پاکستان میں چھ حلقوں سے حصہ لیا۔ ملتان، حیدرآباد، لاڑکانہ، ٹھٹھہ، لاہور، ڈیرہ اسمٰعیل خان۔

ملتان میں مسٹر بھٹو کے مقابلے میں انتہائی مضبوط امیدوار حضرت مولانا حامد علی خان صاحب تھے۔ جن کا تعلق جمعیت علماء پاکستان سے تھا۔

اور ہزاروں لوگ ان کے مرید تھے۔ لیکن بھٹو صاحب نے انہیں پندرہ ہزار ووٹوں سے شکست دی۔ (۲) حیدر آباد میں کونسل مسلم لیگ کے حاجی نجم الدین صاحب سے مقابلہ تھا۔ مسٹر بھٹو نے چھتر ہزار ووٹ لیے حاجی صاحب نے انتیس ۲۹ ہزار ووٹ حاصل کیے۔ (۳) لاڑکانہ میں مسٹر بھٹو کا مقابلہ مضبوط امیدوار جناب ایوب کھوڑو مرحوم سے۔ کھوڑو صاحب نے صرف ۳۱۰۰۹ ووٹ لیے۔ جبکہ بھٹو صاحب نے ۷۶۳۰۰ ووٹ حاصل کیے۔ (۴) ٹھٹھہ سندھ سے مسٹر بھٹو کے مقابلے میں قیوم لیگ کے ایوب چانڈیو تھے۔ جنہوں نے ۲۲۴۹۲ ووٹ لیے۔ جبکہ بھٹو صاحب نے ۷۰۶۶۹ ووٹ لیے۔ (۵) لاہور کے حلقے سے علامہ اقبال مرحوم کے بیٹے ڈاکٹر جاوید اقبال نے بھٹو کا مقابلہ کیا۔ جنہوں نے ۳۵۰۰۰ ووٹ حاصل کیے۔ جبکہ بھٹو صاحب نے ۷۸۰۰۰ ووٹ لے کر کامیابی حاصل کی۔ لیکن ڈیرہ اسمٰعیل خان سے بھٹو کا مقابلہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب ؒ نے کیا۔ تیرہ ہزار (۱۳۰۰۰) ووٹ سے مسٹر بھٹو کو شکست دی۔

یوں مسٹر کو صرف ایک حلقے ڈیرہ اسمٰعیل خان سے حضرت مفتی صاحب ؒ نے شکست دی۔ اور مسٹر بھٹو نے خود بھی کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا میں آئندہ مفتی صاحب کے مقابلے میں الیکشن نہیں لڑوں گا۔ یہ مولانا ہزاروی ؒ کی ایمانی بصیرت تھی۔ جنہوں نے پیشگوئی کر دی کہ مولانا مفتی محمود صاحب کامیاب ہوں گے۔ اس طرح مولانا ہزاروی ؒ نے یہ پیشگوئی فرمائی تھی۔ جو کہ اس قدر زبان زدِ عام تھی کہ مودودی صاحب امریکہ میں مریں گے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ مجھ سے پہلے مرے گا۔ چنانچہ یہ بھی بعینہٖ اس طرح پوری

ہوئی۔ اور مولانا ہزارویؒ نے ان پیشگوئیوں سے بھی اپنی کرامت کو نہیں اچھالا۔ جبکہ ان کی موجودگی میں یہ تمام باتیں ہو چکی تھیں۔ بلکہ اگر کوئی ان باتوں کا تذکرہ بھی کرتا تو ہنس کر ٹال دیتے۔ اور فرماتے یہ میرا زورِ خطابت تھا۔

## جمعیت علماءِ اسلام نے سیاسی جمود توڑ دیا

ایوب خان اپنے آمرانہ دور کے دس سال پورے کرنے والے تھے۔ سیاستدان بلوں میں ایسے گھسے ہوئے تھے کہ باہر آنے کا نام تک نہ لیتے تھے۔ کچھ نے حکومت سے معافی مانگ لی تھی اور کچھ ایبڈو پابندی کا شکار تھے۔ اس وقت ان ہی درویشوں نے سیاسی جمود توڑنے کا فیصلہ کیا کیونکہ یہ ہی بوریا نشین تھے۔ جو جابر حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتے تھے۔ کیونکہ یہ جس کاروان کے لوگ تھے ان کا مشن ہی یہ تھا۔

یہ دامن ہے یہ گریبان ہے آؤ کوئی کام کریں
موسم کا منہ تکتے رہنا کام نہیں دیوانوں کا

چنانچہ ۲، ۴ اور ۵ رمئی ۱۹۶۸ء کو لاہور کے مشہور تاریخی جلسہ گاہ موچی گیٹ میں آئین شریعت کانفرنس کا اعلان کیا گیا۔ جس میں مشرقی اور مغربی پاکستان سے پانچ ہزار سے زیادہ علماء کرام نے شرکت فرمائی۔ کانفرنس کے آخری روز ایک بہت بڑا جلوس نکالا گیا۔ جو موچی دروازے سے شاہی مسجد اور سرکلر روڈ سے ہوتا ہوا موچی دروازہ پہنچا۔ اس جلوس نے گویا ایوب خان کے اقتدار میں دراڑیں ڈال دیں۔ اس جلوس کی تشہیر بین الاقوامی ذرائع ابلاغ سے بھی نشر کی گئی۔ اور یوں جماعتوں کے سیاستدانوں کا جمود ٹوٹ گیا۔ اور ایوب خانی حکومت کی بنیادیں ہلنے لگیں۔

راقم الحروف کو یہ سعادت حاصل ہے کہ اس کانفرنس کے سٹیج کا انتظام اور حفاظت حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب اور حافظ یوسف عثمانی وغیرہ کے ساتھ موجود تھا۔ اس وقت ہم مدرسہ نصرۃ العلوم میں زیرِ تعلیم تھے۔ اور جمعیت علماء اسلام کے رضاکاروں کی قیادت کر رہے تھے۔

**نیپ سے اتحاد کو مولانا ہزارویؒ نے ناپسند کیا** ملحدین نے دونوں بزرگوں میں بدگمانیاں پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ خصوصاً ولی خان گروپ نے چونکہ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں ان لوگوں کو صرف جمعیت علماء اسلام ہی سے خطرہ تھا۔ کیونکہ ان دونوں صوبوں کے عوام مذہبی لوگ ہیں۔ اس لیئے جمعیت کی طاقت کو منتشر کرنا ان کے فائدے میں تھا۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزاروی نیشنل عوامی پارٹی کی سیکولر سیاست سے انتہائی بیزار تھے۔ اور خاص طور پر ان کی قوم پرستی اور پختونستان کے نعرے کو تو مولانا ہزارویؒ کسی طرح پسند نہ کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جمعیت علماء اسلام کا جو اجلاس ۱۵ اپریل ۱۹۷۲ء کو پشاور میں طلب کیا گیا تھا۔ مولانا ہزارویؒ اس میں شریک نہ ہوئے۔ اس میں نیپ کے ساتھ معاہدے کی توثیق ہوئی تھی۔ اور مولانا ہزارویؒ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں نیپ کے ساتھ اتحاد نہ کرنا چاہتے تھے۔ جس کا اقرار خود نیپ کے رہنماؤں نے کیا تھا۔ مولانا ہزارویؒ کا خیال تھا کہ خان عبدالقیوم سے اتحاد کر لیا جائے۔ خان قیوم بھی جمعیت کی تمام شرائط مان چکے تھے۔ لیکن حضرت مفتی محمود صاحبؒ کا خیال تھا کہ نیشنل عوامی پارٹی سے اتحاد کر لیا جائے۔

**نیپ کے مرکزی رہنما ارباب سکندر خان خلیل کی زبانی سنیئے۔**

"مولانا مفتی محمود سے میری پرانی یادداشت تھی۔ ۱۹۷۰ء کا الیکشن آیا تو

تعلقات میں وقتی گرہ پڑ گئی[1]۔ اس عرصے میں ہم نے اپنے اپنے سیاسی پلیٹ فارم سے ایک دوسرے پر خوب بمباری کی[2]۔ نتیجہ نکلا تو چالیس کے ہاؤس میں تیرہ[3] سیٹیں نیپ کی تھیں چھ جمعیت کی۔ نتیجے کے دو مہینے بعد ایک دن کا ذکر ہے میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا مفتی صاحب آپ کو حبیب ہوٹل میں بلا رہے ہیں میں تھوڑی دیر کے بعد اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ وہاں پہنچ گیا۔ مفتی صاحب بے شمار "مولویوں" میں گھرے بیٹھے تھے۔ ان لوگوں نے ہوٹل کے پانچ بڑے بڑے کمرے کرائے پر لے رکھے تھے۔ مجھے دیکھ کر وہاں پر موجود لوگوں کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ مولانا غلام غوث ہزاروی چمک کر بولے۔ ارباب صاحب! باہر تو آپ لوگ ہمیں گالیاں دیتے ہیں اب یہاں کیا لینے آگئے۔ میں نے حقیقت حال بتانے سے گریز کیا خیال تھا اس طرح مفتی صاحب کی پوزیشن خراب ہوگی۔ چنانچہ بات بناتے ہوئے بولا یہاں قریب ہی میرا دفتر ہے۔ وہاں سے نکلا تو سوچا ذرا ادھر بھی ہوتا جاؤں۔ باتوں باتوں میں موقع پاکر میں نے مفتی صاحب سے کہا۔ بھئی معاملہ کیا ہے؟ مجھے کیوں بلوایا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بس اطمینان سے بیٹھے رہو۔ خیر خدا خدا کرکے مفتی صاحب مجھے ایک دوسرے کمرے میں لے گئے۔ اور بتایا کہ خان قیوم اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کر رہا ہے۔ بھٹو بھی پیغام بھیجوا رہا ہے۔ لیکن ہم دونوں میں سے کسی کے ساتھ مل کر کام کرنے کو تیار نہیں۔ میں نے سوچا کہ ہم تم مل کر کیوں نہ حکومت بنالیں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے ہم ہر طرح سے آپ کے ساتھ تعاون کریں گے۔

---

[1] وقتی گرہ اس لیے پڑ گئی کہ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں ولی خان نے جمعیت علماء اسلام کے خلاف بیانات دیئے۔ اس سے مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کرام ناراض تھے۔

[2] اس دور میں ولی خان اینڈ کمپنی نے علماء کے خلاف جو ہرزہ سرائی کی اس پر تمام اخبارات گواہ ہیں۔ "مرتب"

[3] مندرجہ بالا فقروں پر غور کریں کہ کیا مولانا ہزاروی کو علم ہے کہ انکو وزارت کا لالچ تھا [illegible]

مفتی صاحب کہنے لگے لکھ کر اپنی حمایت کی یقین دہانی کرا سکتے ہو؟ میں نے جواب دیا۔ ضرور ابھی لیجئے۔ میں نے وہاں سے کاغذ قلم لیا اور اس مضمون کی تحریر لکھ کر اسی وقت مفتی محمود صاحب کے حوالے کر دی۔ ممکن ہے ان کاغذات میں یہ کاغذ آج بھی کہیں موجود ہو۔ اس بات چیت کے بعد ہم دوسرے کمرے میں آ گئے۔ یہاں حبیب گل، مولانا ہزاروی، گل بادشاہ اور شیر افضل آف بداشی موجود تھے۔ مفتی صاحب نے اپنے ساتھیوں کو اس تعاون سے آگاہ کیا۔ مولانا ہزارویؒ نے اعتراض کیا کہ ان لوگوں پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ مفتی صاحب نے کہا انہوں نے تحریری طور پر یقین دہانی کرائی ہے۔ گو یہ زبانی بھی کہہ دیتے ہیں میں ان پر اعتبار کر لیتا۔

(ماہنامہ قومی ڈائجسٹ فروری ۱۹۸۱ء صفحہ ۱۰۴، صفحہ ۱۰۵)

جہاں تک بابائے جمعیت اور مولانا مفتی صاحب کے اختلاف کا تعلق ہے تو اس میں بھی اپنے لوگوں نے بدگمانیاں پیدا کیں۔ چونکہ ہمارے اکابرین کی سیاست میں جھوٹ، منافقت، بدگمانی کا شائبہ تک نہ ہوتا تھا۔ لیکن ان لوگوں کی سیاست کی بنیادیں ہی غلط بیانی، الزامات اور مکر و فریب پر تھیں۔ اپنے نادان دوستوں نے بھی دونوں بزرگوں کے درمیان اختلافات کی خلیج کو وسیع کیا۔ اور غیروں نے خوب ہوا دی۔ مولانا ہزاروی کے خلاف انہی ارباب سکندر خان نے مفتی صاحب کے کانوں میں کیا ڈالا۔ ذرا انہیں کی تحریر ملاحظہ ہو، نام تو کہیں بھی تحریر نہیں کیا۔ اشارے استعمال کیئے ہیں۔ ایک آدھ دن بعد ......... بھی پھسل گئے۔ ان کا داماد فیروز سنز پنڈی کے پریس میں تین سو روپے کی معمولی تنخواہ پر ملازم تھا۔

بھٹو نے اسے گورنمنٹ پرنٹنگ پریس میں تین ہزار روپے کے گراں قدر مشاہرے پر ملازم کرا دیا۔

(ماہنامہ قومی ڈائجسٹ فروری ۱۹۸۱ء صفحہ ۱۰۶)

مندرجہ بالا الزام سراسر کذب و افتراء ہے۔ اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ مولانا کوثر نیازی جو اس وقت مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات اور حج و اوقاف کے وزیر تھے۔ انہوں نے یوسف خان کو محنت، جانفشانی اور لگن کی وجہ سے گورنمنٹ پرنٹنگ پریس کا منیجر بنایا۔ میں نے مولانا کوثر نیازی سے خود اس بارے میں پوچھا تھا کہ آیا مولانا ہزاروی نے اپنے داماد یوسف خان کے بارے میں سفارش کی تھی۔ تو مولانا کوثر نیازی نے بڑے رازدارانہ انداز میں تردید کی کہ مولانا ہزاروی نے ایک لفظ بھی اپنے داماد کے بارے میں نہیں کہا تھا۔ اور میں نے خود صرف اس کی قابلیت کی بنا پر اس عہدے پر فائز کیا۔ جب کہ اتفاق سے اس وقت یہ عہدہ خالی تھا۔ میں نے فیروز سنز والوں سے یوسف خان کو مانگا۔ وہ بھی اسے فارغ کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ کیونکہ یوسف خان کے ان کے ادارے میں آنے کے بعد وہ بھی ترقی کرتا جا رہا تھا۔ اگر مولانا ہزاروی کا داماد ہونا جرم تھا تو پھر ٹھیک ہے۔ لیکن میں نے اس کی قابلیت اور لیاقت کی وجہ سے اس کا انتخاب کیا۔ جس کا مولانا کے حاسدین نے خوب ڈھنڈورا پیٹا اور بدنام کیا۔ اس کتاب میں مولانا کوثر نیازی کا انٹرویو شامل ہے۔ وہ پڑھ لیں اور سچ اور جھوٹ کو پرکھیں۔

**نیشنل عوامی پارٹی سے معاہدہ** | ۱۹۷۰ء میں نیشنل عوامی پارٹی سے جمعیت علماء اسلام کا پانچ نکات پر معاہدہ ہوا۔ وہ نکات مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ اشتراک کرنے والی پارٹی مرکزی اسمبلی میں (قومی اسمبلی) میں آئین کے مسئلہ پر جمعیت علماء اسلام کا ساتھ دے گی۔

۲۔ صوبائی قوانین اسلامی ضابطوں کے مطابق ڈھالنے کے لیئے علماء اور ماہرین قانون کے ایک بورڈ کی حمایت کی جائے گی۔

۳۔ اسلامی تعلیمات رائج کرنے کے لیئے ایک بورڈ قائم کیا جائے گا۔ (طلبۂ اور عوامی تربیت کا پروگرام اس میں داخل ہے)

۴۔ اسلامی قوانین کے مطابق جاگیرداری اور سرمایہ داری کے نظام کے ذریعے ہونے والے استحصال کے خاتمہ کے لیئے تجاویز پیش کرنے کے لیئے ایک ایک اور بورڈ قائم کرنے کی حمایت کی جائے گی۔

۵۔ صوبہ میں پانی، بجلی اور جنگلات کے وسائل سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر عوامی حالت بہتر بنائی جائے گی۔

چھٹی شرط یہ تھی کہ کابینہ میں پالیسی جمعیت علماء اسلام کے ہاتھوں میں ہوگی۔ اور اسمبلی میں پارٹی لیڈر اور وزیر اعلیٰ جمعیت علماء اسلام کا ہوگا۔

اس معاہدے کی رو سے قائدِ جمعیت حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ وزیراعلیٰ بنائے گئے۔ لیکن معاہدے کے باوجود پالیسی نیشنل عوامی پارٹی کے ہاتھوں میں ، مفتی صاحبؒ وزیر اعلیٰ ہونے کے باوجود بھی اپنا تسلط برقرار نہ رکھ سکے۔ نیپ کے ایم۔پی۔اے اور ایم۔این۔اے صوبائی معاملات میں مداخلت کرتے رہے۔ چونکہ جمعیت ایک مذہبی جماعت تھی۔ اس کی سیاست صاف ستھری اور جھوٹ کی آمیزش سے پاک تھی۔ لیکن نیپ والے ہر معاملے میں اپنی گرفت مضبوط کرنے کی فکر میں تھے۔ یہاں تک کہ مولانا ہزاروی ؒ نے بار بار حضرت مفتی صاحب سے کہا کہ آپ نیپ والوں کو توجہ دلائیں کہ وہ

اپنے وعدوں کی پابندی کریں۔ کیونکہ جمعیت کے کارکن بار بار شکایت کرتے ہیں کہ نیپ کے صوبائی وزرا ہمارے جائز کام بھی نہیں کرتے۔ جب کہ اپنے کارکنوں کے ناجائز بھی کر جاتے ہیں۔ اور جمعیت کے کئی اراکینِ شوریٰ نے اس پر احتجاج کیا۔ ادہر مرکز میں اس وقت پی پی کی حکومت تھی اور مسٹر بھٹو کی سر توڑ کوشش تھی کہ وہ کسی طرح سرحد اور بلوچستان کی آئینی حکومتوں کو توڑ کر اپنی پارٹی کا راج ان دونوں صوبوں پر مسلط کر دیں۔

# ناکام قاتلوں کے سرغنہ کے نام

## مولانا غلام غوث ہزاروی پر قاتلانہ حملے کا ایک تاثر

مہر کا پرتو ہے ضربوں سے بکھر سکتا نہیں ۔۔ تیرے حملوں سے غلام غوث ڈر سکتا نہیں

زر کے بندے ایسی گیدڑ بھبکیوں کا سلسلہ ۔۔ ضیغم اسلام کو خاموش کر سکتا نہیں

تیری بندوقوں کے شعلے، تیرے تیروں کا جلال ۔۔ مومن حق آزما کو زیر کر سکتا نہیں

سامراجی حاشیہ بردار! زیر آسمان ۔۔ کوئی بھی مرد مجاہد تجھ سے ڈر سکتا نہیں

ابن ملجم کی نئی اولاد کے لچھن قتال ۔۔ کوئی بھی اس بات سے انکار کر سکتا نہیں

کوئی گولی عشق کے پیکر پہ چل سکتی نہیں ۔۔ سینۂ حق میں کوئی خنجر اتر سکتا نہیں

دیکھ لچھوں کی صدا سے پھر لرز اٹھے پہاڑ ۔۔ ایسی آوازوں کو کوئی بھی مٹا سکتا نہیں

آیت تبت یدا تیرے لئے پیغام موت ۔۔ مغربی آقا تیرا تجھ کو بچا سکتا نہیں

بزدلی کے جرم میں اب موت کا پیغام سن ۔۔ برسر منبر غلام غوث ہے قرآں سخن

میرے حضرت جی وقار مسند اسلام ہیں

اور تیرے بھیڑیے زندان میں بے آرام ہیں

## اختلافات کی کہانی مولانا ضیاء القاسمی کی زبانی

# مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور ان کی تاریخ ساز شخصیت

مجھے مولانا سید منظور احمد شاہ صاحب آسیؔ نے حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزارویؒ کی زندگی کے چند گوشوں کو اجاگر کرنے کے لیے کہا ہے جسے انہوں نے خود ہی چند سوالات کی شکل میں بھیجا ہے۔ میں اسی ترتیب سے اپنی گذارشات پیش کروں گا۔ چونکہ اس میں تلخ حقائق کو بھی نرم لہجے میں پیش کیا جائے گا اس لیے قارئین کرام خصتہ کو تھوک کر اس موقف اور طرز عمل وفکر پر غور فرمائیں۔ تاکہ مولانا ہزارویؒ پر اڑائے ہوئے چھینٹے اور یکطرفہ مذموم پراپیگنڈہ سے اٹھایا ہوا گرد وغبار چھٹ جائے۔ اور سچائی، دیانت وامانت کا ایک صحیح نقشہ آپ کے سامنے آسکے۔

## سوال: مولانا ہزاروی کا سیاسی موقف اور اس کا تجزیہ؟

حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی سیاست میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے برصغیر میں علماء ربانیین نے جس عزیمت وجہاد کی تاریخ کو اٹھایا۔ مولانا ہزاروی اسی قافلے کے حدی خوان تھے۔ اور پوری زندگی معروف جہاد رہے۔ آزادی ہند کی جب تاریخ لکھی جائے گی اور قلم نے تعصب وتنگ نظری کا روپ نہ دھارا تو مولانا ہزارویؒ کا نام بھی ان فرزندان اسلام میں لکھا جائیگا جنہوں نے اپنی جوانی کی توانائیاں ملک کو فرنگی سامراج سے آزاد کرانے کے لیے قربانی کی بھینٹ چڑھا دیا۔ اور اپنی زندگی کے ہزاروں قیمتی دن قید وبند کی صعوبتوں میں گذارے۔ تقسیم ہند سے پہلے جو لوگ آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے وہ صرف

گفتار کے غازی نہیں تھے بلکہ اس وقت میدان میں اترنا مقتل میں اترنا تھا۔ اور آزادی کا نعرہ بلند کرنا اپنی شخصی آزادی سے ہاتھ دھونا تھا۔

مولانا ہزاروی ؒ نے اپنے اسلاف کے مشن کو نہ صرف زندہ رکھا بلکہ اس کو آگے بڑھایا۔ اور مجلس احرار کے رہنماؤں کے شانہ بشانہ جدوجہد آزادی کو چار چاند لگا دیئے۔ بالآخران خاک نشینوں کی بے پناہ قربانیوں سے ملک آزاد ہوا۔ اور مسلمانوں کو ایک خطہ نصیب ہوا۔ میں

میں تاریخ میں اس بات کو بھی محفوظ کرانا چاہتا ہوں کہ اگر جنگ آزادی کے لیے مولانا ہزاروی اور ان کے قافلہ کے سپہ سالار اور سالار بے پناہ قربانیاں نہ دیتے تو آج پاکستان کے نام پر عشرتکدے تعمیر کرانے والے اور حکمرانی کا ناقوس بجانے والوں کا نام و نشان بھی نہ ہوتا۔ پاکستان کا منصۂ شہود پر آنا ان مجاہدین کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ جن کی کاوش اور جہاد سے انگریز اس برصغیر سے جانے پر مجبور ہوا۔ مولانا ہزاروی کی سیاست برصغیر میں انگریز کی درندگی اور سفاکی کے خلاف تھی۔ اور انگریز جن کھلنڈروں کو اسلام دشمنی کے لیے تیار کرتا تھا۔ مولانا ہزاروی ان کے لیے تبلیغ اسلام کا کام کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کے ساتھ ساتھ مولانا ہزاروی نے قادیانی فتنہ کی سرکوبی کا کام بھی نہایت دلیری اور بہادری سے کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری ؒ مولانا ہزاروی ؒ کو سرحد کا بخاری کہا کرتے تھے۔

تقسیم ملک سے قبل مولانا ہزاروی ؒ کی سیاست کا تمام تر رخ انگریز کو ہندوستان سے نکالنا تھا۔ انگریز جن فتنوں کی آبیاری کرتا تھا۔ انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکنا مولانا ہزاروی ؒ کی جدوجہد کا حصہ تھا۔ اسی لیے آپ نے انگریز کے خلاف ہر اس حربے اور داؤ کو استعمال کیا جو قرآن و سنت نے ایک کافر حکومت اور کافر حکمران کے لیے روا رکھا ہے۔ مولانا ہزاروی ؒ سیاست کو دین کا ایک شعبہ سمجھتے تھے۔ اور وہ سیاست کو دین کے اصولوں کے

تابع رکھتے تھے۔ لیکن دین کو سیاست کے تابع کرنا ان کے ہاں درست نہ تھا۔ مولانا کو کی یہی دینی سیاست ان کو ان کے ہمعصروں سے ممتاز کرتی ہے۔ اور اس موقف نے کبھی ان کو انتہائی بلندیوں پر پرواز کرتے ہوئے دکھایا اور کبھی انتہائی پست لوگوں کی غلیظ تنقید کا نشانہ بنتے ہوئے دکھایا۔

## مولانا ہزارویؒ کی دینی سیاست

مولانا ہزارویؒ کی سیاست کا تجزیہ کرتے وقت اس نکتہ کو اچھی طرح جان لینا چاہیئے کہ مولانا ہزارویؒ سیاست میں دین کے اصولوں کو بلند رکھنا چاہتے تھے۔ انہیں اگر کسی فیصلے میں جماعت یا احباب کا بھلا معلوم ہوتا مگر دینی تقاضے مجروح ہوتے دکھائی دیتے تو وہ کھل کر دینی تقاضوں کو بروئے کار لاتے اور دینی سیاست کو غالب رکھنے کے لیئے جد وجہد کرتے۔ ملک میں کئی ایسی تحریکیں اور جماعتیں موجود رہیں جن سے مولانا ہزارویؒ کو سخت اختلاف تھا۔ مگر آپ کے بعض رفقاء ان سے مولانا ہزارویؒ کے درجے کا اختلاف نہیں رکھتے تھے بلکہ بعض سیاسی مسائل میں نرم گوشہ رکھتے تھے۔ مگر مولانا ہزارویؒ ان کے لیئے کبھی نرمی نہ پیدا کرتے۔ بلکہ کھل کر اس کا اظہار کرتے رہتے۔ جماعت اسلامی جو کہ ملک میں اسلامی نظام برپا کرنے کی دعویدار ہے۔ مولانا ہزارویؒ نے ان کی تحریک کو بھی اسی اصول سے جانچا اور پرکھا کہ ان کی سیاست دینی ہے یا دین کے پہلوؤں کو مصلحت کی نذر کر کے اسلام کا روشن چہرہ داغدار کر دیتے ہیں۔ مولانا ہزارویؒ نے جماعت اسلامی کی تحریک کو اسلامی سیاست سے ہٹا ہوا پایا۔ اس لیئے پوری زندگی ان سے نباہ نہ ہو سکا اور ان کی سیاست کو پسندیدہ قرار نہ دیا۔ اس سلسلے میں آپ کو اپنوں اور بیگانوں نے بیحد مطعون کیا۔ مگر آپ نے کسی کی کبھی کوئی پرواہ نہیں کی۔ جس کی پاداش میں آپ کو قاتلانہ حملوں اور بیشمار مصائب وآلام سے گذرنا پڑا۔ متعصب اور انتہا پسندی کے الزامات عائد کیئے گئے۔ مگر آپ نے تمام طوفانوں سے بے نیاز ہو کر اپنی دینی سیاست کو قائم رکھا۔ خاکسار تحریک

اپوا کی تحریک، عورتوں کے نام پر چلائی فیشن پرستی کی تحریک آپ کو متاثر نہ کرسکیں۔
آپ ہمیشہ ان تحریکوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ جس کے تقاضے اسلامی چھاپ نہیں رکھتے تھے۔

مولانا ہزاروی کی سیاست کا تجزیہ کرتے وقت اگر آپ اس نکتہ کو ملحوظ رکھیں تو مولانا کی زندگی کے تمام گوشے آفتاب عالمتاب کی طرح آپ کے سامنے آجائیں گے۔ کوئی گرد وغبار آپ کے دل میں نہیں رہے گا۔ اگر آپ اس نکتہ کو نظر انداز کر گئے تو آپ تعصب کی وادی میں گم ہو جائیں گے۔ اور مولانا ہزاروی کی زندگی کے روشن پہلو آپ کے سامنے نہیں آسکیں گے۔

جمعیت علماء اسلام پاکستان بھی مولانا کی جدوجہد سے قائم ہوئی۔ اس کا جب پہلا اساسی اجلاس ملتان میں ہوا۔ اس میں مجھے بھی شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس اجلاس میں پاکستان بھر کے جید علماء کرام شریک ہوئے تھے۔ شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری، مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کراچی، حضرت مولانا خیر محمد صاحب، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب، مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری اور مولانا مفتی محمود کے علاوہ ممتاز شخصیات اس اجلاس میں شامل ہوئیں۔ اسی اجلاس میں حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی کو جمعیت علماء اسلام کی قیادت سونپی گئی۔ جسے آپ نے عمر بھر نبھایا۔ اس اجلاس میں جو دو چار جملے مجھے یاد ہیں۔ انہیں بھی اسی بات پر زور دیا تھا کہ جمعیت علماء اسلام ہمارے علماء کرام کا قیمتی اثاثہ ہے۔ اس کی دینی اور سیاسی وراثت کو سنبھالتے ہوئے ہمیں دین کی بالا تری کو ہر قیمت پر قائم رکھنا ہوگا۔ یہی اساسی فکر تھا جو مولانا ہزاروی کی سیاست کا جوہر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمعیت علماء اسلام میں جب تک مولانا ہزاروی سیادت و قیادت کے منصب پر فائز رہے۔ آپ نے دین کو سیاست کے تابع نہیں ہونے دیا۔ پاکستان میں سیاست کا نام آتے ہی جو نقشہ ذہن میں گھوم جاتا ہے۔ وہ کوئی مخفی چیز نہیں ہے۔ سیاستدان جیسی ذہن اور عزائم کا مالک ہے۔ وہ بھی کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ پاکستان

میں سیاستدان اقتدار اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے۔ اور اس کے حصول کے لیئے حلال حرام جائز و ناجائز کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ دھوکا، ریا، فریب، قتل و غارت، دھونس دھاندلی، غنڈہ گردی، مخالفین کے ساتھ ظالمانہ سلوک سیاست اور سیاستدان کے حقوق کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ جینترے بدلنا، رات کہیں دن کہیں، ہوس اقتدار پوری کرنے کیلیئے ہر جائز و ناجائز حربا استعمال کرنا سیاست میں معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ انتخابات کے نام پر دھاندلی اور تاریخ ساز مکر و فریب کرنا سیاستدان کا محبوب مشغلہ رہتا ہے۔ مولانا ہزاروی نے سیاست کو ان تمام مکروہ ہتھکنڈوں سے پاک رکھا۔ ہزارہ کے جس علاقے میں الیکشن جیتا اسمیں شرافت و دیانت کے اصول روشن کیئے۔ وڈیرے اور لٹیرے کو شرافت سے شکست دی۔ جن فرعونوں کے ہاں انسانیت ننگا ناچ ناچتی تھی۔ ان کے ہاں شرافت کے چراغ جلائے۔ اور اپنی دینی شرافت سے اس قدر عظیم فتح حاصل کی کہ دنیا دار سیاستدان اس مرد قلندر کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔

دور ایوبی میں جس قلندرانہ شان سے اپنی دینی سیاست کی شمع روشن کی اس پر اپنے اور بیگانے سب ششدر اور حیران رہ گئے۔ اس دور کے راہبوں نے اقتدار کی خاک چاٹنے کے لیئے کیا کچھ نہ کیا کتنے عجیب و غریب قصے اور کہانیاں مشہور رہے ہیں۔ کس قدر پیر و فقیر شاہی آستانوں پر سجدہ ریز ہو گئے۔ مگر یہ مرد قلندر اپنے فقر غیور کے پرچم کو بلند کرتے ہوئے شاہوں کی گردنوں کو خم کر گیا۔ پوری اسمبلی اس مرد درویش کی آواز سے اسلام اور اسلامی سیاست کی گرویدہ ہو جاتی تھی۔

مولانا ہزاروی نے ایمانی روایات میں علما اور ان کے تاریخی کردار کو روشناس کرایا۔ غیر اسلامی طرز سیاست کو للکارا اور صدا آفرین ہے ان ممبران اسمبلی کے کہ انہوں نے بھی مولانا ہزاروی کی معقول اور مدلل تقریروں سے متاثر ہو کر مولانا کا ساتھ دیا۔ اس طرح آپ نے اپنی دینی سیاست کا لوہا اپنوں بیگانوں سب سے منوا لیا۔ میرے نزدیک مولانا ہزاروی

کی سیاسی زندگی کا تجزیہ کرتے وقت اس نکتے کو یاد رکھنا اس لئے ضروری ہے کہ مولانا کی سیاست
میں دین کا عنصر غالب تھا۔ جمعیت علماء اسلام میں بھی مولانا نے کارکنوں اور رفقاء کار میں یہی ولولہ
اور نظریہ پیدا کیا تھا کہ دین مقدم ہے اور سیاست اس کے بروئے کار لانے کا ثانوی زینہ
ہے۔ جمعیت علماء اسلام میں آپ دیکھتے ہیں کہ مساجد اور مدارس کے علماء کی غالب اکثریت
شامل ہے۔ اس میں زمیندار، تاجر، وکلاء اور غیر عالم افراد اول تو ہے ہی نہیں اور اگر کوئی اکا
دکا نظر آبھی جائے تو وہ بھی پورے کا پورا علماء کے رنگ میں رنگا ہوا ہوگا۔ اس کی بنیادی
وجہ یہی ہے کہ مولانا ہزارویؒ کی سیاست نے دین کو فوقیت دینے کا نظریہ پیدا کیا۔ غیر عالم
افراد اس پر پورا اترنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ اس لئے وہ جمعیت علماء اسلام کے بجائے
کسی دوسرے پلیٹ فارم کا انتخاب کرتے ہیں۔ مگر دل میں جمعیت کے لئے ہمیشہ ہمدردی
کے جذبات رکھتے ہیں۔ مگر غیر دینی سیاسی مجبوریاں ان کے لئے جماعت میں شمولیت سے مانع
ہو جاتی ہیں۔ جمعیت کے زعماء اور کارکنوں کو مولانا ہزاروی نے اپنے عمل اور کردار سے ہمیشہ
دینی سیاست کا شیدائی بنایا۔ ملک میں جب بھی کوئی دینی تحریک اٹھی۔ جمعیت نے اس کا ہمیشہ
ساتھ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ملک بھر میں جو دینی جماعتیں سیاست سے الگ رہ کر دین کی
خدمت کر رہی ہیں۔ ان پر کوئی افتاد آئی یا کوئی مسئلہ پیدا ہوا تو جمعیت نے ان کا بھرپور ساتھ
دیا۔ اور کبھی اس مسئلے کو فرقہ وارانہ قرار دے کر گریز کا راستہ اختیار نہیں کیا۔

شورش کاشمیری مرحوم نے مولانا ہزارویؒ کے خلاف بہت کچھ لکھا۔ لیکن جونہی حکومت
نے ایک دینی مسئلہ کی وجہ سے شورش پر ہاتھ ڈالا، مولانا ہزارویؒ تمام اختلافات کو فراموش
کر کے میدان میں آگئے۔ اور اس قدر زبردست تحریک اٹھائی کہ ایوب خان کو گھٹنے ٹیکنے پر
مجبور کر دیا۔ اور مولانا ہزاروی کو بے شمار دوستوں نے کہا کہ شورش نے جمعیت اور آپ کیخلاف
بہت کچھ کہا اور لکھا ہے۔ آپ کو اس قدر اس کی حمایت نہیں کرنی چاہیئے۔ مگر مولانا اپنی دینی
حمیت اور غیرت کے پیش نظر شورش کی تائید کرتے رہے۔ اور فرمایا کرتے تھے جس گروہ

اور باطل کی طرف سے اسلام پر تیر اندازی کی جائے گی۔ میں کسی مصلحت کا شکار ہوئے بغیر اس کا مقابلہ کروں گا۔ یہی تھی مولانا ہزاروی کی دینی سیاست جو انہیں بہت عزیز تھی۔ اور وہ اسے ہی اپنے تئیں بہت قیمتی متاع سمجھتے تھے۔ اس پر نہ انہیں کوئی خرید سکا اور نہ ہی جھکا سکا۔ میں نے دیکھا کہ جن لوگوں نے ابتداء میں مولانا ہزارویؒ کی اس دینی سیاست کو انتہا پسندی اور تنگ نظری سے تعبیر کیا تھا۔ آخر کار وہ بھی مولانا ہزاروی کے ہمنوا ہو گئے۔ ان میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کراچی اور مولانا احتشام الحق تھانوی کے نام لئے جا سکتے ہیں۔

یہ لفظ تو بہت آسان ہیں کہ دین اور سیاست ایک ہیں مگر ان دونوں لفظوں کے حقیقی مفہوم کو ہم آہنگ رکھنا بہت مشکل ہے۔ اقبال مرحوم کا یہ مصرعہ تو ہر کس وناکس کی زبان پر ہے ؎

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

مگر اس کا مفہوم ہر کسی کو معلوم نہیں۔ اگر معلوم ہے تو وہ منافقت سے کام لیتا ہے۔ کیا کوئی اس دور کا سیاسی بیک وقت اسمبلی اور مسجد کو ایک ساتھ چلا رہا ہے۔ کیا کوئی برسر اقتدار آنے پر جہاں قوم کی سیاسی خدمت کرتا ہے وہیں وہ دینی قیادت بھی کرتا ہے۔ کیا ایک ہی وقت میں کوئی سیاستدان وزیر اعظم اور شہر کی جامع مسجد کا خطیب وامام ہوا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو کم از کم اقبال کے اس شعر کے ساتھ ظلم نہ کیا جائے۔ اقبال مرحوم ہوتے تو وہ بھی کہہ دیتے کہ میرے اس مصرعہ کا حلیہ بگاڑنے والے خود چنگیزی کردار کے حامل ہیں۔ یہی بات ہے کہ جن علماء ربانی نے سیاست اور دین کو ایک ساتھ چلایا، مولانا ہزاروی مرحوم بھی اسی قافلہ کے سپاہی تھے۔ انہوں نے پوری زندگی دینی سیاست کو پھیلایا اور اسی کی خوشبو سے گلشن کو معطر کیا۔

میں یہ بات بھی ریکارڈ پر لانا ضروری سمجھتا ہوں کہ مولانا ہزاروی کا یہی دینی مزاج ان کے

دوستوں اور ان کے درمیان ایک دن اختلاف کا باعث بن گیا۔ اور جمعیت کے تیسرے درجے کے غیر تربیت یافتہ کارکن مولانا ہزاروی کے مزاج کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گئے اور جمعیت کو ان کارکنوں کی بدولت وہ روزِ سیاہ دیکھنا پڑا کہ جمعیت کی قومی قیادت وسیادت میں نظریاتی ہم آہنگی نہ رہی اور بعض تیرہ باطن اس خلیج کو وسیع کرنے میں اپنا گھناونا کردار ادا کرتے رہے۔ لیکن! وقت نے کانٹوں کی طرح ان کارکنوں کو زندہ درگور کر دیا۔ اور مولانا ہزاروی آج بھی علما اور صلحا میں دل کی دھڑکنوں کی تابندہ ہیں۔ جمعیت علماء اسلام کی پہلی صف کے رہنماؤں میں دینی سیاست کا بیج مولانا ہزاروی نے بویا تھا۔ حضرت مولانا مفتی محمود قاسم العلوم ملتان میں حدیث کے استاذ تھے۔ انہیں امراء کے ساتھ جمعیت میں لانے والے مولانا ہزاروی ہی تھے۔ اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دفعہ فرمانے لگے کہ کارکنوں کو چاہیئے کہ وہ مولانا مفتی محمود کی زیادہ حوصلہ افزائی کیا کریں۔ تاکہ مستقبل میں جمعیت کو ایک مستعد لیڈر مل سکے۔ مولانا مفتی جو صرف مدرس تھے اور میں نے ان سے مسلم شریف پڑھی ہے۔ ان کی شہرت اس وقت ایک مفتی اور مدرس کی تھی مگر مولانا ہزاروی کی جوہر شناس نگاہوں نے انہیں قائد جمعیت کے منصب پر سرفراز کرا دیا۔ یہ مولانا کی سیاسی عظمت اور سوجھ بوجھ کی منہ بولتی تصویر ہے۔

جن لوگوں نے جمعیت کا ابتدائی زمانہ دیکھا ہے۔ وہ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ حضرت لاہوری اپنے بے پناہ تقویٰ و للہیت کی بنا پر جمعیت کا آفتاب ماہتاب تھے تو مولانا ہزاروی قمر کی روشنی تقسیم کرنے والے محبوب قائد تھے۔ جو کارکنوں کے دل کی محبتیں سمیٹے ہوئے تھے۔ میں حضرت مفتی صاحب سے عرض کیا کرتا تھا کہ کارکن آپ کا احترام کرتے ہیں اور مولانا ہزاروی سے محبت کرتے ہیں۔ مفتی صاحب مرحوم میرے اس جملے سے بہت محظوظ ہوا کرتے تھے۔

آج مولانا ہزارویؒ اگرچہ ہم میں نہیں ہیں مگر ان کی سوچ اور فکر کے گہرے اثرات کارکنوں اور ملی رہنماؤں پر موجود ہیں۔ ان کی سیاسی بصیرت اور تجربات کا دلوں پر نقش ثابت ہے۔

؎ رفتید ولے نہ از دل ما !

سوال ۲:۔ مولانا ہزاروی مرحوم کی جمعیۃ علماء اسلام سے علیحدگی اور اس کے اسباب کیا تھے؟ کیا آپ نے اور مولانا عبدالحکیم صاحبؒ نے مولانا ہزارویؒ اپنے مفادات کے لیئے استعمال؟ مولانا ہزارویؒ کو مفتی محمودؒ اور جماعت سے آپ نے بدظن کیا اس میں کہاں تک صداقت ہے؟ یار لوگوں نے اس پر بہت سے افسانے تراشے تھے۔

**گفتنی و ناگفتنی** مولانا ہزاروی کی جمعیت علماء اسلام سے علیحدگی کسی ایک سبب کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کے مختلف اسباب اور وجوہات ہیں ان پر اگر سیر حاصل بحث کی جائے تو اس کے بعض گوشے تلخ اور بعض گوشے شیریں ہوں گے۔ شاید حالات کی سنگینی اور مزاجوں کا تلون ہونا تلخ حقائق سامنے آنے سے سیخ پا ہو جائے۔ اور شر پسند عناصر پھر سے حشرات الارض کی طرح کاٹنے پھریں۔ اس لیئے میں کوشش کروں گا کہ گفتنی واقعات کو صفحۂ قرطاس پر لاؤں گا اور تلخ حقائق کو مصلحتاً نظر انداز کروں گا۔ کیونکہ مجھے بھی اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ نازک آبگینوں کو خراش نہ ہی آئے تو مناسب ہو گا۔ ورنہ میں اس قدر تلخ حقائق جانتا ہوں کہ اگر انہیں بلا کم و کاست بیان کر دیا جائے تو ؎

صنم بھی کہے ہری ہری۔

اس وقت جس دور سے ہم گذر رہے ہیں۔ اس میں محبت کم اور نفرت زیادہ ہے۔ حسن ظن کم اور سوء ظن اور بدگمانی کے طوفان اٹھے ہوئے ہیں۔ اس لیئے قلم اور زبان

سچی بات کہتے اور لکھتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ مگر اس بات کا بھی شدت سے احساس رکھتا ہوں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ اس لیے حقائق اور صحیح واقعات کی کچھ نہ کچھ نشاندہی ہونا ضروری ہے۔ تاکہ مستقبل کا تجزیہ نگار جب ماضی کا تجزیہ کرے گا تو اسے کوئی رائے قائم کرنے میں مدد مل سکے اور وہ کسی نتیجہ پر پہنچ سکے۔

**جمعیۃ علماء اسلام ہزاروی گروپ** جمعیت علماء اسلام میں جن دو شخصیتوں کو امتیازی اور نمایاں مقام حاصل رہا۔ وہ مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا مفتی محمود تھے۔ پورے ملک میں جمعیۃ علماء اسلام انہی کی قیادت و سیادت میں کام کر رہی تھی جمعیۃ علماء اسلام نے جب ملک بھر میں جماعتِ اسلامی کی سیاست پر بھرپور حملہ کیا اور ان کی غیر دینی سیاست کو للکارا تو انہوں نے اپنی عیارانہ سیاست کے مطابق جمعیۃ علماء اسلام کا ایک مردہ گھوڑا اکھاڑ لیا۔ اور اسے مرکزی جمعیت علماء اسلام اور جمعیت علماء اسلام کو ہزاروی گروپ کے نام سے پریس اور عوامی پلیٹ فارم پر پکارنا شروع کیا دیا۔ جماعت اسلامی کے اس شوشے کے دو مقصد تھے۔ ایک مقصد مرکزی جمعیۃ علماء اسلام کے رہنماؤں کو اکسانا تھا کہ جمعیت علماء اسلام آپ کا سرمایہ ہے۔ اور یہی مولانا شبیر احمد عثمانی کی وراثت ہے۔ اسے سنبھالا دیجیے اور دوسرا مقصد عوام میں خواہ مخواہ کا یہ تاثر دینا تھا کہ جمعیۃ علماء اسلام نے جو مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے خلاف مہم شروع کر رکھی ہے اس میں مولانا درخواستی یا مفتی محمود کا ہاتھ نہیں ہے۔ بلکہ یہ صرف اور مولانا ہزاروی کی پیدا کردہ تحریک ہے۔ جماعت اسلامی اگرچہ اپنے مکروہ ارادے میں کامیاب نہ ہو سکی اور اپنی پالیسیوں کی وجہ سے عوام میں سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھی جانے لگی۔ مگر انہوں نے اس کوشش کو برابر جاری رکھا کہ کسی نہ کسی شکل میں جمعیت علماء اسلام میں رخنہ ڈالنے کی کوئی سبیل پیدا کی جائے۔

سنہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات ہوئے۔ جماعتِ اسلامی کو سخت شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اسمبلی میں جمعیت علماء اسلام کو معقول سیٹیں ملیں۔ اس طرح جمعیت علماء اسلام ایک پارلیمانی پارٹی بن گئی۔ مولانا ہزاروی نے جس دینی سیاست کی طرح ڈالی تھی۔ اس میں انہوں نے اپنے سے دست دیا اور عدم وسائل کے باوجود جمعیۃ علماء اسلام کا اپنوں اور بیگانوں سے لوہا منوا لیا۔ اور جمعیۃ علماء اسلام ملک کی ایک ایسی جماعت بن گئی۔ جیسے کسی اہم سے اہم مسئلے میں دوسری جماعتوں کے لیے نظر انداز کرنا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ جب پیپلز پارٹی یحییٰ خان نے اقتدار منتقل کیا اور صوبوں میں وزارتیں قائم کرنے کا مرحلہ پیش آیا تو مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے سرحد اور بلوچستان میں جمعیت علماء اسلام کی پارلیمانی قوت کو محسوس کرتے ہوئے جمعیت علماء اسلام کو مذاکرات کی دعوت دی۔ تاکہ باہمی افہام و تفہیم سے سرحد اور بلوچستان میں وزارتوں کو تشکیل دیا جا سکے۔ اس سے قبل نیشنل عوامی پارٹی کے رہنما ولی خان اور ان کے رفقاء کے ساتھ ایک سمجھوتہ طے پا چکا تھا۔ جس میں مولانا ہزاروی کی اولین شرط یہی تھی کہ چونکہ ہم جمعیت کے منشور کو آگے بڑھانا ہے۔ اور اسلامی قوانین و ضوابط کی بالادستی قائم کرنی ہے اس لیے مفتی محمود کو وزارت علیٰ کا قلمدان سونپا جانا ضروری ہے۔ اس معاہدہ کو مرکز اور صوبے میں طے کرا لیا گیا۔ جس کے نتیجے میں مولانا مفتی محمود سرحد کے وزیر اعلیٰ قرار پائے اور انہوں نے اپنے دورِ اقتدار میں اسلامی روایات کی بالادستی قائم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ جمعہ کی چھٹی، شراب پر پابندی، سینما اور کلب اور ناچ گانوں پر قدغن اور اس کی اسلامی اور دینی قدروں کو پامال کرنے والی حرکات کو ناپسندیدہ قرار دیتے ہوئے پابندی عائد کر دی گئی۔

جماعت اسلامی کو جمعیۃ علماء اسلام کی اس خالص اسلامی پالیسی نے اور بھی پریشان کر دیا۔ اس نے طرح طرح سے اپنے اخبارات و رسائل میں جمعیۃ علماء اسلام کو بدنام کرنا شروع کر دیا۔ جماعت اسلامی کے ساتھ ساتھ ملک کے لادینی نظریات کے حامل گروہ

اور جماعتیں بھی جمعیۃ علماء اسلام کے خلاف سرگرم عمل ہو گئیں ۔ اور جمعیۃ کو بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ۔

جماعت اسلامی کا زہریلا پروپیگنڈہ فضا کو مسموم کر کے جمعیت کی صفوں کو بددل کرنے کا اندر ہی اندر کام کرتا رہا ۔ حسد کی آگ ایسی بری اور مکروہ چیز ہے کہ اس میں اپنے مخالف فریق کی بھلائیوں پر نظر کم ہوتی ہے ۔ اور اس کی کمزوریوں کا پروپیگنڈہ زیادہ کیا جاتا ہے ۔

جماعت اسلامی نے پورے ملک میں اس مسئلے کو شد ومد سے اٹھایا کہ جمعیۃ علماء اسلام نے سرحد اور بلوچستان میں بے دین عناصر سے سیاسی سمجھوتا کر لیا ہے ۔ اس طرح ولی خان اور پیپلز پارٹی سے سمجھوتہ کر کے دینی اقدار کو نقصان پہنچایا ہے ۔ دیندار حلقے میں علماء کرام کے خلاف نفرت پیدا کرنے کی ہر مکروہ سازش کی ۔ حالانکہ جمعیۃ نے سرحد اور بلوچستان میں کارکنوں کے لیئے پلاٹ اور پرمٹ نہیں جاری کیئے تھے ۔ بلکہ اسلامی اقتدار کے فروغ کی ہی کوشش کی تھی ۔ مگر یہ اسلام چونکہ اچھرہ کے Through نہیں آرہا تھا ۔ اس لیئے جماعت اسلامی اس کو اسلام اور اسلامی قدریں ماننے کے لیئے تیار نہ ہوتی ۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر جمعیۃ کے بعض ناپختہ اذہان بھی اس پروپیگنڈہ کا شکار ہو گئے ۔ اور انہوں نے بھی دبی زبان سے جمعیت کے وزارت اعلیٰ کے رویہ پر تنقید کرنا شروع کر دیا ۔ جس کے نتیجے میں مولانا مفتی محمود اپنے ہی کارکنوں کے رویئے سے پریشان ہو گئے ۔

**اختلاف کا ایک سبب** نیشنل عوامی پارٹی سے جمعیۃ کا جو سمجھوتہ ہوا تھا ۔ اس نے بھی اپنے رویئے سے جمعیۃ علماء اسلام کے لیئے مشکلات پیدا کیں ۔ چونکہ نیپ تجربہ کار پرانی جماعت تھی ۔ ان کے وزراء نے حضرت مفتی صاحب کی شرافت طبعی سے خوب خوب فائدہ اٹھایا اور اپنے مفادات کے لیئے کھل کر کام کیا جمعیۃ کے حلقے اگر کسی مشکل کا شکار ہوتے تو ان کے لیئے کوئی دروازہ نہ تھا جو ان کے مسائل کو حل کر سکے ۔ لیکن نیپ کے لیئے تمام وزراء کے دروازے کھلے تھے اور ان کے کام دھڑا دھڑ ہو رہے تھے ۔ اس میں جس قدر غلط کام ہوتے ۔ وہ

حضرت مفتی صاحب کے سر تھوپ دیئے جاتے۔ اور اس طرح بھی جمعیت کی صفوں میں افراتفری اور انتشار پھیلنے لگا۔ مولانا ہزاروی چونکہ کارکنوں کے بہت زیادہ قریب تھے۔ اس لیے جماعتی افراد تمام شکایات ان کے پاس لے جاتے۔ اور وہ مفتی صاحب کو متوجہ فرماتے۔ لیکن حضرت مفتی صاحب یہ سب کچھ جاننے کے باوجود نیپ سے اختلاف ذکرتے۔ بلکہ اسے ٹال جاتے۔ اور جماعتی افراد کو سخت سست کہتے جس سے نیپ کے خلاف جمعیت علماء اسلام کی صفوں میں ذہنی فضا پیدا ہوگئی۔ مولانا ہزارویؒ کو نیپ کا یہ رویہ پسند نہیں تھا۔ انہیں نیپ سے جمعیۃ کے علماء و رفقاء عزیز تھے۔ لیکن مفتی صاحب بوجوہ نیپ کی حمایت کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے مولانا ہزارویؒ ذہناً نیپ کے خلاف ہوتے گئے اور مفتی صاحب کی نیپ دوستی کو ناپسند کرنے لگے۔

بلوچستان میں جمعیۃ اور نیپ کی مشترکہ وزارت تھی۔ اس میں نیپ نے جمعیت علماء اسلام کو جو وزارتیں سپرد کیں۔ وہ ایک دینی جماعت کے شایان شان نہیں تھیں۔ اس سے مولانا ہزاروی کو شدید اختلاف تھا اور وہ ہر وقت اپنی مجالس میں ان پر شدید تنقید کرتے تھے۔ اور مفتی صاحب کو بھی بار بار اس طرف متوجہ کیا کرتے تھے۔ ظاہر بات ہے کہ جب مولانا ہزاروی اور مفتی صاحب میں حکومتی امور پر تلخ بحثیں ہوتی تھیں تو اس میں فریقین کے دلوں میں کچھ نہ کچھ بگاڑ تو ضرور آتا ہوگا۔ جو بالآخر ایک شدید اختلاف کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ مولانا مفتی محمود اور نیپ کے لیڈروں کی پالیسیوں کی وجہ سے صوبوں کا مرکز سے اختلاف ہوگیا۔ حضرت مفتی صاحب نے ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف پنجاب اور سرحد کا دورہ کیا۔ تقریروں کا لہجہ سخت تھا۔ میں ان دنوں پنجاب جمعیۃ علماء اسلام کا جنرل سیکرٹری تھا۔ مجھے حضرت مفتی صاحب نے اپنے اس دورے میں بطورِ خاص ساتھ لیا۔ اور مجھے حکم دیا کہ مرکزی حکومت اور بھٹو کے خلاف سخت لہجے میں تقریریں کرنی ہیں۔ چنانچہ پنجاب کا دورہ ہوا۔ اس میں مفتی صاحب اور میں نے سخت تقریریں کیں۔ جن کی وجہ سے پیپلز پارٹی کی مرکزی حکومت بوکھلا گئی۔ اور

ڈیرہ اسمٰعیل خان میں بھٹو صاحب نے فون کر کے مفتی صاحب سے کہا کہ اس دورے کے نتائج اچھے نہیں ہوں گے۔ آپ خواہ مخواہ نیپ کے لیڈروں کی وجہ سے ہمارے ساتھ محاذ آرائی نہ کریں۔ ہم نیپ اور آپ کو الگ الگ زاویہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپ کے ساتھ ہمارے اختلافات نہیں ہیں۔ ہمیں اصل اختلاف نیپ کی قیادت اور ان کے وزراء سے ہے۔ اس لیئے آپ ہم سے خواہ مخواہ ناراضگی کا اظہار نہ کریں۔ مفتی صاحب نے بھٹو کو اس کے حسب منشاء جواب نہ دیا۔ مگر ڈیرہ اسمٰعیل خان کے بعد دورہ مختصر کر دیا۔ مجھے پنجاب واپس پہنچتے ہی مصطفےٰ کھر کے حکم سے گرفتار کر لیا گیا۔ اور مظفر گڑھ کے ایک قصبے کی تقریر کا بہانہ بنا کر مظفر گڑھ جیل میں بند کر دیا۔ مولانا ہزاروی مولانا مفتی محمود کی اس پالیسی سے زبردست اختلاف رکھتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ نیپ کا رویہ جمعیۃ کے ساتھ معاندانہ ہے۔ اس لیئے ہمیں اس کی وجہ سے کوئی لڑائی نہیں لڑنی چاہیئے۔ بلکہ اپنی دینی سیاست کو اور آگے بڑھانا چاہیئے۔ یہ کش مکش دن بدن بڑھتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ ایک دن مفتی صاحب نے وزارت اعلیٰ کے منصب سے استعفیٰ دے دیا۔ سیاسی حلقوں نے تو اس فیصلے کو سراہا۔ مگر مولانا ہزاروی نے حضرت مفتی صاحب کے اس فیصلے سے بدو وجہ اختلاف کیا۔

وجہ اوّل۔ مولانا ہزارویؒ کا کہنا تھا کہ استعفیٰ نیپ کی دوستی کی وجہ سے نہیں ہونا چاہیئے تھا کیونکہ نیپ نے سرحد میں وزارتوں کی چھتری تلے جمعیت علماء اسلام کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ جمعیۃ کی ساکھ کو خراب کیا ہے اور ہمارے وزراء کو برائے نام مکھے دے کر بطور مہرہ استعمال کیا ہے جس کی وجہ سے جمعیت کی شاندار روایات مجروح ہوئی ہیں۔

وجہ دوم۔ مولانا ہزارویؒ دوسری بات یہ کہتے تھے کہ مولانا مفتی محمودؒ غیر جماعتی وزیر اعلیٰ نہیں بلکہ ایک جماعت کے وزیر اعلیٰ اور ایم این اے ہیں۔ اس لیئے انہیں جو فیصلہ کرنا ہے وہ جماعت کی شوریٰ کرے گی۔ مولانا مفتی محمود نے جو وزارت سے استعفیٰ دیا ہے۔ وہ سراسر ان کا ذاتی فعل ہے۔ نہ تو مفتی صاحب نے شوریٰ سے قبل از وقت لی ہے۔ اور نہ ہی جماعت کے

زعما اور رہنماؤں کو اعتماد میں لیا۔ جس کی وجہ سے مولانا ہزاروی مولانا مفتی محمودؒ کی جماعت میں رہتے ہوئے ذاتی پالیسی اپنانے پر سخت رنجیدہ وخاطر ہوئے اور اس سے ان کے دلوں میں ایک گرہ بیٹھ گئی۔ اس طرح وہ ایک اور صدمے اور اختلاف سے دوچار ہو گئے۔ ذہنوں میں جو اختلاف نشوونما پا رہا تھا وہ اس قسم کے مسلسل واقعات سے اور شدید ہوتا چلا گیا۔ اس لیے میں نے عرض کیا تھا۔ اس لیے میں نے عرض کیا تھا کہ مولانا ہزاروی کا صرف ایک سبب نہیں بلکہ مختلف اسباب ہیں جنکا تذکرہ ہوگا تو تمام پہلو سامنے آسکیں گے۔

مولانا درخواستی صاحب جمعیۃ کے امیر اور مولانا مفتی محمود صاحب جمعیۃ علماء اسلام کے جنرل سیکرٹری تھے۔ حضرت مفتی صاحب جمعیۃ علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے ایم این اے منتخب ہوئے تو مولانا ہزاروی نے انہیں قائد جمعیۃ کا لقب عطا کیا۔ اور جب نیپ سے سمجھوتہ ہوا تو صوبہ سرحد میں وزیر اعلیٰ کے نام سامنے آئے تو جماعت میں ایک رائے یہ بھی تھی کہ حضرت مولانا غلام غوث صاحب کو چونکہ پرانے وسیع تجربات ہیں اس لیے ان کا اسم گرامی سرحد کے وزیر اعلیٰ کیلئے پیش کیا جائے۔ مگر مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے مولانا مفتی محمودؒ کا اسم گرامی وزارت اعلیٰ کے لیے خود پیش کرکے اس بحث کو ختم کر دیا۔ اور اس طرح مولانا ہزاروی کی تحریک پر ہی مولانا مفتی محمود سرحد کے وزیر اعلیٰ بنے۔

حضرت مفتی صاحب نے جب سرحد کی وزارت علیا کا قلمدان سنبھال لیا تو جمعیۃ علماء اسلام کی شوریٰ کا اجلاس ہوا اور اس میں متفقہ طور پر فیصلہ ہوا کہ چونکہ مولانا مفتی محمودؒ نے وزارت اعلیٰ کی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں اس لیے وہ جمعیۃ کے لیے اتنا وقت فارغ نہیں کر سکیں گے کہ جس سے جماعتی امور سرانجام پا سکیں اس لیے جماعت کی جنرل سیکرٹری شپ کا منصب حضرت مولانا ہزاروی کے سپرد کر دیا جائے۔ چنانچہ پوری شوریٰ نے متفقہ طور مولانا غلام غوث ہزاروی کو جمعیۃ علماء اسلام کا جنرل سیکرٹری منتخب کر لیا۔ اور مولانا ہزارویؒ نے اس منصب پر نہایت خوش اسلوبی سے جماعت کے کام کو آگے بڑھانا شروع کر دیا۔ اور تمام ملک کے کارکنوں اور

رہنماؤں نے اس فیصلے کو دل کی گہرائیوں سے قبول کیا۔

**اچانک فیصلہ بدل گیا** ابھی اس فیصلے کی سیاہی بھی نہیں خشک ہونے پائی تھی کہ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی نے اس فیصلے کو بدل کر پہلے فیصلے کا اعلان کر دیا کہ جمعیت علماء اسلام کے جنرل سیکرٹری مولانا مفتی محمود ہی رہیں گے۔ وہ بدستور اپنے وزارت اعلیٰ کے فرائض کے ساتھ ساتھ جمعیت علماء اسلام کے جنرل سیکرٹری شپ کی ذمہ داریاں سنبھالے رکھیں گے۔ اس اعلان کو پورے ملک میں حیرانگی اور تعجب کی نظر سے دیکھا گیا اور اسپر کارکنوں نے اظہار ناراضگی بھی کیا۔ اور اسے ناموزوں اور نامناسب فیصلہ قرار دیا گیا۔ مگر جب اس کی اطلاع مولانا ہزاروی کو ہوئی تو انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے مولانا درخواستی اور ان کے چند رفقاء کے اس غیر اصولی اور غیر سیاسی فیصلے کو قبول فرمالیا۔

**مولانا ہزاروی کا اخلاص** مولانا ہزاروی کے اخلاق اور بلند نظر ہونے کا اس سے بہتر اور کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے اس فیصلے کو بھی ہنسی خوشی قبول کر لیا۔ حالانکہ مولانا ہزاروی پوری جماعت کی نظر میں صف اوّل کے رہنما ہی نہیں۔ بلکہ جمعیت کے بانیوں میں سے تھے اور حضرت مفتی صاحب کو جمعیت میں لانے والے اور جمعیت کی قیادت پر اور تواضع کا ثبوت دیا کہ اس کی مثال خال خال ہی ملتی ہے۔ اگرچہ مولانا ہزاروی کی خاموشی نے جماعت میں کوئی طوفان تو کھڑا نہیں ہونے دیا۔ مگر جمعیت کے تمام چھوٹے اور بڑے حلقوں میں تجسس اور تحقیق شروع ہو گئی کہ ایسا کیوں ہوا ہے اور حضرت ہزاروی کے ساتھ یہ غیر اصولی اور بے ضابطگیاں کیوں کی گئیں۔ اس کے مختلف جواب ڈھونڈ نکالے گئے۔ مگر میرے نزدیک وہ سب ناگفتنی کے زمرے میں آتے ہیں۔ خود میرے سامنے جو تلخ حقائق آئے سچی بات ہے کہ طبیعت افسردہ ہو گئی۔ اور جسم کانپ گیا۔ یا اللہ ایسا بھی ہو سکتا ہے اور پھر علماء کی صفوں میں۔

یہ مولانا ہزاروی کا ہی جگر گردہ تھا کہ وہ اس کو پی گئے۔ ایک بلند فطرت اور باحوصلہ

دینی رہنما سے ایسی توقع ہی کی جا سکتی ہے۔ اور مولانا ہزاروی ؒ نے ایسا کر دکھایا کہ جن کی عظمت خدا داد ہو، ان کو اس قسم کے حادثات نظریاتی منزل پر پہنچنے سے نہیں روک سکتے۔

## سوال یہ ہے کہ :۔

جمعیت کے ہر کارکن اور ہر بہی خواہ کا آج تک جمعیت کی قیادت سے یہ سوال رہا ہے کہ اس طرح بے اصولی اور بے ضابطگی اور غیر اخلاقی طریق سے مولانا ہزاروی کو جمعیۃ علماء اسلام کی جنرل سیکرٹری شپ سے صرف چند دنوں بعد علیحدہ کیوں کیا گیا؟

- کیا یہ فیصلہ کرنے کے لیے مجلس شوریٰ کا اجلاس بلایا گیا؟
- کیا یہ فیصلہ کرتے وقت مجلس عاملہ کو اعتماد میں لیا گیا؟
- کیا یہ فیصلہ کرتے وقت جنرل کونسل کو اعتماد میں لینا ضروری سمجھا گیا۔ اگر نہیں تو کیوں؟
- کیا مولانا ہزاروی کو اس طرح غیر قانونی اور غیر اخلاقی طور پر جنرل سیکرٹری شپ سے علیحدہ کرنا جماعت کے لیے مفید

اس کا جواب آج بھی مولانا درخواستی اور مولانا مفتی محمود اور جماعت کے ذمہ دار حضرات کے ذمہ واجب ہے۔

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

یہ واقعہ اس قدر شدید اور نامناسب تھا کہ اگر مولانا ہزاروی اسی کی بیش نظر جماعت سے الگ ہو جاتے اور احتجاجاً اس واقعہ کو اپنے خلاف زیادتی قرار دیتے ہوئے جماعت کے خلاف محاذ قائم کر لیتے تو ان کے لیے وجہ جواز فراہم کرتا تھا۔ مگر صد آفرین ہے مولانا ہزاروی کی ذات گرامی کے کہ انہوں نے سمندر کی طرح اسے بھی ہضم کر لیا۔ اور خاموشی سے جمعیت کے عظیم رہنما ہونے کے باوجود ایک کارکن کی حیثیت سے رہنا پسند کیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

جماعتِ اسلامی کی مسلسل سازشیں، ایپی لابی کے چند نوجوانوں کو جمعیت طلباء اسلام میں شامل کرانا اور پھر ان سے مولانا ہزارویؒ کی جماعت کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا اور اس کے حواریوں کا مولانا مفتی محمودؒ کے گرد گھیرا ڈالنا اور مفتی صاحب کو مولانا ہزارویؒ کے خلاف مشتعل کرتے رہنا، ہزارہ اور پختونستان کے حوالے سے اختلافات کو وسیع کرنا وغیرہ یہ ایسے گوشے ہیں کہ ان پر سنجیدگی سے غور کیا جائیگا تو بہت سے سربستہ راز کھل کر سامنے آجائیں گے۔ اور مولانا ہزارویؒ کی مظلوم شخصیت سے گرد و غبار کے تمام بادل چھٹ جائیں گے اور ہر درد مند کو حقیقتِ حال سے آگاہی ہو جائے گی۔

**اختلافات کھل کر سامنے آگئے** حضرت مولانا مفتی محمود نے جب سرحد کی وزارتِ اعلیٰ سے استعفا دے دیا اور وزارتیں ٹوٹ گئیں تو پھر اس پر غور کرنے کے لئے لاہور میں اجلاس بلایا گیا کہ اب کیا ہونا چاہیئے۔ حالانکہ یہ اجلاس مفتی صاحب کے استعفیٰ سے پہلے ہونا چاہیئے تھا۔ اور شوریٰ کے فیصلے کے مطابق مفتی صاحب کو عمل کرنا چاہیئے تھا۔ جماعتی زندگی اسی کو کہتے ہیں۔ جماعتوں کے رہنما ذاتی فیصلے جماعتوں کو نہیں منواتے بلکہ جماعت کے فیصلے ذات پر لاگو کرلیتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب کو ہمیشہ عادت ہوتی تھی کہ ایک فیصلے کو خود کر کے آتے تھے اور اسے جماعت سے منوایا کرتے تھے۔ ہماری دینی جماعتوں میں بھی تنقید سے زیادہ تقلید کی رسم رہی ہے۔ ایک بزرگ نے فیصلہ کر لیا تو تمام جماعت اس کی توثیق کر دیتی ہے اور کسی رکن کو بڑے رہنما اور بڑی شخصیت سے اختلاف کرنا سوئے ادب قرار دیا جاتا تھا اس لئے کوئی چھوٹا کسی بڑے کی رائے سے اختلاف نہیں کرتا تھا کہ بزرگوں کا گستاخ قرار دے دیا جاؤں اور جرم کی پاداش میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بزرگوں کی نگاہِ التفات سے محروم ہی نہ ہو جاؤں۔ یہ عمل ہمیشہ جاری و ساری رہا۔ اگرچہ خلافِ ضابطہ، خلافِ نظم اصولوں سے بھی ہوتی اور سراسر جماعتی پالیسی کے خلاف ہی کسی بزرگ نے قدم اٹھالیا ہو مگر

اس کو خاموشی سے پی جانا اور اس پر چپ رہنا سعادت سمجھا جاتا رہا ہے۔ یہی وجہ تھی
کہ لاہور کے اجلاس میں ہر کوئی اس صورتحال سے پریشان تھا مگر قوت گویائی کسی میں
نہیں تھی کہ کھل کر اس میں بات کر سکے۔ لاہور کے اجلاس میں شرکت کے لیے جماعتی رہنما
ایک دن پہلے لاہور پہنچ گئے تھے۔ اس اجلاس کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ گئی تھی کہ جمعیت کی
صفوں میں دو قسم کی رائے پائی جا رہی تھی۔ ایک رائے تو تھی کہ مفتی صاحب نے وزارت
سے استعفیٰ دے کر اچھا کیا ہے۔ اور دوسری رائے تھی کہ وزارت سے استعفیٰ اچھا
ہو یا برا مگر طریق کار وہ ہونا چاہیئے تھا جو جمعیت علماء اسلام کی شوریٰ طے کرتی۔ اور
جماعتی فیصلہ جو ہوتا مفتی صاحب کو وہی کرنا چاہیئے تھا چونکہ یہ استعفیٰ عوامی نیشنل پارٹی
کی ایماء پر دیا گیا ہے۔ اس لیے اس پر بحث ہونی چاہیئے کہ جمعیت علماء اسلام نیپ کی
دم چھلا نہیں ہے بلکہ اس کی اپنی ایک الگ اور امتیازی حیثیت ہے۔ اور ساتھ ہی نیپ
کے ساتھ سابقہ سمجھوتے کو بھی منسوخ کر دینا چاہیئے تاکہ نیپ کے غیر پسندیدہ رویے
سے نجات حاصل کی جا سکے۔ ایک حلقہ جو مفتی صاحب کی ہاں میں ہاں ملانا اپنا فرض منصبی
سمجھتا تھا۔ اس کی رائے یہ تھی کہ آئندہ مختلف الخیال سیاسی جماعتوں کا متحدہ محاذ بنایا جائے۔
جس میں جماعت اسلامی بھی شامل ہو۔ غرضیکہ اس قسم کے ماحول میں لاہور کا اجلاس ہو رہا تھا۔
اور اس میں شوریٰ کا ہر رکن دلچسپی لے رہا تھا۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی
جمعیت علماء اسلام کے اس اجلاس کی صدارت کیلئے لاہور تشریف لائے ہوئے تھے۔ انہیں کسی
طرح کارکنوں سے میرے متعلق معلوم ہو گیا کہ اسے مستقبل میں نیپ کے ساتھ چلنا قائم
رکھنے میں اختلاف ہے۔ اور وہ کسی ایسے متحدہ محاذ میں بھی شمولیت کا قائل نہیں ہے۔ جس میں
جماعت اسلامی بھی شریک ہو۔ چنانچہ حضرت درخواستی نے مجھے اپنے ہاں بلایا۔ دعا جی دستگیر کی
کوٹھی پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ اہیں جب مولانا درخواستی کی خدمت میں حاضر ہوا تو مولانا
درخواستی نے فرمایا کہ تمہارا موقف کیا ہے؟ میں نے صاف عرض کیا کہ حضرت مفتی صاحب

جو استعفیٰ دے چکے ہیں اگرچہ وہ جماعتی اصولوں کے خلاف ہے۔ کیونکہ انہوں نے استعفیٰ دینے سے پہلے جماعت سے مشورہ نہیں کیا۔ بلکہ اس پر بحث وتمحیص فضول ہے۔ کیونکہ ایک تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اس پر تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ مگر اب نیپ سے معاہدہ برقرار رکھنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نیپ نے ہمارے ساتھ دورِ وزارت میں نہایت ہی جانبدارانہ بلکہ معاندانہ رویہ رکھا ہے۔ اس لیے میرے خیال میں نیپ سے معاہدہ ختم کر دینا چاہیئے اور ساتھ ہی کسی ایسے متحدہ محاذ میں شرکت نہیں کرنی چاہیئے۔ جس میں جماعت اسلامی شریک ہو۔ ہم نے جماعت اسلامی کے ساتھ ایک طویل جنگ لڑی ہے۔ جس کے نتیجے میں جماعت اسلامی خاصی پسپا ہوئی۔ اب اگر اس کے ساتھ ہم دوبارہ ایک ہی میز پر بیٹھ گئے تو ہماری تمام محنت برباد ہو جائے گی۔ اور عوام وخواص میں ہمارے موقف کو بے وزن قرار دے دیا جائے گا۔

مولانا درخواستی نے فرمایا کہ میرا اور دیگر رفقا کا بھی یہی موقف ہے۔ لیکن مفتی صاحب کے سامنے اس کو پیش کرنے سے ہر کوئی ہچکچاہٹ محسوس کر رہا ہے۔ آپ مجلس شوریٰ میں اپنے اس موقف کو پیش کریں ہم آپ کی تائید کریں گے۔ میرے ساتھ مولانا درخواستی نے جب تائید کا وعدہ فرمایا تو مجھے ہمت ہو گئی۔ اور یوں بھی مجھے حضرت مفتی صاحب کے ساتھ عقیدت ومحبت کے ساتھ خاصی بے تکلفی بھی تھی۔ کیونکہ ۱۹۵۶ء میں دورۂ حدیث میں نے قاسم العلوم ملتان میں پڑھا تھا۔ حضرت مفتی صاحب میرے مسلم شریف کے استاد تھے۔ اور پھر ۱۹۵۷ء سے وزارتِ سرحد تک احترام کے ساتھ بہت بے تکلفی تھی۔ اس لیئے میں نے مولانا درخواستی صاحب سے عرض کیا کہ یہ تو معمولی بات ہے۔ میں جمعیت علما اسلام پنجاب کا جنرل سیکرٹری بھی ہوں۔ اس لیئے اپنی رائے کے استعمال کا بھی پورا پورا حق حاصل ہے۔ میں شوریٰ کے اجلاس میں اپنی اس رائے کا ضرور اظہار کروں گا۔ اور آپ تائید فرمائیں گے تو میری رائے میں اور وزن پیدا ہو جائے گا۔

**میرا نعرۂ قلندرانہ اور مولانا درخواستی کی خاموشی** جمعیت کے اجلاس لاہور میں میں نے نہایت باوقار انداز سے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ اس پر ایک سناٹا طاری ہو گیا۔ مفتی صاحب نے مجھے ڈانٹا کہ تم کیا کر رہے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ ادب کے ساتھ میں جماعت کی شوریٰ میں اپنی رائے کا اظہار کر رہا ہوں۔ اس پر مفتی صاحب اور غصے میں آکر فرمانے لگے کہ بیٹھ جاؤ۔ پورے اجلاس میں افراتفری اور انتشار پیدا ہو گیا۔ اس عالم میں مولانا درخواستی نے وہی وعظ کہنا شروع کر دیا۔ جو ان کا خاص انداز ہے۔ مگر موضوع پر کوئی بحث نہ فرمائی اور نہ ہی میری تائید فرمائی۔

حضرت درخواستی کے وعظ کے بعد مختلف باتیں ہوتی رہیں۔ مگر اس موضوع کو نظر انداز کر دیا گیا۔ اس اجلاس کے بعد مفتی صاحب نے مجھ سے رخ پھیر لیا۔ اور میری اس گذارش کو جسارت سمجھا گیا۔ اور دل ہی دل میں غالباً مجھے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

**فوری انتقام** اگرچہ یہ تلخ حقیقت ہے لیکن اس کا تاریخ کے صفحات پر موجود ہونا ضروری ہے۔ تاکہ جو دوست بدگمانی پھیلانے اور حسد و عناد کی آگ میں جل بھن کر میرے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں میرے خلاف دن رات مہم چلانے لگ گئے تھے تاکہ انہیں معلوم ہو سکے کہ آپ نے جس کام کو نیکی سمجھ کر کیا تھا اور میرے خلاف ایک جھوٹی اور بے بنیاد مہم چلائی تھی اس کا الحمدللہ مجھے تو کوئی نقصان نہیں ہوا۔ لیکن قیامت کے دن آپ کے حصے کی نیکیاں میرے حصے میں ضرور آئیں گی۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کو یہ قرض چکانا ہی پڑے گا۔ اور انشاء اللہ شرمندگی اور خجالت کے سوا ان لوگوں کو کچھ حاصل نہیں ہو سکے گا۔ حضرت مفتی صاحب نے پنجاب میں متحدہ محاذ کے قیام کے سلسلے میں ہی مولانا عبیداللہ انور رحمۃ اللہ علیہ جو اس وقت جمعیت پنجاب کے امیر تھے۔ ان سے کوئی مشورہ کیا۔ حالانکہ میں جمعیت علماء پنجاب کا جنرل سیکرٹری تھا۔ اچانک قاضی سلیم صاحب ایڈووکیٹ کو

فون پر ہمیں نام لکھا دیئے کہ جمعیت کے یہ ارکان محاذ کی میٹنگ میں جائیں اور جمعیت علماء اسلام کی نمائندگی کریں۔ اخبارات میں جب میں نے اس فیصلہ کو پڑھا تو میں نے فون پر قاضی سلیم صاحب سے فون پر پوچھا کہ یہ اعلان میری اور عبیداللہ انور کی رائے لیے بغیر کیوں کیا گیا ہے۔ تو اس پر انہوں نے کہا کہ یہ مفتی صاحب کا حکم ہے۔ اور انہوں نے فرمایا ہے کہ ضیاء القاسمی سے مشورہ یا رائے لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جس طرح میں کہتا ہوں اسی طرح کیا جائے۔ قاضی صاحب نے ڈرتے ڈرتے مفتی صاحب سے کہا بھی کہ ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ اس سے بدمزگی ہوگی مگر مفتی صاحب نے جمعیت کے اجلاس میں میری اظہار رائے کو اپنے سے بغاوت سمجھا اور اس پر مجھے ناپسندیدہ قرار دے کر بجائے جمعیت کے امور بھی اپنے ہاتھ میں لے لیے۔

**میرا صرف یہی قصور تھا**

اب جبکہ وقت گذر چکا ہے۔ تاریخ اپنے دائرے بنا رہی ہے۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان واقعات کو تاریخ کے صفحات پر منتقل کر دیا جائے۔ جن سے ہر فرد حقائق معلوم کر سکے اور تجزیہ کرتے ہوئے صرف ایک پہلو سامنے نہ رکھے۔ بلکہ تصویر کا دوسرا رخ بھی اس کے سامنے ہو تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی اس کے سامنے آسکے۔

- میرا قصور یہ تھا کہ میں نے نہایت ادب واحترام سے حضرت مفتی صاحب سے کھل کر بھری بزم میں اختلاف کیا اور یہ ان کیلئے کسی قیمت پر گوارا نہیں تھا۔
- میرا قصور یہ تھا کہ نیشنل عوامی پارٹی کی اسلام دشمن اور جمعیت دشمن سرگرمیوں کو آشکارا کیا۔
- میرا قصور یہ تھا کہ میں نے جماعت اسلامی کے ساتھ اتحاد اور اشتراک کو اسلاف کے مسلک سے انحراف قرار دیا۔

مجھے اسی جرم کی سزا دی گئی۔ میری کسی قربانی کی قدر نہ کی گئی میں نے ملک بھر میں ان

رات ایک کر کے جمعیت علماء اسلام پنجاب کو جو جوبن عطا کیا تھا۔ اس پل بھر میں فراموش کر
دیا گیا۔ اور مفتی صاحب قبلہ نے فرمان شاہی جاری فرما دیا کہ ضیاء القاسمی کو تین سال کیلئے
جمعیت علماء اسلام سے خارج کر دیا گیا اور اس کی بنیادی رکنیت خارج کر دی گئی۔ اس
فرمان شاہی کو اخبارات میں شائع کر دیا گیا۔ اس بیان میں مولانا درخواستی اور حضرت مولانا
عبید اللہ انورؒ کے اسمائے گرامی بھی تھے۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ ایک جماعت کا ذمہ دار
فرد جماعت کے اجلاس میں بند کمرے میں جنرل کونسل کے سامنے اپنے اختلاف رائے
رکھتا ہے اسے صرف اس بناء پر جماعت سے خارج کر دیا جائے اور اس کی رائے
کو جماعت یا شخصیت سے بغاوت سمجھا جائے۔ اور کسی اصول یا ضابطے کو خاطر میں نہ لایا
جائے۔

غیر علماء کی جماعتوں میں تو سب کچھ ہوتا تھا۔ مگر علماء کرام اور وارثین انبیاء کا یہ فیصلہ
میں نے پہلی دفعہ سنا اور دیکھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میرے اخراج کی خبر کو پورے ملک میں حیرت اور تعجب سے پڑھا اور سنا گیا۔ پورے
ملک کے احباب کو صدمہ ہوا۔ جماعت کی اکثریت نے اس فیصلے کو میرے ساتھ زیادتی
قرار دیا۔ لیکن یہ جرأت کسی کو نہ ہوئی کہ حضرت مفتی صاحب کو ان کے غیر صائب فیصلے پر
ٹوک سکے۔ اور انہیں اس فیصلے کو واپس لینے پر مجبور کرے۔ مجھ سے ہمدردی بھی کرتے
تھے اور ساتھ ہی آہستہ سے یہ بھی کہتے تھے کہ آپ کو بھری محفل میں مفتی صاحب سے
اختلاف نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ مفتی صاحب نے آپ کے اس اظہار رائے کو پسند
نہیں کیا۔ بلکہ اپنے خلاف بغاوت سمجھا۔ اب آپ چھوٹے ہیں مفتی صاحب سے معافی
مانگ لیں۔ اور ان کو راضی کر لیں۔ معاملہ رفع دفع ہو جائے گا۔ میں جب ان دوستوں
کو اپنا موقف بیان کرتا تو ہر شخص کہتا کہ موقف تو آپ کا درست ہے۔ مگر مفتی صاحب
بڑے ہیں۔ آپ انہیں راضی کریں۔ مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ چھوٹا ہو کر اپنی رائے رکھنا جرم

ایک جرم ہے، گستاخی ہے اور ایسا شخص بزرگوں کا گستاخ کہلاتا ہے جو بزرگوں کے ساتھ صرف ادب کے دائرے میں اختلاف رکھے۔ مجھے تو آج تک یہی معلومات تھیں۔ قرونِ اولیٰ میں چھوٹوں کی بڑوں سے علمی یا رائے کے اختلافات رہے ہیں۔ جنگِ جمل اور صفین شاہد ہیں۔ سراج الائمہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے لائق اور ممتاز تلامذہ نے حضرت الامام سے اختلاف کیا ہے۔ امت کے ہزاروں مشاہد ہیں۔ جنہیں ایک دوسرے سے رائے کا اختلاف ہوا۔ خود علماء دیوبند میں چھوٹوں کا بڑوں سے علمی اختلاف دیکھنے، سننے اور پڑھنے میں آیا۔ لیکن کسی نے آج تک ان باہمی اصولی یا فروعی اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کو گردن زدنی کے قابل قرار نہیں دیا۔ یہ میرے لیے آج نہایت ہی افسوسناک لمحہ تھا کہ مجھے صرف جماعت کے اجلاس میں اختلافِ رائے کا اظہار کرنے کے جرم میں بیچ چوراہے کے ذبح کر دیا گیا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

**فردِ جرم لگا دی گئی** جب میں نے دوستوں کے جواب میں اپنے موقف کو مضبوطی سے بیان کیا تو حاسدین نے یا نکتہ پیدا کیا کہ ضیا القاسمی حنیف شاہ اور مصطفےٰ کھر کے ہاتھوں بک گیا ہے۔ کس بات پر بکا اور کیا قیمت کیا وصول کی۔ کہاں کہاں ملوں کے لائسنس یا روٹ پرمٹ یا زمین حاصل کی۔ اس کے لیے کوئی دستاویزی ثبوت؟ ثبوت کیسا؟ اہلِ علم جب کسی پر الزام روا رکھتے ہیں اس کے لیے ثبوت تھوڑا ہی فراہم کرتے ہیں۔ وہ خود جو فرما دیں وہی ثبوت ہوتا ہے۔ ان کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ صحیفۂ آسمانی ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ۔ کہاں کا ثبوت، کہاں کی دیانت داری اور کہاں کی صداقت، کہاں کا خوفِ خدا۔ بس ایک رٹ ہے کہ بک گیا ہے۔ بکا ڈال ہے۔ خوب لذیذ گوشت چٹکے لے لے کر کھایا گیا۔ اس طرح حاسدین کی آتشِ حسد ٹھنڈی ہوتی تھی۔ اور ان بے حیاؤں کے لیے مفتی صاحب کے قریب بیٹھنے کی جگہ بنتی تھی۔ اور انہی قربِ شاہی میسر آتا تھا اب تو آرام سے گذرتی ہے۔ عاقبت کی خبر خدا جانے۔

**ذرا جمعیۃ کا حساب چیک کرلیں** جمعیت علماء اسلام رنگ محل کے دفتر میں جمعیۃ علماء اسلام کے حساب کتاب کے رجسٹر پڑے ہوئے ہوں گے۔ میرے دور کا حساب چیک کر لیجیے۔ اب بھی ایک پیسہ جماعت کا میرے ذمہ ہو تو میں اس کو ایک ایک کر کے ادا کروں گا۔ اگر جماعت کے ذمہ میرے پیسے ہوں تو جماعت کا فرض ہے کہ وہ مجھے ادا کرے۔ الحمد للہ اب تک دین کے نام پر ایک پیسہ جماعتوں کا، افراد کا کھانا اپنے لیے حرام سمجھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھ پر آج تک کسی ادارے یا کسی جماعت نے فنڈز خورد برد کرنے کا الزام نہیں لگایا۔ اگر جرأت ہوتی تو مجھ پر جمعیت علماء اسلام کے فنڈز میں خرد برد کا الزام لگا کر بدنام کرتے۔ جس شخص نے جمعیت علماء اسلام کے ساتھ فنڈز کی وجہ کوئی بد دیانتی نہیں کی اس کو الزام دیا کہ حنیف رامے اور مصطفےٰ کے ہاتھوں بک گیا۔ یہ ایک شرمناک الزام تھا جسے میں داورِ محشر کے حضور پیش کروں گا۔ انشاء اللہ میرا دامن صاف ہوگا۔ اور حسد و عناد کے مارے ہوئے حاسدین کے گلے کا کانٹا بن جائے گا۔ حنیف رامے اور مصطفےٰ کھر آج بھی زندہ ہیں۔ جمعیۃ کے بعض رہنما ان سے ملتے بھی رہتے ہیں۔ ذرا آج ہی ان سے فیصلہ کرالیں۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟ حضرت مفتی صاحب میرے اعلیٰ رہے۔ وہ میرے قائد بھی تھے، شیخ بھی تھے اور دوست بھی۔ میں ان کے لیے وقت کے فرعونوں اور جابروں سے لڑا تھا... میں نے ان پر اپنی جوانی کا عروج قربان کیا۔ کیا ریکارڈ بتا سکتا ہے کہ میں نے ان سے کوئی دنیاوی مفاد لیتے لیے ہوں۔ کتنے چہرے ہیں اگر میں ان کو بے نقاب کروں تو جہنم بھی کرے ہری ہری۔ مگر لا دیجئے تو کوئی ایک واقعہ بھی جس میں مجھ پر فائدہ اٹھانے کا ثبوت ہو۔ بلکہ حضرت مفتی صاحب نے ایک مرتبہ ایک اجلاس میں تقریر فرماتے ہوئے کہا کہ اگر میں کسی کو مفادات پہنچاتا تو وہ ضیاء القاسمی ہوتا۔ جب میں نے اس کو کچھ نہیں دیا تو اور کسی کو کیسے لائسنس، روٹ اور ملیں دے سکتا ہوں۔ اگر میں چاہتا تو حضرت مفتی صاحب کا نام ان کے دورِ اقتدار میں

بیچا۔ ان کے نام پر لاکھوں بناتا۔ اب جبکہ مفتی صاحب وزارت اعلیٰ سے مستعفی ہو چکے تھے۔ اب کیا سودے بازی ہو سکتی تھی۔ اب ان کے نام پر بھٹو اور اس کے رفقاء سے کیا سودہ ہو سکتا تھا۔ ہاں، سیاسی اختلافات کی وجہ سے دوستی ختم نہیں کی جا سکتی۔ حنیف رامے ہوں یا مولانا کوثر نیازی، مصطفےٰ کھر ہوں یا مولانا احسان الٰہی ظہیر، نواب زادہ نصر اللہ خان ہوں یا اقبال احمد خان۔ ان سے سیاسی اختلافات کے باوجود ملنا جلنا، دوستی اور علیک سلیک رکھنا نہ ہی شریعت نے ممنوع قرار دیا تھا اور نہ جماعت نے اس عصبیت کی تعلیم دی تھی۔ حضرت مفتی صاحب سیاسی اختلاف کے باوجود ان سب سے ملتے تھے اور کبھی ان کے اسلام اور کردار پر کوئی حرف نہیں آیا۔ ان دوستیوں کو حاسدین نے اپنا رنگ دیا۔ اپنا روپ دیا۔ جو منہ میں آیا وہ بکتے رہے۔ نہ خدا کا خوف نہ ہی حشر کی رسوائی کا ڈر۔ ان دنوں جناب حنیف رامے صاحب سے ایسی ہی ایک اتفاقیہ ملاقات کو سودے بازی کا رنگ دے کر زمین و آسمان کا کوئی الزام اور دشنام ایسی نہیں جو میرے ساتھ وابستہ نہ کی گئی ہو۔

میں نے زندگی بھر اپنے خلاف لگائے گئے ذاتی الزامات کی کبھی صفائی نہیں دی۔ نہ ہی میں نے اس کو ضروری سمجھا۔ حاسدین وقت گذرنے کے ساتھ اپنے ہی غیظ و غضب میں جل بھن کر رہ گئے۔ الحمد للہ نہ کبھی حسد کرتا ہوں اور نہ ہی اس موذی مرض کو قریب پھٹکنے دیا۔ اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم ہے کہ اس نے اس مرض سے میری حفاظت فرمائی۔ مجھے یہ وسیع تجربہ ہوا کہ اگر حسد اور عناد کو خاطر میں نہ لایا جائے اور معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے تو خداوند قدوس دنیا میں ہی حاسدین کا منہ کالا کر دیتے ہیں۔ میں گناہ گار ہوں اور اپنا دامن ہمیشہ خداوند قدوس کے دربار عفو و درگذر میں پھیلائے رکھتا ہوں۔ وہ اپنی بندہ نوازی سے مجھے اس قدر سرفراز فرماتے ہیں کہ میرے جسم کا انگ انگ اس کا شکر گذار ہے۔ انہی حاسدین نے جماعت کی قیادت میں کانا پھوسی کی۔ میرا بھرے اجلاس میں اختلاف کرنا ان کے لیئے ایک زبردست گستاخی بن گیا۔ بس پھر کیا تھا نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ جمعیت کے بزرگوں نے بیک بینی و دو گوش جماعت سے نکال باہر پھینکا۔ اسی طرح اپنی نظر میں ان تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا جو کسی وقت بھی قیادت کے لیے سنگ گراں بن سکتی تھیں

**مولانا ہزاروی کا نعرۂ قلندرانہ** مولانا درخواستی اور مولانا مفتی محمود نے بغیر شوریٰ کے پوچھے اور صفائی کا موقع دیئے کسی پیشگی نوٹس کے جو جماعتی ضابطے کے اعتبار سے ضروری ہوا کرتا ہے۔ مجھے جماعت سے خارج کر دیا۔ اور اس طرح اپنے ذہن میں جماعت میں اس فضا کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی جو نیپ اور جماعت اسلامی کے ساتھ جدید تعلقات قائم کرنے کے سلسلے میں پیدا ہو چکے تھے۔ مگر حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی اس تمام کارروائی کو خلاف ضابطہ، غیر آئینی اور غیر اخلاقی سمجھتے تھے۔ انہوں نے فوراً اخبارات کو پریس نوٹ جاری کر دیا کہ مولانا ضیاء القاسمی باقاعدہ جمعیت علماء اسلام پنجاب کے جنرل سیکرٹری ہیں۔ اور وہ بدستور اپنے فرائض کو انجام دیتے رہیں گے۔ مولانا درخواستی اور مولانا مفتی محمود کا فیصلہ درست نہیں۔ مولانا ہزاروی کے اس پریس نوٹ کو ملک کے تمام قومی اخبارات نے جلی سرخیوں سے شائع کیا۔ جس سے ملک بھر میں ایک کہرام برپا ہو گیا۔ ملک کے وہ تمام حلقے جو جمعیت علماء اسلام کے ساتھ وابستہ تھے۔ وہ اس سلسلے میں پریشانی اور تذبذب کا شکار مجھے اس سے بحث نہیں کہ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی کے اس فیصلے کو جمعیت نے کیوں تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کو سبوتاژ کرنے کے لیے ہزاروں داؤ اور حربے استعمال کیئے مگر مجھے اس بات کی خوشی اور فخر ضرور ہزار درجے ہے کہ جمعیت علماء اسلام کے بانی، قائد اور شب زندہ دار درویش ہزاروی نے میری توثیق فرما کر ان تمام الزامات و افتراء پردازیوں کا بیج چوراہے کے بھانڈہ پھوڑ دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے تقدس انعام سے نوازا۔ اور میں خداوند قدوس کے حضور سجدۂ شکر بجا لایا۔ مولانا ہزاروی صاحب کے اس اعلان سے بھی مولانا مفتی صاحب بیحد برافروختہ ہوئے۔ لیکن چند دنوں، تیروں اور گولہ بارود تمام رخ میری بجائے مولانا غلام غوث ہزاروی کی طرف ہو گیا۔ اور جمعیت علماء اسلام کے حلقوں نے آخر وہ منحوس گھڑی بھی دیکھ لی جب جمعیت کی طرف سے حضرت مفتی اور ان کے رفقاء نے مولانا ہزاروی کو بھی جمعیت علماء اسلام سے خارج کر دیا۔ گویا کہ جمعیت کے بانی قائد مخلص اور جہاد حریت کے سپہ سالار حضرت مولانا ہزاروی کو ان کے خلوص و اصابت رائے کی سزا دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے خلوص و ایثار کو زندہ دفن کرنے کی ناکام کوشش

کی جس ہزاروی نے مولانا درخواستی صاحب کو امیر اور مولانا مفتی محمود کو مرجع عوام و خواص بنایا تھا
وہی ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوئے۔

**توپوں کے منہ کھل گئے** ترجمان اسلام جو جمعیت علماء اسلام کا سرکاری ترجمان تھا۔ اس نے حضرت
مولانا غلام غوث ہزاروی کے خلاف گالی گلوچ، سب و شتم، الزامات والقابات کی وہ غلیظ مہم شروع
کی اس کی شرانداب تک محسوس کی جا رہی ہے۔ مجھے ان الزامات کو دہراتے ہوئے شرم آتی ہے۔ مجھے
ان الزامات کا اعادہ کرتے ہوئے گھن آتی ہے جو اس دور کے شرعی مگر اخلاق باختہ چہروں کی زبانوں
سے پھیلائے اور لکھے جاتے تھے۔ جمعیت کے حلقوں میں کچھ فتنہ پرداز ایسے تھے جن کا کردار مشکوک،
چال چلن آوارہ، اور زبان لکھنؤ کی طوائفوں کی طرح غلیظ تھی۔ وہ بڑوں کا سہارا لے کر مولانا ہزاروی کے
خلاف وہ طوفان بدتمیزی برپا کیے ہوئے تھے کہ شرافت بھی سر پیٹ کر رہ گئی تھی۔ مگر ہوا کیا ؟ کیا مولانا
ہزاروی کی عظمت گھٹ گئی۔ کیا یہ طوفان بدتمیزی حقائق کو ہمیشہ کے لیے دبا سکا۔ کیا مولانا ہزاروی جو
ولی کامل تھے ان کی تہجد کے وقت کی آہوں اور سسکیوں نے رنگ دکھایا۔ وہی جمعیت جس کے امیر
نکلتے تھے تو لوگ ان کے قدموں میں پلکیں بچھاتے تھے۔ وہی امیر جمعیت کے بد زبان اور بدکردار نوجوانوں
کی تحقیر و تذلیل کی زد میں آگئے۔ وہ کونسی بدتمیزی ہے جو آوارہ نوجوانوں نے حضرت درخواستی
کے متعلق روا نہیں رکھی۔ مولانا مفتی محمود پر کونسے چھینٹے نہیں اڑائے گئے۔ الزامات کی ایک
فہرست ہے جو بدزبان جمعیت کے نوجوانوں نے مولانا مفتی محمود کے خلاف بنائی۔ مفتی صاحب
کے خلاف اخبارات و رسائل میں لکھا گیا۔ پھبتیاں کسی گئیں۔ چوہدری ظہور الٰہی کے خلاف افسانے
تراشے گئے۔ الحمدللہ میں نے اپنی زبان اور قلم کو محفوظ رکھا۔ میرے دل میں اگرچہ صدمات
تھے۔ مگر میں نے کبھی حضرت درخواستی کے خلاف سوء ادبی یا کوئی گستاخانہ جملہ استعمال
نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب تحریک مصطفےٰ میں میں نے بھرپور حصہ لیا اور لاٹھیاں کھائیں۔ قید
و بند کی صعوبتیں برداشت کیں تو پھر حضرت مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی تو تعلقات میں عقیدت
و محبت کا خوشگوار ماحول پیدا ہوا۔

کہاں ہے ترجمانِ اسلام، کہاں ہیں وہ آوازہ جو دن رات حضرت ہزاروی کی تنقیص کرتے تھے۔ کہاں ہیں وہ جمعیت کی پالیسیاں بلکہ اگر ناراض نہ ہوں تو میں پوچھ سکتا ہوں کہ کہاں ہے وہ جمعیۃ علماء اسلام جس نے موچی دروازہ کی کانفرنسوں سے اپنی قوت کا اپنوں اور بیگانوں سے لوہا منوایا تھا۔
یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سنو

اگر حقائق کا گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو اسلام اختلاف رائے کی اجازت تو دیتا ہے۔ مگر نفاق اور بدزبانی کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر اس وقت جمعیت کے ذمہ دار حضرات اپنی صفوں تک دریدہ دہن پست ذہنیت کے کارکنوں اور عہدیداروں کو اس غلیظ اور غیر اخلاقی زبان سے روکتے تو آج جمعیت کے دو دھڑے جس طرح ایک دوسرے کے لتے لیتے ہیں اور جس طرح ایک دوسرے کو سب و شتم کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ سب کیا دھرا ہے اس ماضی کا جو آپ نے حضرت ہزاروی کے خلاف روا رکھی تھی۔ میں دیانتداری سے یہ بات حوالہ قرطاس کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی جماعت یا کوئی فرد حسد اور عناد کی وجہ سے کسی مسلمان یا عالم پر تھوکتا ہے تو وہ تھوک اس کے چہرے پر پڑتا ہے۔ جمعیت کے جن تیرہ باطن افراد نے مولانا ہزاروی پر بہتان اور الزامات تراشے تھے آج وہ افراد بھی مٹ چکے ہیں۔ وہ ذہنوں سے فراموش ہو چکے ہیں۔ ان کے نام کوئی نہیں جانتا اور ماضی کے ان کے حریفوں کا کوئی نام و نشان تک نہیں ملتا۔ ہزاروی آج بھی قافلہ حق و صداقت کا سالار اعظم سمجھا جاتا ہے۔ ہزاروی کے ایثار و اخلاص کی آج بھی داستانیں بیان کی جاتی ہیں۔ جن جن جماعتوں اور گروہوں اور افراد نے حضرت ہزاروی کی ذات پر کیچڑ اچھالا تھا ان کی پگڑیاں اب ہر گلی کوچہ میں اچھالی جا رہی ہیں۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ جب حقائق سامنے آتے جائیں گے۔

مولانا ہزاروی کا کردار روشن ستارے کی طرح سامنے آتا جائے گا۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ جس سے محبت کرتے ہیں اس کے عیوب بھی محاسن بنا دیتے ہیں۔ اس کی ظلمتوں کو بھی نور سمجھا جاتا ہے۔ اس کی واہی تباہی کو بھی ارشاد سمجھا جاتا ہے اور جس شخص سے ہمیں

معمولی سا اختلاف ہو جائے اور اس کی رائے ہماری رائے کے خلاف ہو۔ اس کی تمام نیکیاں کالعدم قرار پاتی ہیں۔ اور اس کی تمام خوبیوں کو غلط سمجھا جاتا ہے۔ اس کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ یہ غیر دینی جماعتوں کی بات نہیں ہے۔ بلکہ ان جماعتوں کی بات ہے جو اسلام کو معاشرے میں رائج کرنے کی علمبردار ہیں۔ جن کے گلے اسلام اسلام پکارتے اپنی توانائی ختم کر چکے ہیں۔ کیا مولانا ہزاروی سے سیاسی یا تدبیر کا اختلاف یہ اجازت دیتا تھا کہ انہیں

٭ بکاؤ مال، حکومت کا ایجنٹ، زر پرست، دشمن اسلاف اور طرح طرح کے غلیظ القابات سے پکارا جاتا ہے۔

٭ کیا اسلام نے شریعت نے، اخلاق نے، اسلاف نے اس کی اجازت دی ہے کہ جس سے سیاسی اختلاف ہو جائے اس کو اس طرح اسلام اور شرافت سے باہر نکال پھینکا جائے۔

مولانا ہزاروی تو اپنے تھے، جمعیت علماء اسلام کے بانی تھے۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ کے معتمد ترین رفقاء میں سے تھے۔ انگریز کے خلاف جہاد حریت کے سپہ سالار تھے۔ دین دشمن طاقتوں کے خلاف اسلام کی شمشیر برہنہ، علماء حق کی وراثت کے امین تھے۔ کیا ان کے خلاف آوارہ اور بدطینت افراد سے دیدہ دلیری، دریدہ دہنی کرانا اسلام کی کوئی خدمت تھی؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو اب یہ بات بلا جھجک کہی جاسکتی ہے کہ جمعیت علماء اسلام اس وقت جس طرح اختلاف و انتشار اور جگ ہنسائی اور رسوائی کا باعث بنی ہوئی ہے۔ یہ اسی مرد درویش ہزاروی کی توہین کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ بعض حضرات میرے ان خیالات سے کبیدہ خاطر ضرور ہوں گے۔ مگر اس کبیدگی کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ کیونکہ میں تو اس دور کی تیسری چوتھی صف کے کارکنوں سے یہ بات کر رہا ہوں۔ لیکن کبیدہ خاطر ہونے والے افراد نے تو اس صدی کے ولی کامل کے خلاف ہرزہ سرائی کی تھی۔ یا للعجب۔

**سیاسی اختلافات کفر و اسلام کی جنگ نہیں ہوتے** | سیاست دراصل ان تدابیر کا نام ہے جو کوئی

بھی پارٹی برسراقتدار آکر اپنے منشور کو نافذ کرنے کے لیے اختیار کرتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ غیر اسلامی سیاست میں یہ تدابیر اسلام کے سانچے میں ڈھلی ہوئی نہیں ہوتیں۔ بلکہ یہ انسانی دماغوں کی وضع کردہ تجاویز و تدابیر ہوتی ہیں۔ اتنی سی بات سمجھنے کے بعد اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ حضرت مفتی صاحب اور حضرت ہزاروی اور ان کے رفقائے کے درمیان صرف اس بات پر سیاسی اختلاف تھا کہ پیپلز پارٹی سے سمجھوتہ بہتر ہے یا نیپ اور جماعت اسلامی سے۔ اس میں کوئی اونچ نیچ نہیں ہے حضرت مفتی صاحب نیپ اور جماعت اسلامی کو قابل اعتماد سمجھتے تھے۔ اور حضرت ہزاروی اور ان کے رفقاء پیپلز پارٹی کے ساتھ سمجھوتہ کو بہتر سمجھتے تھے۔ یہ کونسا کفر تھا۔ اس سے اسلام کے کس پہلو کا انکار ہوتا تھا۔ اس سے کونسا اخلاقی اور دینی پہلو متاثر ہوتا تھا۔

بس یہی تدبیر تھی جو وجہ نزاع بنی۔ کیا اس خلیج کو پاٹا نہیں جا سکتا تھا؟ کیا اس اختلاف کو حسن تدبیر سے پاٹا نہیں جا سکتا تھا؟ کیا جمعیت علماء اسلام ان تمام گورکھ دھندوں سے الگ رہ کر اپنے پلیٹ فارم سے کام نہیں کر سکتی تھی۔ اتنی سی بات پر مجھے جماعت سے خارج کرنا اور حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی کو بیچ چوراہے کے ذبح کرنا۔ یہ کونسی دانائی تھی۔ اور یہ کونسی حکمت عملی تھی! بات وہی ہے کہ مرکز میں حضرت ہزاروی کی جنرل سیکرٹری شپ مرکزی قیادت کو پسند نہ تھی۔ اور پنجاب میں پنجاب کی جنرل سیکرٹری شپ کے حاسدین و معاندین کو ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ یہ سب حسد و عناد کے نتیجے میں چکر چلا تھا جو قلوب کو بری طرح مضطرب کیے ہوئے تھا۔

جماعت کے دانشوروں نے یہ فیصلہ کر کے چند دلوں کے لیے اپنے انا کی تو تسکین کر لی مگر جماعت اب تک اپنے زخم چاٹ رہی ہے۔ اور کوئی کارکن اپنے قائدین سے مطمئن نہیں ہے۔ اور کوئی قائد اپنے کارکنوں سے مطمئن نہیں۔ بلکہ مجالس میں اس قدر بدبودار گفتگو سنی جاتی ہے جو سارے احول کو متعفن کر دیتی ہے۔ سچ ہے:

ہے گنبد کی صدا جیسے کہو ویسے سنو!

**مولانا ہزاروی کے گستاخوں سے آخری گذارش** مجھے اس مضمون میں مولانا ہزاروی کی سوانح

لکھنا مقصود نہیں بلکہ میں نے اس مرد درویش کے گذرے ہوئے لمحات کے چند حسین مگر عبرتناک پہلوؤں کا تذکرہ کیا ہے۔ میں نے مولانا ہزاروی کو دن میں مجاہد اور تحریک اسلام کا بے لوث سپہ سالار اور دین قیم کا بے باک رہنما پایا۔ اور راتوں کو اٹھ کر خدا کے حضور رونے والا پایا۔ میں نے مولانا کی زندگی کے آخری دنوں میں ان کے ساتھ بہت سفر کیے۔ میں نے دیکھا کہ جونہی رات اپنے نورانی لمحات میں داخل ہوتی تھی۔ مولانا ہزاروی تہجد کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اور گھنٹوں اپنی جبین نیاز خم کرکے اپنے رب کی رحمتیں سمیٹتے تھے۔

میں نے اپنے اکابر کے متعلق یہی سنا تھا کہ وہ دن میں گھوڑے کی پشت پر سوار ہو کر میدان جہاد میں ہوتے تھے۔ اور راتوں کو تہجد کا مصلی اور آہ سحرگاہی ان کی متاع عزیز ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ غوغائے سگاں انکی عزت و وقار اور عظمت و سربلندی کے لیے کبھی سد راہ نہ بن سکا۔ حضرت ہزاروی مرد درویش اور مخلص اور دین پر مر مٹنے والے عظیم سپوت، شب زندہ دار رات کی تاریکی خاموش آہوں اور سسکیوں سے دروازہ رحمت پر دستک دینے والے سب کے لیے نیک تمنائیں رکھنے والے اور چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کا حلقہ ارادت و عقیدت قائم کرنے والے تھے۔

اس جیسے عظیم درویش صفت عالم اور خدا رسیدہ بزرگ کی جس جماعت، جس گروہ جس فرد نے توہین تنقیص کی ہے۔ وہ اللہ کے حضور توبہ کرے۔ اور حضرت ہزاروی کے لیے زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب کرے۔ تاکہ آخرت میں احتساب کے مراحل سے بچ جائے۔

میری دردمندانہ گذارش ہے کہ مولانا ہزاروی کے ساتھ جس نے ادنیٰ گستاخی یا بے ادبی کی ہے وہ اس سے توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔ یہ اس کی عاقبت اور قبر کے لیے خیر کا باعث ہوگا۔ اور اسی طرح حضرت مولانا مفتی محمود اور جماعت کے ایسے بزرگوں سے جن کی اسلامی خدمات بے حد و حساب ہیں ان کے خلاف بھی زبان کو روکا جائے۔

کہیں تمہیں تمہاری یہی گستاخیاں نہ لے ڈوبیں۔ مولانا ہزاروی اللہ کو پیارے ہو چکے

ہیں۔ میرے رب نے یقیناً انہیں ان کی مخلصانہ اسلامی اور دینی خدمات کے صلے میں جنت النعیم کا وارث بنا دیا ہو گا۔ اللھم اغفرہ وارحمہ۔

## مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے اخراج کا فیصلہ کر لیا گیا

بالآخر نیشنل عوامی پارٹی اور مودودی جماعت کی نمک وردو نے رنگ لایا اور وہ لابی جو حضرت مفتی صاحب اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے درمیان بدگمانیاں پیدا کرنا چاہتی تھی کامیاب ہوئی۔ وہ درویش جس نے رات دن جمعیت کے لیے سوچا۔ اور اس کی حیثیت ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں تسلیم کرائی۔ اس کے جمعیت علماء اسلام سے اخراج کا فیصلہ نہایت عجلت میں کیا گیا۔ اور کمال کی بات یہ ہے کہ چند افراد حضرت امیر مرکزیہ کو درخواست دیتے ہیں کہ مولانا غلام غوثؒ کو جمعیت سے خارج کر دیا جائے۔ قابل عبرت بات یہ ہے کہ جو آدمی وہ درخواست امیر مرکزیہ حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی کو تحریر کر کے دیتا ہے۔ وہ آدمی مولانا کے اخراج کا فیصلہ بھی تحریر کرتا ہے۔ گویا کہ یہ سب تیاری پہلے سے مکمل کی گئی تھی۔ اور اس آدمی کی حیثیت اور شخصیت تو مسلمہ تھی۔ لیکن خود شاید اس نے جمعیت علماء اسلام کے لیے چند قدم چلنا بھی گوارا نہ کیا ہو۔ یہ تمام مراحل ایک نشست میں طے پا گئے۔ میرے پاس اصل کاغذات موجود ہیں جو چاہے دیکھ سکتا ہے۔

### حضرت امیر کو اخراج کی درخواست

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؛

بخدمت اقدس

حضرت امیر مرکزیہ دام مجدہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

اللہ تعالیٰ آپ کو ہر وقت رو بصحت رکھیں۔ اور آپ کی برکتیں اور شفقتیں ہمیشہ ہم پر رہیں آمین۔

محترم آپ جمعیت کے سربراہ ہیں۔ اور آپ کی سربراہی میں جمعیت کے معروف ارکان جمعیت کی تنظیم کی دھجیاں بکھیر رہے ہیں۔ اسے بدنام کر رہے ہیں۔ اور علماء حق کے مسلک کو پامال کیا جا رہا ہے۔ مگر آپ کی نرمی، آپ کی شفقت اور آپ کی درگذر کرنے کی پالیسی ابھی تک قائم ہے۔

گذشتہ ڈیڑھ برس میں مولانا ہزاروی نے جمعیت کے فیصلوں کی خلاف ورزی کی ہے۔ جمعیت کی پالیسیوں کے خلاف بیان دیے ہیں۔ ان واقعات کو اگر تفصیل سے بیان کیا جائے تو بہت وقت درکار ہوگا۔ مختصراً گذارش ہے کہ:

٦ مارچ ١٩٧٢ء کو سہ جماعتی سمجھوتہ ہوا۔ جس میں نیپ جمعیت اور پیپلز پارٹی نے معاہدہ کیا تھا کہ صوبوں (سرحد اور بلوچستان) میں نیپ اور جمعیت کی حکومتیں ہوں گی۔ دونوں صوبوں کے گورنر بھی ہمارے نمائندے ہوں گے۔ اس سلسلے میں حضرت ہزاروی نے بھٹو صاحب کو ١٤ اگست ١٩٧٣ء تک مارشل لاء جاری رکھنے کی اپنی علیحدہ رٹ لگانی شروع کردی۔ اور بیان دے دیا کہ اس موقف کے خلاف وہ کسی بین الاقوامی عدالت کے فیصلے کو بھی تسلیم نہیں کریں گے۔ اس بیان کی حکومت کی طرف سے سارے ملک میں تشہیر کی گئی۔ اور اس بیان سے جمعیت کے وقار کو ٹھیس پہنچائی گئی۔

قومی اسمبلی کی میٹنگوں میں جب بھی حزب اختلاف نے حکومت سے کسی قانون میں اپنی ترمیم کرانا چاہی تو اس میں ہزاروی صاحب نے بالعموم مخالفت کی۔

بحالی جمہوریت کے سلسلے میں مطالبات تسلیم نہ کیے جانے پر حزب اختلاف نے کئی بار واک آؤٹ کیا۔ جس میں ہزاروی صاحب نے مخالفت کی۔ اور ڈٹ کر اکیلے وہاں اسمبلی میں بیٹھے رہے۔ جس سے جماعتی ڈسپلن پامال ہوا۔ جماعتی وقار اور جماعتی تنظیم آخر کیا چیز ہے؟ اگر اس پر انسان اپنے ذاتی فیصلوں کو مسلط کرتا رہے۔

متحدہ جمہوری محاذ میں شمولیت کے لیے جمعیت کی مجلس شوریٰ نے اجازت دی۔ اور متحدہ محاذ کی مرکزی جنرل کونسل میں چاروں صوبوں نے ایک ایک نمائندہ لیا۔ اس میٹنگ میں حضرت ہزاروی موجود تھے۔ ان کے سامنے ساری کارروائی ہوئی۔ اس کے باوجود انہوں نے جمعیت کی متحدہ محاذ میں شمولیت پر کھلے بندوں تضحیک کی۔ اور شوریٰ کے متفقہ فیصلوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے غلط بیانات اخباروں کو دیے۔ یہ میٹنگ ٧ مارچ ١٩٧٣ء کو اسلام آباد

میں مفتی صاحب کے کمرہ میں آپ کی صدارت میں ہوئی تھی۔

ہزاروی صاحب کی شہ پر جمعیت کے ارکان میں بددلی اور نفرت کا جذبہ ابھرنا شروع ہوا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جمعیت کے کچھ ارکان اپنی اپنی قیمت وصول کر جمعیت میں رہتے ہوئے موجودہ حکومت میں جاگرے۔ اس کی مثال صوبہ سرحد کے حضرات اور مولوی عبدالباقی، بلوچستان کے مولوی حسن شاہ اور صالح محمد اور پنجاب کے شیخ اقبال اور دانا رب نواز ہیں۔ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ان لوگوں نے حضرت ہزاروی کی آڑلی اور جمعیت میں رہتے ہوئے جمعیت کی شوریٰ کے فیصلوں کی خلاف ورزی کی۔ کیا یہی جماعتی ڈسپلن ہے۔ کیا یہی جماعتی وقار ہے۔ اگر جماعت ہر شخص کی لونڈی اور غلام ہے تو جمعیت یہ اعلان کردے کہ جمعیت میں رہتے ہوئے ہر ایک آدمی جہاں چاہے جس پارٹی سے چاہے جو قیمت وصول کرے آزاد ہے۔ پھر بھی وہ پارٹی کا ممبر رہے گا۔ اگر ایسی صورت نہیں ہے تو آپ اس فیصلہ کو جو لاہور میں شوریٰ کے تمام ممبران نے آپ کو دستخط کرکے دیا تھا۔ بروئے کار لائیں اور فوری طور پر اس کا اعلان فرما دیں۔

متحدہ جمہوری محاذ نے اپنی گذشتہ میٹنگ میں فیصلہ کیا تھا کہ محاذ صدر اور وزیراعظم کا انتخاب لڑے گا۔ گو شکست ضروری تھی پھر بھی یہ تاثر دینے کے لیے کہ صدر اور وزیراعظم متفقہ طور پر منتخب نہیں ہوئے۔ جس سے بین الاقوامی طور پر حزب اختلاف کی موجودگی ثابت ہوتی ہے۔ اس وجہ سے انتخاب میں ضرور حصہ لینے کا فیصلہ کیا گیا۔

چنانچہ حزب اختلاف نے متفقہ طور پر مولانا نورانی کو وزیراعظم کے انتخاب کے لیے نامزد کیا۔ ایک فاسق، زانی اور شرابی کے مقابلہ میں مولانا نورانی ایک صالح مسلمان ہیں۔ مگر........

ہزاروی صاحب نے کھلے بندوں اس فاسق، فاجر، زانی، شرابی، راشی اور عیار شخص کے حق میں نہ صرف خود ووٹ دیا بلکہ مولانا عبدالحکیم اور مولانا عبدالحق (اکوڑہ) کو بھی بھجوا دیا۔ یہ کھلے بندوں جمعیت کے وقار کیلئے ایک زبردست بے عزتی کا باعث ہے۔ اب تو ہر قسم کی مخالفت کی انتہا ہوگئی ہے۔ اس سے زیادہ نقصان جمعیت کو کوئی نہیں پہنچا

سکتا آپ نے اس سلسلے میں جتنی بھی کوششیں کیں۔ وہ ناکام ہو چکی ہیں۔ اب کسی قسم کی مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ان لوگوں کے اخراج کا اعلان فرما کر جمعیت کو پاک کریں۔ تاکہ آئندہ کوئی ایسی جرأت نہ کرے۔ فقط

| | |
|---|---|
| احقر عبید اللہ انور | دستخط |
| احقر الانام محمد اجمل عفرلہٗ | دستخط |
| محمد ابراہیم | دستخط |
| عبدالحمید بٹ | دستخط |
| قاضی محمد سلیم قانونی مشیر | دستخط |
| حامد میاں عفرلہٗ۔ | دستخط |

## جمعیۃ سے خارج کر دیئے گئے

## اخباری بیان

امیر کل پاکستان جمعیت علماء اسلام مولانا عبید اللہ درخواستی۔

گزشتہ ڈیڑھ برس سے مولانا غلام غوث ہزاروی جمعیت علماء اسلام کے منشور اور مجلس شوریٰ کے فیصلوں کی مسلسل خلاف ورزی کرتے چلے آرہے ہیں۔ ان کی توجہ متعدد میٹنگوں میں اس طرف مبذول کرائی گئی۔ وہ ہر بار وعدہ کرتے کہ آئندہ وہ مجلس شوریٰ کے فیصلوں کے پابند رہیں گے۔ مگر بعد میں پھر وہ خلاف ورزی کا اعادہ کرتے۔ اس طرح انہوں نے شوریٰ کے فیصلوں سے متواتر انحراف کیا۔ جو جماعتی ڈسپلن اور وقار کے سراسر منافی ہے۔ پارٹی کی تنظیم سب سے اہم چیز ہے۔ جسے کسی قیمت پر کسی مرحلہ میں ترک نہیں کیا جا سکتا۔

جمعیت علماء اسلام کا کوئی بھی رکن جمعیت کو اپنے پیچھے چلانے اور اپنا تابع بنانے کا مجاز نہیں ہے۔ مجلس شوریٰ کے فیصلوں کی پابندی جمعیت کے ہر رکن کا فریضہ ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو جمعیت میں ایسے شخص کے لیئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

مجلس شوریٰ کے گذشتہ اجلاس میں جو لاہور میں میری صدارت میں ہوا تھا۔ شوریٰ کے تمام

اراکین نے مجھے تحریری طور پر اختیار دیا کہ میں مولانا ہزاروی کو آخری بار جمعیت کے فیصلوں کی پابندی کے لیئے کہوں۔ ان سے تحریری بیان لوں کہ وہ آئندہ جمعیت کے فیصلوں کے مطابق عمل کریں گے۔ چنانچہ اس سلسلے میں آخری کوشش بھی ناکام ہو گئی۔ لہٰذا میں بحیثیت امیر جمعیت علماء اسلام ہو کر خود بھی جمعیت کے فیصلوں کا پابند ہوں۔ شوریٰ کے تحریری دستخط شدہ فیصلہ کے مطابق مولانا ہزاروی کو جمعیت کی رکنیت سے علیحدہ کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ اور ان کے ہمنوا مولانا عبدالحکیم اور مولانا عبدالحق کو بھی جمعیت سے خارج کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ اب وہ جمعیت کے ممبر نہیں ہیں اور نہ ہی وہ جمعیت کا پلیٹ فارم استعمال کر سکتے ہیں۔

دستخط امیر مرکزیہ

محمد عبداللہ درخواستی۔ امیر جمعیت علماء اسلام کل پاکستان

# مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ

محمد نور الحق قریشی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ملتان

مولانا غلام غوث ہزاروی کا نام زبان پر آتے ہی ایک ایسے مرد حر، مرد قلندر اور مرد فقیر مجاہد کا تصور ابھرتا ہے جو ؏ زمانہ با تو نسازد کے بجائے ؏ زمانہ با تو نسازد تو بہ ستیز کی عملی تفسیر ہو۔

مولانا غلام غوث کی پیدائش ایسے خاندان میں ہوئی اور ان کا خمیر ایسی مٹی سے اٹھا جس میں فرنگی دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ وہ فرنگی تہذیب اس کے وابستگان و دلدادگان، اس کے آثار و عوامل، اس کی نشانیوں اور اس کے بچھڑے ہوئے ورثے کے جانی دشمن تھے۔ وہ فرنگی دشمنی میں اس حد تک مبالغہ آرائی سے کام لینے سے بھی گریز نہ کرتے کہ بقول صدر جمال عبدالناصر مرحوم۔

"اگر سمندر کی تہہ میں دو مچھلیاں باہم دست و گریباں ہوں تو اس میں بھی فرنگی (امریکہ) کا ہاتھ ہوگا"

مولانا غلام غوث ہزارویؒ فرنگی مخالفت میں پہلے یا آخری انسان نہ تھے بلکہ وہ ایک ایسے مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ جس نے برصغیر پاک و ہند کو بالآخر فرنگی تہذیب کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا۔
یہ سرپھروں کا وہی طبقہ تھا جسے سرکاری ملازمت، سرکاری اعزازات، سرکاری مراعات اور سرکاری تعزیاتوں سے دور دور کا واسطہ تک نہ تھا۔ اس طبقہ نے صرف غیر ملکی فرمان رواؤں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا بلکہ درویشانہ اوصاف، مجاہدانہ عزائم کے ساتھ انگریزوں کے مراعات یافتہ جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور اس کی پروردہ نوکر شاہی کے خلاف بھی اسی ولولے اور جذبے کے ساتھ اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ تا آنکہ غلام قوم کو آزادی کی نعمت سے ہمکنار کر کے اپنے خدا کے پاس چلے گئے۔

مولانا غلام غوث بیک وقت عالم دین، مجاہد ملت، فقر ابوذرؓ کے امین، آزادی کے نڈر

سپاہی، ختم نبوت کے عاشق، اسلامی نظام کے علمبردار، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قصیدہ خواں،
تجدد پسندوں اور ملحدین کے خلاف تلوار بے نیام اور اکابر و اسلاف کی ناموس کے محافظ تھے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی ایک ہی وقت میں لیڈر بھی تھے اور کارکن بھی۔ وہ غرور اور تکبر
سے کوسوں دور تھے۔ وہ جماعت کے کارکنوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ ان کے غم
میں برابر شریک رہتے۔ وہ نوجوانوں کی بے حد حوصلہ افزائی کرتے۔ ان کی غلطیوں کو معاف
اور ان کی خامیوں کی پردہ پوشی کرتے۔ اپنی تقریر سے قبل ہمیشہ کارکنوں اور معاصر علماء کی تعریف
میں رطب اللسان رہتے۔ میں اگر یہ کہوں تو غلط نہیں ہوگا کہ مولانا مفتی محمود مرحوم کی شخصیت
سازی میں مولانا غلام غوث ہزارویؒ کا بہت بڑا حصہ تھا۔ جمعیت علماء اسلام کی بڑی بڑی کانفرنسوں
میں مولانا ہزارویؒ کی تقریر بالعموم مولانا مفتی محمودؒ کے بعد ہوتی تھی۔

چنانچہ مولانا ہزارویؒ تقریر کے آغاز میں پندرہ بیس منٹ حضرت مفتی صاحب کی تعریف
کرکے ان کی قائدانہ صلاحیتوں کا برملا اعتراف کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ "قائد جمعیت" کا خطاب
بھی مولانا ہزارویؒ کا عطا کردہ تھا۔ یاد رہے کہ مولانا ہزاروی عمر میں مولانا مفتی محمود مرحوم سے
بڑے تھے۔ سیاست میں بھی مولانا ہزاروی کا تجربہ زیادہ تھا۔ مجلس احرار اسلام کے تحت
جنگِ آزادی میں بارہا جیل کی صعوبتوں سے دوچار رہے۔ برسہا برس فرنگی جیل میں گذارے۔
ان کا شمار مجلس احرار اسلام کے لیڈروں میں ہوتا تھا جب کہ مولانا مفتی محمود صاحب جمعیت علماء ہند
کے صرف رکن تھے۔ تشکیل پاکستان سے قبل حضرت مفتی صاحب کی سیاست نمایاں نہ تھی۔ بلکہ
[illegible] میں جب وہ جامعہ قاسم العلوم (ملتان) میں مدرس تھے۔ سیاست میں باقاعدہ حصہ
لینا شروع کیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے خداداد صلاحیتوں اور جمعیت علماء اسلام کے لاکھوں جانثار
کارکنوں کی بدولت مطلع سیاست پر چھا گئے۔ جمعیت علماء اسلام ایک مضبوط نظریاتی اور عوامی
سیاسی جماعت کی حیثیت سے ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے موقع پر ابھری۔ اگرچہ اس کی پشت پر
سالہا سال کی محنت و جانفشانی اور کارکنوں کی مسلسل جدوجہد کارفرما تھی۔ تاہم جماعت کو عوامی

اور نظریاتی بنانے میں مولانا غلام غوث صاحب کا بہت بڑا حصہ تھا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب جمعیت علماء اسلام، جماعت اسلامی، اس کی حلیف جماعتوں کے ۱۱۳ علماء کے منشوروں، نظریہ پاکستان کے خود ساختہ علمبرداروں، مسلم لیگی ذہن رکھنے والے شب و روز کے ٹھیکیداروں کے بیک وقت عتاب کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔ لیکن ان تمام محاذوں پر بیک وقت کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہو کر سرخرو ہو کر نکلنا، جمعیت کے لاکھوں کارکنوں کی شبانہ روز جدوجہد اور مولانا مفتی محمودؒ اور غلام غوث ہزارویؒ کی مشترکہ مساعی و قیادت کا نتیجہ تھا۔

اسلام اور پاکستان کے خود ساختہ ٹھیکیداروں کا جمعیت اور اس سے وابستہ علماء کے لیے سرخلٹ علماء کی پھبتی کسنا، سرخوں کا آلہ کار کہنا اور اس کے ایجنٹ جیسے القابات سے نوازنا ان کا معمولی مشغلہ تھا۔ راقم جیسا ادنیٰ کارکن تک کو معاف نہ کیا گیا۔ ملک مشہور صحافی اور شاعر شعلہ بیان خطیب جناب آغا شورش کاشمیری مرحوم نے اپنے ملتان کے دورے پر آتے ہوئے نوجوانوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"قاضی احسان احمد شجاع آبادی مرحوم زندگی بھر تحریک ختم نبوت کی اپنے خون سے آبیاری کرتے رہے۔ مگر ان کا ایک عزیز قاری نورالحق خدا دشمنی نظام کے علمبرداروں کے جھنڈے تلے چلا گیا ہے۔ ایک دن ضرور آئے گا جب اس کے زعم اس کو پریشان کریں گے۔ وہ ان دنوں کو یاد کر کے روئے گا کہ کن سے کٹ کر کن سے جڑا تھا۔ وہ اس طرح روئے گا جس طرح ایک بوڑھی بیوہ افلاس کے نرغے میں جوانی کو روتی ہے۔ اور ایک کمسن یتیم خونخواروں کے پھندے میں آنسو بہاتا ہے۔"

روزنامہ "نوائے ملت" ملتان۔ ۳ مئی ۱۹۷۰ء بروز پیر۔ کالم ۲۔۵۔

مسلم لیگ اور جماعت اسلامی اور ان کے اعوان و انصار میدان میں کود پڑے۔ اور کوئی جلسہ، پمفلٹ اور اخبار ایسا نہیں تھا جس میں جمعیت اور اس کے دونوں اکابر مولانا مفتی محمود اور مولانا ہزارویؒ کے خلاف دشنام طرازی، بہتان بازی اور بیان بازی نہ کی جاتی ہو۔ اور پھر انہی ایام میں جمعیت علماء اسلام

اور لیبر پارٹی میں باہمی تعاون کے معاہدے نے جلتی پر تیل کا کام دیا۔ عام انتخابات سے پہلے جمعیت علماء اسلام کے منشور کی اشاعت نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔ یہ منشور جناب ڈاکٹر احمد حسین کمال کے عمیق مطالعے کا نتیجہ تھا۔ جماعتِ اسلامی کے زعماء ڈاکٹر احمد حسین کمال کو کمیونسٹ پارٹی کی پارٹی کمان کا اہم عنصر تصور کرتے تھے۔ ڈاکٹر کمال قبل ازیں صادق آباد ضلع رحیم یار خان میں جماعتِ اسلامی میں رہ چکے تھے۔ بعد میں جماعت کی پالیسی سے اختلاف کی بنا پر علیحدہ ہو گئے۔

وہ ایک سامراج دشمن انسان تھے۔ جمعیت کی پالیسی پر جب مخالف تنقید کرتے تو ڈاکٹر احمد حسین کا ذکر ضرور کرتے۔ اگرچہ وہ سٹیج کے انسان نہیں بلکہ تحریر کے بادشاہ ہیں۔ جمعیت علماء اسلام کی سامراج دشمن پالیسی بنانے میں ان کے فکر اور قلم کا وافر حصہ تھا۔ بہر حال ۱۹۷۰ء میں جمعیت علماء اسلام کی سامراج دشمنی (فرنگی اور امریکی شامل ہیں) اظہر من الشمس تھی۔ امریکی سامراج اور اس کے حواریوں کے خلاف جمعیت کی جارحانہ پالیسی کا نتیجہ تھا کہ تمام انتخاب کے دوران امریکہ کا مشہور بدنام زمانہ سفیر فارلینڈ جو اسلامی اور سامراج دشمن ملکوں میں حکومت وقت کا تختہ الٹنے میں ماہر سمجھا جاتا تھا نے عمرو ڈیرہ اسمٰعیل خان کا خفیہ دورہ کیا جس کا بروقت نوٹس لیا گیا۔

چنانچہ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور کی اشاعت ۴ مئی ۱۹۷۰ء صفحہ نمبر ۵ پر مولانا غلام غوث نے کہا کہ پاکستان میں ہماری منزل نفاذِ اسلام ہے۔ اور ہمارا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو ہمیں ہماری منزل سے دور کرنا چاہتا ہے۔ ہم کسی ایسے نظریے کو جو اسلام کے خلاف ہوگا یہاں پھلنے پھولنے نہیں دیں گے۔ اور معاہدہ اس ملک کے ساتھ کریں گے جو ملک جنگ کے ایام میں ہمارا ساتھی ہوگا۔ آپ نے امریکہ کو اسلام کا سب سے بڑا دشمن قرار دیتے ہوئے کہا کہ امریکہ نے ہمارے ساتھ دفاعی معاہدہ ہوتے ہوئے بھی بھارت کے ساتھ اندرونی ساز باز جاری رکھی جس کا عملی ثبوت ہمیں ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ملا۔

دوسری طرف امریکہ نے عربوں کے مقابلہ میں اسرائیل کی حمایت کی۔ اس طرح امریکہ نے ہماری تیرہ سو سالہ تاریخ پر پانی پھیر دیا۔ مولانا ہزاروی کے علاوہ مولانا مفتی محمودؒ نے آئین شریعت کانفرنس لاہور کے جلسۂ عام میں لاکھوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے امریکی سفیر کی سیاسی سرگرمیوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے عوام اور حکومت کو خبردار کیا۔

روزنامہ "جنگ" کراچی نے اپنی اشاعت ۲۹ رجون ۱۹۷۰ء میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

"لاہور، ۲۸ رجون (نمائندہ جنگ) جمعیت علماء اسلام پاکستان (ہزاروی گروپ) کے ناظم عمومی مولانا مفتی محمود نے مطالبہ کیا ہے کہ پاکستان میں امریکہ کے سفیر مسٹر فارلینڈ کو ناپسندیدہ شخصیت قرار دے کر ملک سے نکال دیا جائے۔ کیونکہ وہ پاکستان کی سیاست میں مداخلت کر رہے ہیں۔ اور امریکی سامراج ان کے ذریعہ پاکستان میں کروڑوں روپے خرچ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ یہاں دہلی دروازہ کے تین روزہ آئین شریعت کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ انہیں ایسی اطلاعات ملی ہیں کہ افغانستان کے راستے بڑی مقدار میں بندوقیں، رائفلیں اور دستی بم وغیرہ خفیہ طور پر پاکستان پہنچائے جا رہے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ غیر ملکوں سے امداد لینے والی جماعتوں کو انتخابات میں حصہ نہ لینے دیا جائے۔

پیپلز پارٹی کے ارگن روزنامہ "مساوات" لاہور نے اپنی اشاعت ۱۴ رجولائی ۱۹۷۰ء میں مسٹر "فارلینڈ کی واپسی کا مطالبہ" کے زیر عنوان اداریہ لکھا جسے یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

"آئندہ انتخابات کو آزادانہ اور غیر جانبدارانہ فضا میں منعقد کرانے کی خاطر انتخابات سے دو ماہ قبل موجودہ حکومت کے وزیروں کی برطرفی کے مطالبہ کی طرح پاکستان میں متعین امریکی سفیر کی واپسی کا مطالبہ روز بروز زور پکڑتا جاتا ہے۔ چنانچہ جمعیت علماء اسلام نے امریکی سفیر کو ملک سے نکال دینے کا مطالبہ ایک بار پھر دہرایا ہے۔ اس سے قبل بھی پاکستان کی کئی سیاسی اور غیر سیاسی تنظیمیں اور افراد امریکی سفیر کی پاکستان دشمن سرگرمیوں کے پیش نظر یہ مطالبہ کر چکے ہیں۔ یوں تو محب وطن افراد کے لیئے پاکستان میں امریکی سفارتخانہ اس کرب و اضطراب کو نظر انداز کر کے ہمیشہ پاکستان

کے داخلی معاملات میں دخل اندازی کا ارتکاب کرتا رہا ہے۔ مگر جب سے مسٹر فار لینڈ پاکستان تشریف لائے ہیں امریکی سفارتخانے کی سرگرمیاں تشویشناک حد تک پاکستان دشمن ہو گئی ہیں۔

مسٹر فار لینڈ امریکہ کے جاسوسی کے بدنام زمانہ ادارے سی۔ آئی۔ اے سے منسلک ہیں۔ اور انہیں نو آباد ممالک میں سیاسی بحران پیدا کرنے میں بے مثال مہارت حاصل ہے۔ گذشتہ سال نومبر میں موصوف نے پاکستان پہنچتے ہی ایسی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا تھا کہ محب وطن حلقے تشویش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ انتظامیہ اور فوج کے اعلیٰ افسروں سے روابط قائم کرنے کے علاوہ مسٹر فار لینڈ نے ملک کی کئی سیاسی جماعتوں اور شخصیتوں سے مراسم بڑھا کر پاکستان کی سیاست کو ایک خاص ڈھب پر چلانے کی کوشش روز اول ہی سے شروع کر دی تھی۔ ان کے پس پردہ سرگرمیوں کے علاوہ کھلم کھلا سیاسی معروفیات پر متعدد مرتبہ احتجاج کیا جا چکا ہے۔ اندرون ملک کے سیاسی دوروں اور سیاسی لیڈروں کا شخصیات کے ساتھ ذاتی ملاقاتوں کے ساتھ ساتھ آج کل فار لینڈ نے پاکستان کے ادیبوں، دانشوروں اور طالب علموں کی تنظیموں کو امریکہ کے سامراجی عزائم کا نشانہ بنا رکھا ہے۔

الغرض امریکی سامراج کی اندرون ملک خفیہ سرگرمیوں اور امریکی ایجنٹوں کی اخبارات، رسائل، جلسے، جلوس اور پروپیگنڈہ کے باوجود جمعیت علماء اسلام ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں ایک مضبوط اور عوامی جماعت بن کر ابھری۔ اور دو صوبوں (سرحد و بلوچستان) میں جمہوری مخلوط حکومت بنانے میں کامیاب ہو گئی۔ ان تین جماعتوں میں پیپلز پارٹی، نیپ اور جمعیت میں پی پی پی تنہا جماعت تھی۔ جس کا محور ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کی ذاتی شخصیت تھی۔ جس میں اگرچہ بعض سوشلسٹ اور بعض ترقی پسندانہ نظریات کے حامل لوگ شامل تھے۔ تاہم حکومت سازی کے بعد یہ جماعت امریکہ کے قریب ہونے لگی۔ اور اپنے سامراج دشمن کردار سے منحرف ہو گئی۔ جمعیت علماء اسلام نے صوبہ سرحد میں قومی اسمبلی کی نسبت صوبائی اسمبلی میں کم سیٹیں حاصل کیں۔

سرحد و بلوچستان کے باشعور عوام بخوبی سمجھتے تھے کہ قومی اسمبلی میں آئین سازی کا کام ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں علماء کو زیادہ تعداد میں بھیجا جائے۔ تاکہ ملک میں اسلامی نظام کی راہ ہموار ہو سکے۔

جبکہ صوبائی اسمبلی کے اراکین سے عوام کی روزمرہ ضروریات کی تکمیل کے لیے کام لیا جاتا ہے۔ چنانچہ سرحد اور بلوچستان اسمبلی میں نیپ کے اراکین کی تعداد دوسری پارٹیوں سے زیادہ تھی۔ دوسرے نمبر پر عبدالقیوم خان کی مسلم لیگ (قیوم گروپ) تھی۔ لیکن جمعیت کے پاس پانچ سیٹیں تھیں۔ جنہیں فیصلہ کن Deciding factor کی حیثیت حاصل تھی۔ جس جماعت سے جمعیت کا اتحاد ہوتا۔ وہ حکومت سازی میں فیصلہ کن حیثیت کی حامل ہو سکتی تھی۔ ان حالات میں دونوں جماعتوں نیپ اور قیوم لیگ نے جمعیت علماء اسلام کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔ جمعیت کی طرف سے پہلے وزیر اعلیٰ کی شرط پیش کی گئی جو دونوں نے بلاچوں وچرا تسلیم کر لی۔ اس کے بعد جمعیت نے باقاعدہ جمعیت کا اجلاس منعقد کیا۔ اور متفقہ طور پر پانچ نکات تجویز کیے۔ جن میں قومی اسمبلی میں اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلہ میں مساعی کی بھرپور اور بلاشرط تائید اور صوبے میں اسلامی اصلاحات کے نفاذ کے بارے میں مکمل تعاون و تائید، جمعیت کا نمائندہ بطور وزیر اعلیٰ شامل ہیں۔ ان تمام نکات کو نیپ نے فوری طور پر منظور کر لیا۔ اور یوں نیپ اور جمعیت نے سرحد و بلوچستان میں مشترکہ حکومت بنالی۔

مولانا مفتی محمود اس وقت جمعیت کے جنرل سیکرٹری تھے۔ لہٰذا وہ جماعتی فیصلے کے مطابق مخلوط حکومت کے سربراہ بنے۔ اور یوں ایک عالم دین ایک حساس صوبے کا وزیر اعلیٰ بن گیا۔ یہ منصب اور ذمہ داری علماء کے لیے ایک کڑی آزمائش تھی۔ کہ آیا یہ طبقہ جو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھاتا رہتا ہے۔ جو جدید سیاسی نظریات سے نابلد ہے۔ اور انتظامی اور حکومتی تجربہ نہیں رکھتا۔ کس طرح اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ بہر حال یہ ایک نیا تجربہ تھا جو خوشگوار حد تک کامیاب رہا۔

اس میں شک نہیں کہ نیپ اور جمعیت میں نظریاتی ہم آہنگی کا فقدان تھا۔ ایک مکمل اسلامی نظام کی داعی جبکہ دوسری سیکولر ذہن رکھنے والے لوگوں پر مشتمل تھی۔ اسی طرح پنجاب اور سندھ کی حد تک کامیاب ہونے والی پیپلز پارٹی بھی روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ

لے کر میدانِ انتخاب میں کامیاب ہوئی تھی۔ تینوں جماعتوں میں بُعد المشرقین تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سہ فریقی معاہدہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ اس میں دیگر وجوہات کے علاوہ ایک نفسیاتی وجہ بھی تھی اور وہ مسٹر بھٹو کی افتادِ طبع تھی۔ مسٹر بھٹو مفتی محمود اور ولی خان کو اپنے سے کمتر اپنا سمجھتے تھے۔ وہ ان دونوں رہنماؤں کو اپنی مرضی اور مزاج کے مطابق ڈھالنا چاہتے تھے جو وہ بوجوہ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ سہ فریقی معاہدہ میں مسٹر بھٹو کی پارٹی ایک فریق ہے۔ اسی بات پر عمل کیا جائے گا جو تینوں فریق چاہیں گے۔ کیونکہ دونوں صوبوں میں پی پی پی کی حکومت تھی اور دو صوبوں میں نیپ اور جمعیت کی۔ اس لحاظ سے پوزیشن مساوی تھی۔ مگر مسٹر بھٹو اس حیثیت کو تسلیم کرنے کے لیے ذہنی طور پر بھی آمادہ نہ ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ نیپ اور جمعیت کی مخلوط حکومت کے نو ماہ کے عرصہ میں مرکز کی طرف سے ہمیشہ مداخلت ہوتی رہی جس کے نتائج ملکی سیاست پر منفی انداز سے مرتب ہوئے۔

جہاں تک نیپ اور جمعیت کی مخلوط کا تعلق ہے۔ جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں کہ دونوں کے نظریات میں ہم آہنگی ہرگز نہ تھی۔ اور بسا اوقات مزاج اور نظریات کے اختلاف سے شکوک وشبہات کی فضا بھی پیدا ہوئی۔ لیکن اس کا فوری طور پر تدارک کر لیا گیا۔ ہمارے بعض حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ نیپ ان پانچ نکات پر پوری طرح عمل پیرا نہ ہوئی۔ اس کی یوں مثال دیتے ہیں کہ قومی اسمبلی میں بحث کے دوران نیپ سے متعلق ایم این اے حضرات موجود نہیں ہوتے تھے۔ خاص طور پر مسٹر بزنجو غیر حاضر رہتے تھے۔ جبکہ وہ ایسا کرنے کے مجاز نہ تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اجلاسوں کے دوران بہت سے ممبران غیر حاضر ہوتے تھے۔ معاہدے کی رو سے نیپ کے ایم این اے اسلامی دفعات کی تائید کے پابند تھے۔ اور نہ ہی ہر اجلاس میں حاضر رہنے کے پابند۔ اگر کسی اہم اجلاس میں مسٹر بزنجو یا کوئی دوسرا ممبر موجود نہیں تو اس سے معاہدہ کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی۔ البتہ اگر نیپ کے کسی ممبر نے جمعیت کی طرف سے پیش کردہ کسی اسلامی دفعہ کی مخالفت کی ہو تو اس سے معاہدہ کی خلاف ورزی

کا ہونا ممکن ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسی کوئی مثال ریکارڈ پر نہیں ہے کہ نیپ نے فلاں اسلامی دفعہ کی مخالفت کی تھی۔ اور اس طرح وہ معاہدہ سے منحرف ہو گئی تھی۔ البتہ ایک مرحلہ ایسا آیا جب نیپ نے اپنے منشور پر عمل درآمد کرنے کیلئے ایک آرڈیننس نافذ کیا۔ یہ آرڈیننس گورنر صوبہ سرحد ارباب سکندر خلیل نے ستمبر ۱۹۷۲ء کے چوتھے ہفتے جاری کیا۔ جس کے ذریعہ حکومت کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ جائیداد اور پیداوار کے وسائل پر بلا معاوضہ قبضہ کر لے۔ اس آرڈیننس کو جاری کرتے ہوئے گورنر نے درج ذیل بیان دیا۔

"کراچی ۵ ستمبر (اے پی پی) صوبہ سرحد کے گورنر ارباب سکندر خان خلیل نے بتایا ہے کہ صوبائی حکومت نے ایک آرڈیننس جاری کیا ہے۔ جس کے تحت صوبائی حکومت معاوضہ ادا کیے بغیر کسی بھی جائیداد یا پیداوار کے وسیلہ پر قبضہ کر سکتی ہے۔ وہ آج پشاور سے کراچی پہنچنے پر ہوائی اڈے پر اخباری نمائندوں سے بات چیت کر رہے تھے۔ انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ یہ قدم نیپ کے منشور کے مطابق اٹھایا گیا ہے۔ اور جہاں ضرورت پڑی اس سے استفادہ کیا جائے گا۔"

روزنامہ "مشرق" لاہور ۶ ستمبر ۱۹۷۲ء۔

جب صوبے کا گورنر یا مرکز میں صدر کوئی آرڈیننس نافذ کرتا ہے تو عام روٹین کے مطابق مرکز میں قومی اسمبلی اور صوبوں میں صوبائی اسمبلی اسے منظور کر کے قانون کا درجہ دے دیتی ہیں۔ گورنر سرحد نے جونہی یہ آرڈیننس نافذ کیا تو جمعیت علماء اسلام صوبہ سرحد کی مجلس شوریٰ نے فوراً اجلاس طلب کر کے متفقہ طور پر یہ قرارداد منظور کر لی کہ اس آرڈیننس کو واپس لے لیا جائے۔ اگرچہ شوریٰ کے اجلاس میں سرحد کے وزیر اعلیٰ جناب خود موجود تھے۔ جنہوں نے آرڈیننس

---

لہ قاری نور الحق صاحب کو نیپ کے معاہدے کی خلاف ورزی کا علم نہیں ہے۔ قارئین کرام مولانا عبدالحکیم صاحب کے انٹرویو کو پڑھیں تو پتہ چل جائے گا کہ خلاف ورزی ہوئی۔ نیز جب قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تو [illegible] قومی اسمبلی کے اجلاس سے نکل گیا اور دس تھے اور نواب خیر بخش مری نے دستخط نہیں کئے۔ حالانکہ مولانا مفتی محمود نے وزارت اعلیٰ سے استعفیٰ ہی بلوچستان حکومت کی برطرفی پر دیا تھا۔ (مرتب)

کے بارے میں وضاحت کی مگر شوریٰ نے مفتی صاحب کی وضاحت منظور کی اور نہ آرڈیننس کو منظور کیا، بلکہ حکومت صوبہ سرحد سے مطالبہ کر دیا کہ بلا معاوضہ املاک پر قبضہ کرنے کا آرڈیننس واپس لیا جائے۔ چنانچہ روزنامہ "امروز" لاہور یکم اپریل ۱۹۷۳ء میں جمعیت علماء اسلام کی قرارداد کو اس طرح نقل کیا ہے:" املاک بلا معاوضہ سرکاری تحویل میں لینے کا آرڈیننس واپس لیا جائے۔"

"حکومت سرحد سے جمعیت علماء اسلام کا مطالبہ۔ مفتی محمود کی وضاحت مسترد کر دی گئی۔"

پشاور ۳۰ ستمبر (اپ پ) جمعیت علماء اسلام کی مجلس شوریٰ نے آج متفقہ طور پر حکومت سرحد سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ آرڈیننس واپس لیا جائے جو حال ہی میں نافذ کیا گیا ہے۔ اور جس کے تحت کوئی بھی جائیداد بلا معاوضہ قومی تحویل میں لی جا سکتی ہے۔ آج مجلس شوریٰ کے اجلاس میں جو صوبائی جمعیت کے امیر سید گل بادشاہ کی صدارت میں ہوا۔ اس سلسلہ میں ایک قرارداد منظور کی گئی۔ اجلاس میں صوبائی وزیر اعلیٰ مولانا مفتی محمود بھی شریک ہوئے۔

اس آرڈیننس کو واپس لینے کا مطالبہ جمعیت کی شوریٰ نے اس لئے کیا تھا کہ یہ اسلامی روح کے خلاف سمجھا جائے گا۔ ورنہ جمعیت میں ایسے جاگیردار اور زمیندار نہ تھے جو اپنی جاگیرداریاں یا زمینداریاں بچانے کے لئے آرڈیننس کی تنسیخ کا مطالبہ کر رہے ہوں۔ بہرحال مفتی محمود صاحب شوریٰ کے فیصلے پر عمل درآمد کرتے ہوئے اپنی ذاتی رائے کو بالائے طاق رکھ کر اس امر پر راضی ہو گئے کہ آرڈیننس منسوخ کر دیا جائے گا۔ اور اسے قانون کا درجہ نہیں دیا جائے گا۔ اس امر کا اعلان انہوں نے چھ نومبر کو پشاور میں اخباری نمائندوں سے بات کرتے ہوئے کیا۔ اگر نیپ کے لیڈروں میں کچھ دم ہوتی تو اس مسئلے پر ایک بہت بڑا ہنگامہ کھڑا کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ گورنر کی آرڈیننس کی تنسیخ سے گورنر کے ذاتی وقار کے مجروح ہو جانے کا اندیشہ بھی تھا۔ مگر گورنر یا نیپ نے اسے ذاتی وقار کا مسئلہ نہ بنایا بلکہ جمعیت کی شوریٰ کا متفقہ قرارداد کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

اس میں شک نہیں کہ عام انتخابات کے وقت جمعیت کی پالیسی ایک عوامی جماعت کی حیثیت کی پالیسی تھی۔ اور اسی پالیسی کا نتیجہ تھا کہ وہ ان منصفانہ انتخابات میں ایک عوامی جماعت بن کر ابھری۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر پی پی میدان میں نہ ہوتی تو پنجاب میں ووٹوں کی تعداد کی پیش نظر مبالغہ آمیزی نہ ہوگی اگر یہ کہا جائے کہ جمعیت علماء اسلام پنجاب میں بھی کم از کم ایسی پوزیشن ضرور اختیار کر لی کہ وہ صوبائی حکومت سازی میں اہم رول ادا کر سکتی۔ جمعیت کا عوامی رول پنجاب میں زیادہ نمایاں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پنجاب میں پی پی کے بعد ووٹنگ پاور میں جمعیت دوسرے نمبر پر رہی۔ گویا ۱۹۷۰ء میں جمعیت آزاد و ترقی پسندانہ اور صحیح اسلامی سوچ کے نظریات کی حامل تھی۔ اور خارجہ پالیسی میں امریکی سامراج کی مخالفت پر مبنی نظریات کی علمبردار تھی۔ چنانچہ ووٹنگ پاور میں جمعیت متحدہ پاکستان میں تیسرے نمبر پر اور مغربی پاکستان میں دوسرے نمبر رہی۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات کی روشنی میں اگر ملک نہ ٹوٹتا تو مشرقی و مغربی پاکستان میں عوامی نمائندوں پر مشتمل حکومت بر سر اقتدار آتی۔ شیخ مجیب الرحمٰن وزیر اعظم بنتے۔ مسٹر بھٹو قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف کا کردار ادا کرتے اور بنگال میں عوامی لیگ، سندھ پنجاب میں پی پی اور سرحد و بلوچستان میں نیپ و جمعیت کی حکومتیں معرض وجود میں آتیں۔ اس طرح ملک میں ایک خوشگوار بنیادی تبدیلی یہ آتی کہ عوام کے منتخب کردہ نمائندوں پر مشتمل حکومتیں ہوتیں۔ جس میں اتفاق سے چاروں جماعتیں ترقی پسندانہ نظریات کی حامل تھیں۔

مشرقی حصہ کی علیحدگی کے بعد مغربی پاکستان کی حد تک سہ فریقی معاہدے کی روشنی میں اگر پی پی، نیپ اور جمعیت متحد ہوتیں تو وہ آئندہ ٹرم میں بھی اپنی کارکردگی کی بنیاد پر دوبارہ عوام کے ووٹوں سے منتخب ہو کر اسمبلیوں میں پہنچ سکتی تھیں لیکن میں ریکارڈ کی درستگی کے لئے عرض کروں گا کہ اس سہ فریقی معاہدہ کی خلاف ورزی ہمیشہ مرکز کی طرف سے ہوتی رہی ہے۔ مسٹر بھٹو اپنی افتاد طبع کے پیش نظر کسی کو برابر کی پوزیشن دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ ہمیشہ اپنے مدمقابل کو نیچا دکھانے کی ٹوہ میں لگے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف

نیپ و جمعیت سے دوستی ختم کی بلکہ اپنی پارٹی میں بھی زندگی بھر کبھی اختلاف نہیں کرنے دی۔ اور پارٹی کے اندر کوئی تنقید برداشت نہیں کی۔ اور وفادار پرانے ساتھیوں کے ساتھ توہین آمیز اور ہتک آمیز رویہ اپنائے رکھا۔ نتیجۃً بحران سے بحران جنم لیتے رہے۔ اور ملک میں ان کے خلاف زبردست تحریک چلی۔ جس میں خود بھٹو بھی اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ اور ملک بھی مارشل لا کے منحوس سایہ کی لپیٹ میں آ گیا۔ جو گیارہ سال تک نہ ہٹایا جا سکا۔ پی پی کے منفی رویہ کے پیش نظر اور بلوچستان کی عوامی حکومت کو غیر قانونی طریقے سے ختم کرنے کے بعد سرحد کی حکومت نے خود بخود استعفیٰ دیدیا۔ تو مسٹر بھٹو نے اپنی پارٹی کی حکومت دونوں صوبوں پر مسلط کر دی گئی۔ جس کا کوئی اخلاقی اور قانونی جواز نہ تھا۔

جمہوریت کی بحالی کے لیے متحدہ جمہوری محاذ پھر قومی اتحاد معرض وجود میں آئے۔ ان اتحادوں میں جمعیت کو ایک سیاسی جماعت ہونے کے ناطے سے جمہوری جدوجہد میں شریک ہونا تھا۔ ان محاذوں میں جماعتِ اسلامی اور دوسری شکست خوردہ جماعتیں جو ۱۹۷۰ء میں شکست کھا چکی تھیں۔ شامل ہوئیں تو جمعیت کی پالیسی بھی تبدیل ہو کر رہ گئی۔ جمعیت کے ساتھ سب سے بڑا سانحہ یہ ہوا کہ یہ متحد نہ رہ سکی۔ اس میں قصور وار کون ہے؟ میں ان سطور میں کسی کو مورد الزام ٹھہرانا نہیں چاہتا یا ترازو کے پلڑے میں تول کر نہیں بتانا چاہتا کہ کون کس حد تک قصور وار ہے اور کتنا۔ اتنی حقیقت صفحۂ قرطاس پر لانا ضروری سمجھتا ہوں کہ لادینی عناصر کے علاوہ پی پی اور نیپ دونوں کو یہ ناپسند تھا کہ علماء کی ایک جماعت اس حد تک عوامی قوت پکڑ جائے کہ وہ دونوں اس کے بغیر سیاسی سفر جاری نہ رکھ سکیں۔ چنانچہ پی پی کے مولانا کوثر نیازی کو اس پر مامور کیا گیا کہ وہ مولانا ہزاروی کو نیپ کی زیادتیوں کے بارے میں معلومات فراہم کریں۔ اور جماعتِ اسلامی کے لیڈروں کے ذمہ یہ کام لگایا گیا تھا کہ وہ مولانا ہزاروی کے خلاف مولانا مفتی محمود صاحب کو باقاعدہ ریکارڈ پیش کر کے دونوں میں ٹکر کی راہ ہموار کریں۔ چنانچہ دونوں مکاتب فکر اپنے اپنے مشن میں کامیاب

رہے۔ اور جمعیت کی عظیم عمارت دینرام سے گر پڑی اب اس کے کھنڈرات موجود ہیں۔
جن پر مجاور مفتی محمود آنسو بہا رہے ہیں۔
(۹) یہ سوال کہ ۱۹۷۲ء میں شملہ جانے سے قبل جمعیت علماء اسلام کے منتخب ممبران قومی اسمبلی اور دوسری جماعتوں نے مسٹر بھٹو کو اعتماد کا ووٹ دیا تھا۔ یقیناً دیا تھا۔ اور دینا چاہیے تھا۔ مسٹر بھٹو اس وقت صدر تھے۔ جو پاک بھارت سربراہی کانفرنس میں شرکت کے لیے بھارت جا رہے تھے۔ پاک بھارت جنگ کے نتیجے میں ملک کے دولخت ہو جانے اور نوے ہزار فوجی جوانوں کے قید ہو جانے اور دیگر مسائل پر گفتگو کے لیے مسٹر بھٹو جب بھارت جا رہے تھے تو مولانا مفتی محمود صاحب نے سرحد اسمبلی میں صدر بھٹو پر اعتماد کی تحریک پاس کرنے پر جو تقریر کی وہ ملاحظہ فرمائیں!
"پشاور ۲۳ جون (پ پ ا) صدر بھٹو نے اس امر کی یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کے ساتھ اپنے مذاکرات سے قومی اسمبلی کو آگاہ کریں گے۔ اور عوامی نمائندوں کے مشورے سے ہی حتمی فیصلہ کیا جائے گا۔ یہ یقین دہانی انہوں نے وزیر اعلیٰ سرحد مولانا مفتی محمود کو ایک ملاقات میں کرائی۔ مولانا مفتی محمود نے آج یہاں سرحد اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ صدر کی اس واضح یقین دہانی کے بعد میں نے صوبہ سرحد کی طرف سے صدر بھٹو پر مکمل اعتماد کا اظہار کر دیا ہے۔ اور انہیں یقین دلا دیا ہے کہ وہ قوم و ملک کے فائدے کے لیے جو بھی اقدام کریں گے ہم اس کی حمایت کریں گے۔ مفتی محمود نے کہا کہ ہم قومی سالمیت کے تحفظ اور ملک کی خوشحالی کے لیے مرکز کے ساتھ مکمل تعاون کریں گے۔ نیپ کے سربراہ خان عبدالولی خان نے اسمبلی میں ایک قرارداد پر تقریر کرتے ہوئے کہا۔
"نیپ چاہتی ہے کہ صدر بھٹو پوری قوم کی مکمل حمایت کے ساتھ پاک بھارت سربراہی کانفرنس میں شریک ہوں۔ انہوں نے کہا کہ نیپ کوئی ایسا قدم نہیں اٹھائے گی جو قومی مفاد

کے منافی ہو ہم بیرونی دنیا کو یہ تاثر نہیں دینا چاہتے کہ ہم متحد نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ قومی سالمیت اور سلامتی کے معاملہ پر کوئی سودے بازی نہیں کی جائے گی"۔

(روزنامہ "امروز" لاہور ۲ جولائی ۱۹۷۳ء)

ان حالات میں اعتماد کی قرارداد پاس کرنا غلط نہیں ہے۔ اور نہ ہی قابل اعتراض۔

**مولانا ہزاروی اور مولانا مفتی محمود میں اختلافات**

پاکستان میں سیاسی جماعتیں پروگرام کی نسبت شخصیات کے گرد زیادہ گھومتی رہتی ہیں۔ سیاسی جماعتیں خواہ وہ نظریاتی ہوں یا حادثے کی پیداوار، بہرحال نظریات کی نسبت شخصیات اور قیادت کی محتاج رہتی ہیں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں جو موضوع سے متعلق نہیں۔ تاہم اس کی بنیادی وجہ میرے نزدیک یہ ہے۔ پاکستان میں سیاسی جماعتوں کو عوام کے نزدیک کام کرنے کے مواقع میسر نہیں آتے۔ جس کی وجہ سے ہنگامی طور پر شخصیتیں سامنے آتی رہتی ہیں اور عوام ان کے گرد اکٹھے ہوتے رہے۔ اگر پاکستان بننے کے بعد عام انتخابات کا انعقاد تسلسل کے ساتھ ہوتا رہتا تو عوام شخصیات کے بجائے پروگرام پر زور دیتیں اور ایک معقول متناسب اور سنجیدہ معاشرہ تشکیل پاتا۔ جس سے سیاست میں ٹھہراؤ، پختگی و اصابت رائے، پروگرام سے واقفیت، ملکی معاملات سے دلچسپی، ملک کے بنیادی مسائل سے باخبری وغیرہ عوامل کارفرما ہوتے۔ مگر ایسا نہ ہو سکا چنانچہ گذشتہ اکتالیس سالوں میں زیادہ عرصہ مارشل لاء کا رہا۔ کچھ عرصہ نیم مارشل لاء کی نذر رہا۔ جبکہ ملک چند برس نوکرشاہی کی سازشوں کی آماجگاہ بنا رہا۔ اگر ایک دو انتخابات ہوئے بھی تو ان میں ۱۹۵۱ء انتخابات میں جھرلو کا دور دورہ رہا ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے نتائج تسلیم نہیں کیے گئے۔ ۱۹۷۷ء کے انتخابات دھاندلی کا شکار ہوئے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ملک میں عملی طور پر مارشل لاء کی سی کیفیت رہی۔

درج بالا چند گذارشات پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ پاکستان میں سیاسی جماعتوں کے پروگرام سے عوام کی عدم واقفیت کی وجہ سے سیاست شخصیات کے گرد گھومتی رہی ہے چنانچہ

جمعیت علماء اسلام کبھی دو شخصیات مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور مولانا مفتی محمودؒ کی محتاج رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جمعیت علماء اسلام کی بنیادوں کو مضبوط بنانے، اس کی نیو اٹھانے اور ملک میں فعال سیاسی کارکنوں کی کھیپ تیار کرنے میں مولانا غلام غوث ہزاروی کی شبانہ روز کی محنت شاقہ اور خلوص کا نتیجہ تھی۔ ان کے بعد مولانا مفتی محمود نے اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر اسے چار چاند لگا دیئے۔ دونوں شخصیات کے چلے جانے کے بعد جمعیت کو جو نقصان پہنچا وہ ناقابل بیان ہے۔ تاہم مولانا ہزاروی اور حضرت مفتی صاحب کے مابین جو اختلافات پیدا ہوئے۔ اس سے جمعیت کی ساکھ متاثر ہوئی۔ کارکن بددل ہو گئے۔ اور جمعیت واقعی دو ٹکڑوں میں بٹ کر رہ گئی۔ حکومت سازی ایک نیا تجربہ تھا۔ جمعیت سے منسلک علماء کے لیئے مفتی صاحب وزیر اعلیٰ بن گئے۔ لیکن سرحد اسمبلی میں وہ اقلیت میں تھے۔ ان کے اپنے رفقاء کی تعداد پانچ تھی۔ لہٰذا مخلوط نیپ کے ساتھ مل کر بنائی گئی۔ مخلوط حکومت میں دیگر شامل جماعتوں کے ارکان کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب بھی اخلاقاً پابند تھے۔ آخر دوسروں کو ساتھ لے کر چلنا تھا۔ مولانا ہزارویؒ چاہتے تھے کہ دو صوبوں میں نیپ کے ساتھ مخلوط حکومت کے بعد مرکز میں پی۔پی کے ساتھ مل کر مخلوط حکومت بنائی جائے۔ تاکہ مرکز و صوبوں میں نیپ، جمعیت اور پی پی باہم متحد رہیں۔ لیکن اس خواہش کی تکمیل یوں نہ ہو سکی کہ مفتی صاحب نیپ کے زیادہ قریب ہو گئے۔ اور مولانا ہزارویؒ پی۔پی کے قریب۔ پی۔پی مرکز میں بیٹھ نیپ اور جمعیت کی مخلوط حکومت کو نیچا دکھانے کے لیئے ہمیشہ کوئی نہ کوئی حربہ اختیار کرتی رہتی۔ اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتی۔ اور وہ قوتیں جو سہ فریقی معاہدہ کے خلاف تھیں، جنہیں سہ فریقی معاہدہ پر عمل درآمد سے اپنی موت نظر آ رہی تھی۔ صوبوں اور مرکز میں مسلسل غلط فہمیاں پیدا کر رہی تھیں۔ نتیجۃً نیپ اور جمعیت جماعت اسلامی کے ساتھ مل گئی۔ اور پی پی نے خان عبدالقیوم خان کو اپنی گود میں بٹھا لیا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی کی سب سے بڑی کمزوری جماعتِ اسلامی رہی ہے۔ وہ جماعتِ اسلامی کا لفظ بھی استعمال نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ "مودودی پارٹی" کہتے تھے۔ اور ان کی سیاست کا محور

جماعت کی مخالفت تھی ۔ وہ جماعت کی مخالفت میں انتہا پسند تھے ۔ بلکہ جماعت کی مخالفت میں وہ کسی حد تک جانے کو بھی تیار تھے ۔ اس میں شک نہیں کہ علماء دیوبند کے علاوہ دیگر مسالک کے علماء بھی جماعتِ اسلامی سے دینی مسائل میں اختلاف رکھتے تھے ۔ تاہم مولانا ہزاروی کچھ زیادہ ہی مخالف تھے ۔ دراصل مولانا مذہب میں سیاست کرتے تھے ۔ جبکہ مولانا مفتی محمودؒ سیاست میں مذہب کے قائل تھے ۔ ان دو بزرگوں میں دراصل یہی بنیادی اختلاف تھا ۔ مولانا مفتی محمود کی خواہش تھی کہ قومی اسمبلی میں اسلامی ذہن رکھنے والے ارکان پر مشتمل ایک محاذ بنایا جائے ۔ مولانا ہزارویؒ ہر اس اسلامی محاذ یا گروپ کے مخالف تھے جس میں جماعتِ اسلامی شامل ہو ۔ چنانچہ نیپ و جمعیت کے خاتمے کے بعد مسٹر بھٹو کے خلاف متحدہ جمہوری محاذ (یو ۔ ڈی ۔ ایف) میں شامل نہیں ہوئے ۔ جبکہ وہ جمعیت کے مرکزی رہنما تھے ۔ مولانا ہزارویؒ اور مولانا مفتی محمود میں اختلافات کی وجہ سے جمعیت کے کارکنوں میں بددلی ، مایوسی اور بے رغبتی پیدا ہو گئی ۔ بالآخر آئین کے تحت جب قومی اسمبلی کا اجلاس ہوا تو اس میں وزیرِ اعظم کے عہدے کا انتخاب لازمی تھا ۔ چنانچہ حکمران جماعت کی طرف مسٹر بھٹو کا نام بطور وزیرِ اعظم پیش ہوا ۔ جبکہ حزبِ اختلاف کی جانب سے مولانا شاہ احمد نورانی کا نام پیش ہوا ۔ مولانا ہزاروی اس وقت جمعیت کے مرکزی رہنما تھے ۔ جماعتی ڈسپلن کا تقاضہ تھا کہ مولانا مفتی محمود صاحب جو جمعیت کے پارلیمانی لیڈر تھے ، ان کی نسبت سے مولانا شاہ احمد نورانی کے حق میں ووٹ ڈالتے ۔ مگر مولانا ہزاروی ، مولانا عبدالحکیم اور مولانا عبدالحق آف کوٹنہ نے وزارتِ عظمیٰ کا ووٹ مسٹر بھٹو کو دے دیا ۔ اور یہ کارنامہ مولانا کوثر نیازی مرحوم[1] کی محنت شاقہ کا نتیجہ تھا ۔ گویا اسمبلی میں بیٹھ کر بھی کسی قسم کی جماعتی ڈسپلن یا جماعتی نظم و ضبط کا مظاہرہ نہ ہو سکا ۔

مولانا ہزاروی نے مسٹر بھٹو کو ووٹ کیوں دیا ۔ ظاہر ہے کہ مولانا یہی سمجھتے تھے کہ

---

[1] یہ سطور ۰ر مارچ ۱۹۹۴ء کو کتابت ہوئیں جبکہ ۱۹ر مارچ کو مولانا نیازی اس دنیا سے رخصت ہوگئے ۔ (کاتب)

مسٹر بھٹو کی شخصیت مولانا نورانی کے مقابلہ میں کہیں زیادہ پرکشش اور جاذب تھی۔ اور وہ بین الاقوامی لیڈر کی حیثیت کے حامل تھے۔ اندرون وبیرون ملک پہچانے جاتے تھے۔ اور پھر مولانا ہزاروی کے تین ووٹوں سے مولانا نورانی وزیر اعظم تو نہیں بن سکتے تھے۔ لیکن حالات اور ڈسپلن کا تقاضہ تھا کہ مولانا ہزاروی حکومت کے حق میں ووٹ استعمال نہ کرتے۔ دونوں بزرگوں میں اختلاف کی ایک نفسیاتی وجہ بھی تھی۔ جیسا کہ ہم سطور بالا میں لکھ آئے ہیں کہ مولانا ہزاروی جماعتِ اسلامی کے شدید ترین مخالفین میں سے تھے۔ اور مولانا مرحوم ولی خان کی سیاست سے بھی مطمئن نہیں تھے۔ وہ مسٹر بھٹو کے ذریعہ جو پارلیمنٹ میں اکثریت رکھتے تھے۔ ایک تیر سے دو شکار کھیلنا چاہتے تھے۔ یعنی مسٹر بھٹو یا پیپلز پارٹی کے ذریعہ جماعتِ اسلامی کو بھی ختم کر دیں اور ولی خان کی سیاست کو بھی صوبہ سرحد میں پنپنے کا موقع نہ دیں۔ مولانا ہزاروی جب مفتی محمود سے مایوس ہو گئے۔ وہ صوبہ سرحد میں برسر اقتدار آ کر ولی خان کے قریب جا چکے ہیں۔ اور قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

تو مولانا نے از خود یہی سوچا کہ ان کے مذہبی حریف یعنی جماعتِ اسلامی اور سیاسی حریف یعنی ولی خان کی نیپ کو انجام تک پہنچانے کے لیے مسٹر بھٹو کا بلا شرط ساتھ دیا جائے ماضی سے مولانا مرحوم کو ذہنی طور پر تو شاید تسکین ہوئی ہو۔ لیکن جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ کسی طور بھی مستحسن قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مسٹر بھٹو سے مرکز میں تعاون اسی صورت میں ممکن تھا کہ جب وہ سہ فریقی معاہدہ کی پابندی کرتے۔ سرحد حکومت کے لیے مسٹر عبد الحفیظ پیرزادہ مسٹر خورشید حسن میر، معراج محمد خان، مولانا کوثر نیازی اور طارق عزیز پر مشتمل ٹیم مسلسل دورے کر کے نیپ و جمعیت کے خلاف محاذ آرائی کی پالیسی اختیار کرتے۔

**مولانا ہزارویؒ کی شخصیت** سیاست بھی عجیب شے ہے۔ حالات کس وقت کیا رخ اختیار کرتے ہیں دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ مولانا غلام غوث ہزاروی صرف اسی وجہ سے معتوب ہوئے اور بالآخر جمعیت سے علیحدہ کر دیئے گئے کہ انہوں نے مسٹر بھٹو کا ساتھ دیا۔ جبکہ مولانا مفتی محمود

مسٹر بھٹو کے سخت مخالفین میں سے تھے۔ مسٹر بھٹو کے خلاف تحریک قومی اتحاد میں مولانا مفتی محمود سربراہ تھے۔ بالآخر بھٹو کو تخت سے اتار کر جیل بھجوانے کا سہرا مفتی صاحب کے سر رہا۔ وہ نہ صرف بھٹو سے ووٹ لے کر فاتح بھٹو کہلائے۔ سیاسی طور پر بھی بھٹو سے حکومت چھین لی۔ اور مفتی محمود صاحب بھٹو کی مخالفت میں اس حد تک آگے نکل گئے کہ جنرل محمد ضیاء الحق کے ساتھ حکومت سازی میں شریک ہو گئے اور ایک سال تک تعاون جاری رکھا۔

حالات کی ستم ظریفی ملاحظہ کیجیے کہ مسٹر بھٹو کے انجام تک پہنچنے کے بعد مختلف جماعتوں نے مل کر بحالیٔ جمہوریت کی تحریک کی بنیاد رکھی جس میں قاتل و مقتول آپس میں مل گئے۔ جب مسٹر بھٹو کو پھانسی دی گئی تو اس وقت قومی اتحاد کی چار جماعتیں (مسلم لیگ، جمعیت علماء اسلام، جماعتِ اسلامی اور جمہوری پارٹی) جنرل ضیاء الحق کی حکومت میں شامل تھیں چند روز بعد مستعفی ہو کر عوام سے مل گئیں۔ گویا مسٹر بھٹو کی پھانسی تک یہ جماعتیں حکومت میں شامل رہیں۔

جنرل ضیاء الحق مرحوم کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد جب مرحوم نے اسلامی نظام کے نفاذ کے عزم کا اظہار کیا۔ اور نظامِ مصطفےٰ کا نعرہ بلند کیا تو مذہبی جماعتوں نے اس کا خیر مقدم کیا۔ جو نظام وہ ۱۹۷۷ء کی تحریک کے دوران عوام سے کیے گئے وعدوں کی صورت میں عوام کو نہ دیا جا سکا۔ وہ مارشل لاء کے دور میں جنرل ضیاء الحق پورا کرنا چاہتے ہیں۔ قوم بے نصیب! کیونکہ ان سیاسی جماعتوں کے نزدیک اسلامی نظام کا نفاذ جمہوریت کا انتظار نہیں کرتا۔ اس کے نفاذ کے لیے جس طرز کی حکومت بھی ملک میں ہو کر سکتی ہے۔ اگرچہ اب جنرل ضیاء الحق نے نظامِ اسلام کے نفاذ کے بارے میں تمام مواعید اور جدوجہد کے بارے میں میجر جنرل (ریٹائرڈ) تجمل حسین نے رہائی کے بعد یہ کہہ کر جنرل ضیاء الحق نے ان کی گرفتاری پر جو سرکلر جاری کیا اس میں مجھ (تجمل حسین) پر الزام لگایا کہ میں ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی کوشش کر رہا تھا۔ ضیاء الحق کے اسلامی نظام کے بارے میں غبارے سے ہوا نکال دی ہے۔

بہر حال جنرل ضیاء الحق کے خلاف تحریک بحالیٔ جمہوریت کی بنیاد رکھی گئی۔ پاکستان کی

تاریخ میں پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ ضیاء الحق کی حکومت میں شریک جماعتوں نے جنرل ضیاء الحق کی سب سے بڑی حریف جماعت پیپلز پارٹی سے بحالی جمہوریت کے لیئے معاہدہ کر لیا۔ حیرت اس بات پر ہے کہ ایم آر ڈی میں دیگر جماعتوں کے علاوہ جمعیت علماء اسلام بھی شامل ہوگئی۔ یہاں سے جمعیت علماء اسلام کے اکابر میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ اور جمعیت دو گروپوں میں بٹ گئی۔ ایک گروپ کا نام فضل الرحمٰن اور دوسرے کا نام درخواستی گروپ پڑ گیا۔ درخواستی گروپ کا موقف تھا کہ مولانا فضل الرحمٰن کو پیپلز پارٹی ایسی جماعت کے ساتھ کسی قسم کا معاہدہ نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ جس نے اپنے عہد میں سب سے زیادہ جمہوریت کشی کی۔ علماء، طلباء اور مزدوروں پر مظالم ڈھائے اور سینکڑوں کارکنوں کو شہید اور ہزاروں کو پس دیوار زنداں کر دیا۔ جبکہ مولانا فضل الرحمٰن کا موقف تھا کہ جمہوریت کی بحالی کے لیئے سب پارٹیوں کو مل کر جدوجہد کرنی چاہیئے۔ اس میں کسی جماعت کے ماضی کو پیش نظر نہیں رکھنا چاہیئے۔

## مولانا ھزارویؒ

## ذاتی مشاہدات و تاثرات

مولانا غلام غوث ہزاروی مرحوم ایک جید عالم دین ہی نہیں، ایک متعدد رہنما، بیباک خطیب ہی نہیں تھے، بلکہ وہ ایک شفیق ہمدرد، متواضع اور منکسر المزاج انسان تھے۔ خوراک و لباس اور رہن سہن کے معاملہ میں مکمل سادگی کا نمونہ تھے۔ ان کی وفات سے قبل جب میں بیمار پرسی کی خاطر لغمان کے گھر پہنچا تو جس کمرے میں بٹھایا گیا وہ سیمنٹ سے بنا ہوا تھا۔ جبکہ باقی گھر کچا تھا۔ جوں ہی مولانا مرحوم میرا نام سن کر تشریف لائے تو آتے ہی فرمایا کہ یہ کمرہ مہمانوں کے لیئے پختہ بنایا ہے۔ ورنہ میرا مکان کچا ہے۔ مولانا مرحوم تصنع، ریاکاری، خودنمائی، خودشناسی اور ہر قسم کی دنیاوی آلائشوں سے پاک تھے۔ لالچ، حرص، طمع، اور خوشامد سے کوسوں دور بھاگتے تھے۔ ان کے ہاں خطیبوں جیسا نخرہ،

لیڈروں جیسا غرور نہیں تھا۔ وہ اپنی کسی تقریر، تحریر یا کسی خوبی کی وجہ سے کسی قسم کی داد کے طلبگار نہ ہوتے۔ وہ مرد قلندر تھے۔ انہوں نے تقریروں اور وعظ کو ذریعۂ معاش نہیں بنایا۔ بلکہ وہ عالم و مجاہد ہونے کے ساتھ ساتھ ایک قابل اور مستند حکیم بھی تھے۔ اور خالص سالاجیت ہمیشہ اپنے پاس رکھتے اور اسی سے اپنے گھر کا نظام چلاتے تھے۔ انہوں نے کوسوں میل پیدل بھی سفر کیا۔ صاحب دعوت سے کبھی نہیں الجھے۔ کرایہ تک لینے سے گریزاں رہتے۔ کسی نے کرایہ دیا تو اسے واپس کرنے کی کوشش کی۔ کارکنوں سے محبت کرتے۔ ان کی خامیوں کو نظر انداز کرتے اور خوبیوں کا کا برملا تذکرہ کرتے۔ کسی کی غیبت نہ سنتے اور نہ برائی میں شریک ہوتے۔ مولانا ہزاروی کے ساتھ میں نے کئی بار سفر بھی کیا۔ اور بہر وگراموں میں بھی شریک رہا۔ سینکڑوں تقریریں سنیں۔ موقع محل کے مطابق بات کرتے۔ ملکی حالات کا تذکرہ خوب کرتے جس میں خطیب کی کڑک اور مجاہد کی للکار کے ساتھ مزاح کی چاشنی بھی شامل ہوتی۔ خود بھی ہنستے اور مجمع کو بھی ہنساتے۔ یہ بات انہیں اکابرین احرار سے ملی تھی۔ وہ مجمع کو بور نہیں ہونے دیتے تھے۔ وہ ایک پکے عالم باعمل تھے۔ وہ فوٹو کھینچوانے تک سے گریز کرتے۔ بارہا اخباری فوٹوگرافروں سے ان کی سخت کلامی ہوتی۔ انہیں مجمع سے نکال دیتے اور لی گئی تصویر پھاڑ دینے کا حکم دیتے۔ آج تو بڑے بڑے علماء دین اور خطباء کرام بڑے شوق سے تصویر بنواتے اور پوز شائع کراتے ہیں۔

مولانا ہزاروی معاملہ فہم اور سیاسی بصیرت کے حامل تھے۔ کئی بار انہوں نے سیاسی پیشگوئیاں کیں۔ جو حرف بحرف پوری ہوئیں۔ سنہ ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں جب مسٹر ذوالفقار علی بھٹو ڈیرہ اسمٰعیل خان میں مولانا مفتی محمود کے مدمقابل آگئے تو مولانا ہزاروی نے ایک بہت بڑے جلسۂ عام میں اعلان کیا کہ مسٹر بھٹو حضرت مفتی صاحب سے شکست کھائیں گے۔ اگر مسٹر بھٹو مفتی صاحب سے الیکشن جیت گئے۔ تو وہ (مولانا ہزاروی) سیاست سے ریٹائرڈ

ہو جائیں گے۔ چنانچہ ۱۹۷۰ء انتخابی نتائج نے ثابت کیا کہ مسٹر بھٹو لاڑکانہ، ملتان اور لاہور سے تمام سیٹیں جیت گئے۔ مگر ڈیرہ اسمٰعیل خان میں پندرہ ہزار ووٹوں سے ہار گئے۔

اسی طرح ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے نتیجے میں ایک اور پیشگوئی کی جو حرف بحرف پوری ہوئی۔ ہم گذشتہ صفحات میں لکھ آئے ہیں کہ مولانا ہزاروی جماعتِ اسلامی کے سخت مخالف تھے۔ ان کی کوئی تقریر، کوئی پریس کانفرنس اور کوئی بیان ایسا نہیں ہوتا تھا جس میں جماعت کی مخالفت نہ کی گئی ہو۔ بارہا جماعت کی طرف سے ان پر قاتلانہ حملے کئے گئے۔ مگر قدرت نے انہیں محفوظ رکھا۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جماعتِ اسلامی کی الیکشن مہم انتہائی عروج پر تھی۔ اخبارات ورسائل میں پمفلٹوں کے ذریعے عوام کو یہ تاثر دیا گیا کہ اسی فیصد سیٹیں جماعتِ اسلامی حاصل کریگی۔ اسی دوسری جماعتیں بھی اپنے اپنے پروپیگنڈوں میں مصروف تھیں۔ جماعت اسلامی نے پی۔پی۔پی کے خلاف ۱۱۳ علماء کا فتویٰ بھی جاری کرایا۔ اگرچہ اس فتوے پر دیگر علماء کے علاوہ مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم، گلی کوچوں اور چھوٹے قصبات تک پی۔پی اور جمعیت علماء اسلام کے خلاف پروپیگنڈے میں مصروف تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جماعتِ اسلامی پورے انتخابی نتائج سے پہلے چھا چکی تھی۔ ایسے عالم میں مولانا غلام غوث ہزاروی نے جلسۂ عام میں اعلان کیا کہ جماعتِ اسلامی کو پورے ملک میں چار سیٹیں ملیں گی۔ اور ایک جنازہ کو اٹھانے کیلئے چار آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس قسم کے اعلان پر مخالفوں کے علاوہ جمعیت کے اکابر اور کارکنوں نے مولانا مرحوم کی اس قسم کی پیشگوئی کو خندۂ استہزاء سمجھ کر ٹال دیا۔ کارکن یہی سمجھتے رہے کہ مولانا بوڑھے ہو چکے ہیں لہٰذا اس قسم کی گفتگو کرتے ہیں۔

؎ اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو۔

لیکن جب نتیجہ سامنے آیا تو مولانا مرحوم کی پیشگوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ جماعتِ اسلامی کو سندھ میں دو اور پنجاب اور سرحد میں ایک ایک سیٹ ملی۔ جبکہ مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش)

تمی صفر رہی۔ نواب محمد اکبر خان بگٹی. بگٹی قبیلہ کے سربراہ ہیں پہلے نیشنل عوامی پارٹی میں رہے۔
بعد میں اس سے علیحدہ ہو گئے۔ نہ صرف علیحدگی اختیار کی بلکہ سخت ترین مخالف ہو گئے۔ ایک
وقت تحریک استقلال کے قریب بھی رہے۔ پھر پیپلز پارٹی میں بھی رہے پیپلز پارٹی کے
عہد میں بلوچستان میں گورنر بھی رہے۔ گورنری کے بعد گوشہ نشین ہو گئے ۔آجکل بلوچستان نیشنل الائنس
کے سربراہ ہیں۔ نواب اکبر بگٹی کئی خوبیوں کے مالک ہیں، خاندانی نواب تو ہیں ہی، کبھی ملک میں ستا گا
ہو تو اخبارات میں چھپنے کے لیے اردو زبان میں بات کرنا چھوڑ دیں گے۔ بلکہ انگریزی، بلوچی
اور سرائیکی میں گفتگو کو ترجیح دیں گے۔ بہر حال وہ بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔ اب بھی بلوچستان
کے وزیر اعلیٰ بن گئے۔ مسٹر بھٹو اپنے عہد اقتدار میں جب خان عبدالولی خان سے تنگ آ چکے تھے۔
اور وہ بلوچستان و صوبہ سرحد کی نیپ و جمعیت کی حکومتوں کو ختم کرنے ترکیب سوچ رہے
تھے۔ اور نیپ پر پابندی لگانے کا پروگرام بنا رہے تھے تو انہوں نے نواب اکبر خان بگٹی کو
ایک مہرے کے طور پر استعمال کرنے پر تیار کیا۔ انہیں ایک منصوبے کے تحت سوچی گیٹ لاہور
لایا گیا۔ ایک جلسہ عام کا اہتمام کیا گیا۔ جس کی تشہیر اخبارات و ریڈیو کے ذریعہ کی گئی۔ اور
مسٹر بگٹی کی تقریر سے قبل ملک بھر میں اخبارات و اشتہارات کے ذریعہ یہ خبر نشر کی گئی کہ مسٹر
اکبر خان بگٹی نے خان عبدالولی خان اور نیپ کے بارے میں زبردست زہریلی تقریر کی اور اس
کے ساتھ ہی عراقی سفارتخانے سے روسی اسلحہ کی بھاری مقدار میں برآمدگی کا انکشاف کیا۔
اخبارات میں عراقی سفارتخانے کے ماتحت روم میں روسی اسلحہ کے انکشاف نے ملک بھر میں
نیپ کے خلاف فضا کو زہر آلود کر دیا۔ نوائے وقت جیسے اخبارات نے اس قسم کی خبروں
کی بلائیں لیں۔ اور خان عبدالغفار خان مرحوم سے لے کر نیپ کے عام کارکن تک کو غدار و
ملک دشمن، بھارت اور روس کا ایجنٹ وغیرہ کے القابات سے نوازا گیا۔

مولانا غلام غوث ہزاروی واحد شخصیت تھے جنہوں نے ایسے سنگین حالات اور مسموم
فضا میں نعرۂ مستانہ بلند کیا۔ اور بیان جاری کیا کہ عراقی سفارت خانہ سے روسی اسلحہ کی برآمدگی

ایک فراڈ ہے۔ اور نیپ اور جمعیت کی آئینی حکومتوں کو توڑنے کی سازش ہے۔ مولانا نے سوال کیا کہ سفارتخانوں کے باتھ روموں تک اسلحہ کس ہاتھ نے پہنچایا۔ اس کی نشاندہی ضروری ہے۔ مسٹر گبھی سوچی گیٹ کے جلسۂ عام میں اعلان وانکشاف کے بعد پروگرام کے مطابق بلوچستان کے گورنر بنا دیئے گئے۔ اور نیپ و جمعیت کی بلوچستان کی حکومت ختم کر دی گئی۔ سرحد کی حکومت خود بخود مستعفی ہو گئی۔ اور یوں عراقی سفارتخانہ کے باتھ روموں سے روسی اسلحہ کی برآمدگی کی سازش کا ڈراپ سین ہو گیا۔

میں ان سطور میں اپنی گذارشات مولانا غلام غوث ہزاروی کے بارے میں لکھ رہا ہوں اس میں ضروری نہیں کہ مولانا مرحوم کی ہر بات اور ہر طریقے سے مجھے کامل اتفاق بھی ہو۔ کسی جماعت میں رہنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس کے رہنما یا لیڈر کی ہر بات سے متفق ہونا ضروری ہے جس طرح جماعت کے رہنما کی جبلی عادات سے اتفاق ضروری نہیں اسی طرح اس کے ہر موقف کی تائید ضروری نہیں۔ البتہ جب تک جماعت کی مجموعی پالیسی سے کوئی شخص اتفاق رکھتا ہے تو اس میں شامل رہتا ہے ورنہ نہیں۔ مولانا ہزاروی کے واسطے سے مجھے ایسی باتیں بھی صفحۂ قرطاس پر لانا پڑیں گی جن سے میرا اتفاق ضروری نہیں ہے لیکن وہ چونکہ مولانا نے زندگی میں کہہ دی ہیں۔ تاریخ کے صفحات پران کا رقم کرنا اوران کا حصہ بنانا ضروری ہے۔ تاکہ وہ تاریخ کے صفحات پر محفوظ رہ سکیں۔

یہاں ایک اور بات کا کرنا بھی ضروری ہے کہ حکم ہے کہ مرنے والے کو اچھے نام سے یاد کرو کیونکہ اس کا حساب کتاب محتسب اعلیٰ کے سامنے آچکا ہوتا ہے۔ لہٰذا مرنے کے بعد زندوں کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایسی بات کریں یا لکھیں جس کا جواب دینے والا دنیا میں نہ ہو۔ لیکن انسان مرنے کے بعد تاریخ کا حصہ بن جاتا ہے۔

اس لیئے اس کے مرجانے کے بعد تجزیہ و تحقیق کی وادی سے گذرنا پڑتا ہے۔ تاکہ مستقبل میں ماضی کی غلطیوں کا اعادہ کرنے سے روکا جاسکے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی نے اپنی زندگی میں جماعتِ اسلامی کے امیر مولانا مودودی کے بارے میں دو پیشگوئیاں کی تھیں۔ ایک یہ کہ میں (غلام غوث ہزاروی) مولانا مودودی کے بعد مروں گا۔ دوسری یہ کہ مولانا مودودی کا انتقال امریکہ میں ہوگا۔ حیرت ہے کہ دونوں پیشگوئیاں حرف بحرف پوری ہوئیں۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں فلاں سے پہلے مروں گا۔ یا فلاں کی موت فلاں جگہ واقع ہوگی۔ مگر مولانا مرحوم نے دونوں باتیں زندگی میں کہیں۔ اور دونوں پوری ہوئیں۔ میرے علاوہ جماعت کے ہزاروں لوگ ان پیشگوئیوں سے واقف ہیں۔ میری سمجھ میں آج تک یہ بات نہیں آسکی کہ مولانا ہزاروی کا تقوٰی میں کیا مقام تھا۔ اور انہوں نے یہ دونوں باتیں کیونکر کہیں اور کس طرح پوری ہوئیں۔ مولانا ہزاروی کے اندازِ سیاست سے اختلاف کیا جاسکتا ہے اور راقم الحروف کو بھی رہا ہے۔ مگر جمعیت علماءِ اسلام میں مجموعی طور پر ان کی پالیسیاں اثر انداز رہیں۔ انہی کا ذہن کارفرما رہا۔ یہی وجہ ہے کہ جمعیت علماء اسلام کو سوقوں اخبارات میں ہزاروی گروپ کہا جاتا رہا۔ جب کہ ناظم عمومی اور قیادت مولانا مفتی محمود کے ہاتھوں میں تھی۔ مولانا نے کارکنوں میں یہ دو چیزیں پیدا کیں جو آج تک اس قبیل کے علماء اور کارکنوں کے دلوں میں راسخ ہو چکی ہیں۔ ایک جماعتِ اسلامی سے اختلاف اور دوسری امریکہ سے نفرت۔

چنانچہ جمعیت علماء اسلام کے کارکن آج بھی خواہ وہ کتنے ہی گروہوں میں بٹے ہوئے ہوں وہ جماعتِ اسلامی اور امریکی سامراج سے مصالحت پر آمادہ نہیں ہو سکتے۔ آج سوچتا ہوں تو مولانا ہزاروی کا جماعتِ اسلامی سے سخت بیزاری کا بار بار اور کھلم کھلا اظہار سمجھ میں آتا ہے۔ اگر مولانا ۱۹۵۱ء کے عشرہ کے وقت مولانا مودودی اور جماعت اسلامی سے برملا اختلافات اور بیزاری کا اظہار نہ کرتے۔ اور عوام و خواص کو سلفِ صالحین اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں مولانا

مودودی کی ناوک افگنی سے آگاہ نہ کرتے تو آج پاکستان میں اسلام کی دعویدار صرف جماعت اسلامی ہوتی اور کسی دوسری اسلامی جماعت کو اسلام کے حوالے سے بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اور یوں اسلام کی تعلیمات پسندوں کے نقطۂ نظر سے دیکھی اور ناپی جاتی۔ یوں مولانا ہزاروی اسلام کا مستقبل محفوظ ہاتھوں میں دے گئے۔ اور آنے والے خطرات سے اپنی سیاسی و دینی بصیرت اور مولانا سید حسین احمد مدنی اور مولانا احمد علی لاہوری کے فیضِ صحبت کی بدولت ایسا کام کر گئے جو آئندہ نسلیں یاد رکھیں گی۔ اگرچہ جماعتِ اسلامی اور اس کے موجودہ قائدین و مفکرین مولانا مودودی کے افکار سے بغاوت کر چکے ہیں اور ایک ایسی سیاسی جماعت کی صورت میں ظاہر ہو چکے ہیں، جو موقع محل کے مطابق نیز اپنے مقاصد اور ایسی مقاصد کے حصول کے لیے ہر حربہ استعمال کرنے میں کوئی حجاب محسوس نہیں کرتی اور حصولِ اقتدار کے لیے ہر قسم کی تکنیک پر چلنے کے لیے اور ہر طریقہ اختیار کرنے کے لیے تیار رہتی ہے۔ نیز اس کی رکنیت کے لیے بھی شرائط آسان کر دی گئی ہیں۔ غرض مولانا ہزاروی نے زندگی میں علماء کے ایک ایسے طبقے کو جو سلفِ صالحین کے انداز فکر کا حامل تھا کر آنیوالے جدت پسندوں، فرنگی تہذیب کے دلدادوں اور اپنی رائے کی بنیاد پر اسلامی تعلیم کو مسخ کرنے اور حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور خلفاء راشدین پر طنز و تنقید اور تاریخ کے نام پر کیچڑ اچھالنے والوں کے عزائم سے آگاہ کر دیا۔ اور ان کی نشاندہی زوردار طریقے سے کی کہ انہیں کہیں بھی کسی بھیس میں پھیلنے نہ دیا۔ اور نہ ہی نقب لگانے کی اجازت دی۔ میرے نزدیک مولانا کی سیاسی اور دیگر خدمات کے مقابلے میں اسلام کے خود ساختہ اور اپنے تئیں مفسرین و محدثین کی گوشمالی کی جو خدمات انجام دی ہیں۔ ایک بہت بڑا عظیم کارنامہ ہے جس میں مولانا ہزاروی یکہ و تنہا نظر آتے ہیں۔

---

# اسلام اور سوشلزم

۱۹۷۰ء کے الیکشن سے قبل جماعت اسلامی نے انتخاب جیتنے کے لیے مختلف حربے استعمال کیئے۔ ان میں سے ایک جھوٹ یہ بھی تھا کہ جمعیت علماء اسلام اسلامی سوشلزم کے نعرے کی حامی جماعت ہے۔ اور مولانا ہزاروی اور دیگر اکابرین نے اس کی حمایت کی ہے۔ حالانکہ یہ بالکل جھوٹ تھا۔ مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے اس سلسلے میں اپنے مختلف اخباری بیانوں اور انٹرویوز اور جلسوں میں تردید کی لیکن مودودی جماعت کب رکنے والی تھی۔ بالآخر مولانا ہزاروی نے ایک طویل اخباری بیان تحریر فرمایا جو مندرجہ ذیل ہے۔

## اسلام اور سوشلزم

مکرمی تسلیم! میں نے ۱۹ر جنوری ۱۹۶۹ء کو راولپنڈی کی پریس کانفرنس میں جو کہا تھا اس کے سلسلے میں چند معروضات پیش کرتا ہوں۔

۱۔ عرصہ سے ملک میں کمیونزم کا پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ جو اسلام کے خلاف ہے۔ علماء دین اور خاص کر جمعیت العلماء اسلام نے جہاں امریکی سامراج کی مخالفت کی ہے۔ وہاں کمیونزم کے خلاف مسلسل اپنا تبلیغی فرض ادا کر رہی ہے۔ کمیونسٹوں کے پاس پروپیگنڈہ کا بڑا ہتھیار یہ ہے کہ اسلام میں اقتصادی نظام یا کم ازکم معاشی مسائل کا حل موجود نہیں ہے۔ حالانکہ اسلام نہایت جامع دین اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اور اس کے آسمانی قانون نے دنیا کے غالب اور بڑے حصہ پر ہزار سال سے زیادہ کامیاب حکومت کر کے ثابت کر دیا ہے کہ دنیا بھر میں امن قائم کرنے اور عادلانہ و مساویانہ نظام قائم کرنے کا ضامن ہے۔ غازی اورنگزیب کی اسلامی حکومت جو رنگون سے تاشقند تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور سلطنت عثمانیہ جو پورے ایشیا اور افریقہ تین براعظموں میں

حکمران تھی۔ اس کے ادوار شاہد عدل ہیں۔ ان زمانوں میں اگرچہ اقتدار کی جنگیں بھی ہوئیں۔ اور حسد اور بے دینی نے مسلمانوں میں بڑی حد تک راہ پالی تھی۔ مگر ملک کا قانون اسلام ہی تھا۔ اور مسلمان جنگوں میں اسلام کی برتری کے لیئے مرنا شہادت تصور کرتا تھا۔

۲۔ خلافت راشدہ اور بعد کے بعض سلاطین کے دور شاہد ہیں کہ اسلام میں امیر و غریب اور تمام رعایا کے حقوق محفوظ تھے۔ ان کے عدل و اسلامی مساوات کے نمونے کمیونسٹ ممالک میں تلاش کرنا خام خیالی ہے۔

۳۔ دینی علوم سے ناواقف حضرات جب عوامی ضروریات کی تڑپ محسوس کرتے ہیں تو وہ سوشلزم کے نظام کا نعرہ لگا دیتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اسلام تو مذہب اور دین ہے۔ لیکن اقتصادی مسائل کے حل کے لیئے ہم دنیا کے عقلاء کی سکیموں کو کیوں قبول نہ کریں۔ اور ان میں سے بعض جب اسلامی روایات سے کچھ واقفیت حاصل کر لیتے ہیں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ باتیں اسلام نے بھی کہی ہیں۔ پھر وہ اس کو اسلامی سوشلزم کا نام دیتے ہیں۔ اور زمانہ حال میں جوں جوں صنعتی ترقی ہوئی ہے۔ کارخانہ داروں نیز سرمایہ داروں اور جاگیرداروں نے ملکی قانون اور معاشرہ کے سلسلے میں ایسا طرز عمل اختیار کیا ہے جس سے مزارعین نیز عام غریب طبقہ میں اس غیر معمولی اونچ نیچ کے خلاف زبردست رد عمل پیدا ہوا ہے۔ بادشاہتیں جمہوریت میں بدل گئی ہیں۔ اقتصادی مساوات کے نعرے بلند ہو گئے۔ بعض مقامات پر سوشلسٹ نظام قائم کر دیئے گئے۔

۴۔ آج کل پاکستان میں جماعتی طور پر مسٹر بھٹو کے بڑے گروہ نے سوشلزم کا نعرہ لگایا ہے۔ دوسری طرف مسٹر بھٹو کی پارٹی نے ان کے صدارتی امیدوار ہونے کا اعلان بھی کر دیا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا اور ہونا چاہیئے کہ بعض طبقات اور خاص کر مودودی جماعت نے لنگر لنگوٹ کس کر اس کے خلاف مہم شروع کر دی۔ بلکہ جب مودودی صاحب نے لندن سے واپسی پر سرزمین پاک پر قدم رکھا تو اعلان کر دیا کہ اسلام میں کوئی پیوند لگانے کی ضرورت نہیں ہے اور

ہم سوشلزم کا مقابلہ کریں گے ۔

جمعیت علماء اسلام ہر اس آواز کی تائید کرنے کو تیار ہے ۔ جو اسلام کے حق میں ہو ۔ لیکن اگر محض امریکہ کی خوشنودی اور بھٹو کی مخالفت منظور ہو ۔ اور علمی تحقیق کے بغیر فتوے لگائے جائیں ۔ تو اس کو کون پسندیدہ خیال کرے گا ۔ میں نے راولپنڈی کی پریس کانفرنس میں پریس نمائندوں کے استفسار کے جواب میں کہا کہ بھٹو کے سوشلزم کے جواب میں مودودی صاحب کا یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ اسلام کے ساتھ اور کوئی پیوند نہیں لگایا جا سکتا ۔ ایک پیوند تو اسلام کے ساتھ تو خود مودودی صاحب نے بھی لگایا ہے ۔ کہ جس جمہوریت کو وہ برسوں تک ملعون کہتے رہے ۔ اب انہوں نے بھی اپنا لیا ہے ۔ بلکہ تحریک احیاء جمہوریت میں اس کو اپنی تحریک کی حیثیت سے اپنا لیا ہے ۔ جمعیت علماء اسلام کسی اور چیز کو مقصد کی اہمیت نہیں دے سکتی ۔ جب تک اس کو اسلام اور صرف اسلام کے نفاذ کے لیے بطور ذریعہ اختیار نہ کیا جائے

۵۔ میں نے پریس کانفرنس میں استفسار کے جواب میں کہا تھا کہ سوشلزم کو ہوا بنا کر پیش کرنے اور اس کے نام لینے والوں کو کافر بنانے کی کوشش کے بجائے علماء دین کو ان مسائل کو شرعی روشنی میں پیش کرنا چاہیئے ۔ جن کو پیش کر کے کہا جاتا ہے کہ اسلام میں اقتصادی نظام نہیں ہے ۔ یا علماء معاشی مسائل کا حل پیش نہیں کر سکتے ۔ اس سلسلے میں محترم بھٹو صاحب کے کتابچے کے ٹائٹل پر تین جملے لکھے ہیں ۔

۱۔ اسلام ہمارا دین ہے ۔

۲۔ جمہوریت ہماری سیاست ہے ۔ اور

۳۔ سوشلزم ہماری معیشت ہے ۔

مجھ سے حنیف رامے صاحب جو پیپلز پارٹی سے وابستہ ہیں اور غالباً اخبار "نصرت" کے مدیر ہیں ۔ لاہور کے ہوائی اڈے پر ملاقات کر کے بتایا کہ جب ہم اسلام کو اپنا دین

مانتے ہیں تو بعد کی باتوں میں جو بات بھی اسلام کے خلاف ہوگی ۔ وہ ہمارے لیے ناقابل قبول ہوگی ۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ سوشلزم کی کوئی بات اگر اسلام کے خلاف ہے تو ہم اس کو قبول نہیں کریں گے ۔ جیسے جمہوریت اور اکثریت کا کوئی فیصلہ اسلام کے خلاف ہو تو وہ قطعاً مسترد ہوگا ۔ اس بیان کے بعد بڑی حد تک ان کی صفائی ہو جاتی ہے ۔
میں نے پریس کانفرنس میں بتایا کہ راولپنڈی میں میں نے مسٹر بھٹو سے ملاقات کے دوران جبکہ محترم ڈاکٹر مبشر بھی موجود تھے ۔ یہی کہا تھا کہ اسلام کامل اور مکمل مذہب ہے ۔ اور عقل و حکمت کی بات جہاں کہیں بھی ہو وہ حدیث شریف کے مطابق مومن کی گمشدہ متاع ہے ۔ اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں ۔ لیکن آپ کو یوں کہنا چاہیے کہ دنیا کے ان نظاموں میں سے ہم صرف وہی بات قبول کر سکتے ہیں ۔ جو اسلام کے خلاف نہ ہو ۔ ڈاکٹر مبشر نے کہا کہ ہمارا یہی مقصد ہے ۔ بہرحال میں نے پریس کانفرنس میں کہا کہ مودودی صاحب نے حقوق الزوجین کے اندر کسی فقہی مسلک سے چمٹے رہنے والے علماء اور فقہاء پر جبکہ مسلمان کفر کے خطرہ سے دوچار ہوں لعنت والی آیت چسپاں کر دی ہے ۔ تو آج جب مسلمان کمیونزم کے کفر کے خطرہ سے دوچار ہیں ۔ اسلام کے اندر اور قرآن و حدیث کے تحت مختلف فقہی مسالک ہیں اگر موجودہ اقتصادی حل موجود ہے اور یقیناً موجود ہے تو پھر علماء کرام کو بعد از مشورہ اور بعد از شرعی تحقیقات وہ حل قوم کے سامنے رکھنا چاہیے ۔ اور جمعیت علماء اسلام کے مرکزی اجلاس منعقدہ ڈھاکہ ( ۵ جنوری ۱۹۶۹ء ) نے حضرت مولانا مفتی محمود صاحب ناظم عمومی مرکزی جمعیت کو مقرر کر دیا ہے ۔ کہ وہ مسلک کے تمام پہلوؤں پر غور و تحقیق کر کے چھ ماہ کے اندر رپورٹ جمعیت کے سامنے پیش کر دیں ۔ میں نے پریس کانفرنس میں اس سلسلہ میں جو قابل بحث امور پیش کیے وہ یہ تھے :

(۱) غور طلب مسائل میں زمیندار اور کسان اور کارخانہ دار اور مزدور کا مسئلہ سر فہرست ہے ۔ علماء کرام کو شرعی روشنی میں یہ بتانا ہے کہ کسی اسلامی حکومت کو ان مسائل

کہاں تک دخل دینے کا حق ہے۔

(ب) حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے بنجر زمین آباد کی وہ اسی کی ہو گی۔ اس حدیث کی روشنی میں یہ دیکھنا ہے کہ انگریز نے جس ایک آدمی کو ایک ہزار مربع زمین دے کر اس کو جاگیردار بنا دیا اور وسیع بنجر زمین کو غریبوں اور کسانوں نے آباد کیا۔ آیا یہ آباد کرنے والوں اور ان کے وارثوں کا حق ہے یا جاگیرداروں کا۔

(ج) جو گھوڑپالی مربعے انگریزوں نے اس بنیاد پر دیئے تھے کہ جو شخص انگریز کے فوجی رسالے کے لیئے جتنے گھوڑے پالتا رہے اتنے مربعے اس کو دیئے جائیں گے۔ اس قسم کے مربعوں کے بارے میں شرعی فیصلہ کیا ہے؟

(د) آج سندھ میں جو مربعے انگریزوں کے زمانے کے فوجی پنشنروں کو ان کی انگریزی فوجی خدمات کے سلسلے میں حاصل ہیں۔ ان کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے۔

(ہ) امام اعظم ابو حنیفہؒ نے مزارعت اور بٹائی کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے۔ اس کی تحقیق کی جائے اور کیا اس کی روشنی میں یا ان کے مسلک پر فتوی دے کر ہم اس مسئلہ کو حل کر سکتے ہیں۔

(و) صحیح حدیث شریف میں ارشاد نبوی ہے کہ جو زمین رکھتا ہو اس کو کاشت کرے ورنہ اپنے بھائی کو عطیہ کے طور پر (برائے کاشت) دے دے۔ آیا امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک اسی حدیث پر مبنی ہے۔

(ز) آیا حضرت ابوذر غفاریؓ کا مسلک یہی تھا کہ دولت جمع نہ کی جائے اور کیا حکومت اس مسلک کو اپنا سکتی ہے۔

(ح) آج کل تمام پارٹیاں جو کہتی ہیں کہ دولت سمٹ کر بعض گھرانوں میں آگئی ہے۔ یا اسلام سرمایہ داری یا جاگیرداری کا مخالف ہے۔ آیا یہ صرف الفاظ ہیں یا ان کے خلاف کوئی عملی سکیم موجود ہے۔

(ط) میں نے کہا کہ جس عورت کا خاوند گم ہو جائے حضرت امام اعظمؒ کے ہاں وہ عورت نوے سال سے پہلے دوسرا خاوند نہیں کر سکتی۔ اس کے بعد اس کا مرنا یقینی ہو جاتا ہے۔ مگر ضرورتِ زمانہ کے تحت علماء نے امام مالک کے مسلک پر فتویٰ دے کر چار سال کا فتویٰ دے دیا ہے۔ کیا اسی طرح کفر وارتداد کی روک تھام کے لئے امام اعظم کے مسلک پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

(ی) میں نے کہا لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو کافر بنانے کے بجائے ان کو سمجھانا اور اسلام کی بات منوانا زیادہ ضروری ہے۔ میں نے یہ بیان علماء دین کو تحقیقات کی دعوت دینے کے لئے دیا اور جمعیت علماء اسلام کا فیصلہ بتایا کہ حضرت مفتی صاحب چند ماہ کے اندر اندر اس بارہ میں تحقیقات فرمائیں گے۔

میرے اس بیان کے سلسلے میں اخباروں نے جو سرخیاں قائم کیں۔ میں ان کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ نہ ان مضامین کا جو کسی نے اختصار کرتے ہوئے کمی بیشی فرمائی۔ باقی میں ان آدمیوں کو معذور سمجھتا ہوں جو امریکہ کی خاطر بھٹو کی مخالفت یا جمعیت علماء اسلام کی مخالفت میں بیان دے رہے ہیں۔ اسی طرح ان بچوں کو بھی معذور سمجھتا ہوں جو الیکشن بھٹو کا نام آنے کی وجہ سے صدر ایوب خان کی خوشنودی کے حصول کو زندگی کا مقصد بنائے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے بعض ذمہ دار علماء اخباری بیانات کے بعض الفاظ سے متاثر ہو کر مجھے سوشلزم یا اسلامی سوشلزم کا حامی قرار دیں۔ میں ان کو معذور سمجھوں گا لیکن میرے اس بیان کے بعد ان کی غلط فہمیاں رفع ہو جانی چاہییں۔

(بشکریہ روزنامہ "امروز" لاہور، ۲۴ر فروری ۱۹۶۹ء)

# قطعۂ تاریخ بابائے جمعیت

سن کے حکم خدا بعد اخلاص

کر لی باغ جناں کی تیاری

ہم سے رخصت ہوئے غلام غوث

چشمے آنکھوں سے ہو گئے جاری

آہ حضرتِ ہزاروی کی وفات

چودہ صد ایک ہے سن ہجری

(نتیجۂ فکر شارق انبالوی) - (بشکریہ ہفت روزہ لولاک فیصل آباد ۱۳/۲/۱۹۸۱)

تاریخ وفات مولانا غلام غوث ہزارویؒ

"آہ ! سنِ مرگ غوث زمان"

(حکیم آزاد شیرازی صاحب)

بشکریہ ہفت روزہ خدام الدین ۱۳ / مارچ سنہ ۱۹۸۱ء۔

# شیرِ سرحد حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

تحریر: حضرت مولانا غلام مصطفےٰ صاحب، رئیس الجامعہ دار العلوم مدنیہ بہاولپور

حضرت اقدس حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ جو شیرِ اسلام کے مبنی بر حقیقت عنوان کی صحیح تصویر تھے کی شخصیت کو اجاگر کرنا اور اس کے صحیح خدوخال پیش کرنا اور ان کی طبیعت جو فنا فی اللہ بن گئی تھی۔ اس پر تبصرہ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ پھر ان کے زہد و تقویٰ ان کی پارسائی اور فقیرانہ زندگی کے ساتھ خودداری کو برقرار رکھنا اور بے طمع زندگی بسر کرنا مولانا غلام غوث جیسے قلندر کا کام تھا۔ جہاں تک مجھ ناکارہ کو حضرت کی معیت کا شرف حاصل ہے اس کے پیش نظر ان کی لیل و نہار اور ابتداء سے آخری سانس تک آپ پر گہری نظر ڈالی جائے تو بلا شبہ "العلماء ورثۃ الانبیاء" کی صحیح تعبیر تھے۔ مولانا مرحوم سے نیازمندی کا تعلق ۱۹۵۱ء سے شروع ہوا جو آخری لمحات تک جاری اور ان شاء اللہ العزیز جنت الفردوس تک قائم رہے گا۔

دورِ حاضر کی دو عظیم شخصیتیں حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے بعد میرے دل و دماغ پر بہت ہی اثر پذیر ہیں۔ ایک مجاہدِ ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ اور دوسرے شیرِ سرحد حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزارویؒ ان کے معاملات، جذبۂ اسلام، خدمتِ اسلام اور تعلق باللہ پر جب نظر کرتا ہوں۔ تو بڑے بڑے سجادہ نشین اور گوشہ نشین صوفی اور علماء کرام ان کے مقابلہ میں نہ صرف ماند بلکہ کچھ نہ ہونے کے برابر نظر آتے ہیں۔ بیک وقت اگر سیاسی طور پر انگریز اور ان کی معنوی اولاد کے خلاف برسرِ پیکار رہیں تو فرقِ باطلہ یعنی قادیانیت

خاکساریت، مودودیت، الحاد و زندقہ اور مشرکین کے خلاف بھی صف آراء اور جہاد کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان ہر دو کی زندگی نہ صرف ہمارے لئے بلکہ بڑے بڑے اولیاء کرام کے لیئے بھی قابل رشک رہی۔ لطف یہ کہ یہ ہر دو عظیم مجاہدین اسلام جہاں قومی اور سیاسی امور میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور امام انقلاب مولانا ابو الکلام آزاد کی ہمنوائی میں رہ کر انگریز کو بالآخر ملک سے باہر نکال کر دم لیا۔ وہیں وقت کے عظیم اور در یکتا عالم دین امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلمذ سے مشرف ہوئے تھے۔ ۱۹۵۱ء میں راقم نے دار العلوم ٹنڈو آلہ یار سے فراغت حاصل کی اللہ کریم کا بہت بڑا فضل و کرم ہوا کہ فرشتہ صورت و سیرت عالم دین اور محدث کبیر حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کیملپوری اور دور حاضر کے جلیلہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ سے دورہ حدیث پاک پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ جب کہ بیعت کا شرف شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نور اللہ مرقدہٗ سے حاصل ہے۔ ان ایام میں راقم کی حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے عقیدت کے باعث ان کے زیر سایہ رہنے کا مکمل طور پر آغاز ہو گیا۔ اس کی ظاہری وجہ یہ ہوئی کہ عم محترم مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد شریف صاحب رح حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ دینی خدمات میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس جوڑ کے باعث جب راقم بھی ان کے زیر سایہ رہنے لگا تو اس وقت تحریک ختم نبوت کا عملاً آغاز ہو چکا تھا۔ نہرو نے فوجیں پاکستانی سرحدوں پر متعین کر دیں تھیں۔ تو مجلس احرار کے ان عظیم رہنماؤں نے ملک بھر میں دفاعی کانفرنس منعقد کر کے پورے ملک کو فوجی ٹریننگ پر لا کھڑا کیا تھا۔ لیکن ملکی دفاع کے ساتھ اندرونی دشمن مرزائیت کا دفاع

بھی مکمل طور پر کرتے رہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ لیاقت علی خان نے نہرو حکومت کو مکہ دکھایا تھا۔ حضرت شاہ صاحب بخاریؒ اپنی تقاریر میں لیاقت علی خان کو بار بار متنبہ کیا کرتے تھے کہ جیسے نہرو حکومت کو مکہ دکھایا ہے۔ اسی پاکستان کے اندرونی دشمن مارِ آستین مرزائیت کو بھی مکا دکھانے کی سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ پاکستان کا کھلم کھلا دشمن اگر نہرو ہے تو مارِ آستین مرزائیت بھی ہے۔ غرضیکہ یہ سلسلہ اتنا پر جوش اور پر ولولہ تھا جس کا نتیجہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ بقولِ فیروز خان نون کے اس تحریک میں دس ہزار مسلمان شہید ہوئے تھے۔ داستان لمبی ہے۔ مختصر یہ کہ اس تحریک میں صف اول کے رہنما اور صف ثانی اور صف ثالث کے رہنما گرفتار ہو گئے۔ لاہور پولیس نے چھ ماہ تک راقم کی بھی تلاش جاری رکھی۔ لیکن میرا ابتدائی دور تھا اس لیئے میرا سراغ لگانا انتہائی مشکل اور دشوار تھا۔ البتہ شروں میں صرف حضرت مولانا غلام غوث صاحب زیر زمین رہ کر خوب کام کرتے رہے۔ اور تحریک سے متعلق ہمیں مسجد وزیر خان لاہور جو کہ تحریک کا مرکز تھی میں ہدایات بھیجتے رہے۔ یہ وہ دور تھا جبکہ مسجد وزیر خان میں مولانا ابو الحق قاسمی، مولانا عبدالستار نیازی اور مجھ ناکارہ کی طرح حضرات باقی رہ گئے تھے۔ حضرت مولانا غلام غوث قد آور شخصیت ہونے کے باوجود کچھ عرصہ لاہور اور بعد ازاں دوسرے مقامات پر اس طرح زیر زمین ہو گئے کہ پنجاب اور سرحد کی حکومتی پرزے پورا زور لگا کر رہ گئے لیکن مولانا مرحوم کا سراغ نہ مل سکا۔ کچھ عرصہ بعد جب آپ تشریف لائے تو حضرت امیر شریعتؒ نے اپنے گھر میں آپ کے اعزاز میں استقبالیہ دیا۔ مجلس احرار کے کچھ حضرات نے یعنی مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ وغیرہم نے سیاسیات سے کنارہ کش ہو کر مجلس تحفظ ختم نبوت کی

باقاعدہ بنیاد ڈالی تو حضرت ہزارویؒ بھی اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا محمد علی جالندھریؒ اور مولانا قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی اور مولانا لال حسین اخترؒ کے ساتھ دینی کام کرنے کا فیصلہ کیا۔

## ۲۔ مولانا ہزارویؒ نے مشاہرہ لینے سے انکار کر دیا

مولانا محمد علی صاحب جالندھری چونکہ منتظم قسم کے آدمی تھے۔ تحریک ختم نبوت کے زمانہ کا حضرت ہزارویؒ کا مشاہرہ غالباً بائیس صد روپے تھا۔ جبکہ آپ کا وظیفہ اس وقت ایک صد روپیہ ماہانہ تھا۔ مولانا ہزارویؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ جیسا کہ دوسرے تمام مبلغین کو بھی بلا (میرے سوا)۔ مولانا ہزارویؒ نے سخت ضرورت کے تحت تین روپے اٹھا لیے۔ باقی رقم یہ کہہ کر واپس کر دی کہ وقت پاس ہو گیا ہے۔ اب ضرورت نہیں رہی۔

## ۱۹۶۲ء آپ کی کامیابی کا خواب

۱۹۶۲ء میں جب ون یونٹ اسمبلی کا انتخاب ہوا تو حضرت ہزارویؒ بھی الیکشن میں کھڑے ہو گئے۔ اسی دوران راقم گوجرانوالہ کے محاذ پر جماعت تحفظ ختم نبوت کی طرف سے متعین تھا۔ ڈسکہ کے علاقہ میں ایک قادیانی بھی الیکشن میں کھڑا تھا۔ اس کی سرکوبی کے لیے جماعت نے مجھے اور مولانا عبدالرحیم آف شکر گڑھ کو متعین کیا ہوا تھا۔ ہم کرپال کے علاقہ بیلہ میں دورہ کر رہے تھے۔ رات کو ایک بستی میں قیام ہوا۔ ہم چھت پر سوئے ہوئے تھے۔ صبح کی آذان ہوئی۔ میری آنکھ کھلی مگر پھر لگ گئی۔ اس وقت راقم نے دیکھا کہ حضرت ہزارویؒ سفید چادر تان کر سو رہے ہیں۔ اور حضرت شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری نور اللہ مرقدہٗ آپ کو پنکھا ہلا رہے ہیں۔ اٹھے تو میں نے اپنے رفیق سفر مولانا عبدالرحیم صاحب سے خواب ذکر کیا۔

اور یہ بھی کہا کہ انشاء اللہ العزیز حضرت ہزارویؒ الیکشن جیت لیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا اسی سال مغربی پاکستان اسمبلی میں مولانا غلام غوث رحمۃ اور مرکزی اسمبلی میں قائد جمعیت مولانا مفتی محمود صاحب کامیاب ہو کر آئے اور اسلام اور علماء حق کی کما حقہٗ نمائندگی بھی کی۔ جزاہم اللہ تعالیٰ عنا خیر الجزاء۔

**۴۔ جمعیت کے لیے ریڑھ کی ہڈی** اس میں شک نہیں کہ حضرت اقدس حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی کی امارت اور مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ کی نظامت کے دور میں جمعیت علماء اسلام کو ثریا کا عروج ملا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جمعیت کے لیے ریڑھ کی ہڈی صرف اور صرف حضرت ہزارویؒ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جمعیت کے ملتان کے اجلاس میں جب حضرت لاہوریؒ کو امیر منتخب کیا گیا تو حضرت نے اس شرط پر امارت قبول کی کہ مولانا غلام غوثؒ کو ناظم اعلیٰ بنایا جائے۔ چنانچہ آپ کو جمعیت کا ناظم اعلیٰ بنایا گیا۔

**۵۔ مولانا کی خوراک** مولانا مرحوم اور راقم الحروف عرصہ دراز تک ایک ساتھ رہے۔ کیونکہ میں دفتر ختم نبوت لاہور میں رہا۔ اور حضرت نے ایک کمرہ موجودہ دفتر احرار سے لے کر جمعیت کا کام چلایا۔ اسمبلی کا تمام تر وظیفہ آپ ترجمانِ اسلام پر خرچ کرتے تھے۔ یعنی مضامین بھی خود لکھتے تھے اور پیسہ پائی بھی خود خرچ کرتے تھے۔ اور خود پھٹے پرانے کپڑوں میں گذارہ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ بسا اوقات ہم حضرت لاہوری سے ہو کر آتے موچی دروازہ لاہور میں ایک طباخ ہوتا تھا جہاں دال روٹی کے ساتھ دال مفت ملتی تھی۔ ہم دونوں دو دو آنے کی روٹیاں لے کر مفت دال پر گذارہ کرتے تھے۔ غرضیکہ کھانے اور رہنے پر آپ کا کوئی پائی پیسہ خرچ نہ ہوتا تھا۔ بلکہ تمام تر آمدنی ترجمانِ اسلام پر ہی خرچ

کرتے تھے۔

۶۔ ترجمانِ اسلام اور مولانا مرحوم چونکہ اغیار کی نظر میں کانٹا تھے جس کی وجہ سے آپ کے داخلے پر پابندی ہوتی تھی، تقریر پر پابندی عائد کردی جاتی تھی۔ تو ایسے موقع پر اس کا فوراً بدل تجویز کر لیتے تھے۔ اگر جماعت پر پابندی ہوتی تو جمعیت کی جگہ نظام العلماء کا نام دے کرتے تھے۔ اور اگر تحریر پابندی ہوتی تو ترجمانِ اسلام میں اپنی جگہ مولانا اجمل خان کا نام بطور ایڈیٹر کے دے دیتے تھے۔ جب کہ موصوف ان دنوں ایک سکول میں معلم تھے۔ اور انہیں اپنے مشغلہ سے فرصت کم ملتی تھی۔ مگر مولانا تھے کہ ان کا نام بطور مدیر ترجمان لکھ کر پورے ملک میں کام کرتے تھے۔ اور ہفت روزہ ترجمانِ اسلام کو ہمیشہ جاری و ساری رکھا۔

۷۔ **حضرت ہزاروی رح کی شفقت** حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رح مجھ ناکارہ سے نہایت شفقت فرماتے تھے۔ اس کے پیشِ نظر بسا اوقات میری اصلاح کی خاطر عام آدمی کی طرح میری تقریر میں بیٹھتے اور بڑے انہماک سے میری ٹوٹی پھوٹی تقریر سنتے۔ فراغت کے بعد آپ میری اصلاح فرماتے۔ چنانچہ پڈعیدن سندھ میں ایک بار ایسا ہی ہوا۔ جبکہ صبح کو میرے درس کا اعلان ہوا۔ تو راقم نے حیاتِ مسیح ع کے عنوان کو اپنایا۔ پورے بیان میں آپ تشریف فرما رہے۔ بعد میں مجھے سمجھایا ۔ بڑوں کی یہ شفقت مجھ ناکارہ پر خاصی رہی۔ حضرت امیرِ شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رح نے بھی ٹمہ سنڈ جامع مسجد کی تقریر میں اسی طرح نوازا۔ شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانی رح نے بھی بہاولنگر وغیرہ میں اسی طرح سرپرستی کی۔ استاذِ محترم حضرت مولانا علامہ محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے بھی نیو ٹاؤن کراچی کی تقریر میں اسی طرح کرم کیا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ عنا خیر

الجزاء۔ راقم نے جب دارالعلوم مدنیہ کے نام پر بہاولپور میں جب تعلیمی ادارہ کھولا تو حضرت ہزارویؒ یہاں مدرسہ میں تشریف فرما ہوئے۔ اور زبانی اور تحریری طور پر دعاؤں سے نوازا۔ بہر حال یہ لوگ ہم سے جدا ہو گئے۔ ان کے کام ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اللہ کریم ان مجاہدین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

**۸۔ آپ کی جرأت** ایوبی دور میں اسلام کے خلاف فیملی لاز نافذ ہوا۔ مارشل لاء کا زمانہ۔ دور ایوب خان جیسا ڈکٹیٹر، بڑے بڑے لیڈران عظام کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔ اور علما بھی بات کرنے سے ڈر رہے تھے۔ غرضیکہ کوئی رمق حق گوئی کی باقی نہ رہی۔ اللہ کریم کروڑہا رحمتوں کا نزول فرمائے حضرت لاہوری اور حضرت ہزارویؒ پر کہ انہوں نے اس تیز و تند اور تاریک تر ماحول میں، بیرون دہلی گیٹ لاہور میں جمعیت علماء اسلام کے تحت ایک عظیم الشان اجتماع رکھا۔ دور دور سے جمعیت کے احباب جمع ہوئے۔ راقم بھی بہاولپور سے لاہور پہنچ گیا حضرت لاہوریؒ کی صدارت اور پھر حضرت ہزارویؒ کا دو آتشہ بیان، اس شیر اسلام نے اس تقریر میں نہ صرف یہ کہ اسلام کی جرأتمندی سے وکالت کی بلکہ گنگ زبانوں کو زبان دی۔ اور ایوبی حکومت کے پرخچے اڑائے۔ تقریر ہوئی جلسہ حضرت لاہوریؒ کی دعا پر اختتام پذیر ہوا۔ جلسے سے فراغت کے بعد دفتر ختم نبوت پہنچے تو حضرت مفتی صاحب نے تقریر سے متاثر ہو کر حضرت ہزارویؒ سے عرض کیا۔ آج کی تقریر سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ کی نجات کیلئے یہ ایک تقریر ہی کافی ہے

**آپ کا تقوای** متحدہ ہندوستان کے زمانے میں عم محترم حضرت مولانا محمد شریف صاحب ہندوستان کے سفر پر تھے۔ اتفاق سے اسی ٹرین پر

حضرت ہزارویؒ بھی سفر کر رہے تھے۔ راستے میں علیک سلیک کے بعد کسی اسٹیشن پر اتر کر مولانا بہاولپوری کچھ فروٹ خرید لائے اور حضرت ہزارویؒ کی خدمت میں پیش کیے۔ حضرت نے فروٹ کھانے سے معذرت چاہی مگر مولانا بہاولپوری جب بہت مصر ہوئے تو فرمایا یہ ایام بیض ہیں روزے سے ہوں۔ فروٹ رکھ لیجیے شام کو افطار کریں گے۔ اندازہ کیجیے کہ قوم کے قائد ہیں اور سفر پر ہیں لیکن صوم بیض کی پابندی سے مزین ہیں۔ اس طرح کی شخصیات کو چراغ لے کر ڈھونڈیں تو بھی نہ مل سکیں گے۔

**مولاناؒ کو انگریز نہ خرید سکا** نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے مہتمم حضرت اقدس مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب مدظلہٗ راوی ہیں کہ میرے پاس ایک ریٹائرڈ تحصیلدار آئے۔ انگریز کے دور میں حکومتِ برطانیہ نے بڑے بڑے قائدین اور مخالفین کو خریدنے پر انہیں متعین کیا تھا۔ اس تحصیلدار کا بیان ہے کہ میں نے صوبہ سرحد کے تمام مخالفین کو پانچ ہزار اور دس ہزار میں انگریز کے حق میں خریدا اور انہوں نے انگریز دشمنی ختم کر دی۔ لیکن اس پورے صوبے میں واحد شخص مولانا غلام غوث ہزارویؒ تھے جن کے لیے خصوصیت کے ساتھ پچاس ہزار روپے دیئے گئے۔ تاکہ کسی طرح یہ شخص انگریز دشمنی ترک کر دے۔ پیش نظر رہے کہ انگریز کے زمانے کا پچاس ہزار آج کے دور کے کم از کم پچیس لاکھ روپے کی خطیر رقم بنتی ہے۔ ریٹائرڈ تحصیلدار کے بقول اس نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر اس مجددِ وقت کو خرید نہ سکا۔ نوّر مرقدہٗ۔

**۱۱۔ حضرت ہزارویؒ کی برہمی** اس دوران بعد کو حضرت ہزارویؒ مرحوم کی کسی مسئلہ پر حضرت مفتی صاحب مرحوم پر سخت ناراض ہوئے۔ اور

مجلس میں اچھی خاصی بدمزگی پیدا ہوئی۔ جس کا اثر حضرت مفتی صاحب پر شدید تھا۔ لیکن حضرت ہزارویؒ کے ادب کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب نے زبان سے کچھ بھی نہ کہا۔ ویسے بھی عمر بھر حضرت مفتی صاحب نے حضرت ہزارویؒ کے بارے میں کچھ نہ کہا تھا۔ کیونکہ حضرت مفتی صاحب اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ حضرت ہزارویؒ کا کیا مقام ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ ابھی طالبعلمی میں تھے کہ حضرت ہزارویؒ آل انڈیا احرار کے نائب صدر اور قائم مقام صدر رہ چکے تھے۔ نیز مولانا گل شیر کی شہادت پر نواب کالا باغ کے خلاف حضرت ہزارویؒ نے احرار کے حکم پر جو ایجی ٹیشن شروع کیا۔ ان دنوں مفتی صاحب کالا باغ پڑھاتے تھے۔ اور اس ایجی ٹیشن میں حضرت ہزارویؒ کی قیادت میں کام بھی کیا تھا۔ غرضیکہ اس قسم کے کئی وجوہ تھے کہ حضرت مفتی صاحب نے حضرت ہزارویؒ سے ظاہری طور پر تقابل کی شکل اختیار نہ کی۔ غرضیکہ اس مجلس میں جب میں نے دیکھا کہ حضرت مفتی صاحب سخت ذہنی پریشانی میں مبتلا ہیں۔ تو میں نے عرض کیا حضرت مفتی صاحب! تشریف لائیے چائے پی لیں۔ میری گذارش پر آپ فوراً اٹھے اور میرے ساتھ ہو لیے۔ میں ان کو گھوما پھرا کر شاہ عالم کے ایک بڑے ہوٹل میں لے گیا۔ اور وہاں چائے پی۔ بعدازاں کچھ دیر کے بعد ہم دفتر آ گئے اور حضرت مفتی صاحب کی ذہنی کوفت کو دور کرنے کا یہ طریقہ موثر ثابت ہوا اور آپ بالکل ٹھیک ٹھاک ہو گئے۔

۱۲۔ **سکھر میں جمعیت کا قیام** جمعیت علماء اسلام کی تشکیل تو حضرت اقدس شیخ التفسیر لاہوریؒ کی اجازت کے تحت جب ہوئی تو مغربی پاکستان میں جمعیت کی تشکیل جگہ جگہ ہوئی۔ مولانا عبدالقادر قاسمی ناظم جماعت تھے۔

دو تین بار سکھر تشریف لائے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ ایک بار ملتان میں راقم نے موصوف سے سکھر میں تشکیل جمعیت سے متعلق گفتگو فرمائی تو فیصلہ ہوا کہ کراچی جمعیت کانفرنس سے فارغ ہو کر حضرت لاہوریؒ، حضرت ہزارویؒ اور علامہ خالد محمود سمیت ہم واپسی پر سکھر آئیں گے جسب وعدہ یہ حضرات تشریف لائے۔ البتہ حضرت لاہوریؒ تشریف فرما نہ ہو سکے۔ راقم نے جہاں کھلے جلسے کا انتظام کیا۔ وہیں متحدہ ہندوستان احرار ورکنگ کمیٹی کے رکن (سندھ) ڈاکٹر محمد عمر صاحب مرحوم کے مکان پر راقم نے شہری دوستوں کا بھرپور اجلاس طلب کیا۔ چنانچہ جمعیت کی پہلی بار تشکیل ہوئی۔ جس میں حاجی محمد حفیظ صاحب مرحوم کو امیر اور حکیم محمد ابراہیم صاحب انصاری مرحوم کو جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ اس موقعہ پر دوپہر کو ڈاکٹر مرحوم کے مکان کے بالائی حصے پر کھانے کے دوران ڈاکٹر صاحب نے مجھے کہا کہ سامنے والے کمرے میں مرحوم چوہدری فضل حق صدر مجلس احرار اسلام ہند آکر ٹھہرے تھے۔ یہ کمرہ حضرت ہزارویؒ کو بھی دکھائیں۔ کھانے سے فراغت کے بعد جب راقم نے حضرت ہزارویؒ کو کمرہ دکھانے کو کہا تو حضرت نے مجھے ڈانٹ کر فرمایا کہ تمہاری نظر ان مکانوں پر ہے۔ خبردار بلاوجہ اوپر بھی مت دیکھا کرو۔ حضرت ہزارویؒ کے یہ جملے اپنی پر عتاب کیفیت کے ساتھ ابھی تک میرے دماغ میں تازہ ترین شکل میں محفوظ ہیں۔

**۱۳۔ مجھ پر عتاب** ایک بار جمعیت کا اجلاس لاہور رنگ محل دفتر میں ہو رہا تھا۔ ان دنوں حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم جمعیت کی لیبر پیکٹ کو بنیاد بنا کر خوب مخالفت کر رہے تھے۔ مجھے کراچی جانا ہوا تو مولانا احتشام الحق تھانویؒ سے اس مسئلے پر گفتگو ہوئی۔ موصوف نے فرمایا۔ کیونکہ یہ لیبر پارٹی بشیر بختیار کی کمیونسٹ جماعت ہے۔ اس سے جمعیت کا پیکٹ اگر مفتی صاحب ختم کر دیں تو میں

مفتی صاحب کے حکم پر آنکھوں کی پلکوں پر بھی چل کر ان کے ہاں آنے کو تیار ہوں۔
پیش نظر رہے کہ اس گفتگو کے وقت معروف عالم دین مولانا قاضی شمس الدین
صاحب مرحوم آف گوجرانوالہ بھی موجود تھے۔ غرضیکہ حضرت تھانوی کی گفتگو کچھ اس
انداز میں تھی جس سے میں خود بھی بہت متاثر ہوا۔ کیونکہ اس پیکٹ کے ختم کرنے کے
نتیجے میں مولانا تھانوی جیسی شخصیت جمعیت کے ساتھ منسلک ہوتی ہے۔ لیکن
فوراً میرے ذہن میں ایک بات آئی جو میں نے آپ کی خدمت میں عرض کی۔ وہ یہ
کہ اگر مفتی صاحب بغیر کسی وجہ کے یہ پیکٹ ختم کر دیں تو علماء کے وقار کو ہمیشہ کے
لیئے دھچکہ لگے گا۔ لوگ کہیں گے کہ علماء کی بات پر کیا اعتبار۔ انہوں نے تو بلاوجہ
لیبر پیکٹ توڑ دیا ہے۔ راقم نے عرض کیا بہتر تجویز یہ ہے کہ آپ کے خیال میں مفتی
صاحب مرحوم یا جمعیت علماء اسلام کیمونسٹوں کی طرف میلان کر رہی ہے۔ جب کہ آپ
کے متعلق یہ بدگمانی کی جارہی ہے کہ آپ سرمایہ دارانہ نظام کے حامی ہیں۔ ان
حالات میں بہتر صورت یہ ہے کہ آپ اور حضرت مفتی صاحب دونوں پشاور سے
چاٹگام تک تقریریں کریں۔ جس میں مفتی صاحب سوشلسٹ اور کیمونسٹ نظام کی
اسلام کے مقابلہ میں تردید کریں۔ اور آپ سرمایہ دارانہ نظام کی اسلام کی رو سے تردید
کریں۔ جب آپ پورے ملک میں یہ فضا قائم کر دیں گے تو لیبر پارٹی کے لیئے دو
راستے ہوں گے یا تو صدق دل سے اسلام کے نظام سے متاثر ہو کر آپ کی اتباع
کریں گے اور یا پھر وہ سوچیں گے کہ علماء کے ساتھ ہمارا رہنا مشکل ہے خود بخود
بھاگ جائیں گے۔ اس طرح آپ کا مقصد بھی پورا ہو جائے گا اور علماء پر نقض عہد کا
الزام بھی نہیں ہوگا۔ راقم کی اس تجویز کا جواب حضرت تھانوی نے کوئی نہیں دیا۔ جب
یہ کارروائی راقم نے دفتر جمعیت میں سنائی تو آغاز ہی میں حضرت ہزاروی مجھ
پر حملہ آور ہو گئے کہ جماعت نے آپ کو نمائندہ بنا کر نہیں بھیجا تھا آپ نے اس

طرح کی گفتگو کیوں کی۔ راقم نے عرض کیا میری یہ گفتگو بحیثیت جماعتی نمائندہ کے نہ تھی بلکہ مجلس میں اس طرح بات ہوئی تو عرض کر رہا ہوں۔ میرے اس جواب کے بعد حضرت مفتی صاحب مرحوم نے حضرت ہزاروی سے کہا تو پھر کیا حرج ہے جبکہ انہوں نے بطور نمائندہ کے گفتگو ہی نہ کی۔ اور مجھے فرمایا کہ آپ یہ کارروائی سنائیں تو بندہ نے مفصل گفتگو سنائی۔

**۱۴۔ جمعیت علماء اسلام** حضرت ہزارویؒ جس کام میں لگ جاتے تھے اس کو مکمل کر کے دم لیتے تھے۔ ان کی ساری زندگی اس طرح گذری خواہ کام تنہا ہی کیوں نہ کرنا پڑ جاتا۔ کسی کی قوت یا رعب یا ٹھراؤ مولانا کے عزم میں رکاوٹ پیدا نہ کر سکتی اور نہ پائے ثبات میں کوئی لرزش آسکتی تھی۔ تقسیم ملک کے بعد تھانوی بزرگوں بالخصوص شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے جمعیت علماء اسلام کے نام پر کام شروع کیا۔ جمعیت علماء ہند کے قائدین اور مرکز نے یہ سوچا کہ اب ملکی استحکام اور اسلامی نظام کے قیام کے لیے ہم باہم متحد ہو کر کام کریں اور الگ کوئی پلیٹ فارم تجویز نہ کریں۔ چنانچہ ابتداء میں اس جذبے کے تحت حضرت اقدس مولانا محمد حسن صاحبؒ کو امیر اور حضرت لاہوریؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو نائب امیر تجویز کیا گیا۔ شاطر لوگوں کو اہل حق کا یہ سیاسی اجتماع پسند نہ آیا۔ تو رخنے ڈالنے شروع کر دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پھر یہ حضرات تقسیم ہند سے قبل والی لائنوں پر چل نکلے۔ لیکن حضرت ہزارویؒ اس جماعت میں اس طرح رہے کہ اس جماعت کے ورثاء بالآخر یہ جماعت ہی چھوڑ کر بھاگ گئے۔ انہوں بالآخر نئی جماعت مرکزی جمعیت علماء اسلام کے نام پر تشکیل دی اور بالآخر وہ

بھی نیست و نابود ہو گئی۔ لیکن جمعیت علماء اسلام حضرت ہزاروی نے اس طرح سنبھالا اور منظم کیا۔ جس کے باعث یہ جماعت اب تک قائم و دائم ہے۔ اور کام بھی بفضلہ تعالیٰ جاری و ساری ہے۔ اللہ کریم اس مجاہد کے قافلہ حریت کو دین اسلام کی صحیح خدمت کرنے اور باہمی اتفاق و اتحاد سے رہنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

**۱۵۔ مسئلہ حیات النبیؐ** ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت کے کچھ عرصہ بعد ملتان خیر المدارس کے جلسے میں مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری حسب معمول بلائے گئے۔ ملتان کے کچھ لوگوں نے حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی کا پمفلٹ شاہ صاحب موصوف کو دکھایا جسے ابن امیر شریعت مولانا سید عطاء المنعم شاہ صاحب بخاری مدظلہ نے شائع کرایا تھا۔ اس پمفلٹ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ یعنی مسئلہ حیات النبیؐ کا تذکرہ تھا۔ شاہ صاحب موصوف نے حیات بعد الموت کے مسئلے کو شرک قرار دے کر اپنے خطاب میں نامناسب الفاظ استعمال کیئے۔ نتیجہ یہ کہ یہ مسئلہ یہیں سے ابھرا اور مسلسل تین سال جانبین کی طرف سے دلائل دیئے گئے اور ایک دوسرے کی تردید بھی خوب کی گئی۔ راقم خود بھی مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھری رح کے حکم پر مسلسل تین ماہ گجرات میں خطبہ جمعہ پر مسئلہ حیات النبیؐ بیان کرتا رہا۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب مرحوم حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم اور حضرت مولانا قاضی شمس الدین رح سے روبرو اچھی خاصی گفتگو ہوئی۔ بہرحال مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنما اور مبلغین نے اس مسئلے کو موضوع بحث بنایا ہوا تھا۔ اسی دوران

حضرت ہزارویؒ کی ملاقات شاہ صاحب موصوف سے ہوئی تو باہمی گفتگو کیلئے شاہ صاحب تیار ہوگئے۔ مولانا ہزارویؒ نے شاہ صاحب اور حضرت مولانا جالندہری مرحوم کو دعوت نامے بھیج دیئے کہ فلاں تاریخ کو آپ صرف پانچ علماء کی معیت میں حضرت لاہوریؒ کی مسجد شیرانوالہ گیٹ لاہور میں پہنچ جائیں۔ حضرت لاہوریؒ کو جب اس اقدام کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت ہزارویؒ کو ہدایت کی کہ یہ پروگرام مسجد میں مناسب نہیں۔ آپ دفتر جمعیت میں رکھ لیں۔ چنانچہ حسب ارشاد حضرت لاہوریؒ مولانا ہزارویؒ نے فریقین کو جگہ کی تبدیلی کی اطلاع دے دی مگر ہوا یہ کہ شاہ صاحب نے اس کو اکھاڑہ بنا لیا اور پورے ملک سے اپنے ہمنواؤں کو حضرت لاہوریؒ کی مسجد میں بلا لیا۔ جب کہ دوسری جانب سے حضرت جالندہری اپنے پانچ ساتھیوں کے ساتھ مقررہ تاریخ پر دفتر جمعیت لاہور پہنچ گئے۔ حضرت ہزارویؒ نے شاہ صاحب کو شیرانوالہ مسجد میں اطلاع کر دی کہ آپ پانچ آدمی لے کر میرے پاس تشریف لائیں۔ تاکہ باہمی گفتگو ہو۔ مگر اور صد افسوس کہ شاہ صاحب کی ضد اور ہٹ دھرمی نے حضرت ہزارویؒ کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ بالآخر مجبور ہو کر حضرت ہزارویؒ نے شاہ صاحب کو ایک تحریر کے ذریعے آگاہ کیا کہ آپ اپنے داعی کے انتظام کے مطابق دفتر جمعیت میں تشریف نہیں لائے باوجودیکہ میں نے آپ کو بار بار بلایا۔ اور فریق ثانی صبح سے آیا ہوا ہے۔ دریں حالات میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ لہٰذا میری طرف سے فریقین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ میں نے جو آپ کو صلح صفائی کے لیئے دعوت دی تھی۔ اس کو ختم سمجھا جائے۔ اس طرح لاہور سے فریقین بغیر کسی نتیجہ کے واپس ہوئے اور دشمن بغلیں مار رہے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

بعد میں حضرت اقدس قاری محمد طیبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی جدوجہد کی برکت سے مسئلہ حل ہوا اور راولپنڈی میں فریقین کے دستخط بھی ہو گئے جو کہ تعلیم القرآن راولپنڈی اور خدام الدین لاہور میں یہ فیصلہ شائع بھی ہو گیا مگر یہ بھی ضدی حضرات اب تک اپنی ضد سے باز نہ آئے۔ اللہ کریم انہیں ہدایت عطا فرمائے۔

**۱۶۔ وفاق المدارس العربیہ** ملک کی معروف علمی تنظیم وفاق المدارس العربیہ قائم ہے۔ اللہ کریم اس کو مزید منظم ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس کی ابتدا بھی عجیب ہوئی۔ یعنی حضرت تھانویؒ سے منسلک حضرات نے یہ تنظیم قائم کی۔ جبکہ ملک میں حضرت مدنیؒ کے خدام کے مدارس کی بہتات ہے۔ لیکن اس خالص تعلیمی تنظیم میں بھی بعض حضرات نے پرانی سیاسی مخالفت کو ملحوظ خاطر رکھا اور اپنے ہی مسلک کے مدارس کو نظر انداز کر دیا۔ حضرت ہزارویؒ نے اس موقع پر جو تیر پھینکا وہ ٹھیک نشانے پر جا لگا۔ ہوا یہ کہ بجائے اس کے کہ ان حضرات کو تمام مدارس پر مشتمل وفاق کی تجویز دی جائے۔ اس کے برعکس حضرت ہزارویؒ نے ایک اور متوازن تنظیم قائم کر دی۔ اس موقع پر مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ساہیوال کے علاقہ میں ایک گاؤں میں جلسہ تھا جس میں حضرت مولانا جالندھریؒ اور مولانا حبیب اللہ صاحب فاضل رشیدیؒ بھی تشریف فرما تھے۔ تو مجلس میں حضرت جالندھریؒ نے حضرت ہزارویؒ کی اس متوازن تنظیم کی سخت مخالفت کی۔ بات اگرچہ مجلس کی تھی تاہم ان دو بڑوں کی ڈنٹے میں نہ صرف اختلاف تھا بلکہ ان کے آراء میں کھچاؤ بھی ہو گیا۔ ہم چھوٹے پریشان کہ اس اختلاف کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ خیر اللہ کریم کا بہت بڑا فضل و کرم ہوا کہ جانبین کے بزرگ بوجہ عظمت و اخلاص کے مل بیٹھے اور دونوں تنظیموں کو یکجا کر کے پہلی متفق و متحد تنظیم وفاق المدارس العربیہ اس طرح قائم ہوئی۔

۱۔ صدر :۔ حضرت اقدس مولانا شمس الحق افغانی

۲۔ نائب صدر اوّل :۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری

۳۔ نائب صدر دوم :۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری ؒ

۴۔ ناظم اعلیٰ :۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب ؒ

۵۔ خازن :۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب ملتان۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ یہ علمی تنظیم تاہنوز قائم ہے۔ اور حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ اور حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ کے خدام اس تنظیم میں شیر و شکر کی طرح رہ رہے ہیں۔ اللہ کریم نظر بد سے بچائے۔ اور اس تنظیم کو تا قیام قیامت قائم و دائم رکھے آمین۔

**۱۷۔ آخری ملاقات** ربوہ میں ختم نبوت کانفرنس کا جب آغاز ہوا تو پہلے سال ریلوے مسجد ربوہ میں کانفرنس منعقد ہوئی جمعہ سے جن مقررین کا خطاب ہوا اس میں راقم بھی شریک تھا۔ حضرت اقدس مولانا خان محمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی صدارت تھی۔ جمعہ کے بعد حضرت ہزاروی ؒ نے کمزوری، ناتوانی اور شدید بڑھاپے کے باوجود شرکت فرما کر خطاب کیا۔ وہ منظر قابل دید تھا۔ راقم تو جتنی دیر آپ کا خطاب ہوا۔ صرف اور صرف اشتیاق سے آپکے نورانی چہرے کی زیارت میں محو رہا۔ کیونکہ یقین ہوگیا تھا کہ اب کے بعد حضرت کا دیدار مشکل ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ میرے لیئے وہ دیدار آخری ثابت ہوا۔

**۱۸۔ پیش گوئیاں** یہ بات زبان زد ہے اور لوگوں نے کئی مقامات پر مجھے بلا واسطہ کے ذکر بھی کیا ہے کہ مولانا ہزاروی ؒ نے تین پیش گوئیاں کی تھیں۔ جن کا تعلق نہ صرف سیاسی بصیرت بلکہ اعلیٰ درجہ کے روحانی عروج

سے بھی ہے۔ وہ یہ کہ آپ نے کرامات سے فرمایا۔

۱ یحییٰ خان کے دور کے الیکشنوں میں مودودی چھ یا سات سیٹوں سے زیادہ نہ لے سکیں گے۔

۲۔ مودودی مجھ سے پہلے مرے گا۔

۳۔ مودودی امریکہ میں مرے گا۔

سچ ہے کہ قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید،، ۔ ہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ مودودی پہلے مرے گا کی پیش گوئی غلط ثابت کرنے کے لیئے مولانا ہزاروی ؒ کو قتل کرانے کا منصوبہ تیار کیا گیا۔ چنانچہ آپ بس پر سوار تھے۔ جب حویلیاں پہنچے تو بس پر سوار کچھ بدبختوں نے آپ پر حملہ کیا۔ لیکن آپ کے رفیق سفر خادم نے حملہ آوروں کو سختی سے روکا۔ اس طرح حضرت ہزاروی بال بال بچ گئے۔ اور بالآخر مودودی ہی حضرت ہزاروی سے پہلے مرا۔

## ۱۰ اپریل ۱۹۷۳ء کو آئین ساز اسمبلی میں عبوری آئین پر مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی مجاہدانہ تقریر

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔

مولانا غلام غوث ہزاروی :-

جناب سپیکر صاحب ! اس معزز ایوان میں بہاولپور اور پنجاب پر بہت بحث ہوئی ہے ۔ اور دونوں نے ہمارا ایک گھنٹہ کھا لیا ۔ اس وقت یہ معزز ایوان کئی کروڑ مسلمانوں کا نمائندہ ہے ۔ بلکہ دنیا کی نگاہیں اس پر لگی ہوئی ہیں ۔ ہماری قوم کے لیئے ایک آئین مرتب کیا جا رہا ہے ہمیں اس کے حسن و قبح پر بحث کرنا ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ ہم ترمیمیں نہیں کر سکتے ۔ ترمیمات وزیر قانون ہی کریں گے ۔ ان کے سامنے اپنی باتیں پیش کرتے ہیں ۔

**اصلاحات** جناب صدر ! یہ معزز ایوان اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ عزت ، نصرت اور مدد اللہ کی طرف سے ہے ۔ اللہ تعالیٰ اور قوم کی طرف سے بھی اس ایوان پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے ۔ قرآن پاک نے ہمیں اوامر و نواہی کا پابند کیا ہے ۔ مگر ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دستور میں اس کے ساتھ اس کے شایان شان سلوک نہیں کیا گیا ۔ جبکہ اصلاحات کو تحفظ دیا گیا ہے ۔ مگر قرآنی اوامر و نواہی کو تحفظ نہیں دیا گیا حالانکہ وہ ان سب سے زیادہ تحفظ کے مستحق ہیں ۔ جن کی طرف بعض ممبران نے اشارہ فرمایا ہے ۔ جب تک ہمارا معاشرہ خراب ہے کوئی ضمانت نہیں ہوگی ۔ اس پر عمل بھی نہیں کیا جائیگا ۔ ہم لوگوں کو اس وقت مشرقی پاکستان کے المیہ سے بہت سخت تکلیف ہوتی ہے ۔ خواہ وہ فوجی ہوں یا دوسرے سات کروڑ بنگالیوں نے تکلیف پہنچائی ہے ۔ میں اس کو صحیح معنوں میں شکست نہیں کہتا ۔ لیکن دنیا کی نگاہوں میں یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا ۔ ہمیں تکلیف ہوتی ہے ۔ جب ہم باہر گئے تو لوگ پوچھتے تھے ۔ کہ کہاں سے آئے ہیں ہم تو

پہلے بتا دیتے تھے۔ لیکن بعد میں ہم تال دیتے تھے۔ کیونکہ دوسرا سوال جنگ کا ہوتا تھا۔ ہمیں قرآنی اوامر ونواہی کو زیادہ جگہ دینی چاہیئے۔ پاکستان کو اسلامی جمہوریہ کہنے سے وہ اسلامی جمہوریہ تو نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کسی آئین کو اسلامی کہنے سے وہ اسلامی بن سکتا ہے۔ سکولوں اور کالجوں میں دینی تعلیم پر جتنا زور دیا جائے کم ہے۔ مگر جب تک اسلامی اخلاق اور اسلامی تربیت نہ ہوگی۔ کراچی جیسی فحش حرکتیں بند نہیں ہو سکیں گی۔

جناب صدر اسپیکر محترم صاحب! ہمارے بعض بزرگوں اور بعض ممبرانِ اسمبلی نے بعض اصلاحات شریعت کے عین مطابق بتائی ہیں۔ اس قسم کی اصلاحات اگر شرعی ہوں تو ان کو تحفظ ملنا چاہیئے۔ لیکن اگر وہ ان اصلاحات میں شریعت کا آسرا لیتے ہیں تو اس میں بیٹھک تین ماہرین قانون اور تین بلند پایہ علماء کرام کی ایک کمیٹی مقرر کر دیں۔ وہ ان میں فیصلہ کریں۔ اس طرح جو شرعی تحفظ ان (اصلاحات) کو حاصل ہوگا وہ زیادہ مضبوط ہوگا۔

**عائلی قوانین** جناب والا! تحفظات میں عائلی قوانین بھی شامل ہیں۔ اس سلسلے میں مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ نے ایوب خان کے دور میں قومی اسمبلی میں تقریر فرمائی تھی۔ اور پورے طور پر قرآن وسنت اور اجماع امت کی روشنی میں مدلل ثابت کیا تھا کہ یہ ناجائز ہیں۔ میں حیران ہوں کہ ان (عائلی قوانین) کو (عبوری آئین میں) اتنا تحفظ دیا گیا ہے۔ کہ ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ میں بھی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ کوئی احتجاج کیا جا سکتا ہے۔

جناب والا! یہودی ہو یا عیسائی ان کو اپنے اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری اجازت ہے۔ لیکن مسلمان کو اپنے مسائل ومذہب پر عمل کرنے کی اجازت نہیں۔ اور ان کو اپنے مسائل کے مطابق آزادی حاصل نہیں ہے۔ اگر یہ مذہبی آزادی غلط ہے تو مذہبی آزادی کا نام نہ لیا جائے۔ اور اگر یہ صحیح ہے تو مسلمان قوم کو اس سے محروم کیوں رکھا گیا ہے۔

جناب والا! حکومت اگر چاہتی تو یہ کر سکتی تھی کہ بلند پایہ علماء کا اجلاس بلاتی اور اس میں

اس قانون کے متعلق بحث ہوتی۔ لیکن میرے خیال میں دنیا بھر کے دستوروں میں ایسے قانون کو تحفظ نہیں دیا گیا ہے۔ میں عرض کروں گا کہ عوام نے حوصلہ اور صبر کیا۔ مشرقی اور مغربی پاکستان میں ان قوانین کے خلاف زبردست احتجاج کیا گیا۔ لیکن آخر کار انہوں نے پاکستان کے اعلیٰ مفاد کی خاطر بردباری اور تحمل سے کام لیا۔ انہوں نے انتخابات کا انتظار کیا۔ اور اس ایوان کا بھی انتظار کیا۔ لیکن اب اس معزز ایوان میں ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچی ہے۔ وہ اس کو مذہب میں مداخلت سمجھتے ہیں۔ اس لیے حکومت کو دستور کے اس حصے پر نظرثانی کرنی چاہیئے۔ عجیب ہے کہ دوسری اقوام کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ہے اور مسلمانوں پر پابندی۔

**ذریعہ معاش** جناب صدر! اس دستور میں ذریعہ معاش کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ حکومت کا سب سے بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے امیر و غریب کو اس قانون کے ذریعے بڑی حد تک برابر رکھا ہے۔ اگرچہ بعض چیزیں تحقیق طلب ہیں اور کچھ اصلاح طلب بھی ہو سکتی ہیں۔ لیکن میں عرض کروں گا اور اس معزز ایوان اور آپ کے نوٹس میں یہ بات لاؤں گا کہ سوات، دیر، بالاکوٹ، کاغان اور بگگرام وغیرہ کے لاکھوں مسلمانوں کا بلا مبالغہ گذر اوقات بھیڑ بکریاں وغیرہ پالنے پر ہے۔ اس قانون کے تحت ایوب خان کے زمانے میں بکریوں کے پالنے پر پابندی لگادی گئی تھی کہ بھیڑیں پالیں بکریاں نہ پالیں۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ بھیڑ پالو اور بکریاں نہ پالو۔ خچر پالو گھوڑا نہ پالو۔ گدھا پالو گدھی نہ پالو۔ یہ کوئی قانون ہے جس کا معیشت پر اثر پڑے کہ سو سو روپے کی بکریاں پانچ روپے میں نیلام ہوں۔ جس کی وجہ سے عوام کی زندگیاں تباہ ہو کر رہ گئیں۔ میں نہیں جانتا کہ محترم عبدالقیوم خان نے بھی اس کے خلاف اپیل کی تھی۔ آیا وہ رٹ خارج ہوئی یا واپس کی گئی ہے۔ اس سے تھوڑا عرصہ آرام رہا۔ اور اب وہی تکلیف دوبارہ شروع ہو گئی ہے۔ اور صوبے کے لوگ موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ذریعہ معاش

کی آزادی کے سلسلہ میں اس ایوان کو ایک ٹھوس قدم اٹھانا چاہیئے۔ جس سے یہ کمی پوری ہو جائے۔

**آرڈیننس** جناب صدر! اس اجلاس میں ایک بات محترم وزیر قانون نے فرمائی کہ گورنر اور صدر آرڈیننس جاری کر سکتے ہیں۔ اس آرڈیننس کو آنے والے اجلاس میں منظوری کے لیئے پیش کیا جائے گا۔ اور اس پر کسی نے یہ بھی فرمایا کہ جب تک منظوری نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر عمل بھی نہ ہو۔ میں عرض کروں گا کہ یہ بات تشنہ ہے کہ جب وہ آرڈیننس گورنر جاری کریں گے یا صدر، اور وہ اسمبلی کی منظوری کے لیئے پیش ہو گا کہ اس کو قبول کرے یا رد کرے۔ آیا اسمبلی اس میں ترمیم کر سکے گی یا نہ۔ ون یونٹ کے وقت کی اسمبلی میں جب ہم اس پر بحث کرتے تھے تو ہمیں یہ کہہ دیا جاتا تھا کہ ترمیم نہیں کی جا سکتی۔ منظور کر دیا رد کر دو۔

میاں محمود علی قصوری :۔ جناب والا! میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آئین میں اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ اس میں ترمیم اور تنسیخ ہو سکتی ہے اور ایسا کرنے کا اسمبلی کو اختیار ہے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی :۔ میرے علم میں یہ نہیں ہے کہ ایسی کوئی شرط آئین میں موجود ہے۔ پہلے یہ کمی تھی۔ پہلے والے قانون میں ترمیم کی جا سکتی تھی۔

**مسلمان کی تعریف** تو جناب والا! اس ایوان میں مسلمان کی تعریف پر بھی بحث ہوئی ہے۔ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں کچھ روشنی ڈالوں۔

جناب والا! کسی شخص کو یہ کہہ دینے سے کہ دو، تین یا چار بیانات میں تضاد موجود ہے یہ لازم نہیں آتا کہ مسلمان کی تعریف نہیں کی جا سکتی یا مسلمان کی تعریف نہیں کرنی چاہیئے۔ ہمارا کوئی فریق قطعاً نہیں چاہتا کہ ہمارا صدر کمیونسٹ یا مرزائی ہو۔ اور میں صفائی کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہوں (کہ ہمارا صدر کمیونسٹ یا مرزائی نہیں ہو سکتا)۔ مسلمان کی تعریف آگے کر دی

جائے گی۔ لیکن میں موجودہ آئین کے متعلق ان وکلاء اور بیرسٹروں سے یہ پوچھتا ہوں کہ وہ بتلائیں کہ جب دستور و آئین میں مسلمان کا لفظ آ گیا ہے وہ اس سلسلہ میں آئندہ صدارتی انتخاب میں نزاع بھی ہو سکتی ہے۔ تو مسلمان کی تشریح ضروری نہیں ؟

جہاں تک امیدوار کھڑے کرنے کا سوال ہے اس سلسلے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہے یا نہیں۔ اگر یہ جھگڑا صدارتی انتخاب کے وقت ہائی کورٹ میں جاتا ہے تو ابھی سے مسلمان کا معنی کیوں نہ متعین کیا جائے۔ اس سلسلے میں گزارش کروں گا کہ خدا کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص کا آخری کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ یہاں محمد رسول اللہ بھی نہیں فرمایا گیا ہے۔ حالانکہ اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین خدا کو مانتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ شریک بھی مانتے تھے۔ تو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا کہ سوائے خدا کے کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس بات کی علامت تھی کہ کہنے والے نے پورا دین اسلام قبول کر لیا ہے۔ اسی طرح سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھی وہ مسلمان ہے۔ اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ اسلام کی علامت ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے ہم اس کو مسلمان کہیں گے۔ لیکن اس کے بعد اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی بننے کا عقیدہ رکھے (مثلاً مرزا غلام احمد قادیانی لعین کو نبی مانے) تو ہم کفر کی علامت کی وجہ سے اس کو کافر کہیں گے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده"۔ (الحدیث)

"مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ ہوں۔"

یہ بھی صرف مسلمان کی علامت ہے کہ وہ دین اسلام کا قبول کرنے والا ہے۔

ایک معزز ممبر: پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب والا! کیا دنیا کے کسی دستور میں ہے کہ ملک کا سربراہ مسلمان ہو اور مسلمان کے حقوق کا تحفظ کرے؟

مسٹر چیئرمین : چوہدری فضل الٰہی : یہ سوال تو مولانا صاحب سے کیجیے جنہوں نے یہ کہا ہے۔

(مداخلت)

مسٹر چیئرمین : یہ پوائنٹ آف آرڈر نہیں ہے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی :۔ جناب والا ! عرب ممالک کے دستور میں درج ہے کہ ہمارا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ تو ہمارا مطلب یہ ہے کہ ہمارے آئین کی پہلی دفعہ میں بھی یہ ہونا چاہیئے کہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ مصر و حجاز وغیرہ میں مرزائیت اور کمیونزم خلاف قانون ہے۔

میاں محمود علی قصوری :۔ جناب والا ! فرقہ بندی کی باتیں نہیں ہونی چاہئیں۔

مولانا ہزاروی :۔ آپ مجھے تقریر کرنے دیں۔

مسٹر چیئرمین چوہدری فضل الٰہی :۔ لڑائی بند کرو یار۔

ڈاکٹر محمود حسن بخاری : نیچے لائبریری میں کتابیں رکھی ہیں ان کا جواب ان کتابوں سے مل جائے گا۔

مسٹر احمد رضا قصوری :۔ جناب والا ! مولانا نے اپنی تقریر میں فرمایا ہے جو صدر ہو وہ مسلمان ہونا چاہیئے۔ اب اگر مسلمان مسواک کرتا ہو تو آج کل ٹوتھ پیسٹ ہے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی :۔ جناب صدر ! یہ مذاق ہے۔ میں اس کے خلاف احتجاج کرتا ہوں۔ اس کو ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ اسلام کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ احمد رضا صاحب اپنے الفاظ واپس لیں۔ یہ سنت کی توہین ہے۔ بیشک ولایتی برش استعمال کریں اور ہم مسواک استعمال کریں گے۔ میں نے مسلمان کی تعریف میں یہ نہیں کہا کہ مسلمان وہ ہے جو مسواک کرے۔

مسٹر چیئرمین چوہدری فضل الٰہی :۔ مولانا آپ تشریف رکھیئے ایک منٹ کے لیئے ہو سکتے ہوں گے۔ احمد رضا صاحب آپ اپنے الفاظ واپس لیں۔ یہ سنت کی توہین ہے۔ سوال یہ ہے کہ مذہب کا معاملہ ہے۔ اس لیئے مذاق نہیں ہونا چاہیئے۔

مسٹر احمد رضا قصوری :- میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔

مولانا غلام غوث ہزاروی :- ایمان کے لفظی معنی بیان کرنے میں مسلمان کی تشریح ضروری ہوگی۔ اگرچہ آپ اس کا مذاق اڑائیں۔ اور اس کی صحیح تشریح کریں یا نہ کریں۔

(گیلری میں شور وغل)

مسٹر چیئرمین :- جو خواتین و حضرات گیلری میں بیٹھے ہیں ان کو میں اسمبلی کے قواعد سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ گیلریوں میں بیٹھے ہوئے صاحبان نہ تو تالیاں بجائیں، نہ کوئی نعرہ بازی کریں اور نہ کوئی بات کریں۔ اسمبلی کی کارروائی کچھ بھی ہو انہیں خاموشی سے سننی چاہیئے۔

(مولانا) کی تقریر کے دوران گیلری میں موجود لوگوں نے نعرے بازی اور زبردست تالیاں بجائیں جس پر سپیکر صاحب کو یہ حکم دینا پڑا۔ مرتب)

ڈاکٹر محمود حسن بخاری :- حضور والا! ہمارے مولانا صاحب جن کا میں بڑا احترام کرتا ہوں انہوں نے کہا ہے کہ (          ) آئین میں لفظ ایمان کی تعریف نہیں ہے۔ میں ان کا بڑا احترام کرتا ہوں اور ہمارے سر ان کے سامنے عزت سے جھک جاتے ہیں۔ میں یہ عرض کرتا ہوں حضور والا کہ۔

مسٹر چیئرمین :- آپ تقریر کرنا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر محمود حسن بخاری :- جی نہیں تھوڑا سا بیان کرنا ہے۔

مسٹر چیئرمین چودھری فضل الٰہی :- تو پھر تشریف رکھیں (آپ کی تقریر کی ضرورت نہیں۔ مرتب)

مولانا غلام غوث ہزاروی :- جناب صدر محترم! میں مسلمان کی تعریف کے متعلق کچھ عرض کر رہا تھا۔ ایک حدیث کا ترجمہ سنا دوں۔ " سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا کر کسی گاؤں میں جنگ کے لیئے جاؤ تو اگر صبح کے وقت آذان کی آواز آئے تو حملہ نہ کرنا اور اگر آذان کی آواز نہ آئے تو حملہ کرنا "

میری مراد یہ ہے کہ وہ لوگ جو اس قسم کی تعریفیں کرنے کا مذاق اڑاتے ہیں۔ وہ مجھے

بتائیں کہ سرورِ کائنات علیہ السلام نے جو مختلف اوقات میں مختلف باتیں بتائیں اور مسلمان کی تعریف کی۔ کیا سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی تضاد کا الزام لگا دیا جائے گا وہ دراصل یہ سب علامات اسلام ہیں "مرتب،،) اب بھی ہم یہ کہتے ہیں کہ مسلمان کون ہے اور کون نہیں۔ میں قرآن وحدیث کے ذریعے یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ خدا اور رسول کی تمام باتوں کو جو شخص دل سے سچا جانے اور سچا مانے یہ اسلام ہے اور اسی کا نام تصدیق ہے۔ اور اگر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی ایک بات کو بھی تسلیم نہیں کرتا یعنی سچا نہ مانے وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ دراصل کفر اور اسلام تصدیق وتکذیب کا نام ہے۔ اور یہ تصدیق وتکذیب دل کی صفات ہیں جو معلوم نہیں ہو سکتیں۔ اس لیئے دل کی بات پر ظاہری طور پر ظاہری طور پر نشانات مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ ایک شخص نماز پڑھتا ہے۔ میں اس کو مسلمان کہوں گا۔ نماز کے بعد اگر وہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی آنے گا تو میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ مسلمان نہیں۔ اگر ایک شخص کلمہ پڑھتا ہے۔ السلام علیکم کہتا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشادِ باری ہے۔

"ولا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مؤمنا،،

"جو تمہیں سلام کہے اسے یہ نہ کہو تم مسلمان نہیں،، میں اس کو وعلیکم السلام کہوں گا۔ اور مسلمان سمجھوں گا۔ اس کے بعد اگر یہ پتہ لگ جائے کہ یہ فرشتوں یا تقدیر کا منکر ہے تو میں کہوں گا کہ یہ مسلمان نہیں ہے۔

مسٹر چیئرمین چوہدری فضل الٰہی، کافی وضاحت ہو چکی ہے اس مسئلے پر یہاں آئین کے نفاذ کرنے کا سوال ہے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی، اس مسئلے میں کئی ایسی چیزیں ہیں جن میں حکومت والوں کو اختیار ہے جو چاہیں قانون بنائیں۔ اور تحفظ دیں لیکن جن کا تعلق شرعی احکام سے ہے اس میں ذمہ دار علماء کرام کا مشورہ ضروری ہے۔ اگر اس میں ذمہ دار ماہرین قانون موجود

ہیں تو ہمیں اس سے انکار نہیں۔

---

اب مولانا ہزاروی کے قومی اسمبلی میں مختلف پوائنٹ آف آرڈر اور سوالات وجوابات نقل کیے جارہے ہیں۔ (مرتب)

ایک موقع پر ملک جعفر نے اپنی تقریر میں علماء کی مخالفت میں کہا کہ اسلامی تاریخ میں علماء کی کوئی کیٹیگری نہیں ذکر کی گئی۔ جب جناب کوثر نیازی نے مشاورتی کونسل میں علماء کو شامل کرنے کا ذکر کیا تھا۔ تو ملک جعفر کے جواب میں مولانا ہزاروی مرحوم نے فرمایا کہ علماء کے معنی جاننے والے کے ہیں۔ اگر کوئی شخص اس سے جاہل ہے تو وہ کس طرح دینی امور کا فیصلہ کرسکتا ہے۔

(مرتب)

مولانا غلام غوث ہزاروی :- پوائنٹ آف آرڈر۔ انہوں نے فرمایا کہ اسمبلی کے اراکین سے عالم لیئے جا سکتے ہیں اس پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ عالم کے معنی جاننے والے کے ہیں۔ لیکن میں اس میں یہ اضافہ کروں گا کہ وہ مرزائی قطعاً نہ ہو۔

ایک ممبر خاتون ننگے سر عجیب وغریب انداز سے تقریر کر رہی تھیں۔ اس پر مولانا ہزاروی نے فرمایا! (مرتب)

مولانا غلام غوث ہزاروی :- جناب سپیکر! محترمہ آئینی باتوں سے باہر جا رہی ہیں۔ جو یہاں زیر بحث نہیں۔ اس لیئے انہیں روک دیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ انہیں حکم دیں کہ سر چھپا کر لیعنی ڈھانک کر تقریر کریں۔ اس میں محترمہ کی بھی عزت ہے اور ایوان کی بھی۔

مسٹر چیئرمین فضل الٰہی :- یہ کوئی پوائنٹ آف آرڈر نہیں۔ میں کیا کروں۔ آپ انہیں بے پردگی سے روکیں۔ (مرتب)

ایک موقع پر ممبر خاتون نے کہا میں ۵۰ فیصد عورتوں کی نمائندہ ہوں اور ہمارے حقوق..... تو اس پر مولانا ہزاروی اٹھے۔ (مرتب)

مولانا غلام غوث ہزاروی :- جناب صدر! محترمہ نے ۹۴ فیصد کی نمائندگی کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ یہ ایک فیصد کی نمائندہ ہیں۔ دیکھو کہ باقی عورتیں سب گھروں میں بیٹھی ہیں۔ (اور محترمہ آپ تو پردہ چھوڑ کر اسمبلی ہال میں بیٹھی ہیں۔ مرتب)

ایک موقعہ پر ایک ممبر صاحب نے قرآنی آیات کو غلط پڑھا۔ اس پر مجاہد ملت کھڑے ہوئے۔

مولانا ہزاروی :- جناب صدر! یہ قرآن کی آیتیں غلط پڑھ رہے ہیں۔

مولانا ہزاروی کی تائید میں مبلغ اسلام مولانا عبدالحکیم نے فرمایا :

مولانا عبدالحکیم :- جناب صدر! قرآن میں زیر، زبر کا لحاظ رکھ کر پڑھنا چاہئے۔ اپنی طرف سے اس طرح نہیں پڑھا جا سکتا۔ (مثلاً ایک شخص أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی جگہ أَنْعَمْتُ عَلَيْهِمْ زبر کی جگہ قصداً پیش پڑھے گا تو کافر ہو جائے گا۔ "مرتب")

**قومی زبان** عبوری آئین کا مسودہ جب انگریزی میں لکھا ہوا مولانا کو دیا گیا تو اس پر آپ کھڑے ہوئے۔ "مرتب"

مولانا غلام غوث ہزاروی :- جناب سپیکر! پرسوں میں نے ڈپٹی سیکرٹری ایوان ہذا سے عرض کیا تھا کہ دفتر سے انہیں یہ ہدایت ملی ہے کہ جو لوگ اردو زبان میں چاہتے ہیں کہ تحریریں ان کے پاس پہنچیں وہ ہم کو لکھ کر دیں۔ میں نے لکھ کر دیا۔ اس کے بعد پرسوں میں نے ان سے عرض کیا کہ اور ان سے شکایت بھی کی۔ اس پر وہ وعدہ بھی فرمانے لگے کہ آئندہ آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی۔ لیکن آج جو ترمیم کی کاپی ہم کو پہنچی ہے۔ وہ انگریزی میں ہے۔ اس پر ہم کیا غور کر سکتے ہیں۔ تو عرض ہے کہ قومی زبان کے ساتھ اتنی بے اعتنائی کرنا اس ایوان کی شایان شان نہیں ہے۔

مسٹر چیئرمین فضل الٰہی :- یہ تو پہلے یقین دہانی کرائی جا چکی ہے کہ آئندہ جو بھی دستاویزات اسمبلی کے دفتر سے ممبران کے پاس پہنچائی جائیں گی۔ وہ جس زبان میں یعنی اردو یا انگریزی میں وہ چاہیں گے۔ اسی زبان میں ان کو وہ تحریریں روانہ کر دی جائیں گی۔ لیکن اس دفعہ چونکہ

وقت بہت تھوڑا ہے۔ تو یہ وقت اسی سیشن میں تھا۔ اس کا حل جو پہلے دن تلاش کیا گیا۔ وہ یہ تھا کہ میاں محمود علی قصوری لاء منسٹر اردو میں ترامیم کے متعلق بتائیں گے کہ وہ ترامیم کیا ہیں۔ آپ (مولانا ہزاروی) جیسے تجربہ کار اور پارلیمنٹ کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ آپ ویسے بھی انگریزی سمجھ لیتے ہیں۔ اور اگر یہ بھی ترجمہ کیا جائے تو آپ کو وقت نہ ہوگی۔

مولانا غلام غوث ہزاروی :۔ یہ ایک اصولی بات ہے۔

مسٹر چیئرمین :۔ وہ آئندہ کے لیے یقین دہانی ہے۔ آئندہ جو اسمبلی کا سیشن ہوگا لیکن تین دن کے چھوٹے سے سیشن میں یہ نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا غلام غوث ہزاروی :۔ یعنی ہم کو جو یقین دہانی کرائی گئی تھی ہم اس کو معاف کر دیں۔

مسٹر چیئرمین :۔ یقین دہانی آئندہ کے لیے ہے۔ اس سیشن میں تو معافی مانگی گئی تھی۔ اور آپ نے معافی دے دی۔ کچھ فرما دیں کہ کیا ترامیم ہیں۔ آپ کے ایک ممبر صاحب پشتو زبان میں تقریر کی اجازت چاہتے ہیں۔ مگر ان کو اجازت نہیں مل رہی تھی۔ اس پر مولانا نے فرمایا۔ (مرتب)

مولانا غلام غوث ہزاروی :۔ اردو زبان کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے۔ اگر ایسا کیا جائے کہ ان کو پشتو میں بولنے کی اجازت دی جائے (جبکہ غیر قومی زبان انگریزی میں بھی تقریریں ہو رہی ہیں) تو اس میں کیا حرج ہے۔ قومی زبان جو اردو ہے۔ وہ یہاں اس وقت استعمال نہیں ہو رہی ہے۔ اگر انگریزی میں بیچ کی اجازت ہے تو صوبائی زبان میں کیا حرج ہے۔) (مرتب)

## مولانا غلام غوث ہزاروی ناظم اعلیٰ جمعیت علماء اسلام ایم۔پی۔اے کی تقریر۔

۲ر جولائی ۱۹۷۲ء کو صوبائی اسمبلی کے اجلاس میں جب عائلی قوانین کی تنسیخ کی سفارش والی قرارداد پیش ہوئی جس کے خلاف چند عورتوں اور ایک مرد نے سوچی سمجھی ہوئی تقریریں

کرکے پرویز اور ملحدوں کی نمائندگی کا حق ادا کیا۔ جس سے حساس ممبران اسمبلی اچھے خاصے اداس ہوگئے۔ اس کے بعد مولانا غلام غوث ہزاروی کو تقریر کا موقع دیا گیا۔ جب آپ کھڑے ہوئے تو سپیکر نے کہا کہ مولانا آپ کو پانچ منٹ ملیں گے۔ مولانا نے فرمایا، جناب سپیکر! اگر مخالف شریعت کو آدھا گھنٹہ مل سکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ میں شریعت کی حمایت کروں۔ اور مجھے پانچ منٹ ملیں۔ یہ بڑا ظلم ہے۔ میں واک آؤٹ کر جاؤں گا۔ اور میں سمجھوں گا کہ ایوان اس شریعت کو مسخ کرنا چاہتا ہے۔ آپ میرے دلائل سنیں۔ جب آپ نے ایوان کو ان کے دلائل سنوائے اور کفر کی باتیں سنوائی ہیں۔ تو آپ ذرا میری باتیں بھی سنیں اور سنوائیں۔

سینئر ڈپٹی سپیکر:۔ آپ ضرور سنائیں گے۔ آپ کو پانچ منٹ کے بجائے دس منٹ ملیں گے۔ اس سے زیادہ وقت نہیں ملے گا۔

مولانا:۔ جتنا وقت میاں عبداللطیف صاحب کو ملا ہے۔ اتنا وقت مجھے بھی دیا جائے۔

سینئر ڈپٹی سپیکر:۔ انہوں نے پندرہ منٹ لیے ہیں آپ کو دس منٹ ملیں گے۔ اس کے متعلق جو کچھ فرمانا چاہیں آپ فرمائیں۔ باقی اور ممبران صاحبان بھی بولنا چاہتے ہیں۔

مولانا:۔ مسلمان قوم کے لیے اس سے بڑا کوئی حادثہ نہیں ہو سکتا کہ اسلام کے بارے میں بعض مسلمانوں کے دلوں میں شکوک اور وسوسے پیدا ہونے لگیں۔ لارڈ میکالے نے کہا تھا کہ میں اس تعلیم سے مسلمانوں کو عیسائی تو نہیں بنا سکوں گا۔ لیکن ان کو مسلمان بھی نہ رہنے دوں گا۔ مجھے افسوس ہے کہ آج بیسیوں افراد اس ملک میں ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو لارڈ میکالے کے اس مقولے کے مصداق ہیں۔

ہر فن اور ہر شعبہ کے لیے ماہرین فن کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہماری حکومت نے ہر محکمہ کے لیے ماہرین فن کا کمیشن مقرر کیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ جب شرعی احکام طے کرنے کا وقت آیا اس کے لیے وہ مقرر ہوئے جن کو قطعاً شریعت کا ماہر نہیں کہا

جا سکتا۔ ؎ جناب والا! جن لوگوں کے نام لیئے گئے ہیں اگر وہ زندہ ہوتے تو میں ان کی حقیقت حال کھولتا۔ چونکہ وہ صاحب اس وقت نہیں ہیں، اس لیئے ان کے بارے میں کچھ عرض کرنا مناسب نہیں ہے۔

جناب! یہ شریعت ہے۔ یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہ چوری چھپے دنیا پر غالب نہیں آئی ہے۔ یہ میدان میں بحث کر کے کفر و شرک پر غالب آئی ہے۔ اگر جناب والا اس سلسلے میں کسی کو بحث کرنے کی ضرورت ہے تو میں آپ کو ثالث مقرر کر کے تمام دلائل اور پوائنٹ پر بحث کرنے کو تیار ہوں۔

میرے محترم صدر صاحب! میں یہاں عائلی قوانین کے مصنفین کی جہالت آپ کے سامنے بتانا چاہتا ہوں۔ عائلی قوانین کے بارے میں محترمہ بیگم اشرف عباسی صاحبہ نے یہ فرمایا ہے کہ اس کا کوئی جز و شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں اس کا کوئی حرف شریعت کے مطابق نہیں۔ دیہاں ایک بیگم بڑ بڑ کرنے لگی تو مولانا نے فرمایا) آپ ذرا سینہ تھام کر سنیں۔ جس پر سید احمد صاحب کرمانی نے پوائنٹ آف آرڈر کہا کہ مولانا کو سینہ تھام کر کے الفاظ واپس لینے چاہیئے۔

آوازیں:۔ نہیں نہیں یہ لفظ غیر پارلیمانی نہیں۔

مولانا غلام غوث صاحب:۔ میرا ارادہ کلیجہ تھام کر تھا۔ سینہ تھام کر بولنے سے قطعاً کوئی اور خیال نہ تھا۔ یہ تو آپ نے مجھے متوجہ کیا ہے۔

جناب سپیکر صاحب! ان خواتین کو معلوم ہے کہ عورتوں کا منتقلی کورس (ماہواری عادت) مختلف ہوتی ہے۔ جب ایک خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے دے اس کو عدت گذارنی پڑتی ہے۔ یعنی دوسری شادی کرنے سے پہلے کچھ مدت اس کو انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اس کو عدت کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں حکم ہے۔ "وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ" جن کو طلاق مل جائے وہ انتظار کریں تین قروء یعنی

تین ماہواری دوروں تک)، اس کی جگہ عائلی کمیشن نے لکھا ہے نوے دن میں صاحبزادیاں،
بیگمات اور بہنوں سے عرض کروں گا کہ وہ خود سوچیں آیا ماہانہ عادت اور کورس مستورات
کا مختلف رہتا ہے یا نہیں۔ آج ایک شخص ایک بیوی کو طلاق دیتا ہے۔ کل وہ نماز پڑھنی
چھوڑ دیتی ہے۔ چھ دن وہ نماز نہیں پڑھتی۔ پھر بیس دن پاک رہ کر وہ نماز پڑھتی ہے۔
یہ کل چھبیس ۲۶ دن ہو گئے۔ پھر چھ دن ناپاک رہتی ہے بتیس ۳۲ دن ہو گئے۔ پھر بیس ۲۰ دن پاک
رہتی ہے۔ یہ باون ۵۲ دن ہو گئے۔ پھر تیسری بار جب ماہواری دورہ چھ دن کا پورا ہوتا ہے
تو اس طرح اٹھاون ۵۸ دن میں اس کی عدت پوری ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بعد وہ دوسرا
نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن یہ قانون اس کو نوے ۹۰ دن سے پہلے دوسرے نکاح کی اجازت
نہیں دیتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ قرآن کریم تو تین ماہواری دورے مقرر کرتا ہے۔ اور یہ قانون
نوے دن مقرر کرتا ہے۔ آپ نے جھوٹے فتوے نقل کیے ہیں کہ علماء نے فلاں فلاں
کو کافر کہا ہے۔ یہ سب تاریخی غلط بیانیاں ہیں۔ لیکن میں آپ کے سامنے ایک فتویٰ لکھ
دیتا ہوں کہ جو شخص قرآن کریم کی مقرر کی ہوئی عدت یعنی تین ماہواری دوروں کی میعاد کو صحیح
نہیں سمجھتا اور اس کے مقابلے میں نوے دن کی عدت کو صحیح سمجھتا ہے وہ کافر ہے یا نہیں
آپ کیا سمجھتے ہیں۔ یہ قرآن ہے اس میں ترمیم و تنسیخ ہرگز نہیں کی جا سکتی۔ جناب والا
عرض کروں گا کہ میرے دوست نے بیان کیا ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رح کو کوڑے
لگوائے گئے جیل میں ڈالا گیا۔ مولوی نے فتوے دیئے۔ افسوس ہے اس غلط بیانی سے اس
کو شرم آنی چاہیئے۔ کیا سارے علماء ان کے ساتھ نہ تھے۔ یہ تو برسر اقتدار طبقہ ملحد و بدعقیدہ
ہو گیا تھا۔ اور اس نے اپنی بدعقیدگی کی وجہ سے خلق قرآن کا مسئلہ اٹھایا اور کہا قرآن مخلوق
ہے۔ علماء نے مخالفت کی اور علماء کے سربراہ امام احمد بن حنبل رح تھے۔ جن کو جیل میں ڈالا
گیا۔ اور کوڑے لگوائے گئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ علماء کا مسلک یہ تھا کہ اختلاف مسلک
کی وجہ سے ملک میں بغاوت نہیں کرنی چاہیئے۔ یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے کہ جب تک حکومت اور

امیر مملکت مسلمان اور اسلامی حدود کے اندر ہو اس وقت تک بغاوت حرام ہے۔ اس لیئے کہ فسق و فجور کو دبانے سے بڑی سی کفر کا غلبہ ہو سکتا ہے۔ اس لیئے ہمیشہ علمائے کرام نے حق کہا اور حق کی پاداش میں مصائب برداشت کیئے۔ مگر بغاوت نہیں کی۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ گوالیار کی جیل میں گیئے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے کوڑے کھائے حق کہا۔ سارے علماء کی نمائندگی کی کسی عالم نے ان کے خلاف فتویٰ نہیں دیا ہے۔ یہ حضرات تو علماء حق کے نمائندہ تھے۔ اور علماء ان کے ساتھ تھے۔ مسٹر عبد اللطیف صاحب نے جتنے حوالے نقل کیئے ہیں یہ تاریخی جھوٹ ہے۔ اور یہ سب وہ حوالہ جات ہیں جن کو قادیانی اور پرویزی نقل کیا کرتے ہیں۔

عائلی قوانین کے اندر ایک غلطی یہ ہے کہ طلاق کے بعد جب چیئرمین صاحب کو نوٹس دے دیا جائے گا۔ اس نوٹس کے بعد عدت کی میعاد شروع ہو گی۔ حالانکہ عدت کی میعاد طلاق کا لفظ نکلتے ہی شروع ہونی چاہیئے۔ ایک بیگم صاحبہ نے کہا ہے کہ اس قانون میں ایک لفظ بھی شریعت کے خلاف نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس قانون میں ایک لفظ بھی شریعت کے مطابق نہیں ہے۔ (ہیئر ہیئر)

یہ قانون غلط ہے اور قوم اس کو نہیں مانے گی۔ قوم اس کو برداشت نہیں کرے گی۔ پہلے علماء خاموش رہے۔ مگر جب ابراہیم وزیر قانون نے یہ اعلان کیا کہ ہماری گورنمنٹ ایک آرڈیننس کے ذریعے عائلی کمیشن کی رپورٹ کو قانونی شکل دینا چاہتی ہے تو سارے مغربی پاکستان کے علماء اکٹھے ہوئے اور دہلی دروازے کے باہر اجلاس ہوا۔

مولانا غلام غوث :۔ دہلی دروازے کے باہر جلسہ ہوا تو ہم نے کھلم کھلا حکومت کو متنبہ کیا کہ یہ غلط اقدام مت اٹھانا اس کو عوام نہیں مانیں گے۔ اور میں آج پھر کہتا ہوں کہ مسلم قوم اس کو کسی طرح برداشت نہیں کرے گی۔ (ایوان میں نعرۂ تحسین)

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جو ان قوانین میں ضد کریں گے وہ حکومت کے لیئے مشکلات پیدا کریں گے۔ یہ مذہب کا معاملہ ہے۔ میں کہوں گا کہ انگریز آئے اور گئے اس کو ہمارے

پرسنل لا میں مداخلت کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ بھارت گورنمنٹ کافر گورنمنٹ ہے۔ وہ جرأت نہیں کرسکتی کہ ہمارے پرسنل لا میں مداخلت کرے۔ نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ مسائل کے اندر کوئی گورنمنٹ مداخلت نہیں کرسکتی۔ میں ایک اور بات کہتا ہوں فرض کیجئے ہمارے ارباب اقتدار کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تو۔ یہی سہی۔ مگر آپ کون ہوتے ہیں دس کروڑ مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے والے۔ ان کے مذہبی خیالات میں مداخلت کرنے والے آپ ہیں کون؟ آپ کے سمجھ میں آ سکتا ہے یا نہ آئے۔ آپ ہندوؤں کے پرسنل لا میں مداخلت تو نہیں کرتے۔ انہیں مردے جلانے سے روک نہیں سکتے۔ آپ مسلمانوں کے مذہبی رسوم اور عبادات اور خیالات میں کیوں مداخلت کرتے ہیں۔ حکومت کو مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ کونسی شریعت کی تعبیر کیا ہے تو چودہ سو سال کے بزرگان دین کی متفقہ تعبیروں کے مقابلہ میں چند مسٹر کرنلوں اور چلو جیوں کی تعبیر کیسے مانی جاسکتی ہے۔ میرے دوست عبداللطیف نے کہا ہے کہ میں عالم نہیں ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر آپ عالم نہیں تو جاہل کو کوئی حق نہیں کہ شریعت کے بارے میں رائے دے اور قرآن پاک سے کھیلے۔

(پرزور تالیاں، ہنسی اور قہقہے)

یہ کام علماء کا ہے۔ یہ کام ماہرین دین کا ہے۔ میں مانتا ہوں آپ مصر، مراکش یا لیبیا سے دو دو عالم لا دیں۔ احساس کمتری نہ ہونا چاہیئے۔ آپ کے پاکستان میں جلیل القدر علماء موجود ہیں۔ ان میں سے بھی چار عالم بٹھا لیجئے۔ وہ فیصلہ کریں کہ کونسی چیز شریعت ہے اور کونسی نہیں ہے۔

ہم کو منظور ہے۔ (نعرۂ تحسین)

یہ نہیں ہوسکتا کہ شریعت کو بازیچۂ اطفال بنا دیا جائے۔ مسٹر احمد سعید کرمانی بولے یہ ٹھیکیداری بند کیجئے۔

مولانا غلام غوث صاحب:۔ میں ٹھیکیداری کی بات نہیں کرتا۔ میں عرض کروں گا کہ جو بھی شریعت کا ماہر ہو۔ آپ آجائیے، کوئی آجائے لیکن شریعت کا ماہر ہو۔ ایسا نہ ہو کہ پیشاب کیا

اور آکر جماعت میں شریک ہو گئے۔ کسی نے پوچھا کہ جناب نے وضو کیا؟ تو جواب دیا کہ نہیں۔ پوچھا گیا پھر آپ کیسے شریک ہو گئے۔ تو جواب دیا کہ تھوڑا سا ثواب تو مل جائے گا۔ اس طرح کے ماہرین کی ہم کو ضرورت نہیں ہے۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دو مسئلوں پر خصوصیت سے بحث ہو رہی تھی۔ ایک نکاح ثانی پر اور دوسرے پوتے کی وراثت پر۔

مسٹر سینئر ڈپٹی سپیکر:۔ آپ کا وقت ہو گیا ہے۔ اب آپ اپنا پوائنٹ پورا کر لیں۔

میں عرض کرتا ہوں نکاح ثانی کے بارے میں۔ یہاں شریعت کے خلاف زہر اگلا گیا ہے۔ اور بھتیجہ اور چچا کی موجودگی میں وراثت کے مسئلہ پر جو زہر اگلا گیا ہے۔ اس کے جواب کا موقع دیا جائے۔ آپ کا فرض ہے۔ آپ نے جو وعدہ کیا ہے کہ میں جواب کے لئے وقت دوں گا۔ یہ دین کا مسئلہ ہے۔

جناب سپیکر! میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ محترمہ بیگم صاحبہ نے فرمایا ہے کہ عورتوں کو تھوڑے حقوق ملے ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ عورتوں کو جتنے بھی حقوق ملیں، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن شریعت کو پامال نہیں ہونا چاہیئے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ آج عورتوں کو علماء نے کیا دیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کو علم نہیں سابق صوبہ سرحد میں شریعت بل علماء نے پاس کروا کر عورتوں کو وراثت دلائی ہے۔ اور ایک بڑے عالم کلاچی کے اس میں شہید ہوئے۔ اس کے سوا یہ کا طلی ایکٹ کیا ہے۔ یہ عورتوں کو مختلف تکالیف کی وجہ سے فسخ نکاح کا دعویٰ کرنے کی اجازت کا قانون علماء نے بنوایا۔ اس کے مقابلہ میں ان بیگم صاحبہ نے جو بل پیش کیا تھا۔ قطعاً مکر و فریب سے بھرا ہوا تھا۔ جس کا نام تھا "قاضی کورٹ"۔ اس سے پہلے یہاں مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی کہ ہر تحصیل میں کوئی افسر مقرر کیا جائے گا۔ جو سرسری طور پر تکلیف زدہ اور مصیبت زدہ عورتوں کی کہانیاں سن کر شریعت کے مطابق جلد فیصلے کریں گے۔ یا کہ ان کو مصیبت سے نجات دلائیں۔ یا خاوندان کو رکھیں یا چھوڑیں۔ ان کا مطلب آخر میں جا کر یہ نکلا کہ قاضی عدالت سے مراد سیشن جج

اور ڈسٹرکٹ جج ہے۔ یعنی یہ مقدمات ڈسٹرکٹ جج یا سیشن جج کے پاس ہوں۔ اس نے عورتوں بیچاریوں کے لیے تو اور مشکل پیدا کر دی تھی کہ یہ دور دراز سے مصیبتوں کے ساتھ وہاں آئیں سیشن جج کے پاس پیش ہوں۔ دراصل یہ تو صرف الیکشن سٹنٹ تھا جس سے عورتوں کو دھوکہ دیا گیا تھا۔ خدمت آپ نے کیا کی۔ علماء نے تو ہر وقت آپ کے حقوق کے لیے کام کیا۔ ایک اور بات ہے۔ اگر یہ قانون وضع کرنے والے مخلص ہوتے۔ اور وہ آپ کی ہمدردی کے لیے دوسری شادی روکنا چاہتے تو ان کو چاہیے تھا کہ یہ قانون بناتے کہ ان عورتوں کے خاوند غیر عورتوں کے ساتھ ڈانس نہ کیا کریں۔ ان عورتوں کے خاوند کلبوں میں دوسری عورتوں سے محبت نہ کیا کریں۔ ان عورتوں کے خاوند چکلوں میں نہ جایا کریں۔ اور گھروں میں بے نکاح داشتائیں نہ رکھیں۔ (زبردست تالیاں اور نعرہ تحسین) ایسا کیوں نہیں کیا جب ایک شخص نے دو نکاح کیے۔ اور ایک چیئرمین نے جو وہاں کا چوہدری تھا رپورٹ کر دی تو عدالت نے فریقین کو بلایا کہ تم نے دوسری شادی کی؟ اس نے کہا "صاحب کوئی شادی نہیں کی" سوال ہوا تمہارا نکاح نہیں ہوا تھا؟ پھر کیسے رہتے ہو؟ کہا کہ "دوستانہ یارانہ تعلق ہے" کہا "اچھا پھر خیر ہے جاؤ" (قہقہے اور تالیاں) تف ہے۔ نکاح ہو تو جرم ہے۔ ایک سال کی قید ہے۔ بیس داشتائیں رکھ لیں تو کوئی عیب اور جرم نہیں ہے۔ یہ قانون ان عورتوں کی ہمدردی کے لیے نہیں۔ ان کو دھوکہ دینے کے لیے بنا ہے۔ یہ عورتوں کو بازار میں لانے کے لیے بنا ہے۔

قرآن پاک کا ارشاد ہے۔ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ ۔ (الآیہ)

"کہ زینت کو نہ ظاہر کرے سوائے خاوند کے اور محرم لوگوں کے لیے"

اور یہ بازاروں میں پھر پھرا کر اسلام کی نمائندگی کرتی ہیں۔ یہ چار سو عورتیں، پانچ سو عورتیں چلو ہزار سہی۔

سپیکر:۔ مولانا صاحب! آرڈر، ذرا ٹھہریئے آپ کا وقت ختم ہو گیا۔

مولانا :۔ بس دو منٹ دیجیے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ چار سو بے پردہ عورتیں یا دو ہزار عورتیں ملک کی دو کروڑ پردہ نشین خواتین کی نمائندہ نہیں ہو سکتیں۔

(شور، تالیاں اور نعرۂ تحسین)

سپیکر :۔ آرڈر، آرڈر۔

مولانا :۔ میں ان سب سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کی عورتیں بازاروں میں چلتی پھرتی ہیں؟ جو نہیں ہرگز نہیں دو کروڑ پردہ نشین عورتوں کی نمائندہ یہ بے پردہ اور بازاروں میں پھرنے والی عورتیں نہیں ہو سکتیں۔ یہ ان کی نمائندہ نہیں ہیں۔ (تالیاں اور نعرۂ تحسین)

یہ شریعت میں مداخلت ہے۔ آپ وقت دیں تو میں بتاؤں گا کہ یتیموں کے لفظ سے کتنا دھوکہ دیا گیا ہے۔ کیا سمجھ اگر یتیم ذہین بالغ ہو تو کیا یہ قانون اسلامی مان لیں گے۔ یتیم کا لفظ کہہ کر ان کے جذبات سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

صاحبزادی محمودہ بیگم :۔ پوائنٹ آف آرڈر۔

سپیکر :۔ ٹھہر یئے مولانا پوائنٹ آف آرڈر ہے۔

صاحبزادی محمودہ بیگم :۔ یہ غیر پارلیمانی لفظ ہے جو مولانا صاحب نے استعمال کیا ہے۔ مولانا کو اس سے ودڈرا کرنا چاہیئے۔

مولانا :۔ میں کیا فرمایا ؟

صاحبزادی محمودہ بیگم :۔ وہ فرماتے ہیں کہ بازار میں عورتوں کو لانے کے لیئے یہ قانون بنایا گیا ہے۔ مولانا کو اس سے ودڈرا کرنا چاہیئے۔

مولانا :۔ میرا انگلش ان پرنسپل ہے۔

میاں عبداللطیف :۔ یہ اسلام کے ٹھیکیدار ہیں۔ اس لیئے کہ ان کے پاس داڑھی ہے۔

(اور آپ کے گلے میں فرنگی پھندا ہے)

سپیکر :۔ آپ تشریف رکھیں۔ مولانا صاحب آپ پہلے پانی پی لیں۔ (قہقہے اور شور)

مولانا :- جناب مجھے پیاس نہیں لگی ہے ۔ پیاس انہیں لگی ہے جو سن نہیں سکتے ۔ آپ ہر تاریخی جھوٹ سن سکتے ہیں اور اب اس کا جواب نہیں سن سکتے ۔

مولانا :- نکاح کے بارے میں کہہ دوں ۔

سپیکر :- سردار ڈوڈا خان صاحب ۔ ( ایوان میں شور ، مولانا کو اور وقت دیجیئے کی آوازیں )

سپیکر :- نو ، نو بالکل نہیں ۔ ( شور ) ۔ وقت

شور :- وقت دیجیئے ، ضرور وقت دیجیئے ۔ ( قطع کلامیاں )

سپیکر :- آپ سپیکر کے فرائض میں مداخلت بالکل نہ کریں ۔ میں ان کو بالکل وقت نہیں دوں گا ۔ وقت ختم ہو چکا ہے ۔

مولانا :- میں آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بیٹھتا ہوں ۔

سپیکر کی رولنگ کے خلاف دونوں طرف کے اکثر اراکین واک آؤٹ کر گئے ۔

مسٹر ڈوڈا خان :- جناب سپیکر صاحب ! میں اپنا وقت بھی مولانا صاحب کو دینا چاہتا ہوں ۔

صاحبزادی محمودہ بیگم :- پوائنٹ آف آرڈر ۔ آپ مولانا سے کہیں کہ وہ اپنے الفاظ واپس لیں ۔

سپیکر :- اجلاس کی کاروائی پندرہ منٹ کے لیئے ملتوی کی جاتی ہے ۔

مولانا :- میں نے ان کی تاریخی روایات کو جھوٹا کہا ہے ۔

سپیکر :- پھر تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ اب باقی رہا یہ کہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے ۔ کہ مولانا صاحب نے فرمایا ہے کہ یہ قانون عورتوں کو بازار میں لانے کے لیئے بنایا گیا ہے ۔

سپیکر :- ریزولیشن کے موضوع کو دیکھتے ہوئے میں اسے غیر پارلیمانی تو قرار نہیں دے سکتا لیکن غیر مناسب ضرور ہے ۔ ( قطع کلامیاں )

ڈاکٹر بیگم اشرف عباسی :- چونکہ بحث شرافت کی حد سے باہر جا رہی ہے ۔ اس لیئے ہم دو منٹ کے

لیے باہر جاتے ہیں۔ (آپ مزید تشریف لے جائیں)

اس مرحلے پر صاحبزادی محمودہ بیگم اور ڈاکٹر صاحب ایوان سے باہر تشریف لے جاتی ہیں۔

~~~~~~~~~~~~~~~

چونکہ سرکاری اور غیر سرکاری بنچوں کے تقریباً تمام معزز ممبروں نے مولانا کو کم وقت دیئے پر احتجاج کرتے ہوئے واک آؤٹ کر دیا تھا جس سے کورم ٹوٹ گیا۔ سپیکر صاحب کو اجلاس ملتوی کرنا پڑا۔ اس وقت لابی میں ممبران اسمبلی کی خوشی قابل دید تھی۔ مبارک مبارک صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ کوئی مولانا کا انتظار کر رہا تھا۔ چہرے ایسے بشاش تھے جیسے عید کا چاند نظر آ گیا ہو۔ جب سب دوبارہ اندر گئے تو سب نے مولانا کے آنے پر چیئرز دیئے (تالیاں بجائیں) اب سپیکر صاحب نے ایوان کی متفقہ رائے کے سامنے سر تسلیم خم کر کے مولانا کو دس منٹ دیئے۔ لیکن اگر تقریر کی جاتی تو ووٹنگ کا وقت نہ رہتا۔ اور تحریک فیل ہو جاتی۔ اس لیے مولانا اور ایوان کے ارکان نے مطالبہ کیا کہ اب ووٹنگ کرائیں۔ چنانچہ ووٹنگ ہوئی اور صرف تین عورتوں اور ایک مرد کے سب نے تجویز کے حق میں ووٹ دے کر شریعت کا احترام کرتے ہوئے۔ دو صدیوں کے بعد سرکاری ایوان میں اسلام کی فتح کا علم لہرا کر تاریخی کارنامہ انجام دیا۔ سپیکر نے جب شریعت کی فتح کا اعلان کیا تو ارکان اور تماشائیوں نے شایان شان مسرت کا اظہار کیا۔ ملحدین اور پرویزیوں کا منہ کالا ہوا۔ بے پردہ عورتیں بوکھلا گئیں۔ ان کے تمام تصورات خاک میں مل چکے تھے۔ ملکی اخبارات بلکہ لندن تک کے اخباروں نے ایک مرد درویش (مولانا غلام غوث) کی اس کامیابی پر مضامین لکھے ہیں۔ والحمد للہ۔
~~~~~~~~~~~~~~~

# حضرت بخاریؒ اور حضرت ہزارویؒ کی بے تکلفی

حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ چونکہ مجلس احرار اسلام کے صف اول کے قائدین میں شمار ہوتے ہیں، اور مولانا کی وہاں خدمات بھی، حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے طویل رفاقت بھی تھی اور بے تکلفی بھی۔ حضرت بخاریؒ نے کئی نظمیں لکھیں جن کا تعلق حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی سے تھا تحریر فرمائیں۔ ہم نے قارئین کی دلچسپی کیلئے نیچے وہ پوری تفصیل سے درج کر دی ہے۔ یقیناً آپ لوگ محظوظ ہوں گے

"شانِ ورود" اس کے متعلق تحریر فرمایا۔

اغلباً صفر ۱۳۶۵ھ جنوری ۱۹۴۶ء کا واقعہ ہے۔ الیکشن ہی کا زمانہ تھا۔ میں پنجاب سے فارغ ہو کر سرحد پہنچا۔ شاید کچھ انتخابات ہو چکے تھے، اور کچھ باقی تھے۔ مجھے پروگرام کے مطابق کئی جگہ تقریریں کرنی تھیں۔ اسی سلسلے میں ہزارہ پہنچا۔ وہاں کا نفرنس ختم ہوئی تو اکوڑہ خٹک پہنچے۔ بیت الخلاء کی ضرورت ہوئی تو میں نے پوچھا بھائی پیشاب پاخانے کی کوئی جگہ ہے۔ تو مولانا غلام غوث کہنے لگے جہاں ہم گئے تھے وہیں کہیں آپ بھی بیٹھ جائیے۔ اب جو میں نے باہر نکل کر دیکھا تو کھلا میدان ہے۔ اس میں کوئی دائیں سے آرہا ہے کوئی بائیں سے، کوئی آگے سے کوئی پیچھے سے۔ اب بیٹھوں تو کہاں ؟ میں واپس آکر کمرے میں چپ چاپ لیٹ گیا۔ اور وہیں یہ نظم لکھ دی۔ مجھے "چمگادڑ کے مہمان" کی ضرب المثل یاد آگئی کہ اس کے کوئی مہمان آگیا اس نے کہا کہ بھائی کہاں بیٹھیں اٹھیں دن کا وقت تھا۔ اور دن کو چمگادڑ درختوں یا مکانوں میں الٹے لٹکے رہتے ہیں۔ اس نے وہیں سے جواب دیا بھائی جہاں ہم لٹکے ہوئے ہیں تم بھی وہیں لٹک جاؤ۔ اور یہی قصہ مجھے اکوڑہ خٹک میں پیش آگیا کہ جن کے مہمان تھے۔ انہوں نے بھی "جہاں ہم لٹکے ہوئے ہیں تم بھی وہاں لٹک جاؤ" کی قسم کا مشورہ دے دیا۔ یعنی جہاں وہ خود لٹکے ہوئے تھے وہیں

بھی لکھا جاتا ہے۔"

"مولانا نے مجھے مشغول دیکھا تو بارے ہی بول اٹھے کہ آپ کہیں نظم تو نہیں لکھ رہے ہیں۔ میں نے کہا ہاں لکھ تو رہا ہوں۔ کہنے لگے سنائیے۔ میں نے پڑھی تو کہنے لگے یہ لوگوں کو مت سنائیے گا۔ میں نے کہا اچھا دیکھا جائے گا۔ چنانچہ جب سب اکٹھے ہو گئے تو میں نے چپکے سے کاغذ نکال کر نظم پڑھنی شروع کر دی۔ بس پھر جو حال ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔

## ساطعہ

ہری پور ہزارہ کے جلسہ کے بعد
یہ آرڈر ملا جیش احرار کو
کہ جانا ہے تم کو اکوڑہ خٹک

یہ فرماں سنتے ہی سب سرفروش
باندازِ خاص و بجوش و خروش
روانہ ہوئے سوئے رود اٹک

ہوئی شام اور سرفروش آ گئے
اٹک پر بہ رنگ شفق چھا گئے
دیئے سب نے بکس اور بستر پٹک

کسی کو جو غوطے کی تقاضہ ہوا
مؤدب وہ اس طرح گویا ہوا
کہ دوں اپنی بوری کو کس جا جھٹک

یہ فرمایا اکوڑہ کے اک خان نے
وہ اک محترم اور ذیشان نے

بشانِ خصوصی قومِ خٹک

خوا تم نے سنا ہے وہ شپر کا بات
جو اس نے کہا اپنے مزمان سے
دکھا کر اپنی ننگ اور ٹنگ

یہاں ٹٹی ملی کا حاجت نہیں
جہاں ام لکلتا ہے تو بھی لنگ

(سواطع الالہام ص ۸۴/۸۳)

شانِ ورود اس کے متعلق فرمایا۔

ابھی دنوں (یعنی صفر ۱۳۷۵ھ / جنوری ۱۹۵۶ء) کی بات ہے (مجلس احرار اسلام پشاور کے دفتر میں بخار سے پڑا ہوا تھا کہ اتنے میں مولانا غلام غوثؔ نے اور پوچھنے لگے کہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا بخار ہے۔ کہنے لگے میرے پاس کرنجوا ہے وہ کھا لیجیے میں نے کہا کڑوا ہوگا تو کہنے لگے کہ بخار میں مفید ہوتا ہے۔ میں نے کہا دیجیے۔ میں نے ہتھیلی پر رکھ کر منہ میں ڈال لیا۔ اور اوپر سے پانی پی لیا۔ جب میں دوا کھا کر پانی پی چکا تو نہایت متانت سے کہنے لگے۔ آپ کو معلوم ہے اسے فارسی میں کیا کہتے ہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگے اس کا نام ہے "خاکِ ابلیس" اور اس پر ایک زور کا قہقہہ لگا۔ میں نے کہا خدا کے بندے یہی کرنا تھا تو کھانے سے پہلے بتا دیا ہوتا۔ تو فرماتے ہیں کہ بتا دیتا تو آپ کھاتے ہی کہاں! خیر! کوئی حرج نہیں چیز مفید ہے۔ میں نے دل میں کہا کر لے بھائی پٹھان چوٹ کر گیا۔ اگر اس کا جواب نہ ہو تو بات نہیں بنتی۔ خیر اس وقت تو میں نے بات ٹال دی۔ اور چپ ہو کر لیٹ رہا۔ لیکن دھیان اسی طرف تھا کہ کچھ ہونا ضرور چاہیے۔ مولانا تو یہ کہہ کر ایک طرف ہٹ گئے اور باہر برآمدے والے کمرے میں جا کر لیٹ گئے اور میں نے کاپی پنسل جو میرے سرہانے رکھی تھی اٹھا کر یہ قطعہ لکھا۔ اب

مولانا کو فکر ہوئی۔ کیونکہ وہ مجھے لکھتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ تو وہیں سے گھبرا کر پوچھنے لگے کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ میں نے کہا آپ کا قصیدہ لکھ رہا ہوں۔ مجھے کہنے لگا کہ آپ نے اسے خارِ ابلیس۔ بتایا ہے تو آپ کی تعریف لکھی ہے۔ تاکہ بیماروں کو آپ کے علاج اور دواؤں کا پتہ چل جائے کہ آپ کیا کچھ کرتے اور کھلاتے رہتے ہیں۔ کہنے لگے اچھا سنائیے۔ میں نے یہ قطعہ پڑھا۔ اب جو سنا تو لاحول ولا قوۃ پڑھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کہنے لگے کہ کشتہ نہیں بلکہ سفوف تھا۔ میں نے کہا اچھا پہلے نہیں تھا تو اب کشتہ ہو گیا۔ اس پہ بیچارے بہت پریشان ہوئے اور لوگوں کو سنانے سے روکتے رہے۔ اور مجلس میں ایک تماشہ بنا رہا۔

حضرت غوث ہزارہ کے حکیم حاذق

جو کہ بیماروں سے کم فیس لیا کرتے ہیں

اب یہ معلوم ہوا کہ بخاروں میں حضور

کشتۂ خارِ ابلیس دیا کرتے ہیں

(سوانح الالہام ص ۹۲/۹۳)

# مولانا ہزاروی کی دیانت پر شبہ نہیں کیا جاسکتا

## قائد جمعیت کی وضاحت

مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں قائد جمعیت مولانا مفتی محمود صاحب نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ بعض لوگ یہ پرچیاں بھیج رہے ہیں کہ مولانا ہزارویؒ کے بارے میں اظہار خیال فرمائیں۔ میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ مولانا ہزارویؒ کی دیانت پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے فرمایا کہ اپوزیشن کے جن لیڈروں نے اسمبلی کے بائیکاٹ میں حصہ نہیں لیا۔ اور ان کو خارج کیا گیا ہے۔ ان میں اور مولانا ہزاروی میں بڑا فرق ہے۔ لہٰذا ان کے بارے میں کسی کو اختلاف رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اور اپوزیشن کے جن ارکان کو جماعتوں سے خارج کیا گیا ہے وہ ارکان حکومت کی حمایت اور اپوزیشن کی مخالفت میں ووٹ دے چکے ہیں۔ اس عظیم فرق کی بنا پر کارکنوں کو کہوں گا کہ وہ اکابرین کا احترام کریں۔

**لینے کے دینے پڑ گئے** ایبٹ آباد کے محمود وڈی محمد صادق نے بانئ جمعیت مولانا غلام غوث ہزاروی کے خلاف ہتک عزت کا دعویٰ کر دیا۔ بانئ جمعیت کو اور کیا چاہیے تھا۔ مولانا نے جواب دعویٰ میں چھیالیس آدمیوں کی ایک فہرست داخل کی جو بطور گواہ تھے۔ جن میں خود مرزائی صاحب بھی تھے۔ مولانا ہزاروی کی کوشش تھی کہ کیس چلے اور اس کا فیصلہ ہو۔ چنانچہ مولانا ہزاروی نے جو جوابات اور نوٹس وکیل کیلئے تیار کیے ان کا قلمی پلندہ میرے پاس موجود ہے۔ جو کم از کم اس سائز کے اڑھائی تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ ایک دو پیشیاں ہوئیں۔ مولانا ہزارویؒ نے اس محمود وڈی پر جو جرح کی۔ اس کے وکلاء کو جس طرح رگیدا تو انہوں نے معلوم کر لیا تھا کہ اگر یہ کیس مکمل ہوا تو جماعت کا بستر بوریا گول ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ کیس علیم ہیرز دی کی وجہ سے یعنی خود کیس کرنے والے نے اوپر کے اشارے پر پیروی ترک کر دی۔ تو داخل دفتر ہو گیا۔ مولانا ہزاروی نے جو نوٹس تیار کیے وہ طویل کیا

جو مولانا کی ذہانت اور علمیت کا ثبوت ہیں۔ا

ایبٹ کے ایک شخص نے اپنے آپ کو مودودی ظاہر کر کے حضرت مولانا غلام غوث ؒ کے خلاف جسٹس ای۔اے۔سی ایبٹ آباد کی عدالت میں ازالۂ حیثیت عرفی کا استغاثہ دائر کیا تھا کہ مولانا موصوف نے ٹوبہ ٹیک سنگھ کی تقریر میں یہ الزام لگا کر میری شہرت کو نقصان پہنچایا۔

۱۔ جماعت اسلامی سی۔آئی۔اے کی ایجنٹ اس سے روپے لے کر یہاں کام کرتی ہے۔

۲۔ مودودی پارٹی کے پروپیگنڈہ سے امریکہ اور یہود کو فائدہ پہنچتا ہے۔

۳۔ مودودی صاحب گمراہ ہے۔ اور اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ عدالت نے فرد جرم عائد کر کے شہادتِ صفائی طلب کی۔ چنانچہ مولانا نے مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۷۱ء کو عدالت میں شہادتِ صفائی کے گواہوں کی فہرست داخل کر دی۔ جو حسب ذیل ہے۔

۱۔ ابوالاعلیٰ صاحب مودودی ذیلدار پارک اچھرہ لاہور۔

۲۔ امریکن لڑکی مسماۃ جمیلہ زوجہ یوسف خان جماعتِ اسلامی نزد پارک چوک لاہور۔

۳۔ اے۔بی اعوان صاحب سیکرٹری آف ہوم افیئرز اسلام آباد

۴۔ ہوم سیکرٹری حکومت مغربی پاکستان لاہور۔

۵۔ مولانا کوثر نیازی ایڈیٹر ہفت روزہ "شہاب" لاہور۔

۶۔ حضرت مولانا امین احسن اصلاحی صاحب سابق امیر جماعتِ اسلامی لاہور۔

۷۔ سابق وزیر داخلہ مغربی پاکستان خان حبیب اللہ خان لکی مروت بنوں۔

۸۔ سابق وزیر داخلہ مغربی پاکستان قاضی فضل اللہ صاحب لاڑکانہ (سندھ)

۹۔ جناب عبداللہ ملک چیف سٹاف رپورٹر روزنامہ امروز لاہور۔

۱۰۔ مولانا سید عبداللہ شاہ صاحب ایڈیٹر روزنامہ "الفلاح" پشاور۔

۱۱۔ سکین حسین شاہ صاحب مینیجر بنک آف بہاولپور شاہ عالم مارکیٹ لاہور۔

۱۲۔ جناب قاضی غیاث الدین صاحب جانباز۔

## حملہ آور غنڈے کون تھے

مولانا غلام غوث ہزاروی کی عمر ۵۰ سال یعنی پون صدی کے برابر ہے۔ کھدر کا سادہ لباس پہنتے ہیں۔ آپ پر ۲۲ رمئی ۱۹۷۰ء کو قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ جس کی خبریں اخبارات میں بھی شائع ہو گئیں۔ استفسار پر مولانا ہزاروی نے اس قاتلانہ حملے کا پس منظر و پیش منظر بیان کرنے کی زحمت فرمائی۔ اس روز بھی ان کے ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اور بازو پر کہیں کہیں نشانات تھے۔

مولانا نے قاتلانہ حملہ کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ راولپنڈی میں جمعہ پڑھا کر جب میں مانسہرہ جانے کے لیے بس اسٹینڈ تک پہنچا تو میرے ہمراہ بہت سے دوست تھے۔ ان میں ٹیکسلا والے مولانا مسعود الرحمٰن بھی تھے۔ جو کہ اکثر پنڈی آ کر جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ کیا آپ بھی اس بس میں میرے ساتھ ٹیکسلا تک جائیں گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں کسی پچھلی بس میں جاؤں گا۔ لیکن بس چلنے سے کچھ دیر ہی پہلے وہ اسی بس میں سوار ہو گئے۔ میں نے وجہ پوچھی تو انہوں نے سرگوشی کے انداز میں کہا وہ (اشارہ کرتے ہوئے) ایک آدمی ان تین آدمیوں کو بس میں سوار کرا کے چلا گیا ہے۔ اور اس نے آپ کی پہچان بھی کرائی ہے۔ مجھے یہ تینوں شخص مشتبہ نظر آتے ہیں۔ چنانچہ میں اس بس میں ایبٹ آباد تک آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ راستے میں مولانا مسعود الرحمٰن صاحب نے ان آدمیوں کے پاس پستول بھی دیکھ لیے اور ان آدمیوں کی حرکات و سکنات سے ہمارا شبہ یقین میں بدل گیا۔ لیکن ہماری سمجھ میں دفاع اور بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ حویلیاں کے قریب پہنچنے سے پہلے اللہ کریم نے دل میں یہ خیال ڈال دیا کہ اندھیرا ہونے کو ہے۔ بہتر ہے سفر بند کر دیا جائے۔ چنانچہ جب بس کھڑی ہوئی تو مولانا مسعود الرحمٰن نے میرا سوٹ کیس اٹھایا۔ اور ہم ابھی اترنے ہی لگے تھے کہ وہ تینوں غنڈے بے قابو ہو گئے۔ اپنا شکار ہاتھ سے جاتا دیکھ کر بے سوچے سمجھے مجھ پر حملہ کر دیا۔ اسی اثناء میں ان میں سے ایک غنڈے نے پیچھے سے کوئی تیز کاٹنے والی چیز میرے

فوراً ہی فائر کی آواز سنی میں نے ہاتھ سے مدمقابل غنڈے کے ہاتھ مضبوطی سے تھامے رکھے۔ باقی دو غنڈوں کو مسعود الرحمٰن صاحب نے مجبور کر کے ، چھینے کا موقع ہی نہ دیا ، اس کشمکش میں میرے اس محسن کا ہاتھ بھی زخمی ہوا اور ان کے ہاتھ سے بہنے والے خون سے میرے ہاتھ بھی لت پت ہو گئے ۔ غنڈے سمجھے کہ کام ہو گیا ، چنانچہ ایک نے فخریہ انداز میں میرا نام لے کر کہا کہ مولوی غوث کا کام تمام ہو گیا ہے ۔ میرا نام سنتا ہی تھا کہ لوگ دوڑے ہوئے آئے ۔ ایک غنڈہ تو دوڑ چکا تھا باقی دو کو پکڑ لیا گیا ۔ تھوڑی دیر بعد ایبٹ آباد کے اے ایس پی اور پولیس کی دو مسلح گاڑیاں آ پہنچیں اور مقدمہ درج کر لیا گیا ۔ ہم ایبٹ آباد کے سول ہسپتال میں داخل کر لیے گئے ۔

مولانا غلام غوث ہزاروی ؒ نے اس سانحہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ حملہ سوچی سمجھی سکیم کے تحت مجھ پر کرایا گیا ہے ۔ اور میں یہ الزام نہیں لگاؤں گا بلکہ صراحتہً کہوں گا کہ مجھ پر قاتلانہ حملہ سے مودودی صاحب اور جماعت اسلامی دونوں ملک بھر میں رسوا ہو چکے ہیں ۔

میں اسلام کے نام پر مرنے والا شخص ہوں ۔ مجھے کسی کا کوئی ڈر نہیں ۔ جب تک تقدیر میں موت نہیں لکھی ہوئی مجھ پر لاکھ حملے ہوں ۔ میں کلمۂ حق کہتا ہی رہوں گا ۔

## مولانا غلام غوث ہزاروی پر قاتلانہ حملہ کرنیوالوں کو قید سخت اور جرمانے کی سزائیں :-

## ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر ہزارہ کی عدالت کا اہم فیصلہ

ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر ہزارہ مسٹر قمامش خان نے جمعیۃ علماء اسلام کے ممتاز لیڈر اور قومی اسمبلی کے ممبر مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب پر قاتلانہ حملہ کے جرم میں راولپنڈی کے بشیر احمد ملک ، صابر حسین شاہ اور راجہ بشیر نامی تین افراد کو چھ چھ سال قید سخت اور اکیس اکیس سو روپے جرمانہ کی سزا دی جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں ملزمان کو سوا سوا ماہ کی مزید قید بامشقت کاٹنی ہوگی ۔

فاضل عدالت کے حکم کے مطابق جرمانے کی رقم میں سے آٹھ سو روپے مولانا ہزاروی کو چار سو ان کے بیٹے مولانا مسعود الرحمٰن کو بطور معاوضہ ادا کیئے جائیں۔ ملزمان کو یہ سزائیں تعزیرات پاکستان کی دفعات ۳۰۷۔ ۳۲۵۔ ۳۴ کے تحت دی گئی ہیں۔

استغاثہ کی کہانی کے مطابق ۲۲ مئی ۱۹۷۰ء کو ملزموں نے حویلیاں کے مقام پر ایک بس میں پستول سے فائر کر کے مولانا ہزاروی کو ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور اس کشمکش میں مولانا ہزاروی اور ان کے ساتھی مولانا مسعود الرحمٰن زخمی ہو گئے تھے۔ ایبٹ آباد کی خصوصی فوجی عدالت اسی کیس میں ان ملزموں کو مارشل لاء کی دفعہ ۱۰-۱۴ سوال الف کے تحت ایک سے تین سال قید با مشقت کی سزائیں پہلے ہی دے چکی ہے۔

## لاہور کے پندرہ علماء کی نکتہ چینی کی حقیقت

از مولانا غلام غوث صاحب

لاہور کے بعض اخباروں میں ۱۳ اگست ۱۹۷۰ء کی اشاعت میں لاہور کے پندرہ علماء کی مجھ پر نکتہ چینی کی خبر شائع ہوئی۔ غالباً یہ سب جامعہ اشرفیہ کے مدرسین ہیں۔ ان میں مولانا ادریس کا اسم گرامی بھی ہے۔ جو میرے نہایت شفیق استاذ ہیں۔ اس وقت ملک میں وہی ایک بزرگ جو ہمارے اسلاف کی نشانی ہیں مجھے یقین ہے کہ ان کا اسم گرامی فرضی درج کیا گیا ہے۔ یا پھر ان کو غلط باور کرایا گیا ہے۔ لیکن اگر وہ بلا کسی وجہ کے بھی میرے خلاف سخت سے سخت بات فرمائیں۔ ان کو حق حاصل ہے۔ اور میرے لیئے سوائے سر تسلیم خم کرنے کے کوئی چارہ نہیں۔ دستخط کنندگان میں سے جن حضرات کو میں جانتا ہوں۔ ان سے جھوٹ بولنے، جھوٹ گھڑنے اور غلط بیانی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مگر حیرانی کی بات ہے کہ اس بیان میں دو سفید جھوٹ درج ہیں۔ ایک تو یہ کہ میں ملحدوں اور خدا کے منکروں سے مل کر اسلامی قدروں کو ڈھا رہا ہوں۔ (العیاذ باللہ) حالانکہ میں اس کی بار بار تردید کر چکا ہوں۔ اور اخباروں میں

کئی بار تردید چھپ چکی ہے۔ لیکن امریکی ایجنٹ اور مودودیئے مسلسل میرے خلاف یہ شیطانی جھوٹ لکھتے اور کہلاتے رہتے ہیں۔ جن کی تنقیص صحابہؓ، تنقیص انبیاء، اور اسلامی عقائد و مسائل کی کھلی مخالفت کا معاملہ ڈھکا چھپا نہیں ہے کہ علماء دیوبند، علماء سہارنپور، علماء دہلی اور علماء ہندوپاک نے بے نقاب کر رکھ دیا ہے۔ اور یہ حقیقت بھی واضح ہو چکی ہے کہ ان کی سرگرمیوں سے یہود و امریکہ کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اس کے برعکس میں ان تمام جماعتوں اور افراد کو دعوت دیتے ہوئے یہ کوشش کر رہا ہوں کہ وہ تمام ازموں کو چھوڑ کر صرف اسلام کے اندر اپنی مشکلات کا حل سوچیں۔ اسلام کامل دین ہے۔ اس میں ہر طبقہ کے لیے ہدایات موجود ہیں۔ چنانچہ بلطفہٖ تعالیٰ میری یہ مساعی کامیاب ہو رہی ہیں۔ اور بہت سے افراد اور طبقات کمیونسٹوں کے پروپیگنڈے سے بچتے جا رہے ہیں۔

اس بیان میں دوسرا بڑا جھوٹ یہ ہے کہ اس میں تصور دیا گیا ہے کہ میں ماضی میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا تھانویؒ کے خلاف بد ترا الفاظ استعمال کر چکا ہوں۔ یہ قطعاً غلط ہے۔ حضرت عثمانیؒ میرے استاد حدیث ہیں۔ اور حضرت تھانویؒ مجدد دین، حکیم الامت، اور ولی اللہ تھے۔ ان کو میں استادوں سے بھی اعلیٰ و ارفع تصور کرتا ہوں۔ ان حضرات کے حق میں بدگوئی نقصان ایمانی کے مترادف ہے۔ یہ خبر جس نے بھی دی غلط ہے۔ اور محض شیطانی افتراء ہے۔ بہر حال اس نکتہ چینی میں غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ میں ایمانی بصیرت کی روشنی میں کہتا ہوں کہ ہم سب کے واجب الاحترام بزرگ حضرت مولانا رسول خان صاحب کو یا تو خبر بھی نہیں یا ان کو دھوکہ دیا گیا ہے۔ اور کسی مقدس جھوٹے نے شیطان کی طرح قسم کھا کر ان کو غلط باور کرایا ہے۔ بہر حال حضرت کے بارے میں اتنا ہی عرض ہے کہ ان کو ہر طرح کہنے سننے کا حق حاصل ہے۔ اور ہم کو ایک ادنیٰ شاگرد کی طرح حاضر خدمت ہو کر حقیقت حال بیان کرنا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں یہ مضمون لکھ چکا ہوں کہ حضرت مخدوم استاد الاساتذہ مولانا رسول خان صاحب کی تحریر پہنچ گئی کہ واقعی ان کو غلط باور کرایا گیا تھا۔ اور انہوں نے اس

بیان کو جھوٹ سمجھ کر اس سے نہ صرف رجوع فرمایا بلکہ اپنے پاک کلمات سے میری حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔ اسی طرح مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور نے بھی تحریر فرمایا کہ حقیقت حال معلوم ہو جانے کی وجہ سے میں اپنے بیان سے رجوع کرتا ہوں۔ بلکہ مولانا موصوف نے مجھ سے معافی مانگنے کے الفاظ لکھ کر مجھے شرمندہ فرمایا۔ میرے دل میں بہر حال ان نوجوان علماء کا احترام ہے۔ جن کو مستقبل میں اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے کام کرنا ہے۔ شیطان کے قسم کھا لینے سے حضرت آدمؑ نے بھی باور کر لیا تھا۔ گویا کہ یہ بات ہماری فطرت میں شامل ہے کہ حقیقت حال کھلنے کے بعد ربنا ظلمنا انفسنا آہ کہہ کر لاکھوں گنا درجات بڑھا لیں۔ ان دونوں حضرات کی تردید کے بعد ضرورت نہیں تھی مگر میں جامعہ اشرفیہ کے بعض بزرگوں سے استفسار کرتا ہوں کہ اس جھوٹے بیان کی حقیقت کیا ہے۔ اس کے بعد میں مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا احتشام الحق تھانویؒ اور بعض دوسرے بزرگوں کے بارے میں کچھ حقائق بیان کروں گا۔ اور یہ بتاؤں گا کہ انہوں نے کیا کہا اور میں نے کیا کہا۔ ممکن ہے اس ضمن میں دوسرے سربستہ رازوں سے بھی پردہ ہٹ جائے۔

## استاذ العلماء حضرۃ مولانا محمد رسول خان صاحبؒ کا تردیدی بیان

مولانا غلام غوث صاحب کے خلاف جو کچھ مجھے بتایا گیا تھا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ سراسر جھوٹ اور سرتاپا غلط ہے۔ مولانا غلام غوث نے اکابر دیوبند میں سے کسی کی توہین نہیں کی اور نہ ہی وہ سوشلزم یا کسی غیر اسلامی مسلک کے حامی ہیں۔ یہ خالص اسلام کا احیاء اور اسلامی نظام ملک میں رائج کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ مخلص مجاہد ہیں۔ اس لیے میں اس بیان سے رجوع کرتا ہوں۔ جو مجھے غلط اطلاعات دے کر بیان پر دستخط کرائے تھے۔

# انٹرویو

## حضرت امیر مرکزیہ

حضرت اقدس مولانا خان محمد صاحب سے بابائے جمعیت مولانا غلام غوث ہزاروی صاحبؒ کا طویل زمانہ تک تعلق رہا۔ راقم الحروف نے خانقاہ سراجیہ جاکر حضرت امیر کا انٹرویو لیا۔ جو حصہ تاریخ ہے۔ ملاحظہ ہو۔

سوال:۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں جب مارشل لا نافذ ہوا تو لاہور سے مولانا غلام غوث ہزارویؒ یہاں خانقاہ سراجیہ میں کب اور کیسے پہنچے؟

جواب:۔ ۱۹۵۳ء کو جب مارشل لاء کا نفاذ ہوا تو مولانا چند دن تو لاہور میں ہی روپوش رہے۔ اس کے بعد فیصل آباد مولانا کے عزیز تھے۔ ان کے پاس پہنچے۔ چونکہ مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے بارے میں حکومتی حکم یہ تھا کہ مولانا ہزارویؒ جہاں ملیں گولی سے اڑا دیا جائے۔ اور اس کی اطلاع سب سے پہلے مرحوم بہادر خان جو صدر ایوب خان کے بھائی تھے۔ انہوں نے بہم پہنچائی تھی۔ اور مولانا ہزارویؒ کے بارے میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور دوسرے اکابرین کا حکم تھا کہ مولانا ہزارویؒ گرفتاری نہ دیں۔ تحریک کی قیادت سنبھالیں۔ اور ہدایات بھیجتے رہیں۔ چونکہ مجلس عمل کے سارے قائدین پہلے ہی مرحلے میں گرفتار کیے جا چکے تھے۔ اس لیے بھی مولانا ہزارویؒ کا روپوش ہونا ضروری تھا۔ تو فیصل آباد سے مولانا ہزارویؒ اپنے اسی عزیز کے ہمراہ بھیس بدل کر خانقاہ سراجیہ پہنچے۔ چونکہ حضرت ثانی حضرت مولانا عبداللہ صاحب سے بیعت کا تعلق تھا۔ دوسرے خانقاہ سراجیہ بھی آبادی سے الگ تھی۔ اور پھر اپنے پیر و مرشد سے مولانا ہزارویؒ مشورہ کرنا

چاہتے تھے۔ مولانا ہزارویؒ کو خانقاہ سراجیہ میں ایک کمرے میں بٹھایا۔ اور مولانا ہزارویؒ کے وہی عزیز حضرت اقدس مولانا عبداللہ صاحب کے پاس پہنچے۔ اور عرض کی حضرت ذرا کمرے میں تشریف لے جائیں۔ حضرت کمرے میں پہنچے تو مولانا کے منہ سے کپڑا اٹھایا اور کہا یہ حضرت آپ کی امانت ہے۔ میں سپرد کر کے جا رہا ہوں۔ وہ ہمراہی واپس چلے گئے۔

چنانچہ حضرت نے مجھے حکم دیا کہ ان کو خانقاہ کے پچھواڑے ایک کمرہ تھا وہاں پہنچایا۔ مولانا ہزارویؒ ہفتہ یا دس بارہ دن اسی کمرے میں رہے۔ سوائے حضرت ثانی مولانا عبداللہ صاحب اور میرے خانقاہ میں کسی کو علم نہ تھا کہ مولانا ہزاروی یہاں موجود ہیں۔ مولانا کا کھانا وغیرہ میں لے جاتا اور دیگر ضروریات کی نگرانی بھی میرے ہی ذمہ تھی۔ اسی دوران حضرت ثانیؒ نے بھلوال میں صوفی احمد یار خان اور حکیم مولانا عبداللہ صاحب کو بلا بھیجا۔ یہ دونوں حضرات حضرت ثانی کے مرید تھے۔ یہ دونوں جب خانقاہ سراجیہ آئے تو حضرت ثانی نے فرمایا کہ بھائی دیکھو یہ مولانا غلام غوث ہزاروی ہیں۔ ان کو روپوش رکھنا ہے کہ ان کا تعلق مجھ سے ہے۔ اور یہاں ان کا رہنا ٹھیک نہیں۔ حکومت کھوج لگائے گی۔ لہٰذا تم دونوں اس کا کوئی حل سوچو۔ صوفی احمد یار نے کہا کہ حضرت فکر نہ فرمائیں۔ میں مولانا کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ آپ دعا کرتے رہیں چنانچہ صوفی صاحب مولانا ہزارویؒ کا بھیس وغیرہ تبدیل کر کے اپنے ساتھ بھلوال لے گئے۔ اور سرگودھا میں دور دراز کے علاقے میں مولانا کو پہنچا دیا گیا۔ مولانا نے روپوشی کا زمانہ گذارا جو تقریباً مہینے تھا۔ اس دوران حکومت سے مجلس عمل کی بات چیت جاری ہے۔ جب مولانا ہزاروی کے بارے میں حکومت نے اپنا سابقہ آرڈر منسوخ کیا۔ تو پھر سب پہلے مولانا ہزارویؒ اور صوفی احمد یار خان اور مولانا عبداللہ خانقاہ تشریف لائے۔ اور دس بارہ دن یہاں قیام رہا۔ روپوشی کے دوران مولانا ہزاروی سرگودھا ہی کے اس علاقے سے تحریک ختم نبوت کی قیادت کرتے رہے۔ اور تازہ احکام لاہور بھیجتے رہے۔

سوال ۲ :۔ حضرت اقدس مولانا خان محمد صاحب مدظلہ سے میرا دوسرا سوال یہ تھا کہ جب ۱۹۵۷ء میں جمعیت علماء اسلام کی تشکیل جدید تو ملتان کے اس اجلاس میں آپ بھی موجود تھے ؟

جواب :۔ مولانا خان محمد صاحب مدظلہ نے میرے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نہیں میں اس اجلاس میں نہ جا سکا۔ البتہ حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب آف درویش اور حضرت مولانا مفتی عطا محمد صاحب کو خانقاہ سراجیہ سے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا۔ یہ دونوں حضرات اجلاس میں موجود تھے۔

سوال ۳ :۔ مولانا ہزارویؒ نے قادیانیت کے خلاف جو کام کیا اس پر روشنی ڈالیں۔

جواب :۔ مولانا ہزاروی نے احرار کے اسٹیج سے اور احرار میں شمولیت سے پہلے جو کام کیا وہ بہت بڑا ہے۔ محدث عصر حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ نے قادیانیت کی تردید میں علماء کی ایک جماعت کو مقرر کیا جن میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی صاحب، مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور ابوالوفا مولانا شاہجہانپوریؒ اس جماعت نے مرزائیت کی تردید میں برصغیر کا دورہ بھی کیا۔ اور جگہ جگہ اجلاس اور تحریر و تقریر کے ذریعے سے مرزائیت کا پول کھولا اور اس کے علاوہ مولانا ہزارویؒ نے جو کام مرزائیت کی تردید میں کیا وہ بہت بڑا کام ہے۔ اور دوسرے حضرات پر مولانا ہزارویؒ کی فوقیت ہے۔

سوال ۴ :۔ مولانا ہزاروی نے دین کا جو کام کیا یا فرق باطلہ کی تردید میں مصروف رہے۔ مثلاً قادیانیت، پرویزیت اور علامہ مشرقی وغیرہ کے فتنے کا جو سدباب کیا یا منکرین حدیث کا مقابلہ کیا تو اس میں حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب

المعروف حضرت ثانی کی دعائیں اور مشورے تو ضرور شامل ہوں گے ؟

جواب :۔ جی ہاں یقیناً مولانا ہزاروی حضرت ثانی رح سے مشورہ لیتے تھے۔ اور حضرت ثانی مولانا ہزاروی کے لیئے دعائیں بھی فرماتے تھے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ مولانا ہزاروی صاحب ابتدائی دور میں مودودی صاحب کے مخالف نہ تھے۔ حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بصیرت سے بھی بھانپ لیا کہ مودودی صاحب کی تحریریں امت میں فتنہ کا باعث ہوں گی۔ جس طرح حضرت مدنی رح اور حضرت لاہوری نے ایمانی فراست سے ہی بھانپ لیا تھا تو حضرت ثانی نے مولانا ہزاروی کو حکم دیا کہ مودودی صاحب کی تردید کریں تو حضرت مولانا ہزاروی کہنے لگے کہ حضرت میرے خیال میں تو جماعت اسلامی اور مودودی صاحب سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں اور دوسرے بے دینوں سے تو بہتر ہیں۔ لہٰذا اگر ہم انہیں نہ چھیڑیں تو بہتر ہے اور مولانا ہزاروی مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے حق میں دلائل دیتے رہے۔ حضرت ثانی مسلسل سمجھاتے رہے۔ اور آخر مولانا ہزاروی مولانا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے خلاف کام کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اور کتابچہ مذہبے باک محاسبہ ان کے نام سے لکھوایا۔ لیکن مولانا ہزاروی نے وہ اپنے نام سے شائع نہ کرایا۔ بلکہ شاید میرے نام سے یا مولانا قاضی شمس الدین صاحب کے نام سے شائع کرایا۔ لیکن بعد میں مودودی صاحب کی دلآزار تحریریں جوں جوں منظر عام پر آتی گئیں۔ تو مولانا ہزاروی صاحب کے رویہ میں بھی شدت آتی گئی۔ مولانا ہزاروی نے مودودی صاحب کی مخالفت صرف دینی وجوہات کی بنا پر کی ذاتی نہ تھی۔ چونکہ مولانا ہزاروی علماء کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ جن کا شیوہ حق گوئی وبیباکی تھا۔ نہ ہی مصلحتوں کی پرواہ کی اور نہ ہی کسی لالچ میں آئے۔ بقول شاعر۔

ہم مصلحت وقت کے قائل نہیں ہیں یارو۔ الزام جو دینا ہے سر عام دیا جائے۔

سوال ۵ :۔ مولانا ہزاروی کی جمعیت علماء اسلام سے علیحدگی کے اسباب پر اگر کچھ روشنی ڈالیں تو ...... ؟

جواب :۔ مولانا ہزاروی مرحوم چونکہ جماعت اسلامی اور مودودی صاحب کے سخت مخالف تھے۔ اس کے علاوہ ولی خان کے سیاسی رویئے کو بہت پسند کرتے تھے۔ بلکہ ابتداء ہی سے مخالف تھے۔ ۱۹۷۲ء میں جب نیپ اور جمعیت کی وزارت بنی تو مولانا نے با دلِ نخواستہ قبول کی اور اس دوران بھی اتنی سرگرمی نہ دکھائی۔ اور مولانا ہزاروی مرحوم سے قبل بھی جمعیت علماء اسلام کا ایک مضبوط دھڑا حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب آف چکوال اور مولانا قاضی عبداللطیف جہلمی کی سرکردگی میں اس پالیسی کی بناء پر جدا ہو چکا تھا۔ اس طرح کئی اور باتیں بھی ہیں جن کی بناء پر مولانا جمعیت سے الگ ہو گئے۔ بہرحال وہ بزرگ تھے چلے۔ اب کچھ کہنا مناسب نہیں۔

سوال ۶ :۔ جب مولانا ہزاروی جمعیت علماء اسلام سے الگ ہوئے تو آپ اس وقت حضرت مفتی صاحب کے ساتھ تھے۔ کیا آپ کے تعلقات میں کچھ فرق نہ آیا ؟

جواب میں حضرت اقدس مولانا خان محمد صاحب نے فرمایا کہ مولانا ہزاروی مرحوم درحقیقت بڑے وسیع القلب انسان تھے۔ باوجود اس کے کہ میں حضرت مفتی صاحب کے ساتھ تھا۔ حضرت ہزاروی کا وہی پرانا تعلق قائم تھا۔ وہ اسی طرح خانقاہ سراجیہ تشریف لاتے رہے۔ بلکہ ان تعلقات میں اضافہ ہوا۔ لیکن کمی نہ ہوئی۔ آنے جانے کا سلسلہ قائم رہا۔ بلکہ ایک دفعہ اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ یہاں تشریف لائے۔ حالانکہ جمعیت سے علیحدگی سے قبل ایسا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا۔ یہ مولانا ہزاروی کی دریا دلی تھی۔ اور جماعت سے الگ ہونے کے بعد ہماری بیسیوں ملاقاتیں ہوئیں۔ لیکن نہ تو کبھی سابقہ معاملات پر مجھ سے تبادلۂ خیالات کیا اور نہ ہی یہ جتلایا کہ تم نے میرا ساتھ نہ دیا۔

سوال ۷ :۔ جب مولانا جمعیت علماء اسلام سے الگ ہوئے اور ہزاروی گروپ کے

نام سے الگ اپنی جماعت بنالی اور بعد میں سیاسی طور پر مسٹر بھٹو کی حمایت کرنے لگے۔ بھٹو کی حمایت کس لیئے کی تھی۔ کیا ہزاروی صاحب بھٹو سے کوئی مفاد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ جمعیت علماء اسلام میں بھی ایک طبقے نے یہ شوشہ چھوڑا تھا کہ مولانا ہزاروی کی بسیں چل رہی ہیں۔ اور راولپنڈی میں مولانا نے کوٹھیاں حاصل کی ہوئی ہیں؟

**جواب:۔** مولانا ہزاروی کے بارے میں یہ سوچنا بھی گناہ ہے کہ مولانا ہزاروی نے بھٹو کی تائید وحمایت کسی ذاتی فائدے یا لالچ کی بنا پر کی تھی۔ مولانا ہزارویؒ کا نظریہ یہ تھا کہ بھٹو بے دین آدمی ہے اور اس پر دباؤ ڈال کر اسلامی نظام کے نفاذ کا مسئلہ حل کرلیا جاوے اور میرے نزدیک مولانا ہزاروی کا یہ نظریہ درست بھی تھا کہ اگر علماء متحد ہو کر بھٹو کے قریب ہوتے اور کوشش کرتے تو ہوسکتا ہے کہ بھٹو قادیانیت کے مسئلہ کی طرح کچھ اسلامی نظام کے موٹے موٹے قوانین کے نفاذ کا اعلان کر دیتا۔ حالانکہ پہلے قادیانیت کے مسئلے میں بھی بھٹو لیت ولعل سے کام لے رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میرے پاس دو تہائی اکثریت ممبران اسمبلی کی موجود ہے میں اس کو مسترد کر دوں گا۔ دوسرا ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں پی پی پی کی قادیانی جماعت نے دامے درمے سخنے حمایت کی تھی۔ لیکن جب اسمبلی میں بحث ہوئی اور علماء نے دباؤ ڈالا تو خود مولانا ہزاروی نے بھٹو سے کئی ملاقاتیں کیں اور نشیب وفراز سمجھائے۔ جبکہ اس وقت بھٹو پر امریکہ، برطانیہ اور دوسرے مغربی سامراج کا انتہائی دباؤ تھا۔ لیکن بھٹو راضی ہوگیا۔ اور قادیانیوں کو متفقہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔ تو ہوسکتا ہے اس طرح مولانا بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے اور اسی ۱۹۷۷ء کی تحریک کے دوران بھٹو نے حضرت مفتی صاحب سے کہا تھا کہ مولانا بل تو میں پاس کرا دیتا ہوں۔ لیکن آپ مجھے امریکہ سے پھانسی لگوائیں گے۔

مولانا ہزارویؒ ایک فقیر منش آدمی تھے۔ انہوں نے اپنا سب کچھ جمعیت علماء اسلام پر صرف کیا جمعیت سے کچھ نہ لیا۔ اور زندگی میں نہ ہی کسی کے سامنے جھکے، نہ بکے اور نہ

انگریز سے دبے اور نہ قیام پاکستان کے بعد حکمرانوں سے کوئی مفاد حاصل کیا۔ ہمیشہ کلمۂ حق کہتے رہتے۔ نہ ذاتی اور سیاسی مصلحتوں کا شکار ہوئے۔

سوال ۷:- میرا اگلا سوال تھا کہ مولانا ہزارویؒ نے زندگی میں جو پیشگوئیاں کیں تھیں۔ مثلاً مودودی امریکہ میں فوت ہوگا، مجھ سے پہلے فوت ہوگا، جماعت اسلامی چار سیٹوں سے زیادہ حاصل نہ کر سکے گی تو اس کے بارے میں بتائیں کہ ایمانی فراست کا نتیجہ تھیں یا ایک سیاستدان کی لن ترانیاں تھیں؟

جواب:- مولانا ہزارویؒ نے یہ باتیں ایمانی بصیرت اور فراست سے کہی تھیں کیونکہ مولانا تصوف کے بہت اونچے مقام پر فائز تھے اور سفر و حضر میں اپنے اوراد و وظائف میں معروف رہتے تھے۔ تہجد کے پابند تھے۔ اور جب خانقاہ سراجیہ تشریف لاتے تو حضرت ثانیؒ سے ان باتوں پر تبادلہ خیالات کرتے رہتے تھے۔ حضرت ثانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا آپ جو فرق باطلہ کی سرکوبی کر رہے ہیں اس سے بڑھ کر اور وظائف کون سے ہیں۔ بس یہی دینی خدمت سرانجام دیتے رہیں۔

انٹرویو کے اختتام پر حضرت مولانا خان محمد صاحب دامت برکاتہم نے ایک عجیب واقعہ سنایا، یہ لطیفہ حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب خطیب مرکزی جامع مسجد ایبٹ آباد نے بیان کیا کہ جب ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے بعد سات آٹھ ماہ کے بعد مولانا روپوشی ترک کر کے ہزارہ آئے تو اتفاق سے راستے میں جمعہ جاتے ہوئے جمعہ کی نماز مرکزی جامع مسجد میں پڑھنے کے لیے آئے۔ مولانا ہزارویؒ وضو کر کے جب مسجد میں داخل ہو رہے تھے۔ میں منبر پر تقریر کر رہا تھا کہ میری نظر مولانا ہزارویؒ پر پڑی تو ہکا بکا رہ گیا۔ کیونکہ ہم مولانا کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھ چکے تھے۔ اور ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مولانا ہزاروی زندہ و سلامت ہیں۔ میں نے تقریر کے دوران ہی پوچھا کہ لوگو تم نے کبھی کوئی جن دیکھا ہے تو لوگوں نے جواب دیا مولانا ہم نے تو آج تک کوئی جن نہیں دیکھا۔

میں نے کہا آپ کو پتہ ہے کہ مولانا ہزاروی تو تحریک ختم نبوت میں شہید ہو چکے ہیں۔ لوگوں نے کہا بالکل یہ صحیح ہے۔ میں نے کہا وہ دیکھو یہ آدمی جو اندر داخل ہو رہا ہے۔ ایک جن ہے۔ جو مولانا ہزاروی کی شکل میں آیا ہے۔ اس وقت تمام مجمع مولانا ہزاروی کو دیکھ کر نہایت خوش ہوا۔ اور میں منبر سے اتر گیا اور اس کے بعد مولانا ہزاروی نے تقریر کی اور جمعہ کی نماز پڑھائی۔

## انٹرویو

# حضرت مولانا عبد الحکیم صاحب کے تاثرات

راقم الحروف حضرت مولانا عبد الحکیم صاحب جو بابائے جمعیت مولانا ہزاروی ؒ کے دیرینہ رفیقِ کار تھے۔ جامعہ فرقانیہ میں جا کر انٹرویو لیا۔ ریکارڈ میں سوالات کرتا رہا۔ مولانا اس کا جواب دیتے رہے۔ اس کے بعد اس انٹرویو کو حرف بحرف تحریر کیا جو معلومات کا خزینہ ہے۔ کیسٹ پاس محفوظ ہیں۔ یہ ایک تاریخی دستاویز جو میرے پاس امانت کے طور پر محفوظ ہے۔

جمعیت نے علمی اور عملی کارنامہ دکھایا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا ہزارویؒ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دفاع کے لیے چنا ہوا تھا۔ اور غیبی تائید مولانا ہزارویؒ کے شاملِ حال رہی۔

**جماعتی پالیسی کی پابندی** حضرت ہزارویؒ جماعتی پالیسی کے کنٹرول کرنے میں چٹان تھے۔ پالیسی کو ذرا بھی ادھر ادھر نہ ہونے دیتے تھے۔ وہ صحیح طور پر حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مدنیؒ کے جانشین تھے۔ اور صحابہؓ کے مسئلے پر تو وہ کوئی بات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف سننے کو تیار نہ ہوتے تھے۔ حضرت ہزارویؒ کے موقف میں جو صلابت اور عصبیت یا سختی تھی۔ جمعیت علماء اسلام میں ایک گروپ ایسا تھا کہ جس کو گوارہ نہ تھی اور اس گروپ کا موقف یہ تھا کہ جو شدت ترجمانِ اسلام کے ذریعہ سے پھیلائی جا رہی ہے یا مولانا کی تقریر میں جو سختی ہے یہ نہیں ہونی چاہیے۔ بلکہ اس میں لچک پیدا کی جاتی اور نرمی برتی جاتی۔ تاکہ وسیع تر اتحاد عمل میں آسکے۔ بعض لوگ یہ چاہتے تھے کہ نرمی ہو مودودی صاحب اور دیگر پارٹیوں کو ملا کر اسلامی نظام کے لیے کوشش کرنی چاہیے جب حالات اس ڈگر پر پہنچے

تو حضرت ہزاروی ؒ نے فرمایا کہ چلو اگر تمہاری یہ مرضی ہے تو پھر ایسا کرو کہ میرے بجائے مولانا مفتی محمود کو ناظم اعلیٰ بنا دو۔ چونکہ مفتی صاحب کے مزاج میں نرمی ہے۔ اور میں اس رویئے میں لچک پیدا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا مفتی صاحب ناظم عمومی ہو جائیں گے۔ میں ناظم کی حیثیت سے کام کروں گا۔ اس میں جماعت کا فائدہ بھی ہو گا۔ اور جو حضرات کی خواہش ہے وہ بھی پوری ہو جائے گی۔

حضرت ہزاروی ؒ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہمیشہ دوسروں کو آگے بڑھاتے تھے۔ حوصلہ افزائی فرماتے خود پیچھے رہ کر کام زیادہ کرتے۔ لیکن دوسروں کو موقع دیتے۔ حضرت مفتی صاحب کو ہی دیکھ لیں کہ ملتان قاسم العلوم سے نکال کر کس طرح جمعیت کے ہراول دستے میں پہنچائے۔ حضرت مفتی صاحب میں صلاحیتیں موجود تھیں۔ ان کا انکار نہیں۔ وہ خالص درس و تدریس میں معروف تھے۔ اور ان صلاحیتوں تک دوسرے اکابرین کی نظر بھی نہ پہنچ سکیں۔ مفتی صاحب کی صلاحیتوں کو دیکھا تو بابائے جمعیت مولانا ہزاروی ؒ نے بھانپ لیا تو قاسم العلوم سے اٹھا کر اپنے شانہ بشانہ کھڑا کر دیا۔ بہت جلد اکابرین سے منوا لیا کہ دیکھیں میرا انتخاب غلط نہیں تھا۔ چنانچہ ناظم عمومی حضرت مفتی صاحب اور ناظم خود حضرت ہزاروی صاحب بن گئے۔ جب حضرت مفتی صاحب سرحد کے وزیر اعلیٰ بن گئے تو جامعہ فرقانیہ پنڈی میں جمعیت کی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ بھائی اب مجھ پر وزیر اعلیٰ کی ذمہ داری بھی آن پڑی ہے۔ اور جمعیت کا ناظم عمومی بھی ہوں۔ لہٰذا ناظم عمومی باباجی کو ہی بنا دیا جائے۔ چنانچہ باباجی کو ناظم عمومی بنا دیا گیا۔

جب ایوب خان کے خلاف جمہوری عمل بنائی گئی جس کا مخفف "ڈیک" تھا۔ اس میں چونکہ جماعت اسلامی بھی ساتھ تھی۔ حضرت ہزاروی ؒ نے کل وقت جمعیت کے مرکزی عہدیدار موجود تھی۔ حضرت ہزاروی ؒ نے فرمایا کہ جب جمعیت علماء اسلام یہ چاہتی ہے کہ صدر ایوب کی بد دینیوں کے خلاف اور قادیانی نوازی اور

دیگر غیر اسلامی اقدامات کے خلاف "ڈیک" بنے تو مجھے یہ اجازت دیں کہ نمائندگی کے لیے جو مشترکہ اجلاس ہوں۔ جس میں جماعتِ اسلامی اور دیگر جماعتیں شامل ہوں۔ مجھے نہ بھیجا کرو۔ میں ایسی میٹنگوں میں شرکت نہ کروں گا اور کام میں ناموسِ صحابہؓ کے لیے کرتا چلا آیا ہوں وہ میں جاری رکھوں گا۔ مودودی صاحب کے خلاف میں بولوں گا۔ تقریر کی پابندی بھی قبول نہیں کروں گا۔ کل آپ یہ کہیں کہ جماعتِ اسلامی کا ہمارے ساتھ اتحاد ہے۔ آپ اس کے خلاف نہ بولیں تو یہ پابندی مجھ سے نہ ہو سکے گی۔

چنانچہ جمعیت علماء اسلام کے مرکزی رہنماؤں نے حضرت ہزارویؒ کو اجازت دے دی۔ اس وقت جمہوری مجلسِ عمل کی جو میٹنگیں ہوتی تھیں عام طور پر ان میں جمعیت کی نمائندگی حضرت مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے یا سید گل بادشاہ ہوتے یا مولانا عبیداللہ انور ہوتے یا مولانا عبدالحکیم ہوتے تھے۔ وہ تحریک چلتی رہی یہاں تک کہ ۱۹۶۹ء میں مارشل لاء لگ گیا۔

**نیشنل عوامی پارٹی سے معاہدہ** ۷ دسمبر ۱۹۷۰ء سے دوڑ دھوپ شروع کر دی قیوم لیگ بھی کوشش کر رہی تھی اور نیشنل عوامی پارٹی بھی چاہتی تھی کہ جمعیت ہمارے ساتھ اتحاد کرے۔ کیونکہ جمعیت کا جس طرف اتحاد ہوتا وہ پارٹی حکومت بنا لیتی۔ دارالعلوم پشاور میں اجلاس ہوتے رہے۔ اور مدرسہ فرقانیہ پنڈی میں بھی اس مسئلے پر جمعیت کے اجلاس ہوتے رہے۔ ارباب سکندر خان خلیل اور اجمل خٹک عوامی نیشنل پارٹی کی نمائندگی کرتے تھے۔ اور قیوم لیگ کی طرف سے خان قیوم اور یوسف خٹک اکثر مذاکرات میں حصہ لیتے۔

دیر، سوات، چترال، ضلع پشاور، ضلع مردان اور ضلع ہزارہ کے جمعیت کے رفقاء کا موقف یہ تھا کہ لیگ کے ساتھ تو ہم اتحاد کر لیں لیکن نیپ والوں سے اتحاد نہ

کریں۔ کیونکہ نیپ کے رہنما سیکولر ذہن کے حامل ہیں۔ اور خاص ضلع مردان اور مولانا عبدالحق کے حلقے میں انہوں نے علماء کی توہین کی۔ اور حضرت مولانا عبدالحق شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ نے کہا کہ اگر آپ نے نیپ سے اتحاد کیا تو میں اپنی قومی اسمبلی کی سیٹ سے استعفیٰ دے دوں گا۔ یہ حضرات سختی کے ساتھ نیپ کے مخالف تھے۔ ایک تو پاکستان کے بارے میں ولی خان اور غفار خان کے خیالات کسی سے ڈھکے چھپے نہ تھے۔ دوسرے وہ بڑے فخر سے کہتے تھے کہ ہم سیکولر خیالات کے لوگ ہیں۔ پاکستان سیکولر ریاست ہونی چاہیئے۔

ضلع ڈیرہ، بنوں، کوہاٹ کے جمعیت علماء اسلام کے اراکین کا موقف یہ تھا کہ خان قیوم سے اتحاد نہ کیا جائے۔ ان کو لیگیوں سے نفرت تھی۔ ان کو لیگیوں نے ستایا تھا۔ خوانین نے مظالم ڈھائے۔ اس طرف بڑے بڑے جاگیردار تھے۔ مولانا صدر الشہید صاحب کے مقابلہ میں نواب تھا۔ مولانا نعمت اللہ کے مقابلے میں بھی یہی صورتحال تھی۔ اور کچھ مظالم جنگ آزادی کے زمانے کے بھی علماء کے سامنے تھے۔ جو ان جاگیرداروں نے علماء اور عوام پر ڈھائے تھے۔ اس لئے اس طرف کے علماء کو لیگیوں سے نفرت تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ نیپ سے اتحاد ہو جائے لیکن قیوم لیگ نہ ہو۔ مولانا عبدالحق اور مولانا سید گل بادشاہ بھی اور دیگر حضرات سختی سے نیپ کے مخالف تھے۔ کیونکہ صاحبزادہ عبدالباری جان صاحب الیکشن میں جیتے ہوئے تھے۔ لیکن ولی خان نے عورتوں کے جعلی ووٹ بھگتا کر الیکشن میں جیتنے کی کوشش کی۔ اس لئے جمعیت علماء اسلام کے لئے عجیب صورتحال سامنے آگئی۔ یہ لوگ بڑے مشتعل تھے۔ پنجاب اور سندھ کی مجلس شوریٰ نے بڑی لمبی دو دو کے بعد یہ پاس کرایا کہ خان قیوم سے اتحاد نہ کیا جائے۔ یہ قابل اعتماد نہیں ہیں۔ اس سے بہتر ہے کہ نیشنل عوامی پارٹی سے اتحاد کیا جائے لیکن اپنی شرائط تسلیم کرانے کے بعد۔ اس میں پہلی شرط یا نکتہ یہ تھا کہ نفاذِ شریعت کے لئے جو کام ہم کر رہے ہیں اور جمعیت علماء اسلام

کا اصل کام ہی پاکستان میں اسلامی نظام کا قیام ہے۔ اس سلسلے میں نیپ قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی میں جمعیت علماء اسلام کا ساتھ دے گی۔ یعنی جمعیت علماء اسلام کی جو مذہبی پالیسی ہے۔ نیپ اس کی مکمل تائید کرے گی اور قوانین کو تبدیل کرانے میں جب جمعیت علماء اسلام بل پیش کرے گی تو نیشنل عوامی پارٹی اس کی تائید کرے گی۔

۲۔ انتظامی شرائط میں یہ تھا کہ صوبے کا وزیراعلیٰ جمعیت علماء اسلام کا آدمی ہوگا۔ یہ معاہدہ تحریر ہوا تھا۔ دونوں طرف سے اس پر دستخط ہوئے تھے۔ شرائط جب نیپ نے تسلیم کریں تو جمعیت علماء اسلام کی مجلس شوریٰ نے اس معاہدے کی اجازت دے دی۔

**نیپ نے معاہدے کی پابندی نہ کی** لیکن اس معاہدے کی نیپ نے پابندی نہ کی۔ قومی اسمبلی میں جمعیت علماء اسلام کوئی بل پیش کرتی یا قرارداد پیش کرتی یا بل آتا تو نیپ کے ممبران خاموش رہتے۔ اور اٹھ کر اسمبلی میں ان کے حق میں نہ تو تقریر کرتے اور نہ تائید کرتے بلکہ اکثر اس دوران اٹھ کر جائے پینے کے لیے کیفے ٹیریا میں چلے جاتے۔ دینی سلسلے میں جتنی قراردادیں اور بل جمعیت علماء اسلام نے پیش کیے نیپ نے ایک کی بھی تائید نہ کی۔ ایک قرارداد مولانا عبدالحکیم صاحب نے مرزائیت کے بارے میں پیش کی ۱۹۷۳ء میں۔ مولانا عبدالحکیم صاحب نے سپیکر کے کہنے پر قرارداد پڑھنی شروع کی تو ولی خان صاحب نے کہا مسٹر بزنجو صاحب آیئے چائے پی کر آئیں۔

مولانا عبدالحکیم صاحب نے دوران تقریر مولانا مفتی محمود صاحب اور مولانا ہزاروی سے کہا کہ حضرت مفتی صاحب اور ہزاروی صاحب یہ بتائیں کہ جب ہم کوئی دین کی بات چھیڑتے ہیں تو اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ جو ہمارا معاہدہ ہوا تھا وہ کدھر گیا۔ یہ بات ریکارڈ میں موجود ہے۔ نیشنل عوامی پارٹی والوں نے دونوں صوبوں میں ایسا طرز عمل شروع کر دیا کہ ہمارے وزراء کو ناکام کرنے کے لیے ان کے وزراء نے کئی اقدامات کیے۔ اور ہمارے کارکنوں کے ساتھ ناروا سلوک کرتے رہے۔ یہاں تک

جمعیت کے کئی ذمہ دار افراد جمعیت سے استعفیٰ دینے کے لئے تیار ہو گئے کہ ہمارے ساتھ کاموں کے سلسلے میں نیپ کے وزراء تعاون نہیں کرتے اور زیادتیاں کرتے ہیں۔ جمعیت کے اکثر کارکن مولانا سید گل بادشاہ صاحب اور حضرت مفتی صاحب سے جھگڑتے کہ آپ اس کا نوٹس کیوں نہیں لیتے۔ جبکہ ان کا ہم سے معاہدہ بھی ہے۔

قلات ڈویژن میں شریعت کے دیوانی قوانین نواب صاحب کے زمانے سے نافذ تھے۔ لیکن کوئٹہ ڈویژن میں جاری نہ تھے۔ بابائے جمعیت حضرت ہزارویؒ نے مطالبہ کیا کہ کوئٹہ ڈویژن میں شرعی قوانین کا نفاذ ہونا چاہیئے۔ تو بزنجو نے بحیثیت گورنر ٹال مٹول سے کام لیا اور ایسی پالیسی اپنائی کہ شرعی قوانین کا نفاذ نہ کیا جا سکے۔

کراچی میں جمعیت کی شوریٰ کا اجلاس تھا اور نیشنل عوامی پارٹی کا الگ اجلاس تھا۔ اس دوران میں صوبائی مشترکہ کونسل کا بھی اجلاس تھا۔ اس موقع پر حضرت ہزاروی نے یہ مطالبہ کیا کہ کوئٹہ ڈویژن میں قاضیوں کا تقرر کیا جائے۔ مولانا ہزارویؒ نے فرمایا کہ میں کوئٹہ جا رہا ہوں۔ بزنجو نے کہا جی آپ جا رہے ہیں تو میرے فلاں وزیر وہاں ہیں۔ ان سے بات کریں۔ باباجی نے فرمایا کہ جی آپ تو یہاں بیٹھے ہیں میں وہاں کس سے بات کروں۔ تو اس موقع پر باباجی نے اخبارات کو سخت بیان جاری کیا کہ اگر نیپ والے دینی معاملات میں ہمارا ساتھ نہیں دیتے تو ہم وزارتوں کو چھوڑ دیں گے اور ان کا ساتھ بھی نہیں دیں گے۔ اس وقت کے اخبارات میں یہ بیان موجود ہے۔ جسے تمام اخبارات نے شائع کیا تھا۔ اور جمعیت کے اجلاس میں بحث ہوئی۔ لیکن اس کے باوجود قاضیوں کا تقرر عوامی نیشنل پارٹی والوں نے نہ کیا۔

**اختلاف کا ایک سبب** پھر تلخی اس وقت زیادہ ہوئی جب عبدالغفار خان مرحوم نے خود ساختہ جلاوطنی ترک کر کے پاکستان آنے کا ارادہ کیا۔ تو اس موقع پر حضرت مفتی صاحب کا پروگرام کابل جانے کا جمعیت کے انتہا پسند عنصر نے بنا دیا۔ سیاسیات کو زیادہ فوقیت دیتا۔

شرعی معاملات میں بعض دفعہ صرف نظر کر دینے اور نرمی پیدا کرنے کا حامی تھا۔

اس طبقہ نے یہ کوشش کی کہ حضرت مفتی صاحب خود جلال آباد تشریف لے جائیں اور وہاں سے خان عبدالغفار خان کو ساتھ لائیں جو طویل مدت سے جلال آباد میں قیام پذیر تھے۔ اس پروگرام کا جب حضرت ہزاروی کو پتہ چلا تو حضرت ہزاروی نے نہایت سختی کے ساتھ اس وقت یہ موقف اختیار کیا کہ حضرت مفتی صاحب کابل نہیں جائیں گے۔ عبدالغفار خان ہمارا لیڈر نہیں یہ نیپ کا ہے۔ جمعیت جدا جماعت ہے۔ نیپ ایک الگ پارٹی ہے۔ لہٰذا مفتی صاحب کو ہم قطعاً نہیں جانے دیں گے۔ اس مسئلہ نے نہایت طول پکڑا کہ امیر مرکزیہ حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی دامت برکاتہم کو لکھا گیا۔ مولانا عبداللہ صاحب کو لکھا گیا کہ آپ حضرت مفتی صاحب کو روکیں کہ وہ کابل نہ جائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت مفتی صاحب کو نہایت ذہنی کوفت ہوئی۔ اور ناراض ہوئے۔ آخر اس بات کا فیصلہ ہوا کہ مولانا مفتی محمود صاحب کی جگہ مولانا عبدالباقی کابل جائیں گے۔ چنانچہ مولانا عبدالباقی صاحب کو کابل بھیجا گیا۔

یہ سارا پروگرام جمعیت کے اس طبقے نے ترتیب دیا جو شریعت کو سیاست پر فوقیت نہیں دیتا۔ دس پر اس طبقہ نے اس بات کو اچھال کر دیکھو جی! ناظم عمومی تو حضرت مفتی صاحب ہیں لیکن پالیسی کو کنٹرول ہزاروی کرتا ہے اور خواہ مخواہ اپنی بات منواتا ہے۔ اور مفتی صاحب کے سامنے حضرت ہزارویؒ کے موقف کو خوب مرچ مصالحہ لگا کر پیش کیا گیا۔ اور بدگمانیاں پیدا کرنے کی انتہائی کوشش کی گئی۔ جس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہو گئے۔

**ایک اور سبب** صوبہ سرحد میں جب جمعیت اور نیپ کی مشترکہ حکومت قائم ہوئی تو ملی / ۲۳ مارچ میں ان دونوں جماعتوں نے یوم تکبر منانے کا اعلان کر دیا۔ حضرت بانیٔ جمعیت نے فرمایا کہ ہمیں جشن منانا زیب نہیں دیتا۔ تکبر اگر منانا ہے تو اس کا وہ شرعی طریقہ اختیار

کریں نہ کہ رسمی طریقہ اپنانا شروع کریں۔ ہم علماء کی جماعت ہیں۔ ہمیں یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ مولانا اس تقریب میں شریک نہیں ہوئے۔ اس کو بھی یار لوگوں نے مولانا ہزاروی کے خلاف خوب اچھالا اور بات کا بتنگڑ بنا ڈالا پھر اسی دوران جب نیشنل عوامی پارٹی اور پیپلز پارٹی میں چپقلش شروع ہوئی تو ولی خان کے بھٹو کے خلاف اخباروں میں بیان آنے شروع ہوئے۔ جو بھی ولی خان کا بیان مسٹر بھٹو کے خلاف آتا مفتی صاحب اس کی تائید کرتے۔ مثال کے طور پر ولی خان نے بیان دیا کہ فلاں بات کی تشریح سپریم کورٹ کرے تو مفتی صاحب کا بھی اس کے حق میں بیان آگیا۔ اسی اثناء میں جمعیت علماء اسلام کی میٹنگ شروع ہونے والی تھی۔ باباجی نے بات چھیڑی کہ حضرت مفتی صاحب پالیسی بیان آپ جمعیت کی طرف سے دیا کریں۔ آپ جمعیت کے لیڈر ہیں۔ نیشنل عوامی پارٹی کے لیڈر نہیں۔ آپ جو بیان دیں۔ جمعیت کی مجلس شوریٰ سے مشورہ کر کے دیں۔ ہم ولی خان کی اس بات کی تائید کیوں کریں جس کے نتیجے میں ان جماعتوں کے درمیان لڑائی چھڑ جائے۔ بھٹو اور ولی خان لڑتے رہیں۔ ہمیں اس سے کیا غرض ہم تو اپنی جماعت کے ذمہ دار ہیں۔ آپ جمعیت کی پالیسی کو سامنے رکھ کر بیان دیا کریں۔ جب ایسی باتیں سامنے آئیں تو ان حضرات کے درمیان کدورتیں پیدا ہوگئیں۔ چونکہ بابا جی جمعیت تو پارٹی ڈسپلن کی پابندی کراتے تھے۔ اب جو طبقہ سیاسی اغراض حاصل کرنے کے لئے ۱۹۷۰ء کے دوران جمعیت میں شامل ہوا تھا۔ ان کے لئے یہ پابندی اور ڈسپلن ناقابل قبول تھا۔ وہ اقتدار کا حصول چاہتا تھا خواہ جس قیمت پر بھی مل جائے۔ جب کہ مولانا ہزاروی کا مقصد اصلی اقتدار کا حصول نہ تھا۔ بلکہ شریعت کا نفاذ تھا۔ اور وہ تمام شرعی حدود و قیود کو برقرار رکھتے ہوئے چاہتے تھے کہ اسلام کا نفاذ ہو جائے۔ اگر اس میں اقتدار ملے تو بھی ٹھیک ہے۔ لیکن شرعی حدود کو بالائے طاق رکھ کر اقتدار کا حاصل کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اور قائد جمعیت، مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب بھی اقتدار کے بھوکے نہ تھے۔ اگر اقتدار کے خواہاں ہوتے تو صوبہ سرحد کی وزارت اعلیٰ کو

کبھی نہ تھکتے تھے۔ میری مراد یہاں وہ فضلی بشیرے ہیں۔ جو ۱۹۷۰ء کے الیکشن سے قبل
ہواؤں کا رخ دیکھ کر، فضاؤں کی بو سونگھ کر جمعیت میں شامل ہوئے تھے۔ اور ان کا مقصد
وحید بھی اقتدار کی دیوی کا حصول تھا۔ اس گروہ نے دیکھا کہ ہمارے عزائم کے راستے میں تو
بابائے جمعیت مضبوط چٹان کی طرح حائل ہے۔ تو انہوں نے وہی اصول اپنایا جو ایک خودغرض
اور مفاد پرست کو اپنانا چاہیئے تھا۔ وہ یہ کہ ان دونوں بزرگوں کے درمیان نفرت، کدورت
اور بدگمانی کی ناقابل شکست دیوار کھڑی کی جائے۔ چنانچہ وہ اپنے ارادوں میں کامیاب بھی
ہو گئے۔ چنانچہ جب پارلیمنٹ کے اندر یو۔ڈی۔ایف بننے لگا یعنی جمہوری متحدہ محاذ تو اس
وقت بات اور بڑھ گئی۔ بابائے جمعیت کا موقف یہ تھا کہ قومی اسمبلی میں جے۔یو۔آئی
کے سات ممبر ہیں۔ (۱) مولانا مفتی محمود صاحبؒ (۲) مولانا غلام غوث ہزاروی صاحبؒ۔
(۳) مولانا عبدالحکیم صاحب۔ (۴) مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک۔ (۵) مولانا صدر الشہید صاحب۔ (۶) مولانا نعمت اللہ صاحب۔ (۷) مولانا عبدالحق
صاحب بلوچستانی۔ تو ہم سات ممبران قومی اسمبلی نیشنل اسمبلی میں اپنا گروپ بنائیں۔ ہم اپنے نام
سے جمہوریت کے لئے بھی، حکومت کے ظلم اور اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے اپنے سٹیج سے
بات کریں۔ اور ملک میں ہمارے پاس سٹیج دینی مدارس اور مساجد ہیں۔ ہمیں اس تنظیم
میں شامل نہیں ہونا چاہیئے۔ سابقہ تجربہ ہمارے سامنے ہے جس کے ساتھ بھی اتحاد کیا
اس اتحاد کا انجام برا ہوا۔ اور اس سے ہمارے دینی موقف کو شدید نقصان ہوا۔ لہٰذا ہم
اپنے سٹیج سے کام کریں۔ یہ بنیادی بات تھی۔ کمرہ نمبر ۵ ایم این اے ہاسٹل اسلام آباد میں
اس غرض کے لئے میٹنگ بلائی گئی۔ حضرت درخواستی صاحب دامت برکاتہم کے زیر صدارت
یہ اجلاس ہوا۔ تو اس میٹنگ میں چار جمعیت علماء اسلام ممبران قومی اسمبلی مولانا مفتی محمود صاحب
کے موقف کے حامی تھے۔ اور تین ممبران قومی اسمبلی حضرت ہزارویؒ کے ساتھ یہ سمجھتے کہ جمعیت علماء
اسلام دوسری جماعتوں سے اتحاد نہ کرے۔ بلکہ اپنے سٹیج سے حق کے لئے آواز بلند کرے اور

اسلام کے لیے قربانی دے۔

حضرت درخواستی دامت برکاتہم کی تائید سے فیصلہ حضرت مفتی صاحب کے موقف میں ہوا کہ دوسری جماعتوں کا تعاون بھی حاصل کر لیا جائے۔ اور حضرت ہزاروی نے فرمایا کہ میں اس سلسلے میں کوئی پابندی قبول نہیں کروں گا۔ لہٰذا آپ مجھے مجبور نہ کریں جس طرح میں نے ڈھاکہ میں جمہوری مجلس کے قیام کے وقت کہلایا کہ میں مشترکہ اجلاسوں میں نہ جاؤں گا۔ اور اس وقت بھی میں جمہوری مجلس عمل کے اقدامات میں جماعت اسلامی اور دیگر جماعتوں کی وجہ سے شریک نہ ہوا تھا۔ اور جمعیت نے مجھے مستثنیٰ فرمایا تھا۔ لہٰذا اب بھی میرا موقف یہ ہے یہاں بھی مجھے مستثنیٰ کر دیں۔

اس موقع پر سیاسی عناصر کی سازش نہ چلتی اور بابا نے جمعیت کو مجبور نہ کیا جاتا تو بابا جی نہ جمعیت چھوڑتے اور نہ جماعت ٹوٹتی اور نہ یہ حالات پیدا ہوتے۔ چونکہ مفاد پرستوں کی کوشش ہی یہی تھی کہ افسوس تو یہ ہے کہ یہ ایک سازش تھی جمعیت اور بابا ہزاروی کے خلاف جس میں مفاد پرست جیت گئے۔ جمعیت کو توڑنا، جمعیت میں انتشار پیدا کرنا تھا۔ کچھ مخالف سیاسی جماعتوں کی چال تھی۔ جس میں وہ کامیاب ہو گئے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ U.D.F جمہوری متحدہ محاذ نے جب فیصلہ کیا کہ قومی اسمبلی کا بائیکاٹ کیا جائے۔ اور ہر پارٹی اپنے ممبران اسمبلی کو مجبور کرے کہ وہ اسمبلی کی کاروائی میں شریک نہ ہوں۔ اسی چیز کو تسلیم کرنے کے بعد ہیڈ کوارٹرس میں چوہدری ظہور الٰہی کے مکان پر جمہوری متحدہ محاذ کا اجلاس پچھلے پہر ہوا۔ جس میں متحدہ محاذ میں شامل پارٹیوں کے ممبران اسمبلی اور ممبران قومی اسمبلی بھی شریک ہوئے۔ جماعت اسلامی کے میاں طفیل احمد صاحب بھی موجود تھے۔ اور اس طریقے سے نیپ اور دیگر جماعتوں کے لوگ بھی موجود تھے۔ میٹنگ میں بات چلی تو میاں طفیل صاحب نے حضرت مفتی صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب آپ اپنے گھر کو صاف کریں۔ آپ کا گھر ٹھیک نہیں۔ کیونکہ آپ کا حساب دو بنگلوں میں کھلا ہوا ہے۔ ہو بہو یہی الفاظ تھے۔ آپ تو بائیکاٹ کر کے

ہمارے ساتھ بیٹھے ہیں۔ اور مولانا ہزاروی کے بارے میں کہا کہ وہ طفیل اسمبلی کی کاروائی میں اسمبلی کے اندر موجود ہیں۔ میاں طفیل نے جب یہ بات کی تو مولانا عبدالحکیم صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے بہت غصہ آیا۔ میں نے پشتو میں کہا، حضرت مفتی صاحب سے کہا کہ میں اس کا جواب دینا چاہتا ہوں۔ حضرت مفتی صاحب نے تھوڑی دیر سکوت کے بعد فرمایا ٹھیک ہے جواب دے دو۔ میں نے میاں طفیل اور ان کے رفقاء سے مخاطب ہو کر کہا کہ جب حضرت ہزاروی کے بارے میں بات چلی تو میں نے کہا مولانا ہزاروی اپنی سیٹ پر جمعیت علماء کی طرف سے۔ لیکن وہ جمہوری متحدہ محاذ کے مخالف دھڑے میں شامل نہ ہوئے۔ لیکن تمہارا ممبر حاجی یعقوب صوبہ سرحد میں گورنمنٹ پارٹی کے ساتھ باقاعدہ ووٹنگ میں ساتھ دیتا ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ تمہارا حساب دو جگہ کھلا ہے۔ آپ اپنے گھر کی خبر لیں ہمیں چھوڑیں۔ چنانچہ پوری جماعت اسلامی کے مرکزی لیڈر جو وہاں موجود تھے۔ وہ لاجواب ہو گئے۔ اور مولانا عبدالحکیم صاحب کہتے ہیں کہ میری تائید میں ولی خان ارباب سکندر خان خلیل وغیرہ نے کہا یہ درست کہتے ہیں آپ اپنے گھر کی بھی خبر لیں۔ دوسروں پر تنقید نہ کریں۔ جب مولانا ہزاروی اسمبلی میں اپنا موقف پیش کرتے ہیں وہ پیپلز پارٹی کے ساتھ ہاتھ نہیں کھڑا نہیں کرتے۔ اس مسکت جواب سے خاموش تو ہو گئے لیکن مسلسل اصرار کرتے رہے کہ جو ممبر اپنی پارٹی کی پالیسی کی تائید نہ کرے اس کو پارٹی سے نکال دیا جائے۔

# ناکام قاتلوں کے سرغنہ کے نام

## مولانا غلام غوث ہزارویؒ پر قاتلانہ حملے کا ایک تاثر

مہر کا پرتو ہے ضربوں سے بکھر سکتا نہیں
تیرے حملوں سے غلام غوث ڈر سکتا نہیں

زر کے بندے! ایسی گیدڑ بھبکیوں کا سلسلہ
ضیغم اسلام کو خاموش کر سکتا نہیں

تیری بندوقوں کے شعلے، تیرے نیزوں کا جلال
مومن حق آزما کو زیر کر سکتا نہیں

سامراجی حاشیہ بردار! زیر آسمان
کوئی بھی مرد مجاہد تجھ سے ڈر سکتا نہیں

ابن ملجم کی نئی اولاد کے لچھن قتال
کوئی بھی اس بات سے انکار کر سکتا نہیں

کوئی گولی عشق کے پیکر پہ چل سکتی نہیں
سینۂ حق میں کوئی خنجر اتر سکتا نہیں

دیکھ! ٹیپو کی صدا سے پھر لرز اٹھے پہاڑ
ایسی آوازوں کو کوئی بھی سن سکتا نہیں

# مشہور ادیب و صحافی مولانا کوثر نیازی کے تاثرات

راقم نے یہ انٹرویو خود مولانا کوثر نیازی صاحب سے ان کے گھر جا کر لیا جو درج کیا جاتا ہے۔

"حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی سے میری پہلی ملاقات لاہور میں ہوئی۔ میں اس وقت شہاب کا ایڈیٹر تھا۔ مولانا ترجمان اسلام میں تھے اکثر قلمی معرکے ہیں، میں جماعت اسلامی میں تھا۔ جس کے مولانا ہزاروی سخت مخالف تھے۔ مگر مولانا کی اس زمانے کی تحریروں میں بھی میرے لیئے گوشۂ التفات پایا جاتا تھا۔ کبھی کبھی کسی سماجی یا مذہبی تقریب میں جمع ہوتے تو مولانا بہت خوش خلقی سے پیش آتے۔

میں جب جماعت اسلامی سے الگ ہوا تو مولانا کے لیئے وہ رکاوٹ بھی ختم ہو گئی۔ جو میرے اور مولانا کے درمیان حائل تھی۔ اسی زمانے میں پاکستان اور بھارت کے درمیان جنگ شروع ہو گئی تو پاکستان کی دینی اور سیاسی تنظیموں نے مل کر متحدہ اسلامی محاذ تشکیل دیا۔ جس کے روح رواں مولانا مفتی محمودؒ، مولانا ہزاروی اور شیخ حسام الدین مرحوم تھے۔ مولانا مفتی محمود صاحب صدر اور مجھے جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا طے پایا کہ اسلامی محاذ کی طرف سے صدر ایوب خان کے ساتھ ملاقات کی جائے اور تعاون کیا جائے۔ تاریخ کے مقرر ہونے پر ہم بذریعہ کار مولانا ہزاروی کے ساتھ راولپنڈی پہنچے۔ مولانا ہزاروی کے ساتھ یہ میرا طویل سفر تھا۔ راستے میں حضرت مولانا سے بات چیت اور خوش گپی رہی اور مولانا کے مخصوص انداز میں قہقہے آج بھی میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ یہ ان بزرگوں کی شفقت تھی کہ ایوان صدر راولپنڈی میں ملاقات کے وقت ترجمانی کے فرائض میرے ذمہ کیئے۔ بیشتر وقت

میں نے ہی صدر ایوب خان مرحوم سے بات چیت کی۔

اسلامی محاذ کی جانب سے بڑے بڑے شہروں میں لاہور کے علاوہ جہاد کانفرنسیں کی گئیں۔ ان جلسوں میں بھی ان بزرگوں کا ساتھ ہوتا۔ یہ ہمارے تعلقات کی ابتدا تھی۔ ہمارے قریبی تعاون اور اشتراک کا ایک مرحلہ اس وقت پیش آیا۔ جب پاکستان میں متعین امریکی سفیر فارلینڈ نے پاکستانی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ فارلینڈ کے بارے میں یہ بات تمام سیاسی جماعتوں کو معلوم تھی کہ وہ سی آئی۔ اے کے رکن رکین ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسٹر بھٹو سے میرے تعلقات استوار ہو چکے تھے۔ اگرچہ میں نے اس وقت میں نے باقاعدہ پاکستان پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار نہیں کی تھی۔ جمعیت علماء اسلام کے بزرگوں سے بھی راہ و رسم تھی۔ فارلینڈ بھی بھٹو کے دوستوں میں شامل تھے۔ اس لیے ان کی طرف سے کوئی تعاون نہ مل سکتا تھا۔ مگر مولانا ہزارویؒ اور مولانا مفتی محمود صاحبؒ امریکی سفیر کے خلاف برہنہ شمشیر تھے۔ چنانچہ ہم تینوں نے فارلینڈ کے خلاف زبردست مہم شروع کی۔ اسی زمانہ میں جمعیت علماء اسلام کی آئین شریعت کانفرنس موچی دروازہ میں منعقد ہوئی اور ایک تاریخی جلوس بھی نکالا گیا۔ جس میں جمعیت کے کارکنوں اور لاہور کے شہریوں نے شرکت کی میں بھی اس میں شامل تھا۔ جلوس میں فارلینڈ کے خلاف نعرے لگائے گئے۔ احتجاج ہوا۔ رات کو کانفرنس ہوئی جمعیت کے اکابرین کے علاوہ میں نے بھی اس جلسے میں خطاب کیا۔ اس دوران دونوں حضرات کی بے حد خواہش تھی کہ میں جمعیت میں شامل ہو جاؤں۔ لیکن میں ان کا احترام کرنے کے باوجود اور دیوبندی مکتب فکر سے تمام تر دینی قربت کے باوجود نسبتاً ایک عوامی سیاست میں حصہ لینا چاہتا تھا جس میں کسی مسلک کی چھاپ نہ ہو۔ ہر چند کہ جمعیت سامراج دشمن تنظیم تھی۔ اور علماء حق کی وراثت کی امانتدار بھی تھی۔ مگر اس میں

صرف دیوبندی مسلک رکھنے والے افراد ہی شریک ہو سکتے تھے۔ جبکہ ملک میں تبدیلی لانے کے لیئے شیعہ، سنی، بریلوی، دیوبندی تمام مکاتب فکر کی عوام کی منظم جدوجہد سے ہی کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ یہی وہ سوچ تھی جس کی بنا پر میں مسٹر بھٹو کے اصرار پر پی پی پی میں شامل ہوا۔

اسی دور میں مسٹر بھٹو پر اکیسو تیرہ (۱۱۳) علماء نے فتویٰ لگایا۔ اس دوران میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ سے ملتا رہا۔ مولانا ہزاروی اور ان کے رفقاء نے اکیسو تیرہ (۱۱۳) علماء کے فتویٰ کا نوٹس لیا۔ چونکہ یہ حضرات دل سے سرمایہ داری اور جاگیرداری کے مخالف تھے۔ اور اسلامی نظام معیشت کے نفاذ کے علمبردار تھے۔ میری یہ خواہش تھی کہ پی پی پی اور جمعیت علماء اسلام میں انتخابی اتحاد ہو جائے۔ اس کے لیئے ابتدائی بات چیت بھی ہوئی۔ مگر جمعیت جتنی نشستوں کا مطالبہ کرتی تھی۔ وہ بھٹو صاحب کے خیال میں اس کی طاقت سے کہیں بڑا مطالبہ تھا۔ اس لیئے یہ گفتگو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکی۔

الیکشن کے بعد اسمبلی میں ان حضرات سے پھر قریبی رابطہ ہوا۔ بھٹو صاحب چاہتے تھے کہ جمعیت علماء اسلام سے پی پی پی کی حکومت کے تعلقات خوشگوار رہیں۔ اور جمعیت اپوزیشن کا ساتھ نہ دے۔ اس مقصد کے لیئے حکومت قائم ہونے کے کچھ عرصے بعد بھٹو صاحب نے مجھے اور جتوئی (غلام مصطفےٰ جتوئی صاحب) کو ان دونوں حضرات کے پاس بات چیت کے لیئے بھیجا۔ ان حضرات کو ہماری آمد کی اطلاع تھی۔ اسلیئے یہ دونوں ایک ساتھ تھے۔ مسٹر بھٹو نے اس موقع پر ایک بہت بڑی رقم ہم دونوں کو حکومت کے خفیہ فنڈ سے دی تھی تاکہ ہم دونوں حضرات کو ان کے مدرسوں کے نام پر پیش کر سکیں۔ مجھے یقین تھا کہ یہ دونوں بزرگ مدرسوں کے نام پر اس سرکاری اعانت (رشوت۔ آسی) کو قبول نہیں کریں گے۔ میں نے بھٹو صاحب

سے اس کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ لیکن وہ اس پر بضد تھے کہ ہماری طرف سے یہ کام ضرور ہونا چاہیے۔ جب ان بزرگوں کی خدمت میں پہنچے تو جتوئی صاحب نے مسٹر بھٹو کی طرف سے پیش کردہ رقم پیش کی جو ایک زر خطیر تھا اور کہا کہ حضور یہ آپ کے دینی مدارس کے لیے چندہ ہے۔ آپ اپنی مرضی کے مطابق خرچ فرمائیں۔ تو مولانا ہزاروی نے فرمایا کہ بھائی میرا تو کوئی مدرسہ ہی نہیں۔ اور حضرت مفتی صاحب نے بھی وہ رقم لینے سے سختی سے انکار کر دیا۔ بعد میں سیاسی امور پر تبادلہ خیال ہوا۔ ان دونوں حضرات نے ہمارے سیاسی نکتۂ نظر پر غور کرنے کا وعدہ کیا۔

پھر اس کے بعد حضرت مفتی صاحب اپوزیشن کے قریب ہوتے چلے گئے اور مولانا ہزاروی جو خالصتاً دینی سیاست کے علمبردار تھے۔ اور تعاونوا علی البر ان کی سیاست کا عنوان تھا۔ ان سے ہمارا رابطہ گہرا ہوتا گیا۔ وہ قومی اسمبلی میں پاکستان پیپلز پارٹی پر سخت سے سخت تنقید بھی کرتے مگر اچھے کاموں کی تعریف بھی کرتے۔ بھٹو صاحب کو مشورے بھی دیتے مگر کوشش کرتے کہ حکومت کے ذرائع و وسائل کو اسلام کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کریں۔ بھٹو صاحب سے ان کی ایسی کئی ملاقاتیں میرے ذہن میں ہیں جو میری موجودگی میں ہوئیں۔ میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ انہوں نے وزیراعظم بھٹو یا کسی بھی وزیر کو میرے سمیت کبھی بھی اپنے ذاتی کام کے بارے میں نہیں کہا۔ جب بھی ملنے کے لیے تشریف لاتے تو ان کی جیب چٹوں سے بھری ہوتی۔ درخواستیں اور کاغذ کال کر دیتے۔ یہ اپنے ملنے والوں کے بارے میں یا حلقۂ انتخاب یا دوسرے لوگوں کی درخواستیں ہوتیں۔ جن کی وہ بھرپور سفارش کرتے۔ کبھی ذاتی فائدے کے لیے کوشش نہیں کی۔

## ایک الزام کا جواب

مولانا ہزاروی کے داماد جناب یوسف خان صاحب جو اس وقت فیروز سنز میں ملازم تھے، نہایت دیانتدار اور محنتی آدمی تھے۔ جب میں وزیر اطلاعات

ونشریات بھی تھا۔ مجھے پتہ چلا کر پرنٹنگ کارپوریشن میں ایک آسامی خالی ہے۔ تو بھی مولانا نے اپنے داماد کی سفارش نہیں کی بلکہ جس گھر میں کبھی کبھی مولانا ہزاروی کے ساتھ مشترکہ ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا میں نے یوسف خان کی تقرری کر دی۔ اس لیے نہیں کہ یوسف خان صاحب مولانا صاحب کے داماد ہیں۔ بلکہ مولانا نے تو اپنے داماد کی سفارش تک نہ کی تھی۔ یوسف خان کو محنت، لگن اور جانفشانی نے اس مقام تک پہنچایا تھا۔ جو اتفاق سے مولانا ہزاروی کے داماد تھے۔ لیکن یار لوگوں نے اس بات کا بتنگڑ خوب بنایا اور بڑے بڑے افسانے تراشے جن کا حقیقت سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ اس زمانے میں پرنٹنگ کارپوریشن کے منیجر کی تنخواہ دو اڑھائی ہزار سے زائد نہ تھی۔

حکومت سے فائدہ اٹھانے کا اگر مولانا ہزاروی پر الزام لگایا جا سکتا ہے تو وہ سرکاری حج وفود میں شمولیت کا ہے۔ یہ وفود میری قیادت میں جاتے تھے۔ بلکہ ان وفود میں صرف مولانا ہزاروی نے ہی شرکت نہیں کی بلکہ حضرت مفتی صاحب اور دیگر حضرات بھی شامل ہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت مفتی صاحب صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے۔ سرکاری حج وفد کے اراکین صرف حج ہی ادا نہیں کرتے بلکہ ان کے ذمہ پاکستانی مواقف اور مفادات کی ترجمانی بھی تھی۔ مولانا ہزارویؒ ہر طرح سے اس کے اہل تھے۔

مجھے شاہ خالد سے منیٰ میں ہونے والی میٹنگ آج بھی یاد ہے۔ جس میں مولانا ہزارویؒ بھی میرے ساتھ شامل تھے۔ اس موقع پر عربی زبان میں مولانا کی برجستہ گفتگو سے شاہ خالد مرحوم بڑے متاثر ہوئے۔ مولانا سے انتہائی قریبی مراسم اور میل جول کی وجہ سے مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے کہ انہوں نے حکومت وقت سے ایک پیسے کا بھی فائدہ نہیں اٹھایا جو تنخواہ قومی اسمبلی کے ممبر ہونے کی حیثیت سے ملا کرتی اس میں سے بھی بعض مستحقین اور

دینی مدارس کے طلباء کو وظائف دیتے تھے جو برابر باقاعدگی سے انہیں ارسال کر دیا کرتے تھے خود ان کی ضروریات بڑی مختصر تھیں۔ ایک مرتبہ میں انہیں ملنے کے لئے بھوسہ منڈی کی مسجد میں بغیر اطلاع کے پہنچا۔ دس بجے کا وقت تھا جمعہ کا دن تھا مولانا مسجد ہی کے اندر ایک کمرے میں رہائش پذیر تھے۔ اس وقت وہ باہر ٹونٹیوں پر اپنے کپڑے دھو رہے تھے۔ جسم پر قمیص نہ تھی صرف ایک تہبند باندھ رکھا تھا۔ مجھے اچانک وارد ہوتے دیکھا تو اپنی مخصوص بشاشت سے میرا استقبال کیا مجھے اپنے کمرے میں لے گئے اور وہ مشہور جملہ کہا جو میں نے اپنے مضمون میں بھی تحریر کیا تھا۔ مولانا نے کہا کہ نیازی صاحب آپ نے لیہ میں تو میری شاندار کوٹھی دیکھ لی ہے۔ اب یہاں پنڈی میں میری شاندار کوٹھی بھی دیکھ لیں۔ یہ مخالفین کی الزام تراشیوں کی طرف اشارہ تھا جن میں کہا جا رہا تھا کہ مولانا نے بہت سے بنگلے بنا رکھے ہیں اور مولانا کی باقاعدہ بسیں چلتی ہیں۔

**سوال** :۔ اس دوران میں نے کوثر نیازی سے پوچھا کہ ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کے ساتھ اسمبلی کے اندر بڑا معرکہ لڑا گیا جس کا ۷ ستمبر کو فیصلہ ہوا کہ قادیانی غیر مسلم ہیں۔ یہ بل مولانا ہزاروی نے پیش کیا تھا۔ آیا یہ سچ ہے ؟

**جواب** :۔ مولانا ہزارویؒ نے مرزائیت کے خلاف قومی اسمبلی میں ۱۹۷۴ء میں تحریک کے دوران جو کام کیا ہے اگر میں صرف اتنا کہدوں کہ اس وقت کی تمام اپوزیشن جماعتوں کا کام اگر ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور مولانا ہزارویؒ کا دوسرے پلڑے میں ہو تو یہ جھوٹ نہ ہو گا اور نہ ہی مبالغہ آرائی ہو گی۔ قومی اسمبلی کی ۱۹۷۴ء کی تمام کارروائی مولانا نے پیش کردہ بل کے گرد گھومتی ہے۔ اور مولانا کی مسٹر بھٹو سے اکثر ملاقاتیں جو اس دوران ہوئیں میں ان میں اکثر موجود ہوتا تھا۔ مولانا جس زوردار طریقے سے بھٹو صاحب کو قائل کرتے، بحث کرتے الجھتے، ڈانٹتے یہ انہی کا کام ہے۔

میں نے مولانا کوثر نیازی سے دوسرا سوال یہ کیا کہ جب مسٹر بھٹو صاحب نے

جنرل ضیاء الحق صاحب کو کمانڈر انچیف مقرر کیا تو مولانا ہزاروی نے اس کی مخالفت کی کیا یہ بات صحیح ہے ؟

جواب :۔ جی ہاں یہ بات درست ہے اور مولانا ہزاروی کا خیال تھا کہ جنرل ضیاء الحق صاحب جماعت اسلامی کے ذہن کے آدمی ہیں اور مودودی صاحب کے لٹریچر سے متاثر ہیں۔ اس کا ثبوت بھی مولانا ہزاروی نے یہ پیش کیا کہ جب جنرل ضیاء الحق کمانڈر بن گئے تو انہوں نے ایک فوجی تقریب میں مودودی صاحب کی تفہیم القرآن کے نسخے فوجی افسران میں تقسیم کیے۔ اور ایشیا جو جماعت اسلامی کا ہفتہ وار رسالہ ہے اس نے اس کارروائی کو شائع کیا۔ مولانا ہزاروی "ایشیا" کا وہ شمارہ لے کر آئے اور بھٹو صاحب کو دکھایا اور کہا کہ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ جنرل ضیاء الحق سیاسی ذہن رکھتے ہیں اور ایک مخصوص جماعت سے متفق ہیں۔ ایسے آدمی کو اتنے بڑے منصب پر فائز کرنا مناسب نہیں اور حکومت کے لیے بھی خطرے سے کم نہ ہوگا۔ بھٹو صاحب نے اپنے معاون خصوصی یوسف بچ کو حکم دیا کہ وہ اس سلسلے میں جنرل ضیاء الحق کو خط لکھیں جس میں اس واقعہ کی جانب توجہ مبذول کرائی جائے۔ یہ گویا وزیر اعظم کی طرف سے جنرل ضیاء الحق کی جواب طلبی تھی۔ جنرل ضیاء نے جو جواب دیا وہ بھی میں نے پڑھا تھا۔ انہوں نے لکھا کہ میں نے مولانا مودودی کی تفسیر کے نسخے فوجیوں میں اس لیے تقسیم کیے کہ وہ میرے نزدیک مذہبی کتاب ہے اور عالم کی تصنیف ہے۔ میرا ذہن اس وقت مولانا مودودی کی طرف ایک سیاستدان ہونے کی طرف نہیں گیا۔ لیکن آئندہ میں اس کا خیال رکھوں گا۔ بہرحال بات آئی گئی ہو گئی۔ مگر اس واقعہ سے مولانا ہزاروی کی دور بین فراست کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس طرح ایک چھوٹے سے واقعہ سے انہوں نے مستقبل کے حالات کا اندازہ لگا لیا۔

سوال :۔ جب مسٹر بھٹو نے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا اور دستخط کیے تو مولانا ہزاروی کے سامنے کہا مولانا میں اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر رہا ہوں۔

کیا یہ سچ ہے ؟

جواب :۔ جی ہاں ! میری موجودگی میں بھٹو صاحب نے کہا تھا۔ یہ درست ہے۔

# مکتوب گرامی حضرت مولانا محمد رمضان صاحب (میانوالی)

نیچے جو خط دیا جا رہا ہے یہ حضرت مولانا محمد رمضان صاحب میانوالی کا ہے جو جمعیت علماء اسلام کے صفِ اوّل کے رہنما ہیں۔ جن کی بصیرت کی وجہ سے ہر دور میں مولانا جمعیت کے مرکزی عہدوں پر فائز رہے۔ اور جب تشکیل جدید ہوئی اس میں بھی شامل تھے مجلس احرار میں بھی رہے ہیں۔ اور ایک انتہائی دلیر آدمی ہیں۔ میں نے ایک سوال نامہ بھیجا تھا۔ مولانا محمد رمضان صاحب نے اس کا جواب تحریر فرمایا جو بلا کم و کاست تحریر کیا جا رہا ہے۔

مکرمی جناب سید منظور احمد شاہ صاحب آسی دامت برکاتکم۔ السلام علیکم۔

خیریت جانبین مسئول ہوں۔ احوال آنکہ آپ کا گرامی نامہ کافی عرصہ ہوا کہ موصول ہوا۔ جواب میں بہت ہی تاخیر ہو گئی ہے۔ جس کی معذرت چاہتا ہوں۔ عرض ہے کہ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب سے پہلی ملاقات ۱۹۴۳ء میں میانوالی میں ہوئی۔ وہ ایک پروگرام کے سلسلے میں ہمارے چچا صوفی شیر محمد صاحب کے پاس مسجد زرگراں میانوالی میں تشریف لائے تھے۔ ہمارا اور صوفی شیر محمد صاحب کا گھر علماء حق علماء جمعیت اور بالخصوص مجلس احرار کے علماء حضرات کا گڑھ اور مسکن بنا ہوا تھا کیونکہ بقیہ شہر مسلم لیگی تھا۔ احرار کی سخت مخالفت تھی۔ صوفی شیر محمد صاحب اور ہم احراری تھے۔ مولانا گل شیر صاحب مرحوم، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی، مولانا محمد علی جالندھری اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور دیگر احرار لیڈر سب کا ڈیرہ صوفی شیر محمد زرگر کا مسکن ہی تھا۔ میں اس وقت طالب علم تھا۔ مدرسہ معین الاسلام عیسیٰ خیل، مولانا مفتی محمود صاحب مرحوم، مولانا نعمت اللہ شاہ صاحب ایم۔ اے کوہاٹ دورۂ حدیث کی موقوف علیہ کی کتب پڑھتا تھا۔ میں نے مولانا پر سوال کیا کہ حضرت اس موجودہ دور کے جدید ہتھیاروں کے مقابلے میں ہماری کلہاڑی کیا کرے گی۔ حضرت بہت زیرک اور حاضر جواب تھے۔ فرمایا کہ ٹینک ٹینکوں سے، جہاز جہازوں

سے ، بم بموں سے ٹکرا کر ختم ہو جائیں گے ۔ آخری فیصلہ کلہاڑی سے ہو گا ۔ ۱۹۵۶ء میں جب جمعیت علماء اسلام کی ملتان میں ابتدا ہوئی ۔ میں اس وقت سے مولانا کے ساتھ ہی جمعیت میں شامل ہوا ۔ حضرت مولانا بہت مخلص ، ایثار پیشہ ، جفاکش ، دینی غیرت اور حمیت کے حامل اور رہبا ور راہ حق کی عالم دین تھے ۔ مولانا اور میرا سیاسی ذہنی اتحاد اور مسلک علماء دیوبند کا سو فیصد اتحاد تھا ۔ مودودی کے متعلق جب مولانا سخت ترین لکھتے تھے ۔ میٹنگوں میں جب ان پر اعتراض ہوا تھا کہ آپ سخت ترین لکھتے ہیں تو میری پوری تائید حضرت ہزاروی کے ساتھ ہوتی تھی ۔ اور کئی دفعہ حضرت کے ساتھ ملاقات میں آپس میں تبادلہ خیال کرتے ۔ حضرت کا نقطۂ نگاہ یہ تھا کہ مودودی اور اس کی پارٹی کو اس کے مذہبی گمراہی اور الحاد کی وجہ سے عوام میں بدنام کیا جائے ۔ تاکہ وہ عوام میں مقبولیت حاصل نہ کر سکے ۔ ورنہ ساری قوم کو یہ گمراہ کر دیں گے ۔

۱۹۷۰ء میں جمعیت علماء اسلام کی پالیسی یہ تھی کہ جو جماعت اچھا کام کرے ۔ اسے اچھا کہو ۔ اور جو برا کرے اسے غلط اور برا کہو ۔ قرآن پاک کے اصول کے مطابق ،، تعاونوا علی البر والتقوٰی الخ ،، جمعیت کی پالیسی تھی ۔ مولانا صاحب مودودی کو امریکہ کا ایجنٹ اور وظیفہ خوار تصور کرتے تھے ۔ اور جمعیت کی اکثریت کی تائید ان کو حاصل تھی ۔

۲۔ ایک سو تیرہ علماء کا فتوٰی :۔ فتوے کے محرک چونکہ مودودی امریکن بلاک کی تائید پر کر رہے تھے بھٹو کے سوشلزم کے نعرے سے عوام کو بھڑکا رہے تھے ۔ اس وقت جمعیت کے سامنے بھٹو کا کوئی نعرہ ایسا نہیں تھا جس کی وجہ سے اس کو اسلام سے خارج کیا جائے ۔ اس لیئے جمعیت علماء اسلام نے اپنا دینی فریضہ ادا کرتے ہوئے فتوٰی کی مخالفت کی کہ یہ فتوٰی دینی اور شرعی نقطۂ نگاہ سے نہیں بلکہ سیاسی سازش کے تحت امریکہ کے اشارے پر جاری کیا ہے ۔

۳۔ نیپ کے ساتھ جو جمعیت کا پانچ نکاتی معاہدہ ہوا تھا ۔ وہ اسلامی نظام کی بالادستی

کی بنیاد پر تھا۔ نیپ جمعیت کے دستور کے مطابق تمام مسائل میں تائید کرے گی ۔ اور حضرت ہزاروی کی تجویز یہی کہ جب تک وزیر اعلیٰ جمعیت کا نہ ہو معاہدہ پر عمل درآمد نہیں ہو سکے گا۔ شرط منوائی تھی کہ وزیر اعلیٰ جمعیت کا ہو۔ نیز معاہدہ میں ایک شق یہ بھی تھی کہ جانبین سے جو اعلان بھی ہوگا مولانا ہزارویؒ اور مولانا عبیداللہ انورؒ کے مشورے سے ہوگا ۔ ابتداء اختلاف کی اسی شق سے ہوئی کہ ولی خان نے ملتان کے ہوائی اڈے پر بیان دیا کہ ہم بھٹو کے ساتھ مارشل لاء کی تائید چاہ ماہ کے پابند نہیں ۔ یہ بیان اسی لئے جمعیت کے مشورے کے بغیر دیا۔ جبکہ حضرت ہزاروی نے اسی دن تمام اخباروں میں بیان دیا کہ ہم وعدہ کے پابند ہیں۔ ہم علماء ہیں۔ معاہدے کی خلاف ورزی کر کے علماء کی داڑھیوں کو شرمانا نہیں چاہتے۔ پھر حضرت مفتی صاحب کے مشورے سے ولی خان نے دوسرا تردیدی بیان دیا کہ اگر ہائی کورٹ کا جج فیصلہ دے تو ہم پابند ہوں گے۔ مولانا ہزاروی نے پھر بیان دیا کہ بین الاقوامی کورٹ کا جج بھی اگر معاہدے کے خلاف فیصلہ دے جمعیت علماء اسلام پھر بھی اپنے معاہدے کی پابند رہے گی۔ یہی اختلاف بڑھتا گیا۔ جمعیت علما اسلام کی مرکزی مجلس شوریٰ نے مجھے مولانا ہزاروی اور مولانا مفتی محمود صاحب کے درمیان افہام وتفہیم کے لیے مقرر کیا۔ میرے ساتھ امیر حسین شاہ گیلانی اور قاری عبدالسمیع صاحب کو پنڈی آتے ہوئے حضرت ہزاروی کو ساتھ لے کر پشاور وزیر اعلیٰ حضرت مفتی محمود کی رہائش گاہ پر مغرب کے وقت پہنچے۔ عشاء کی نماز کے بعد تقریباً تین چار بجے تک بیٹھے رہے۔ ہزاروی صاحب کا مفتی صاحب پر سوال یہ تھا کہ جماعتی حیثیت سے جو جواب ہم کو دینا ہوتا ہے۔ آپ کیوں ولی کی تائید میں دیتے ہیں۔

۴۔ جب معاہدہ یہ ہوا تھا کہ پالیسی پر اثر انداز ہونے والا بیان بغیر مشاورتی کمیٹی کے جاری نہیں ہوگا۔ تو ولی خان نے ہم سے مشورہ کیے بغیر بیان کیوں دیا۔ بہرحال مفتی صاحب بھی منکسر و فہین تھے۔ حضرت ہزاروی کو اور ہمیں مطمئن کر دیا کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ صوبے کی اسمبلی میں

تو نیپ اکثر دینی مسائل میں علماء کی تائید کرتی رہی۔ نیشنل اسمبلی میں انفرادی ملکیت کے خلاف غالباً صراحتاً نیپ کی طرف سے کوئی تقریر نہیں ہوئی۔ البتہ تحریک ختم نبوت کے موقع پر بزنجو نے اپنے مخصوص کمیونزم کے عقائد کی بناء پر اقلیت کی جب مخالفت کی تو ولی خان نے اس کو کہا کہ یہ دینی مسئلہ ہے۔ آپ خواہ مخواہ اس میں کیوں ٹانگ اڑاتے ہیں۔ البتہ ولی خان سیکولرازم کا حامی تھا اور اس کی مراد مذہب سے انکار نہیں کرتا۔

کہ جمعیت مرکزی حکومت میں شامل

ہو جائے۔ ساری عمر ہم نے مار نہیں کھائی تاکہ ساتھیوں کے کام ہو سکیں۔ مفتی صاحب ولی خان کے خیالات سے متفق ہو کر مرکزی حکومت میں شمولیت کے خلاف تھے کہ مرکز کی غلط پالیسیوں کی پھر بھی حمایت کرنی پڑے گی۔ یا خاموش رہنا ہوگا۔ جمعیت کی پالیسی کے متعلق اسلام آباد ہوٹل میں مفتی صاحب کے کمرے میں جمعیت کی مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا تھا۔ حضرت ہزاروی کی رائے یہ تھی کہ جمعیت کو علیحدہ اپنے پلیٹ فارم پر کام کرنا چاہیئے۔ جمہوری محاذ میں شریک نہیں ہونا چاہیئے۔ بھٹو جمہوری آدمی ہے۔ دلائل سے بات تسلیم کرتا ہے۔ اور آئندہ الیکشن کے لیے جمعیت کو تیار کرنا چاہیئے۔ میرے سمیت باقی ساتھیوں کی رائے یہ تھی کہ اس طرح ہمارا کوئی وزن نہیں ہوگا نہ ہم حکومت میں نہ اپوزیشن میں۔ حضرت ہزاروی اپنی رائے پر بضد تھے کہ اس میں مودودیت کا فائدہ ہوگا۔ میں کسی طرح بھی دوسری جماعتوں کے ساتھ اتحاد کے حق میں نہیں ہوں۔ سب سے بڑی وجہ جو حضرت ہزاروی کی جماعت کے ساتھ اختلاف کی بنی۔ وہ یہ تھی کہ حضرت مفتی صاحب نے وزیراعلیٰ بننے کے بعد جماعت سے درخواست کی کہ دو منصب مجھ سے نہیں سنبھالے جاتے۔ وزیراعلیٰ کا کام زیادہ ہے۔ اس لیے جنرل سیکرٹری اور منتخب کیا جائے۔ جماعت کی مجلس شوریٰ کا اجلاس مدرسہ فرقانیہ پنڈی میں ہوا۔ جماعت نے متفقہ طور پر حضرت ہزاروی کو جنرل سیکرٹری منتخب کر دیا۔ حضرت ہزاروی نے لاہور سے کراچی تک ایک دورہ کیا۔ تقریباً بیس ہزار روپیہ

چندہ جماعت کے لیئے پہلے ہی دورہ میں لائے۔ اور جماعت کی پالیسی کے متعلق بحیثیت جنرل سیکرٹری کے آنے لگے۔ کچھ لوگوں کو خدشہ ہوا کہ حضرت ہزاروی بحیثیت جنرل سیکرٹری کہیں دلی سے معاہدہ کے منسوخ کرنے کا اعلان نہ کردیں۔ حضرت مفتی صاحب نے خوشامدیوں کے ذریعے سرگودہا کے قاری عبدالسمیع وغیرہ اور ملتان سے شیخ یعقوب وغیرہ کے ذریعہ کچھ احباب کے ذریعہ حضرت امیر سے درخواستوں اور بیانات کے ذریعہ مطالبہ کیا کہ جنرل کونسل کا اجلاس بلا کر مولانا ہزاروی کے سیکرٹری جنرل کے عہدہ کی توثیق کرائی جائے۔ ورنہ مفتی صاحب کی پالیسی کی وجہ سے اس عہدہ سے ہٹایا جانے لگا۔ ملتان میں اجلاس ہوا۔ کوشش کے باوجود حضرت ہزاروی اجلاس میں شریک نہ ہوئے۔ میں حضرت درخواستی اور مولانا عبداللہ صاحب انور حضرت ہزاروی کے موقف کی تائید میں تھے۔ افسوس کہ حضرت ہزاروی نے شرکت نہ کرکے بہت بڑی غلطی کی۔ اس سے پہلے بھی ایک اجلاس میں شرکت نہ کی۔ بائیکاٹ کیا۔ میں ایک وفد حضرت درخواستی، مولانا خان محمد صاحب اور مولانا محمد عبداللہ بھکر والوں کو لے کر اسلام آباد گیا۔ تین دن ٹھہرے رہے۔ ایک دن محلہ قاضی محمد امین کے پاس ہم سب حضرت ہزاروی کی منت سماجت کرتے رہے۔ کہ آپ اختلاف چھوڑیں۔ جماعت میں آجائیں۔ جو آپ کہیں گے وہی ہوگا۔ ایک رات حضرت ہزاروی کے ہوسٹل کے کمرے میں بیٹھے رہے کہ آپ نظر ثانی کریں پھر تیسرے دن مدرسہ فرقانیہ میں حضرت ہزاروی کی میں مفتی صاحب اور مولانا خان محمد صاحب منت سماجت کرتے رہے۔ حضرت مفتی صاحب نے اتنا تک کہا کہ آپ جمعیت کے پلیٹ فارم سے جو بھی مودودی کو کہیں ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ تین دن کی مسلسل جدوجہد کے بعد ہم ناکام واپس آگئے۔ حضرت ہزاروی بضد رہے کہ آپ دوسری جماعتوں سے اتحاد ختم کریں۔ افسوس ہے کہ حضرت ہزاروی نے ہماری بات نہیں مانی۔ اگر وہ اجلاسوں کا بائیکاٹ نہ کرتے۔ بلکہ جماعت کے اندر رہ کر اختلاف کرتے۔ علیحدگی کا اعلان نہ کرتے تو جماعت کی اکثریت حضرت ہزاروی کے ساتھ ہوتی۔

وزارتِ اعلیٰ کے بعد قائد وہ ہوتے۔ بہرحال آخری جملہ یہی ہے۔ میں مخلص ترین آدمی سمجھتا ہوں۔ ماوران کا اختلاف اور بھٹو کی حمایت اخلاص پر مبنی تھی۔ اور سیاسی بصیرت بھی ان کی تمام جماعت کے عہدیداران سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ وقت گذر گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ لغزشوں کو معاف فرمائے اور آئندہ دینِ قدیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط والسلام۔

جملہ احباب بالخصوص مولانا غلام سرور صاحب کو سلام پہنچے۔

محمد رمضان غفرلہٗ بقلم خود ۱۵ ص/۹۹

# مکتوب گرامی حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی

## بنام جناب محترم طارق خان سواتی

حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی نے قادیانیت کے خلاف جس طرح موقع محل کی مناسبت سے کام کیا۔ شاید کوئی دوسرا ایسا نہ کر سکے۔ جناب خان عبدالقیوم مرحوم موضع سفیدہ کے رئیس تھے۔ اور کانگریس کے صف اوّل کے رہنما تھے۔ ان کے ساتھ مولانا کے قریبی تعلقات تھے۔ اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مرحوم خان عبدالقیوم خان کی برادری میں کچھ قادیانی بھی تھے۔ تو جب کوئی ایسا موقع آتا۔ تو مولانا ہزاروی مرحوم عبدالقیوم خان صاحب سے ان قادیانیوں کا مقابلہ کراتے۔ چونکہ عبدالقیوم خان صاحب سواتی خاندان میں طاقتور۔ قابل عزت اور قدآور شخصیت تھے۔ تو اس وجہ سے مرزائیوں کو اپنے عزائم میں ہمیشہ ناکام ہی ہونا پڑتا۔ جبکہ سواتی خاندان میں کچھ ایسے لوگ تھے۔ جو مسلمان ہوتے ہوئے بھی باوجود مرزائیت نوازی کا ثبوت دیتے۔ بلکہ ان میں سے ایک مشہور صاحب نے مولانا ہزاروی کو صرف اس بنا پر مرکزی جامع مسجد مانسہرہ میں جمعہ نہ پڑھانے دیا کہ مولانا مرزائیوں کے خلاف تقریر کیوں کرتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ مولانا اگر ایسے نہ کرتے تو سواتی برادری کی ایک بہت بڑی تعداد اور بڑے بڑے لوگ قادیانی ہو جاتے۔ نیچے دیئے گئے ایسے ہی خط کو درج کیا گیا ہے۔ جس میں آپ پڑھیں اور تجزیہ کریں کہ مولانا ہزاروی کی سوچ کیا تھی۔ اور کس طرح مرزائیت کے تعاقب میں رہتے تھے۔ اور خود ورکروں سے ملتے اور دوستوں کے پاس چل کر جاتے۔ یہ فخر نہ کرتے کہ میں ان لوگوں کے پاس جاؤں تو میری توہین ہے۔ یہ خط جو درج کیا جا رہا ہے۔ جناب حاجی محمد طارق خان سواتی جو

عبدالقیوم خان مرحوم سفیدہ کے صاحبزادے ہیں۔ ان کو مولانا نے تحریر فرمایا ہے۔ خط ملاحظہ ہو۔

خادم غلام غوث ہزاروی۔ از مانسہرہ۔

برادر عزیز خان طارق محمد صاحب زید کرمہ وجدہٗ امین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میرے معزز بھائی! آپ کو اللہ تعالیٰ دین کا سچا سپاہی بنائے۔ اور جس کام میں لگا رکھا ہے۔ اس میں اور بھی برکتیں نصیب فرمائے۔ آمین میں عرصہ سے آپ سے ملنا چاہتا تھا۔ لیکن محروم رہا۔ بات صرف یہ ہے کہ اب سفیدہ تک پیدل آنے جانے کی ہمت کم ہو گئی ہے۔ بس آخری سفر تھا۔ جو میں نے سفیدہ کی طرف پیدل کیا۔ وہ محترم خان مرحوم کے جنازے کے لیے تھا۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ وہ کیا کشش تھی کہ میں لفظ میں دوسرے ملوں کے جنازوں میں شریک نہیں ہو سکتا۔ ملک پورہ کو پیدل نہیں جا سکتا۔ مگر یہاں کے لیے توفیق ہو گئی۔ ایک حکمت تو یہ تھی کہ میرے جانے سے خان مرحوم کا جنازہ مرزائیوں کی شرکت سے بچ گیا۔ وہ دور بیٹھ گئے ورنہ وہ شریک ہوتے۔ اور مرحوم ایوب خان ملک پوری کو ہنگامہ کرنا پڑتا۔ اور بھی باتیں تھیں جو زبانی عرض کی جا سکتی تھیں۔ یہ تو میں نے اپنے دل کی خواہش پوری کی آپ سے یہ عریضہ اس لیے تحریر ہے کہ رات کو آپ جلدی تشریف لے گئے۔ ورنہ میں مل سکتا۔ آج میں مانسہرہ میں ہوں۔ اور کل ۵ جولائی بھی مانسہرہ میں ہوں۔ اگر تکلیف کر کے مانسہرہ تشریف لائیں تو حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب خالد کی اطلاع پر حاضر ہو جاؤں گا۔ امید ہے کہ اس کو کسی تکلف وتصنع پر محمول نہ کریں گے۔ میری عادت یہی ہے کہ دوستوں کے پاس خود جاتا ہوں۔ بلاتا نہیں۔ مگر مجبوری عرض کر دی ہے۔ اور

شوق بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ اپنے دین کی ترقی کا زیادہ سے زیادہ سامان فرمائے اور خان مرحوم کی روح کو خوش رکھے۔ آمین۔ افسوس کہ سعیدہ کے ہمارے سارے بزرگ ختم ہو چکے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ ان سب کا کام آپ سے لیں۔ آمین

فقط

خادم غلام غوث بقلم خود / یکم جولائی ۱۹۷۰ء

---

حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر صاحب جو عالمی ختم نبوت کے ممتاز ادور مرکزی رہنما ہیں۔ جن کی خدمت اظہر من الشمس ہیں۔ انہیں مرزائیت کے خلاف انسائیکلو پیڈیا کہا جاتا ہے۔ چونکہ جماعتی سٹیج پر مولانا غلام غوث ہزاروی کے ساتھ طویل رفاقت ہے۔ سفر و حضر میں ساتھ میں ساتھ رہے۔ قادیانیت کے خلاف محاذ کو متحرک کیے رکھا۔ ان کا خط بھی آپ پڑھ لیں۔ جس سے مولانا ہزاروی کی شخصیت پر روشنی پڑتی ہے۔ اور مولانا کے مزاج کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

بگرامی خدمت جناب شاہ صاحب زید عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مزاج گرامی! آپ کا خط پہلے ملا۔ بعد میں آپ سے ملاقات میں عرض کیا تھا کہ لکھنے میں بہت سست ہوں۔ مولانا ہمارے ان بنیادی بزرگوں میں تھے۔ جن کے علم و عمل اور بہادری نے ہمیں متاثر کیا ہے۔ آپ کا عزم

مبارک ہے۔ مولانا کے سوانح، خطوط رہتی دنیا تک بطور اسوۂ حسنہ رہیں گے۔
۱۹۷۰ء کے ہنگاموں کے بعد یہ خصوصی کمیٹی قائم ہوئی تو ہماری بدقسمتی تھی کہ جمعیت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک طرف حضرت ہزاروی کی قیادت میں ہم کام کر رہے تھے۔ دوسری طرف حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب محضر نامہ لکھ رہے تھے۔ اس دوران ایک دن مرزا ناصر نے اکمل گولیکے قادیانی شاعر کی نظم یحییٰ بختیار اٹارنی جنرل نے پیش کی۔ بہاولپور کی اسمبلی کی ممبر زادہ سلطانہ نے مرزائیت کے خلاف ایک کتابچہ لکھا تھا۔ اس میں یہ شعر تھے اکمل قادیانی شاعر کے۔

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں … آگے سے بڑھ کر اپنی شان

یہ نظم کا شعر پیش کیا کہ حضور علیہ السلام کی توہین ہے۔ تو مرزا ناصر (لعین) نے جواب دیا کہ یہ کتاب مخالف کی ہے۔ اس کا اعتبار نہیں۔ یحییٰ بختیار نے کہا کہ حوالہ تو آپ کے اخبار کا ہے۔ تو مرزا ناصر نے کہا کہ اخبار کا کیا اعتبار ہے۔ آدمی پڑھ کر پھینک دیتا ہے۔ چونکہ حضرت مولانا غلام غوث بھی موجود تھے۔ ان کا ٹیلیفون آیا کہ آج مرزا ناصر حوالہ سے انکار کر گیا ہے۔ مجھے تو آپ حوالہ نہیں دیتے۔ مفتی صاحب کو وہ حوالہ دو تاکہ وہ قادیانی ذلیل ہو۔ آخر دوپہر کو ہم مفتی محمود رحمہ اللہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے بعینہٖ یہ قصہ سنایا۔ ہم نے مفتی صاحب کو اخبار قادیان ۲۵ر اکتوبر ۱۹۰۶ء کا اخبار دیا۔ جو سولہ صفحات کا اخبار تھا۔ اور اس اخبار کے چودھویں صفحہ پر اکمل مرتد کی نظم تھی۔ جب یہ اخبار پیش ہوا تو ناصر نے کہا کہ شاعر ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ اس پر ہم نے اکمل گولیکے کا وہ بیان مفتی صاحب کو دیا۔ اخبار الفضل ۲۲ر اگست ۱۹۴۴ء ص۶ کالم ۴ میں تھا۔ اس پر اکمل لعین نے لکھا کہ میں نے خوش دیکھ کر یہ نظم مرزا قادیانی علیہ ما علیہ کو پیش کی تھی۔ اور مرزا نے مجھے

اس پر جزاک اللہ کہا اور وہ قلم اندر لے گئے۔ اس کے بعد ہم نے اس الفضل
میں اکمل کا بیان دیکھا کہ میں نے اپنی طرف سے نہیں بلکہ مرزا قادیانی نے خطبۃ
الھامیہ میں حضور علیہ السلام کی روحانیت کو ناقص اور اپنے کو کامل کہا ہے۔
ساتھ ہی خطبۃ الھامیہ کے صفحات کے نشان لگا کر مفتی صاحب کو دیدیا۔ اب
اس جرح کے بعد اور مرزا ناصر کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ بہت ذلیل اور
شرمندہ ہوا۔ اب رہی مولانا ہزاروی کی یہ بات کہ مجھے تو حوالہ نہیں دیتے
مفتی صاحب کو تو حوالہ دو تاکہ مرزا کا منہ توڑ سکیں۔ اس دوران وقفہ
اسلام میں ایک شخص آیا کہ مولانا ہزاروی فلاں کتاب مانگ رہے ہیں۔
بندہ نے عرض کیا کہ جا کر حضرت سے ایک پرچہ لکھوا کر لاؤ۔ ہم مولانا کی
تحریر کو پہچانتے ہیں۔ یا ان سے فرما دیں کہ آپ حافظ محمد حنیف سہارنپوری
کو بھیجدیں۔ وہ لے جائیں۔ ہمیں دراصل یہ ڈر تھا کہ مولانا نے سے کہیں
مرزائی نہ کتاب لے جائیں۔ چنانچہ واپس کوئی آدمی نہ آیا۔ نہ ہی مولانا کا رقعہ
آیا۔ پتہ نہیں اس آدمی نے حضرت سے کیا جا کر کہا۔ تو حضرت پر اس کا اثر تھا۔ اس
لیے حضرت نے یہ مندرجہ بالا جملے کہے۔ بعد میں جب حضرت سے ملاقات ہوئی تو
مولانا نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں۔ ہمارے دلوں میں آسی صاحب دونوں
بزرگوں کا احترام اس طرح تھا۔ بلکہ ایک درجہ میں ہم مولانا کو اونچا جانتے تھے۔
جماعت میں جن بزرگوں سے بندہ متاثر ہوا۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ
شاہ بخاری کے بعد وہ مولانا گل شیر اور دوسرے مولانا غلام غوث ہزاروی تھے
رحمہما اللہ تھے۔ مولانا سے ایک دفعہ ملاقات ہوئی ملتان میں۔ یعنی مولانا
گل شیر رحمہ اللہ اور مولانا ہزاروی رحمہ اللہ سے تو مدتوں نیازمندانہ تعلقات
رہے۔ حضرت مولانا قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا آنکھوں کے اپریشن کے لیئے شجاع آباد لے گئے۔ اپریشن کرا کر گھر لے آئے۔ بندہ کراچی میں ختم نبوت کا مبلغ تھا۔ کراچی شاہین ایکسپریس پر سوار ہو کر ساڑھے تین بجے شجاع آباد اترا۔ شجاع آباد قاضی صاحب کی جامع مسجد میں گیا۔ تو اوپر بیٹھک میں پہنچا۔ مجھے علم نہیں تھا کہ حضرت آئے ہوئے ہیں۔ مسجد کے اوپر گیا تو مہمان خانہ بند تھا۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو مولانا نے میری آواز پہچان کر فوراً دروازہ کھول دیا۔ فرمایا کہ میں اپریشن کرا کے آیا ہوں اور ڈاکٹر کی ہدایت ہے کہ چارپائی سے نہ اٹھیں۔ لیکن آواز پہچان گیا اور میں نے سمجھا کہ یہ قیمتی نوجوان ہے۔ اس لیئے دروازہ کھول دیا۔ یہ محض ان کی شفقت اور اپنے چھوٹوں کی قدردانی تھی۔ کراچی تشریف لائے میرے دفتر میں تشریف رکھتے تھے۔ اور میں ہی احباب سے ملا کر پھر دفتر لے آتا۔ ایک دن میں نے حضرت سے عرض کہ حاجی لال حسین جو علاقہ چکوال کے رہنے والے ہیں۔ قاضی صاحب کے دوست ہیں۔ وہ ناشتے کے لیئے بلا رہے ہیں۔ اور میں نے مان لیا ہے۔ فرمایا بہت اچھا۔ راستے میں مجھے سمجھایا کہ جو نیا دوست آئے انہیں بزرگوں سے ملایا کرو۔ وہ لوگ ہمیشہ سے مرجایا کریں گے۔ اگر صرف اپنے سے تعلق بنایا تو وہ لوگ جب تم سے بدظن ہوں گے تو وہ بزرگوں سے بھی بدظن ہوں گے۔ اگر بزرگوں سے تعلق ہو گیا تو وہ تم سے بدظن ہو بھی جائیں تو جماعت سے جڑے رہیں گے۔ نیز جس زمانے میں ۱۹۵۳ء کی انکوائری لاہور میں شروع تھی تو جماعت کے بزرگ سارے جیل میں تھے۔ ۳ ماہ کے بعد ۲۹ رمضان المبارک مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور بندہ بھی رہا ہو کر تحصیل شجاع آباد اپنے گاؤں میں پہنچ گیا تھا۔ یہ جولائی آخیر تھا۔ مولانا محمد علی نے جیل سے ایک خط میرے پتہ پر روانہ کیا کہ چھ جولائی کو گورنمنٹ انکوائری کا اعلان کر دیا ہے۔ قاضی رہا ہو گئے ہیں تم اپنی کتابیں لے کر لاہور

پہونچو۔ قاضی صاحب بھی پہنچ جائیں گے۔ بندہ نے تحریک میں کام فیصل آباد
کیا تھا۔ گرفتاری اچانک ملتان سے ہو گئی۔ تین ماہ کے بعد انہوں نے چھوڑ
دیا۔ ملتان آکر وہاں سے فیصل آباد پہنچا تو وہاں میری ایک سخت تقریر کی بناء
پر میرے وارنٹ تھے۔ اور ڈپٹی کمشنر نے اپنے عملہ سے کہا کہ تقریر کرنے والے
مولانا غلام غوث معلوم ہوتے ہیں۔ اعلان کیا کہ اگر مل جائیں تو گولی ماردیں۔ خیر وہ
مولانا تو نہ تھے۔ اور میں تقریر کر کے آٹھ میل پیدل سفر کر کے ملتان روانہ ہو گیا۔
اور شہر میں ناکہ بندی تھی۔ میں میلے کپڑے پہن کر نکل گیا۔ ملتان آیا اور گرفتار ہوا۔
رہائی کے بعد جب کتابیں لینے گیا تو سی۔ آئی۔ ڈی نے میرا پیچھا کیا۔ آخر ایک ساتھی
نے کہا کتابیں میں لاہور لے آؤں گا۔ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ چنانچہ میں لاہور
پہونچا میری کتابیں آگئیں۔ انہیں لے کر کام کیا۔ بقایا جب ہم لاہور پہنچے تو
لوگ سہمے ہوئے تھے۔ ہمیں ٹھہرانے کے لئے کوئی تیار نہیں تھا۔ اچانک حکیم عبدالمجید صاحب
سیفی بی۔ اے علیگ جنکا تعلق خانقاہ سراجیہ سے ہے۔ وہ آکر مولوی مظہر علی اظہر
کے گھر سے لے جاکر بیڈن روڈ اپنے مطب میں ٹھہرایا۔ مولانا غلام غوث لاہور میں
تھے۔ لیکن گورنمنٹ سے روپوش تھے۔ اور یہاں واقعی گولی ماردینے کا حکم تھا۔
تو مولانا وہاں جو کاروائی ہوتی تھی اس کو اخبار میں پڑھ کر اس کا جواب لکھتے تھے۔
اور صبح دستی سیفی صاحب کے لیٹر بکس میں موجود ہوتا۔ ہمکو مخاطب کرتے۔ فلاں
سوال کا جواب فلاں دو۔ فلاں کا فلاں۔ روزانہ بلاناغہ مولانا متوجہ رہتے۔
کبھی رات کو آتے تھے۔ حضرت مولانا عبیداللہ جب ہوتے۔ ان سے خفیہ
ملاقات کرجاتے۔ ہمیں جب صبح حضرت بتاتے کہ فلاں سوال کا جواب تلاش کر کے
دو۔ پھر ہمیں اندازہ ہوتا کہ رات براہ راست ان کی ملاقات مولانا سے ہو گئی
ہے۔ انکوائری کے بعد کئی سال گذرے۔ پھر جب سیفی کا انتقال ہوا۔ تو حضرت

مولانا غلام غوث رحمۃ اللہ نے انکا جنازہ پڑھایا تھا۔ اس وقت حضرت لاہوری
بیمار تھے۔ تین دن بعد حضرت لاہوری سیفی مرحوم کی قبر پر تشریف لے گئے۔ تو حکیم
ذوالقرنین کو پیغام بھیجا کہ والدہ اور ہمشیرہ سے کہنا کہ سیفی صاحب قبر میں بہت اچھی حالت
میں ہیں۔ آپ کے حکم کی تعمیل میں شاہ صاحب نے جملہ طریق لکھدی ہیں۔ آپ کے
مطلب کی جوابات ہر فی ہیں ویسے ہی قلم پر آگئی ہیں۔

ہم مولانا کو اپنا حقیقی باپ ، مربی ، بہادر ، جانباز اور عالم باعمل جانتے
اور پہچانتے تھے۔ تقویٰ اور ورع میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ ہاں ایک واقعہ
مولانا نے خود سنایا تھا کہ جب ہم دیوبند میں پڑھتے تھے تو طلباء کا ایک وفد
دارالعلوم ندوۃ العلوم گیا۔ فرمایا کہ جنہیں میں بھی تھا۔ انہوں نے عربی میں لکھا ہوا
مقالہ پیش کیا۔ میں نے بیٹھے بیٹھے اس کے نوٹ جواب میں لکھ لیے۔ اور فی البدیہہ
بغیر تیاری کیئے اس سپاسنامہ کا جواب میں دیا۔ اس پر ندوہ کے طالب علم حیران رہ
گئے کہ ہم نے تیاری کر کے لکھا ہے۔ اور انہوں نے بغیر تیاری کے جواب
دے دیا۔ مولانا فرماتے تھے ان کا خیال تھا کہ بغیر تیاری کے یہ جواب نہ دے
سکیں گے۔ چونکہ ندوہ میں مشق کرائی جاتی تھی۔ ان کو اس میں برتری حاصل ہوگئی۔ لیکن
مولانا فرماتے تھے کہ میں نے ان کا زعم توڑ دیا۔ یہ دراصل مولانا کی قابلیت اور
مہارت ونیٰ کی اہم دلیل ہے۔

فقط والسلام

احقرالانام عبدالرحیم اشعر ملتان

# آسمانِ روحانیت و سیاست کے آفتاب حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ

## کچھ یادیں کچھ مشاہدات

از قلم:۔ مولانا اللہ وسایا خطیب ربوہ۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام ایک کانفرنس رکھی۔ مولانا مرحوم کے جو ہم عصر احباب تھے۔ ان کو بلا تکلف کہہ دیا کہ کانفرنس میں بستر و ہمراہ لائیں۔ کانفرنس پنجاب میں تھی اور مولانا غلام غوث مرحوم نے سندھ سے تشریف لانا تھا۔ ان کا سندھ کا دس پندرہ روزہ تبلیغی دورہ تھا۔ پورے دورے میں ایک کانفرنس کیلئے بستر ہمراہ رکھنا مشکل تھا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی مرحوم بغیر بستر کے تشریف لائے۔ مولانا محمد علی مرحوم کے ہمراہ کھانا کھایا۔ رات کو تقریر کی صبح کو ٹرین سے واپس جانا تھا۔ مولانا محمد علیؒ مطمئن کہ میرے کہنے کے مطابق مولانا بستر ہمراہ لائے ہوں گے۔ اس لئے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ مولانا ہزارویؒ نے دل میں خیال کیا کہ مولانا کا حکم تھا کہ بستر ہمراہ لائیں۔ اب اگر بستر ہمراہ نہیں لایا تو قصور میرا ہے۔ اس لئے مولانا جالندھری کو تکلیف کیوں دوں۔ کانفرنس سے فارغ ہونے پنڈال کے قریب کسی مسجد میں ایک لوئی میں سردی کی رات گذار دی۔ صبح راز منکشف ہوا۔ تو مولانا جالندھری نے افسوس کا اظہار کیا اور کہا آپ نے مجھے بتایا کیوں نہ تھا۔ بستر ہمراہ نہ لاسکا۔ مولانا ہزاروی نے کہا اگر آپ میرے بھائی بھی ہیں اور مخدوم بھی۔ اگر میں اس کام میں آپ کا ہاتھ نہیں بٹا سکتا تو تکلیف کا سبب بھی نہیں بننا چاہئے۔ رات گذر گئی۔ ہائے! ایسی اعلیٰ سیرت کے انسان کہاں سے لائیں۔

۲۔ مجلس تحفظ ختم نبوت گوجرانوالہ کے جناب غلام نبی یا مجلس جیوٹ کے چوہدری ظہور احمد میں سے کسی ایک نے بتایا کہ ہم لاہور دفتر گئے۔ مولانا دفتر میں اکیلے تھے۔ سردی کی رات تھی۔ ہم نے آرام کرنا تھا۔ حضرت نے ہمیں بستر عنایت کیا صبح اٹھے تو معلوم ہوا کہ صرف ایک بستر تھا۔

جو حضرت نے ہمیں دے دیا۔ آپ نے ساری رات دسمبر کی سردی ایک لوئی میں گذار دی۔ واقعہ سناتے وقت ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے کہ اگر اکابر اپنے رضاکاروں پر اس قدر شفقت و محبت فرماتے تھے تو رضاکار بھی ان کے چشم ابرو پر جان دینے پر فخر محسوس کرتے تھے۔" اب کہاں ایسی ہستیاں یارو! "

۳۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک مقدس ختم نبوت میں تمام رضاکار و رہنما گرفتار کر لیئے گئے۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ نے جماعت کے رضاکاروں اور راہنماؤں کو جن کے گھر کے حالات معاشی طور پر نادرست تھے۔ اور گھر کے افراد کی کفالت ان پر تھی۔ ان کے نام وظیفہ قوت لایموت جاری کر دیا۔ حضرت ہزاروی مرحوم کے گھر کا پتہ دفتری احباب کو نہ تھا۔ اس لیئے مولانا مرحوم کے گھر ایک پیسہ بھی نہ جا سکا۔ تحریک کے ختم ہو جانے پر مولانا محمد علی مرحوم نے مولانا مرحوم کو کچھ وظیفہ دینا چاہا۔ مولانا ہزاروی نے مسکرا کر اپنے روایتی انداز میں کہا۔ مولانا اگر ماہ بماہ رقم پہنچتی رہتی تو بھی گذارہ ہوتا رہتا۔ اگر نہیں پہنچتی تو بھی گذر ہو گیا ہوگا۔ یہ رقم میری طرف سے جماعت کے خزانے میں جمع کرا دی جائے۔ مولانا محمد علی مرحوم زندگی بھر اس واقعہ کا ذکر کر کے مولانا ہزاروی مرحوم کی بہت تعریف کیا کرتے تھے کہ ان جیسے درویش منش انسان اس قحط الرجال کے دور میں خال خال نظر آتے ہیں۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ مولانا محمد علی جالندھری نے بھی ساری زندگی جماعت سے تنخواہ نہ لی تھی۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم، کہ تو نے وہ گنجہائے گراں مایہ کیا کیئے

۴۔ مولانا سید غلام مصطفٰے شاہ صاحب خطیب جھنگ مولانا ہزاروی کی تعزیت کے لیئے گئے۔ قبر پہ دیر تک زار و قطار روتے رہے۔ احباب جمع ہو گئے۔ اپنے اپنے انداز میں دیر تک حضرت مرحوم کو خراج تحسین پیش کیا۔ شاہ صاحب نے کہا کہ میرے نزدیک حضرت مرحوم اس دور میں کلیم ابوذرؓ کے صحیح وارث تھے۔ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ آپ اس دنیا سے اکیلے جائیں گے۔ حضرت مرحوم کے جنازہ

پر بھی بارش نے برس برس کر لوگوں کو بہت روکا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا غلام جنازہ میں بھی اپنے آقا کی سنت کو پورا کر کے صحیح وارث کا حق ادا کر جائے۔ اس کے باوجود ہزاروں افراد شریک ہوئے۔

۵۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی مرحوم اس دور میں اکابر کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ ان کے صحیح نمائندہ اور جانشین تھے۔ ۲۶ ر دسمبر ۱۹۸۰ء کو ربوہ میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے جلسے پر تشریف لائے۔ مجلس کے کام پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ دوران تقریر تحسین فرمائی۔ حضرت مولانا تاج محمود صاحب اور راقم کا نام لے کر سند افتخار سے سرفراز فرمایا۔ حضرت مولانا خان محمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کے وجودِ مسعود کو مجلس کے لیے نعمتِ خداوندی قرار دیا۔ بھرپور مسرت، خوشی و انبساط کا مظاہرہ کیا۔ حضرت مولانا محمد شریف جالندھری ناظم تبلیغ مجلس تحفظ ختم نبوت نے فرمایا کہ حضرت آپ نے بڑی تکلیف فرمائی۔ بیماری کے باوجود ہماری سرپرستی فرمائی۔ پوری جماعت آپ کی شکر گذار ہے۔ جواباً حضرت مرحوم نے فرمایا نہیں مولانا میرا فرض تھا۔ میرے دل میں خیال آیا زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ ربوہ جاؤں گا۔ اس شہر میں بیان ہو جائے گا۔ احباب سے، علماء سے ملاقات ہو جائے گی۔ کہا سنا معاف کرا لوں گا۔ اب اگلا سفر (سفر آخرت) ہونے والا ہے۔ تو حضرات مرحومین اکابر کو جا کر آپ کے کام کی رپورٹ بھی پیش کروں گا کہ آپ نے اپنے جانشین مجلس تحفظ ختم نبوت کے خدام کو جہاں آپ چھوڑ آئے تھے ان کا ہر قدم اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اور وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو رہے ہیں اور قابل فخر کارنامے سرانجام دے رہے ہیں جو انشاء اللہ قیامت کے دن رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا سبب بنیں گے۔ ان تحسین کے کلمات کو سن کر مولانا محمد شریف جالندھری آبدیدہ ہو گئے۔ حضرت مرحوم نے فرمایا۔ مولانا! آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ ختم نبوت کا کام بہت اونچا ہے۔ اتنا اونچا کام ہے کہ جس کا اس دنیا

والے اندازہ نہ لگا سکتے ہیں اور نہ تصور کر سکتے ہیں۔

۶۔ حافظ محمد حنیف ہی کی روایت کے مطابق گزشتہ سال جب حضرت مولانا ہزاروی مرحوم مولانا سید صادق حسین شاہ صاحب مرحوم کے مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں تشریف لائے تو انہوں نے حافظ صاحب سے مولانا تاج محمود صاحب کی خیریت دریافت کی اور کہا کہ جب فیصل آباد جاؤ تو مولانا کو میرا سلام کہنا اور عرض کرنا کہ ہم نے ایک نیک مقصد کے لیے اکٹھا سفر کیا ہے۔ مجھے یاد تو نہیں کہ میں نے کوئی زیادتی کی ہو۔ تاہم مولانا سے کہنا کہ میرے ساتھ جس نے بھی کسی قسم کی زیادتی کی میں نے اسے معاف کر دیا۔ مولانا سے کہیں کہ وہ بھی کہا سنا معاف کر دیں۔ یہی نہیں مولانا آخری دنوں میں عام جلسوں میں بھی یہی فرمایا کرتے تھے کہ میری کسی سے دوستی یا دشمنی اللہ کے لیے تھی۔

(بشکریہ ہفت روزہ لولاک" ۱۴ فروری ۱۹۸۱ء)

# جناب سید امین گیلانی صاحب کے تاثرات

شاعر اسلام جناب سید امین گیلانی صاحب جو حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور حضرت ہزاروی کے رفیق سفر ہیں مجلس احرار میں ان کا طویل ساتھ رہا اس کے بعد جمعیۃ علماء اسلام میں طویل رفاقت رہی انہوں نے بھی چند صفحات تحریر کر کے راقم الحروف کی استدعا پر بھیجے جو کتاب میں شامل کئے جا رہے ہیں۔

## مولانا غلام غوث ہزارویؒ

آپ دریا کی لہریں گن سکتے ہیں؟ "نہیں" تو پھر میں مولانا کے اوصاف کیسے گن سکتا ہوں۔ کم و بیش پچاس برس ان کے ساتھ کام کیا۔ ان کے دن رات دیکھے۔ سفر و حضر میں صحبت رہی۔ انہیں جلوت میں دیکھا، خلوت میں دیکھا، ان کا غضب دیکھا، ان کا لطف دیکھا، ان کی آراء سنی، ان کی تدابیر دیکھیں، ان کے اقوال پرکھے، ان کے اعمال جانچے۔ اللہ اللہ سب میں ایک ہی رنگ تھا، وہ رنگ تھا کا بیج ہے۔ دریا کی لہریں بھی دیکھی جا سکتی ہیں گنی نہیں جا سکتیں۔ ان کا اخلاص ان کی حق گوئی، ان کا تقویٰ، ان کی انکساری، ان کا عزم، ان کی شجاعت کتنے ہی عنوان ہیں، کس عنوان پہ بات کروں۔ مختصر یہ کہ ایسے انسان صدیوں میں ایک بار ہی پیدا ہوتے ہیں۔

؎ شاذ ہی دیکھو گے ان جیسے فقیروں کی طرح

خاک میں بھی جو چمکتے ہیروں کی طرح

۱۹۳۰ء کے لگ بھگ کی بات ہے۔ میرا آغاز شباب تھا کہ حضرت امیر شریعتؒ مجھے اپنے ساتھ ہزارہ لے گئے۔ اس وقت ہری پور میں قیام تھا کہ مولانا غلام غوث ہزارویؒ تشریف لائے اور شاہ صاحب سے لبقہ میں دن مقرر کیا گیا جب روانگی کا دن آیا تو

شاہ صاحب نے جو کار انہیں لینے کے لیے بھیجی تھی اس میں مجھے اور ساتھ کچھ اور علماء کرام کر دیئے۔ اس بس میں سرخ وردیوں والے رضا بیٹھے تھے تو شاہ صاحب نے میرے کان میں کہا مولانا سے کہدینا میں بھی پیچھے آرہا ہوں۔ میں نے کہا، شاہ جی یہ سب کچھ تو آپ کی خاطر ہوا۔ آپ ساتھ کیوں نہیں چلتے۔ تو فرمایا، میرا حکم مانو اور جاؤ۔ جب ہم بنوں کے قریب پہنچے تو سینکڑوں باوردی، مسلح رضا کاروں نے گولوں اور بندوقوں کی گھن گرج سے ہمارا استقبال کیا۔ نعرۂ تکبیر، اللہ اکبر، امیر شریعت زندہ باد، گورنمنٹ برطانیہ مردہ باد کے فلک شگاف نعرے فضا میں گونجنے لگے۔ مولانا غلام غوث نے تیزی سے آگے بڑھ کر مجھ سے پوچھا گیلانی! شاہ صاحب کہاں ہیں۔ میں نے شاہ صاحب کا فرمان سنایا تو چہرہ سرخ ہو گیا۔ گردن ہلا کر کہا "ہوں" میں سمجھ گیا ہوں۔ خیر ہمیں باشان و شوکت قیام گاہ تک پہنچایا گیا۔ گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد شاہ صاحب بس کے ذریعے تن تنہا پہنچ گئے۔ پھر دونوں بزرگوں میں مزے کی نوک جھونک ہوئی۔

مولانا: کیوں شاہ صاحب! آپ نے یہ کیا کیا؟ اتنے شاندار استقبال کا بندوبست کیا تھا جب لینے کار کا دروازہ کھولا تو اندر سے (میری طرف اشارہ کر کے) یہ بجو نکوڑہ نکل آیا۔

شاہ صاحب: بس مولانا! ایسی ہی کوئی بات تھی معافی چاہتا ہوں۔

مولانا: شاہ صاحب! میں سمجھ گیا ہوں۔ آپ نے کسر نفسی کے باعث ایسا کیا۔ مگر آپ کا یہ استقبال آپ کو خوش کرنے کے لیے نہ تھا، بلکہ انگریز دشمن کو جلانے کیلئے تھا۔

آہ! اب ان جیسے پاک نفوس کہاں سے لائیں۔ ایک دفعہ دوران سفر ایک جگہ ناشتہ کر رہے تھے۔ ایک پٹھان مولوی صاحب مولانا سے

پشتو میں گفتگو کرنے لگے۔ تو میں نے دیکھا کہ مولانا دوران گفتگو طیش میں آگئے تو وہ مولوی صاحب خاموش ہو گئے اور تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد مولانا نے مجھ سے پوچھا۔ امین! پشتو جانتے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا اتنے عرصہ سے ہمارے علاقے میں آنا جانا ہے۔ سیکھ لی ہوتی۔ پھر فرمایا۔ یہ مولوی صاحب مجھ سے کہہ رہے تھے امین داڑھی منڈاتا ہے اور آپ اسے ساتھ لیئے پھرتے ہیں۔ یہ مناسب نہیں۔ بس مجھے غصہ آگیا۔ میں نے کہا مولوی صاحب! آپ کو یہ علم اور داڑھی مبارک ہو۔ مگر یہ علم اور داڑھی ہمارے کس کام کی جب حق کے لیئے آپ جیسے حضرات ہمارے ساتھ نہ نکلیں۔ اور یہ داڑھی منڈیا ہمارے ساتھ ثابت قدمی سے چل رہا ہے۔ آپ میرے ساتھ کل کھڑے ہوں میں ابھی اسے گھر بھیج دیتا ہوں۔ پھر مولوی صاحب نہیں بولے اور اٹھ کر چلے گئے پھر مسکرا کر کہا۔ امین داڑھی رکھ لو تاکہ یہ لوگ ہمیں طعنہ نہ دیں۔

ہائے کیسے عظیم لوگ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔

مولانا محمد علی جالندھری نے بتایا کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت سے رہائی کے بعد میں نے سوچا کہ مولانا غلام غوث نے کئی ماہ اس تحریک میں انتھک کام کیا ہے۔ تاہم اسفار میں خرچ ہوا ہو گا۔ گھر کے اخراجات نہ جانے کیسے پورے کیئے ہوں گے۔ مجلس کی طرف سے کچھ مالی امداد ہونی چاہیئے۔ لہٰذا میں نے شوریٰ سے کہہ کر کچھ رقم مولانا کے لیئے مختص کروائی۔ جب وہ رقم مولانا کی خدمت میں پیش کی گئی تو مولانا کہنے لگے مولوی صاحب میں نے تو یہ کام اللہ رضا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لیئے کیا ہے۔ اس میں معاوضے کی کوئی بات ہی نہیں۔ بس اللہ نے کام لے لیا۔ جیسے تیسے بھی

ہوا کام نکل گیا۔ اب اس رقم کی ضرورت نہیں ہے۔ مولانا محمد علی جالندھری فرمانے لگے کہ جب میں نے بہت اصرار کیا تو میرے پیہم اصرار پر بیس روپے رکھ لیے اور باقی رقم لوٹا کر فرمانے لگے کہ مولانا آپ کے بے حد اصرار پر یہ بیس روپے اس لیے رکھ لیے ہیں کہ اب اس سلسلے میں صرف بیس روپے کا مقروض ہوں۔ باقی آپ مجلس کے فنڈ میں جمع کرلیں۔ مولانا جالندھری کہنے لگے کہ میں نے چونکہ وہ رقم کھاتے میں مولانا کے نام لکھوالی تھی۔ اس لیے مولانا ہزاروی کو میں نے چندہ کی ایک رسید کاٹ کر دے دی کہ اب یہ رقم آپ کی طرف سے بطور چندہ مجلس کے فنڈ میں جمع کرا دوں گا۔

"کتنے بے غرض لوگ تھے یہ"

نمونہ از خروارے کے بعد اب صرف ان کا ایک روحانی واقعہ بیان کرکے بات ختم کرتا ہوں۔

میرے ایک عزیز دوست سید عبداللہ شاہ متخلص بہ لیغ نے مجھ سے بیان کیا کہ مولانا ہزاروی صاحب کی مودودی صاحب کے خلاف شدت کو میں ان کا ہم خیال ہونے کے باوجود اچھا نہ سمجھتا تھا کہ واشگاف الفاظ میں برسر عام اتنی سختی سے تردید کیا جائے۔ میں نے دبے لہجے میں عرض کیا کہ مولانا یہ ٹھیک ہے کہ مودودی صاحب کا قلم بے راہ رو ہے۔ آپ کچھ نرمی سے احتجاج کیا کریں۔ مولانا نے جواب میں فرمایا وہ اسی قابل ہے۔ خیر بات آئی گئی ہوگئی۔ اسی رات خواب میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ فرمایا غلام غوث ٹھیک کر رہا ہے۔ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے چاہا کہ مولانا کو اپنا خواب بتا دوں۔ ابھی ان کی طرف رجوع ہی ہوا تھا کہ مولانا بول پڑے۔ کیوں یوسف اب تسلی ہوگئی؟ میں مزید حیران ہوا کہ انہیں خواب کا بھی پتا چل گیا۔ اللہ اکبر۔

# مشہور مزدور لیڈر طاؤس خان کے تاثرات

یوں تو مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی ہمہ گیر شخصیت اور ان کی عملی زندگی پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن مجھے مولانا مرحوم کی زندگی کے چند ایسے پہلوؤں پر روشنی ڈالنا ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ وہ ایک سچے مسلمان تھے اور ان کے گفتار و کردار میں یکسانیت تھی۔ ان کا ہر عمل رضائے الٰہی اور خوشنودیٔ رسالتِ مآب کے لیے تھا۔ وہ جو بھی قدم اٹھاتے سربلندیٔ اسلام کے لیے اٹھاتے۔ ان کا قول و فعل، نشست و برخاست، رہن سہن، لوگوں کے ساتھ معاملات غرض ہر عمل گواہ ہے کہ اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنے کو انہوں نے اوّلیت دی۔

مولانا کے ساتھ میرا بہت پرانا تعلق رہا ہے۔ ہم ضلع مانسہرہ کے ایک قصبہ "بفہ" کے رہنے والے ہیں۔ لیکن یہ تعلق اس وقت رفاقت میں بدل گیا۔ جب پاکستان لیبر پارٹی اور جمعیت علماءِ اسلام کے درمیان اتحاد وجود میں آیا۔ اس اتحاد کے روح رواں خود مولانا غلام غوث ہزارویؒ تھے۔ محنت کشوں کے ساتھ ان کا یہ اتحاد ان کی شخصیت کی معاملہ فہمی، مزدور دوستی، اور حب الوطنی کے پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے۔ یہ اتحاد اس وقت عمل میں آیا جب محنت کشوں کو چند نام نہاد مذہبی جنونیوں نے سرمایہ داروں کے ایماء پر کافر قرار دیا۔ کفر کے اس فتوے سے محنت کشوں اور مذہب پرستوں

کے درمیان تصادم ہوا اور وہ لوگ اپنی موت مر گئے جو نہ مزدور تحریک کو نقصان پہنچانا اور محنت کشوں میں بددلی پھیلانا چاہتے تھے بلکہ مسلمان بھائیوں کو آپس میں لڑا کر انہیں کمزور کرنا چاہتے تھے۔

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ لیبر پارٹی کے نائب صدر کی حیثیت سے پارٹی نے مجھے یہ ذمہ داری سونپی کہ مولانا غلام غوث ہزاروی کے ہمراہ مختلف جلسوں سے خطاب کریں۔ اس طرح مجھے مولانا کی مشفقانہ رفاقت بھی میسر آئی اور بہت قریب سے دیکھنے کا موقع بھی ملا۔ چند واقعات پیش کر رہا ہوں۔

ایک دفعہ ہمیں گجرات کے ایک جلسے میں شرکت کرنی تھی۔ ہم لاہور سے بس میں سوار ہوئے۔ وزیر آباد بلکھو بس جب پہنچے تو آپ بس سے اتر گئے اور مجھے بھی بس سے اترنے کو کہا۔ وہاں ہم نے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد میں نے مولانا سے پوچھا کہ ٹکٹ تو ہم نے گجرات تک کا لیا تھا آپ یہیں اتر گئے۔ کہنے لگے بھئی مجھے شک تھا کہ بس لاہور میں چیک ہوتی ہے۔ مجھے یہ تو علم نہیں کہ کیا ہوتا لیکن ایک سیاسی کارکن کی حیثیت سے آنکھیں کھلی رکھنا ضروری ہیں۔ ہمیں سازشوں سے بچنے کے لیئے اس قسم کے بظاہر معمولی لیکن موثر اقدامات کرنے پڑتے ہیں۔ اب ہم دوسری بس میں گجرات چلے جائیں گے۔ یوں میں مولانا کی باریک بینی، دور اندیشی اور حاضر دماغی سے بہت متاثر ہوا۔

**غیر مسلموں پر ایثار** ایک مرتبہ مجھے مولانا صاحب کے ساتھ مولانا بجلی گھر کی انتخابی مہم کے سلسلے میں دسمبر میں پشاور جانا پڑا۔ لاہور ریلوے اسٹیشن پر شدید رش تھا۔ گاڑی میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ ہمیں بمشکل سرونٹ کمپارٹمنٹ میں فرش پر بیٹھنے کو جگہ ملی۔ جوں جوں گاڑی چلتی گئی سردی میں شدت پیدا ہوتی گئی۔ اسی ڈبے میں ایک انگریز جوڑا بھی سفر کر رہا تھا جن کا لباس سردی ڈھکنے کے لیئے

ناکافی تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر سردی روکنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے اور صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ سردی سے پریشان ہیں۔ مولانا نے اپنے جسم پر کمبل اوڑھ رکھا تھا۔ اچانک انہوں نے اپنا کمبل ان دونوں پر ڈال دیا۔ اور خود وظائف میں مشغول ہو گئے۔ صبح جب ہم پشاور پہنچے تو اس جوڑے نے وہ کمبل شکریے کے ساتھ مولانا کو لوٹا دیا۔ میں نے مولانا سے پوچھا کہ آپ کو بھی تو سردی لگ رہی تھی آپ نے وہ کمبل ان کو کیوں دے دیا۔ اس پر مولانا نے بتایا کہ میں نے قمیص کے نیچے روئی کی جیکٹ پہن رکھی ہے۔ یہ لوگ غیر مسلم ضرور ہیں لیکن ہیں تو انسان۔ اور انسانیت کا تقاضہ یہی تھا کہ میں ان غیر ملکی مہمانوں کی پریشانی میں ان کی مدد کرتا۔ دورِ حاضر میں ایثار کی ایسی مثال شاید خال خال ہی کہیں ملے۔

مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی قناعت پسندی اور ایثار کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ میں ہفت روزہ ترجمان کے دفتر گیا۔ مولانا اخبار کا اداریہ لکھنے میں مصروف تھے۔ انہوں نے ایک پاؤ دہی کی نمکین لسی جسمیں تقریباً تین چار سیر پانی تھا۔ بلکہ اگر میں کہوں کہ وہ لسی کم اور پانی زیادہ تھا تو بے جا نہ ہوگا۔ اور مولانا روٹی کا نوالہ منہ میں ڈالتے اور پانی نما لسی سے نگل لیتے۔ میں نے دیکھا تو کہا مولانا اتنی سردی میں پانی جیسی پتلی لسی سے روٹی کھا رہے ہیں۔ سالن منگوا لیا ہوتا۔ کہنے لگے طاؤس خان یہ لسی صحت کے لیئے بہت مفید ہے۔ یاد رہے مولانا صاحب اس وقت مغربی پاکستان اسمبلی کے ممبر تھے۔ اسی اثناء میں ایک عقیدتمند آیا اور ایک خوبصورت سفید اوڑھنی مولانا کے کندھوں پر ڈال دی۔ مولانا کام میں مصروف رہے۔ وہ شخص چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جمعیت کے ایک کارکن تشریف لائے۔ مولانا کے کندھوں پر پڑی ہوئی اوڑھنی کی تعریف کی اور کہا کہ مولانا جب میں جمعیت کے

دوروں پر جاتا ہوں تو مجھے بہت سردی لگتی ہے۔ آپ کی اپنی ایثار پسند طبیعت کے تحت وہ اوڑھنی اپنے کندھے سے اٹھا کر اس کے کندھے پر ڈال دی۔

بے نیازی اور احتیاط پسندی آپ کی طبیعت کے اہم جزو ہیں۔ یہ جون کا گرم مہینہ تھا۔ مولانا کو ضلع فیصل آباد کے دورے پر جانا تھا۔ میں مولانا کو ریل گاڑی پر سوار کرانے کے لئے جمعیت کے دفتر پہنچا۔ دیکھا کہ مولانا اپنے ہاتھ سے دھوئے ہوئے گیلے کپڑوں کو پہلے سے زیب تن خشک لباس پر پہن رہے ہیں۔ میں نے کہا مولانا ان کو خشک تو ہو لینے دیتے تو فرمانے لگے۔ گاڑی کی روانگی میں وقت بہت کم ہے۔ گرمی ہے۔ اسٹیشن تک پہنچتے پہنچتے ہی یہ کپڑے خشک ہو جائیں گے۔ اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ اسٹیشن پر مولانا نے ان کپڑوں کو اتارا اور بیگ میں تہہ کر کے رکھ لیا۔ گاڑی میں بہت رش تھا۔ ایم۔ ایل۔ اے ہونے کی وجہ سے آپ کے پاس فرسٹ کلاس کا ٹکٹ تھا لیکن انہیں بمشکل ایک ڈبہ میں کھڑے ہونے کی جگہ ملی۔ آپ نے کسی سے اپنی حیثیت کا تذکرہ نہ کیا۔ بلکہ کھڑے کھڑے آمادہ بہ سفر ہو گئے۔ مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں مولانا کو بتائے بغیر گارڈ کے پاس پہنچا۔ اسے تمام صورتحال سے آگاہ کیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ مولانا کو میرے لیے مخصوص ڈبے میں بٹھا دیں۔ میں مولانا کو وہاں لے کر پہنچا تو گارڈ اپنے ڈبے میں موجود نہ تھا۔ میں نے مولانا سے بیٹھنے کو کہا تو کہنے لگے کہ گارڈ سے پوچھ کر بیٹھوں گا۔ آپ کھڑے رہے۔ گارڈ آیا۔ اور آپ کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کہیں میرے بیٹھنے سے آپ کے فرائض کی ادائیگی میں خلل تو نہیں پڑے گا۔ جب اس نے یقین دلایا کہ ایسا نہیں ہوگا تب آپ اس کے ڈبے میں بیٹھنے کو آمادہ ہو گئے۔

مولانا غلام غوث غریب کارکنوں کا بہت خیال رکھتے تھے اور ان کے ساتھ محبت اور شفقت فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ہم بورے والا میں ایک جلسے میں شرکت کے لیے گئے۔ یہ بہت بڑا جلسہ تھا۔ اختتام پر بڑے بڑے امراء اور رؤساء نے یہ خواہش کی کہ مولانا انہیں شرفِ باریابی بخشیں۔ لیکن مولانا نے جمعیت کے ایک نہایت غریب کارکن کے ہاں جانا پسند فرمایا۔ جب ہم اس کارکن کے ہاں پہنچے تو اس نے مولانا کی مدارت کے لیئے بازار سے کچھ منگوانا چاہا۔ لیکن مولانا نے اسے منع فرمایا اور کہا گھر میں جو کچھ ہے لے آؤ۔ دراصل اس شخص کے گھر میں دال چنا پکی ہوئی تھی۔ اس لیئے وہ ہچکچا رہا تھا۔ مولانا کہنے لگے بھئی ہمارے ساتھ ایک مزدور لیڈر رہے۔ گھبرانے کی بات نہیں ہم وہی کھائیں گے جو گھر میں پکا ہوا ہے۔ وہ شخص دال لے آیا جو سب کے سامنے مولانا نے رغبت سے کھائی۔

مولانا غلام غوث ہزاروی جب بھی گھر سے باہر ہوتے تو اپنے تمام کام وہ اپنے ہاتھوں سے کرتے۔ کبھی کسی کارکن سے نہ کہتے۔ عقیدتمند اکثر یہ چاہتے کہ آپ کا کوئی کام کر دیں لیکن مولانا منع فرماتے اور کہتے کہ میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے اپنا کام انجام دیتے تھے۔ اگر ہمیں ان کی غلامی کا دعوٰی ہے تو ہم کو ان کے فرامین پر عمل بھی کرنا چاہیئے۔ ایک مسلمان کی دینی و دنیاوی کامیابی اسی میں مضمر ہے۔ اور خدا گواہ ہے کہ اپنی عملی زندگی میں انہیں باتوں کی وجہ سے وہ کامیاب و کامران رہے۔

# زعیمِ ملت مولانا غلام غوث ہزاروی مرحوم

اللہ تعالیٰ کے ایک مخلص بندے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جانثار خادم مولانا غلام غوث ہزاروی کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کی غرض سے جب قلم اٹھایا تو بہت سی باتیں اچانک نوکِ قلم پر آگئیں۔ اور ساتھ ہی وہ شعر میرے دل میں مچلنے لگا۔ جو مخدومی مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس وقت لکھوایا۔ جب ایک رسالے کے ہزاروی نمبر کے لئے ایک مضمون املا کروا رہے تھے۔ یاد رہے کہ یہ وہ وقت تھا جب مولانا بہت سے عزیزوں کی نگاہ میں معتوب تھے۔ اور اکابر اور بزرگ حالات کی ستم ظریفی کا بچشم خود تماشہ دیکھ کر بھی خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہے تھے۔ جو ایک المیہ سے کم نہ تھا۔

؎ میری وفائیں یاد کرو گے ✧ رو رو کے فریاد کرو گے

آہ ثم آہ! کہ اس مردِ وفا کو زندگی کے آخری ایام میں ہمارے قافلہ کے اکثر بڑے اور چھوٹے وہمرے سمیت، دکھ پہنچانے کا سبب بنے۔ وہ جس کی وفا کیشی اور ایثار پیشہ فطرت کے ہم سب گواہ تھے جس کی خود داری، غیرت اور قناعت کا ایک زمانہ معترف ہے جس نے اپنی بوڑھی ہڈیوں کو گھلا کر اسں پسماندہ ایک زدہ، معاشرہ میں علماء کا وقار بلند کیا۔ اور جس ایک بوریوں کو خاکِ فرش سے اٹھا کر عرش تک پہنچایا۔ اس کے دم واپسیں ہم نے، ہاں ہمارے بڑوں اور چھوٹوں نے اس کے لئے کہا تو یہ کہ وقت کے حکمران کا اسیرِ زلف ہے۔ اور اس نے اپنے اور اپنے خاندان کے فلاں فلاں کے لئے یہ اور یہ مراعات حاصل کی ہیں۔ لیکن وہ جب مقروض دنیا سے رخصت ہوا تو بہت سے بوالہوسوں کی آنکھیں کھلیں۔ اور لوگ ان کی معنوی دولت کا ان لوگوں کی دولت سے حساب لگانے لگے۔

جن کے اسلام آباد کے لاکھوں کے پلاٹ اور لاکھوں کے بنک بیلنس کا چار سو چرچا تھا۔ اور ہے۔ آج ہمارا گھروندا جس طرح "اجڑے دیار" کا منظر پیش کر رہا ہے۔ چار سو ایک آگ لگی ہوئی ہے۔ افتراق اور انتشار کا بازار گرم ہے۔ اصاغر کے ہاتھ اکابر کے گریبانوں تک پہنچ رہے ہیں۔ تو آخر یہ سب کیوں ہے؟ اگر وہ حدیث قدسی صحیح ہے۔ اور یقیناً صحیح ہے کہ

"میرے دوستوں کو دکھ پہنچانے والے میرے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جائیں"

تو پھر معاملات کو سمجھنا مشکل نہیں۔ شخصیت پرستی بھی بیماری ہیں نے ہماری پوری تاریخ کو داغدار کیا۔ اس کا آج ہم بری طرح شکار ہیں۔ اور ایسی اجتماعی کوششوں کو اس کے بھینٹ چڑھا چکے ہیں۔ جب کوئی اجتماعی سسٹم افراد کی قدر ہو جاتا ہے اور جماعتوں پر افراد غالب آجاتے ہیں۔ اور اصولوں کی جگہ شخصیات لے لیتی ہیں۔ حتیٰ کہ بعض افراد ہوا کے گھوڑے کی طرح بگٹٹ ہو جاتے ہیں۔ تو پھر جماعتی زندگی کا انتشار اور افتراق ایک لازمی حقیقت بن جاتا ہے اور ہم بدقسمتی سے آج اس کی مجسم تصویر ہیں۔

مولانا ہزاروی ایک متوسط درجے کے دینی گھرانے کے فرد تھے۔ انہوں نے طلاقائی مدارس میں تعلیم حاصل کی۔ اعزاز سے میٹرک پاس کیا۔ ان کے سکول کے اساتذہ واسی لائن میں ان کی مزید تعلیم کے خواہشمند تھے۔ لیکن مولانا کے والد نے فرمایا "جب درانتی تیز ہے تو اس سے گندم کاٹنے کا کام لوں گا" اور اسی جذبے سے مولانا وہاں پہنچے جہاں اس دور کا ہر ذہین طالب علم پہنچا تھا۔ دارالعلوم دیوبند علمی حوالے سے مرجع خلائق تھا۔ مولانا محمود حسن شیخ الہند رحمۃ اللہ تعالیٰ آزادیٔ وطن کے مشن پر عازم حرمین ہو چکے تھے۔ اور مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ جیسا عبقری اپنے استاذ کی جگہ لے چکا تھا۔ "انور شاہ" کے علوم کو دوران سبق بے تکان عربی میں منضبط کرنا غلام غوث کا کام تھا۔ اور اسی عرصہ میں جب ترکی مظلوم مسلمانوں کے لئے مدرسہ بند کر کے طلباء کی ملک بھر میں ڈیوٹیاں لگائی گئیں تو مولانا

سینکڑوں طلباء کے قافلہ سالار تھے۔ جمعیت طلباء کے بانی گویا وہی تھے۔ طلباء نے ہندوستان بھر میں اس طرح جدوجہد کی کہ لنڈن ٹائمز چیخ اٹھا کہ ""دیو بند کے ہزاروں مولوی ابابیلوں کی طرح انگریزی حکومت کے لیے خطرہ بن گئے""

دیو بند کی ایک سال تدریس کے بعد اساتذہ کے اشارہ پر حیدرآباد دکن جانا ہوا۔ امیر ترین ریاست کا نواب علمی ذوق و سلک کا مالک تھا۔ اس لیے علمی خرافات اور توہمات کا بچہ بازار سود دورہ تھا۔ نوجوان غلام غوث نے جس جرأت وعزیمت اور استقامت سے وہاں کام کیا۔ اس کے نقوش اس کی پوری زندگی میں نظر آتے ہیں۔ وطن واپسی ہوئی تو مانسہرہ سے زیدہ تک قادیانیت کے بڑھتے ہوئے فتنہ کا چند دوخاذ کی مخلوق کو ساتھ ملا کر قلع قمع کیا۔ یہ وہ دور تھا کہ علاقہ کے اہل دین ودانش اس نوجوان عالم دین کو جنون و پاگل پن کا طعنہ دیتے لیکن یہ صاحب جنون ایسا نہ تھا کہ ان طعنوں سے تنگ آکر اور اکتا کر خاموش بیٹھ جاتا۔ وہ زندان بادہ خوار کے دروازے پر گیا۔ اور انہیں تعاون پر آمادہ کر لیا۔ یوں ایک بار پھر حقیقت کھل کر سامنے آئی کہ

؎ کام اس فرقۂ زہد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی زندان قدح خوار ہوئے

مجلس احرار اسلام جیسی وفا شعار اور ایثار پیشہ کارکنوں کی جماعت سے ان کا ابتداء ہی سے تعلق رہا۔ وہ جماعت کے آل انڈیا نائب صدر قرار پائے۔ حضرت امیر شریعت جن چند حضرات سے محبت کے ساتھ احترام کا معاملہ بھی فرماتے ان میں چوہدری افضل حقؒ، اور مولانا حبیب الرحمٰنؒ کے بعد سب سے بڑھ کر مولانا ہی تھے۔ یوں ان کی زندگی کے شب وروز گذرتے رہے۔ اور اس جہان رنگ وبو میں ان کی خدمات کا سلسلہ رواں دواں رہا۔ تا آنکہ ۱۹۴۷ء آگیا۔ ۱۹۴۷ء میں بدیسی طاقتوں نے برصغیر کی تقسیم کا جو پلان بنایا تھا۔ وہ عملی روپ دھار گیا۔ اس وقت کم از کم چار کروڑ آج کم از کم اٹھ کروڑ مسلمان ہندوستان

میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نفرت کا شکار ہو گئے جب کہ لا الٰہ کے نام پر بننے والا پاکستان اس مقدس رشتہ کے حوالے سے پچیس سال بھی اپنی جغرافیائی حدود و سلامت نہ رکھ سکا اور یوں مولانا ابوالکلام آزاد سے لے کر امیر شریعت تک سبھی ارباب بصیرت کی پیش گوئیاں پوری ہو گئیں۔ ایک حریت پسند شاعر علامہ انور صابری تھے اس وطن کے لیے سالوں پہلے۔ تقسیم سے پہلے کہا تھا۔

پاکستان میں کیا کیا ہوگا — سر سے پاؤں تک دھوکہ ہوگا
چار طرف میخانے ہوں گے — گردش میں پیمانے ہوں گے
رندوں کی شمشیر کے نیچے — مذہب کے دیوانے ہوں گے

وہ بات پوری ہو کر رہی۔ اور بانی پاکستان نے دو قومی نظریہ کی بنیاد پر جیتی ہوئی جنگ اس وقت ۱۱ ستمبر ۱۹۴۷ء کو ہار دی جب انہوں خود ہی اس تصویر کو روک کے اب محض پاکستانی قومیت کا نعرہ لگایا۔ مسلم لیگ کے اکابر کے دامن میں ایک نفرت ہی سب سے بڑا سرمایہ تھی۔ اور اس نفرت کا سب سے بڑا ہدف اہل علم کا مقدس قافلہ تھا۔ صدر مسلم لیگ علی گڑھ سے کلکتہ تک یہی کہتے سنائی دیتے کہ معاشرہ پر مولوی کی گرفت ختم کر کے ہم نے سب سے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔ ان حالات میں مسلم لیگ سے امید خیر کا معاملہ بہت مشکل تھا۔ اس کے باوجود امیر شریعت جیسے حوصلہ مند لوگوں نے مسلم لیگ کو بقائے وطن اور استحکام وطن بقائے وطن کی پیشکش کی تو مولانا ہزاروی جیسے حضرات نے مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ کی قیادت میں مولانا شبیر احمد عثمانی کی جمعیت علماء اسلام سے باقاعدہ تعاون کیا تاکہ اس ملک کا بھلا ہو سکے۔ حالانکہ واقفان حقیقت خوب جانتے ہیں کہ ۱۹۴۵ء میں کلکتہ میں قائم ہونے والی جمعیت علماء اسلام مسلم لیگی وزراء کے چندوں اور کاوشوں سے معرض وجود میں آئی تھی۔ تاکہ پبلک سٹیج پر جمعیت علماء ہند اور احرار کا مقابلہ کیا جا سکے۔ ۱۹۵۷ء تک یہی شب و روز رہے حتیٰ کہ جمعیت محض اپاہج قسم کے لوگوں

٫۔ انجمن ستائش باہمی ہو کر رہ گئی ہے۔ اور چوہدری محمد علی جیسے نیک بند بیوروکریٹ کا دستور خلافت راشدہ کی تقدیس کے نام پر ملک پر مسلط ہونے والا ہے۔ اور مخلص جماعتی کارکن بکھر رہے ہیں۔ تو علماء نے تنظیم نو کی فکر کی۔ معتبر ذرائع کے مطابق میں نے یہ بات خود مولانا ہزاروی سے سنی۔ اس میں امیر شریعت کا اشارہ بھی شامل تھا۔ ملتان میں علماء کنونشن ہوا۔ ۔۔۔ مولانا خیر محمد اور مولانا داؤد غزنوی اس مرحلے پر بھی سرگرم رہے تاکہ جمعیت پر مدنی تھانوی چھاپ نہ لگے۔ اور اہل علم مل کر ملک کے کھیون ہار ہونے کا کردار ادا کر سکیں۔ لیکن افسوس کہ ان دونوں بزرگوں کی سعی ارباب کراچی کی سرد مہری کے سبب کامیاب نہ ہو سکی اور یوں اس وقت کے مغربی پاکستان کے جمعیت کے امیر مولانا احمد علی قرار پائے۔ جبکہ انہوں نے یہ عہدہ مولانا ہزاروی کی نظامت کی شرط پر قبول کیا۔ مولانا احمد علی نے اپنی نگاہ بصیرت سے اس جوہر قابل کو پہچان لیا تھا۔ اس لیئے آپ پر اتنے اعتماد کا بھروسہ کیا کہ اپنی امارت ان کی نظامت کی شرط سے وابستہ کر دی۔ اور پھر دنیا جانتی ہے کہ مولانا نے حضرت الامیر کے اعتماد کی کس طرح لاج رکھی اور کس طرح گلی گلی قصبہ قصبہ پھر کر جمعیت کو منظم کیا۔ اگر سکندر مرزا جیسے بدکردار حکمران جو ایران صفوی حکومت کے احیاء کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اور اہل سیاست کی نااہلی کے سبب ۱۹۵۸ء کا مارشل نہ لگتا تو ۱۹۵۹ء میں ہونے والے انتخابات میں صورت حال مختلف ہوتی۔ اور جمعیت بہت سی طاقتوں سے بڑی طاقت بنتی۔ ایوبی مارشل لاء کے زمانہ میں جمعیت کو مولانا لاہوری قدس سرہٗ کے سانحۂ ارتحال کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ تو قدرت نے ان کی جگہ اسی علمی و روحانی خانوادے کے تربیت یافتہ ایک ایسے شخص کو امارت کے مقام پر فائز کیا جسے کل بھی مجذوب کہا جاتا تھا اور آج بھی۔ لیکن جماعتی زندگی کے بعض اہم فیصلے ایسے تھے کہ اس مجذوب کی رائے صحیح ثابت ہوئی۔ مثلاً ایوب خان کی آئینی ترمیم میں ووٹ ضیاء الحق کے دور کے پہلے بلدیاتی الیکشن کا بائیکاٹ اور ضیاء ہی کی فوجی حکومت میں

وزارتی نمائندگی جس کے زخم چاٹنے کے لیے بھی ایم۔آر۔ڈی کا سہارا لیا گیا۔ حتیٰ کہ جماعت
دولخت ہو کر تماشہ بن گئی۔ یہ سب شاخسانے اجتماعیت کے برعکس شخصیت کو سر پر چڑھانے
کے تھے۔ اصول دم توڑ گئے۔ شخصیتیں جوان ہو گئیں۔ اس بے راہ روی کا راستہ کون روکتا۔ جب
غریب کارکنوں نے آواز بلند کی ان کی نحیف آواز کو بے ادبی اور گستاخی کا طعنہ دے کر دبا
لیا گیا۔ اور جماعتی اکابر خود بھی چپ سادھے دیکھتے رہے۔ حتیٰ کہ آسمان نے ہماری
نامرادی کا فیصلہ کر دیا۔ مجذوب درخواستی جنہیں ہمارے شاعر حق ورِدیستی کی تصویر کہتے
نہ تھکتے تھے ان کی امارت اور مولانا ہزاروی کی نظامت نے جمعیت کو اس مقام پر لاکھڑا کیا۔
کہ مشرقی پاکستان کے علماء جو نظام اسلام پارٹی سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے قافلے سے کٹے
اور یوں جمعیت پورے ملک میں پھیل گئی۔ جماعتِ اسلامی جیسی انتہا پسند جماعت کے طرز
عمل کے نتیجے میں اور فوجی حکومت کے ناعاقبت اندیشانہ پالیسی کے سبب ملک ٹوٹا اور محض
مغربی بازو پاکستان رہ گیا۔ تو جمعیت کے تدبر کا امتحان تھا۔ مولانا آزاد، مولانا مدنی اور
شاہ جی جیسے اکابرین کا تربیت یافتہ غلام غوث اس وقت کی پی پی پی حکومت کے تعاون
کی ڈالے رکھتا تھا۔ لیکن صوبائی عصبیت کا شکار بعض جماعتی راہنما ولی خان کی سیاست کا
شکار ہو کر نہ صرف ایک صوبہ میں محدود ہو گئے۔ بلکہ بے موقع لڑائی چھیڑ کر ملک کو اس مقام
تک پہنچا دیا کہ صدیوں کی محنت شاید اس کا مداوا نہ کر سکے۔ ستم یہ ہوا کہ ولی خان کے نمائندے
ارباب سکندر خان خلیل سے ایک ہوٹل میں صوبائی حکومت کا معاملہ طے کر کے اس کا ملبہ
مظلوم غلام غوث پر گرانے کی سعی کی گئی۔ اور ولی خان کے مطالبہ پر جماعتی عہدہ چھوڑ کر
دستور کو پامال کیا گیا۔ اور جب مولانا ہزاروی نے جماعتی عہدہ سنبھال کر ولی خان کی
بلوچستانی شاخ کو معاہدۂ حکومت کے پابند رہنے کے لیے للکارا تو وزیر اعلیٰ سرحد
کے بہی خواہ لنگر لنگوٹ کس کر میدان میں آگئے۔ اور سازش در سازش کا رویہ اختیار کر کے
بوڑھے ہزاروی کو اٹھا کر جماعت سے باہر کیا گیا۔ جو اکابر کے جگر برگ اور نونہال کی کوٹھیاں ہیں

مقیم رہتے اور ان کی آنکھوں کے سامنے رنگ محل کے دفتر میں بوڑھے ہزاروی پر بعض نوخیز کارکنوں سے حملہ کرایا گیا۔ یہ وہی دفتر تھا جسے ہزاروی کی استقامت نے وہ مقام بخشا تھا کہ قیوم سے غلام غوث تک اور ولی خان سے پروفیسر غفور احمد اور اصغر خان تک سبھی یہاں سلام کرنے آتے اور سیاسی راہنمائی حاصل کرتے۔ وہ دفتر ہزاروی کے لیئے بند ہو کر رہ گیا۔ لیکن جانتے ہو کہ اس کے بعد کیا حشر ہوا کہ کھولنے کی نوبت ہی نہ آئی۔ وہ ایک اجڑا دیار اور ویران مزار بن کر رہ گیا۔ جماعتی علم اب لہراتا ہے لیکن اس طرح جس طرح قبر پر رنگ برنگے کپڑے۔ اور ترجمان اسلام جو اس بوڑھے کی محنت سے ہزاروں کی تعداد میں چھپتا کر اب اس حال میں ہے کہ بس ڈیکلریشن بچانے والی بات ہے۔ (فیا حسرتا)۔

جن لوگوں نے مولانا ہزاروی اور بھٹو کے پیار والے افسانے گھڑے۔ انہیں اور ان کے ناواقف مخالفین کو بھٹو کی بیگم اور بیٹی کی قیادت میں کام کرنے پر مجبور کر دیا۔ اور یوں اس قہار و جبار رب نے اپنے ایک عاجز بندے کی مظلومیت کا بدلہ چکا دیا۔ ۱۹۶۵ء کے صدارتی انتخابات میں جن مدعیانِ دین نے مسٹر جناح کی ہمشیرہ مس جناح کے انتخاب کے لیئے شرعی دلائل فراہم کیئے تھے۔ وہ آج بھٹو کی بیٹی کے اقتدار کو جو کفر و حرام ثابت کرتے ہیں تو ان کی عقلوں پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے۔ لیکن سب سے بڑھ کر افسوس ان حضرات پر جو جمعیت کے آج وارث ہیں۔ لیکن جماعتی روایات سے غافل۔ جماعتی روایت ۱۹۴۶ء سے ۱۹۷۰ء تک یہی تھی جمعیت نے اپنے قد کاٹھ کے حوالے سے جنگ لڑی۔ اور ۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۶ء تک جمعیت کبھی قومی اور کبھی اسلامی اتحاد کی رسیوں میں بندھی قوا ہے الیکشن میں استعمال تو کیا گیا لیکن الیکشن میں اس کا حق کبھی نہیں دیا گیا۔ ۱۹۷۰ء میں اس بوڑھے جرنیل کی قیادت میں جمعیت نے جو رول ادا کیا اور جس طرح وہ آسمانِ سیاست پر ابھری۔ اس کا بہت سوں کو غم

ـــــــــــــــــــ

۱ اب تو وہ دفتر بھی ختم ہو گیا۔

تھا۔ بالخصوص پاکستان کی بانی جماعت اور اس ملک میں اسلام کی اجارہ دار جماعت۔ ان دو جماعتوں کو شدید صدمہ تھا۔ اور تیسرے درجے میں ہماری نوابھی صوبائی حکومت کے حلیف بھی کم صدمہ کے شکار نہ تھے۔ ان مختلف قوتوں نے باہمی اتفاق سے حادثاتی طور پر ترقی کرنے والے رہنماؤں کو جس نے اپنے نرغہ میں لے کر اور ان کی رائے پر غالب آ کر اپنوں ہی سے لڑا دیا۔ اور برخورداروں کے ہاتھوں باکردار بزرگوں کی کردار کشی کرائی۔ وہ ایک المناک باب ہے۔ اور شاید اس کے الم تشریح ہونے کا وقت ابھی نہیں آیا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ایسا بہت جلد ہوگا۔ اور لوگوں کو معلوم ہو سکے گا کہ غلام غوث کے خلوص اور اخلاص نے جن کو خدائی کا مقام بخشا تھا۔ وہ بت خانے میں جب بھگوان بن کر بیٹھ گئے تو اپنی حیثیت بھول گئے۔ اور بہت سے وہ لوگ جنہیں غلام غوث نے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا اور منہ میں الفاظ ڈال کر گفتگو کا سلیقہ بخشا وہ سب طوطا چشم ثابت ہوئے۔ اور آج جب جماعتی تاریخ کے حوالے سے بات کی جاتی ہے تو مولانا کا نام لیتے ہوئے لوگ اس طرح شرماتے ہیں جس طرح کنواری کنیا اپنے پیتم کا نام لیتے لجاتی ہے۔

عزیز دا میرے نزدیک جمعیت کا ایک دور ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۶ء تک کا ہے جب اس کا مقصد خداوندان مسلم لیگ کو سپورٹ کرنا تھا۔ دوسرا دور ۱۹۵۶ء سے ۱۹۸۰ء تک کا ہے۔ جب اسے مولانا لاہوری اور مولانا درخواستی کے علاوہ غالب وقت مولانا ہزاروی کی قیادت میسر رہی۔ یہ وہ دور تھا جب جمعیت آسمان سیاست کا درخشندہ ستارہ تھی۔ اسے قائد منصور ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اجتماعی زندگی میں اس کی رائے کا وزن تھا۔ اس کی اہمیت تھی۔ اور اس کے بعد اب جمعیت کا معاملہ ایسا ہے کہ ہر چند کہیں ہے کہ نہیں ہے" والی بات ہے۔ ۱۹۸۰ء کی قیادت کے حوالہ سے ہمارے بعض دوستوں نے کہا کہ مولانا شیخ الہند محمود حسن کے بعد اب اجتماعی قیادت علماء کے حصہ میں آئی۔ لیکن کیا کہنا صحیح نہیں کہ یہ محض شخصی وجاہت کی بات تھی۔ اجتماعی اور جماعتی وجاہت کی نہیں۔

اس دور میں ہماری بے چارگی کا یہ حال تھا کہ دور دور تک ہماری سیکنڈ لائن تھی۔ نہ ہمارے کارکنوں کی ایثار و جرات کا کوئی صلہ بلکہ آج کے نوجماعتی اتحاد کی طرح اس نوجماعتی اتحاد کی حلیف جماعتوں اور ان کے کارکنوں کی طرف سے ہر زیادتی کی شکایت پر ہماری قیادت نہیں ہی کوستی۔ جبکہ اکثر جماعتیں تو محض نام کی جماعتیں تھیں۔ اور بعض ایسی تھیں کہ ۱۹۷۷ء کی تحریک میں ستر فیصد ہمارے کارکنوں کے خون نے انہیں نئی زندگی بخشی۔ لیکن خود ہم پر موت کا سایہ طاری ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ ضیاءالحق نے بہت سوں کی طرح جب ہم کو بھی گنڈیری کی طرح چوس کر پھینک دیا۔ اور بھٹو کی پھانسی میں ہمیں عملاً شریک کرنے کے بعد ایوان سے نکال باہر کیا۔ تو اب ہم پھر اتحاد کی ڈگڈگی بجانے چلے۔ اتحاد ہو گیا لیکن جماعتی قتل کے بعد۔ اب جو صورتِ حال پیش آئی تو یہ ایک عبرتناک تماشہ تھا۔ غلام غوث کی بے چارگی پر اپنی بڑائی کے اثرات استعمال کرنے والے بزرگ چھوکروں کی کہہ مکرنیوں کا شکار رہ گئے۔ اب کی بات ہے تو اس پر کچھ عرض نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ دونوں طرف قیادت کے حوالے سے جو رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ ان پر لازم ہے کہ وہ خود دس پندرہ سال کسی صاحبِ درد کے جوتے سیدھے کریں۔ کسی اکادمی سے سیاستِ عالم کا درس لیں۔ پھر اس میدان میں آئیں۔ آج سندھ جمعیت کو پوری طرح مسترد کر چکا ہے۔ تو علاقائی تعصبات کے حوالے سے بلوچستان میں کسی قدر کامیابی میسر آئی۔ نوٹ کر لیں۔ کہ آخری کامیابی ہے۔ شاید اس کے بعد یہ موقع نہ آسکے۔ سرحد جو ہمارے قدآور اکابر کی نوماہی حکومت کا مزہ چکھ چکا تھا۔ اس میں فریقین کی کامیابی باعثِ شرم ہے۔ اور ہر دو گروپ کے حالات کے سبب وہاں کے دیندار لوگ منصورہ شریف کے مقاصد کے لیے استعمال ہو رہے ہیں۔ اور عورت کی سربراہی کے کفر، کو مٹانے کے لیے منصورہ کی دعوتوں پر پشاور سے لاہور موچی دروازہ تک سرگرم عمل ہیں۔ یہ ہر ایک کی اپنی

سوچ کا معاملہ ہے۔ اور ہم کسی کو مشورہ دینے والے کون ہیں۔ لیکن مؤرخ کا قلم
یہ ضرور لکھے گا کہ [illegible] میں جمعیت قائم ہوئی تھی۔ اور جس نے اپنا وجود منوایا تھا۔
علماء کے وقار کو بلند کیا تھا۔ اور دینی کارکنوں کی ایک کھیپ تیار کی تھی۔ وہ
مولانا غلام غوث کے سیاسی قتل کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔ اس شریف انسان
نے اپنے سیاسی قتل کا صدمہ برداشت کر لیا۔ لیکن اپنی مخلصانہ سوچ پر سودے
بازی نہیں کی۔ وقت کی بوقلمونیوں نے وقتی طور پر اسے پس منظر میں دھکیل دیا۔
لیکن "مسلم لیگ زدہ معاشرہ" میں آج جس طرح لوگ حسین احمد مدنیؒ، ابوالکلام
آزاد اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہم اللہ کو یاد کر رہے ہیں۔ اسی طرح مولانا ہزاروی
کی وفاؤں کو یاد کیا جائے گا۔ اور کیا عجب کہ "بفہ" کے عمومی قبرستان پر جا کر لوگ
معافی چاہیں۔ ایسا کرنے سے اب بھی چمن میں رونقِ بہار آ سکتی ہے۔

# خادمِ اسلام

## سعید الرحمٰن علوی

میں نے بچپن ہی میں جن محترم بزرگوں اور علماء کا ذکر اپنے گھر میں بڑے احترام سے سنا۔ ان میں مولانا غلام غوث ہزاروی بھی تھے۔ میرے والدِ گرامی مولانا محمد رمضان علوی تو انہیں احتراماً چچا کہتے تھے۔

خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں ضلع میانوالی کے بانی مرشد العلماء مولانا احمد خان قدس سرہٗ کے خلیفہ مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی تھے۔ مولانا احمد خان صاحبؒ سے ان کا نہ خاندانی تعلق تھا نہ علاقائی۔ وہ دیوبند کی تعلیم کے زمانے میں اپنے استاذ امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی رہنمائی سے مولانا کے حلقۂ ارادت میں ایسے شامل ہوئے کہ انہی کے ہو کر رہ گئے۔ اور ان کی وفات کے بعد ان کی تحریری وصیت کے مطابق ان کے جانشین قرار پائے۔ بعض حضرات نے اس تحریری وصیت نامہ کو اڑانے یا اس میں تحریف کرنے کی سعی کی لیکن ناکام رہے۔ اور مولانا محمد عبداللہ اپنے مرشد کی مسند پر پندرہ، سولہ برس بیٹھ کر خدمت کرتے رہے۔ ان کا دور بلاشبہ سنہری دور تھا۔ سلسلہ کی بے پناہ خدمت کے ساتھ حریت و جہاد کے میدان میں بھی انہوں نے بڑی خدمات سرانجام دیں۔ اور اس مقدس خانقاہ کی عظیم روایات کی بڑی خوبی سے پاسداری کی۔ ۱۹۵۶ء میں ان کا انتقال ہوا تو وہ موجودہ زیب سجادہ مولانا خان محمد مدظلہم کے نام قرعہ فال نکلا جو مولانا محمد عبداللہ صاحب کے سب سے معتمد اور مخلص ارادتمند تھے۔ اور مرشدِ گرامی کے محرمِ راز۔ مرشدِ گرامی نے یہ محسوس کر کے کہ یہ عزیز نوجوان اس خانقاہ کی روایات کی محافظت کرے گا اور یہاں کے حلقہ کو مزید وسعت دے گا۔ اسے اپنی جانشینی کے لیے نامزد کر دیا۔ اور اس کا واضح اشارہ کر دیا جس کا علم خانقاہ شریف کے ہر شخص کو تھا۔ لیکن بعض عناصر نے پھر اس موقع پر بدمزگی

پیدا کی جس کی کہ مولانا خان محمد کو وقتی طور پر خانقاہ شریف سے اٹھا کر قریب ہی اپنے گاؤں میں ڈیرا ڈالنا پڑا۔ اس موقع پر جو اکابر علماء خانقاہ شریف کی عظمت کے لیئے سینہ سپر ہو کر سامنے اٹھے اور اپنے قول و کردار سے اس بکھری مجلس اور اجڑے دیار کی بار دیگر تعمیر و ترقی اور استحکام کے لیئے جاندار رویہ ادا کیا۔ ان میں مولانا ہزاروی سر فہرست تھے۔ اور خانقاہ شریف کے ایک اجتماع میں علماء و صلحاء کی بڑی تعداد موجود تھی۔ انہوں نے ایک ایسا خطبہ دیا جس نے سب کو ہلا کر رکھ دیا۔ اور خانقاہ شریف کی مرکزیت کو چیلنج کرنے والے دم بخود رہ گئے۔

ہم اس زمانے میں سکول ابتدائی کلاسز کے طالبعلم تھے۔ لیکن گھر میں دین، دینی روایات اور دینی اکابر کا چرچا تھا۔ دادا مرحوم حضرت الحاج الحافظ غلام یاسین اور والد گرامی مولانا محمد رمضان رحمہما اللہ ہر دو خانقاہ شریف سے وابستہ تھے۔ وہ مزے لے لے کر اس تقریر کا ذکر کرتے جس میں مولانا ہزاروی نے انتشار پسندوں کو للکارا تھا۔ ان کی تقریر کا خلاصہ کچھ اس طرح کا تھا۔

" حجاز مقدس سے نکلنے والے اس قافلے نے بہت سی جگہوں پر پڑاؤ کیا۔ حجاز کے بعد مشرق وسطی اور وسطی ایشیا کے خطوں میں قدم قدم پران بزرگوں کے آثار نظر آتے ہیں۔ لیکن اس عظیم تاریخی سفر میں جو مقام سرہند کی بستی کو میسر آیا۔ اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس کے بعد پھر اس قافلہ کے راہرو اپنے قائدین کی قیادت میں دہلی، مدینہ منورہ، موسی زئی شریف سے ہوتے ہوئے یہاں پہنچے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے لیئے اصل سوال جگہ کا نہیں، مکان کا نہیں مکین کا ہے۔ آج مولانا خان محمد صاحب اس قافلہ کے سالار اور اس بزم کے صدر نشین ہیں۔ اگر ان کے لیئے خانقاہ شریف کا قیام ممکن نہ رہا تو ہمارے لیئے یہاں کوئی دلچسپی نہ ہوگی۔ جہاں وہ ہوں گے وہاں ہم ہوں گے "

اس تقریر کو اپنے باپ دادا کی زبان سے ہم نے کئی مرتبہ مزے لے لے کر سنا۔ پر ابھی تک مولانا کو دیکھا نہ تھا۔ حتی کہ سکول کی تعلیم کو خیر آباد کہہ کر ہم درس نظامی کی تکمیل کے لیئے ملتان سدھار گئے۔

اور مادرِ علمی مدرسہ خیر المدارس میں قیام پذیر ہو گئے۔ مدرسہ خیر المدارس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (تھانہ بھون) کے خلیفہ راشد استاذنا واستاذ العلماء مولانا خیر محمد کی نگرانی میں سرگرمِ عمل تھا۔ جالندھر میں اس مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی۔ متکلمِ اسلام مولانا محمد علی جالندھری اس سلسلہ میں مولانا خیر محمد کے دست و بازو تھے۔ اور انہی کی تحریک پر مولانا خیر محمد تقسیم کے بعد ملتان تشریف لائے۔ مولانا المحترم اپنے حلقہ کی روایات کے برعکس حد درجہ متوازن اور معتدل مزاج کے مالک تھے۔ حلقہ دیوبند کی تمام علمی شخصیات اور مشائخ طریقت سے ان کے برابر کے تعلقات تھے۔ اور وہ سب بھی ان سے حد درجہ محبت، پیار اور اخلاص کا برتاؤ کرتے۔

ہم وہاں داخل ہوئے تو ایوب خان کا مارشل لا پورے قہر و جلال کے ساتھ ملک پر مسلط تھا۔ ایوب خان اس ملک کے قابلِ احترام سیاستدانوں کو ذلیل کرنے کے ساتھ اسلام کی درستگی و اصلاح میں بھی لگے ہوئے تھے۔ رسوائے زمانہ عائلی قوانین جیسے قوانین سامنے آ چکے تھے۔ طرفہ تماشہ یہ تھا کہ جماعتِ اسلامی سمیت ہر جماعت ایوب خان کے خوف سے بلوں میں گھسی ہوئی تھی۔ لیکن مولانا ہزارویؒ اپنے عظیم رہنما مولانا احمد علی لاہوریؒ کی قیادت میں جمعیت علماء اسلام کے پورے نظام العلماء کا نام دے کر مصروفِ جہد تھے۔ اسی ضمن میں وہ ملتان تشریف لائے مرحوم مفتی محمود ملتان کے مدرسہ قاسم العلوم کے محض ایک مدرس تھے۔ اور مولانا ہزارویؒ انہیں انگلی پکڑ کر چلانا سکھلا رہے تھے۔ اس حوالے سے ان کا اکثر ملتان آنا ہوتا۔ وہ بے نفس تھے، بے غرض تھے۔ چھوٹوں کی تربیت ان کی روایت تھی۔ امامت کے اسرار و رموز سکھلاتے وہ اکثر مفتی صاحب کے پاس آتے اور جب آتے تو خیر المدارس کا چکر لگاتے اور حضرت مولانا خیر محمد سے ملتے جو ان سے بہت ہی محبت کا برتاؤ فرماتے۔ یہیں ہم نے ان کی پہلی مرتبہ زیارت کی۔ اپنے برادرِ گرامی مولانا عزیز الرحمٰن خورشید (جو اس وقت ابا جان کے بعد خاندان کے سربراہ ہیں) کے ساتھ میں بھی

زیر تعلیم تھا۔ دوپہر کو اسباق ختم ہو لئے تو مدرسہ کی قدیم عمارت کے دالان میں نائب مہتمم صاحب کے کمرہ کے ساتھ ایک خضر صورت بزرگ کسی سے باتیں کرتے نظر آئے۔ تصویر کے حوالے فوراً پہچان کر خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ بتایا کہ ہم حافظ محمد رمضان صاحب کے بیٹے ہیں۔ (مولانا سمیت اکثر بزرگ اباجان کو حافظ صاحب کہہ کر پکارتے) بہت خوش ہوئے۔ دعائیں دیں۔ محنت سے پڑھنے کی تلقین کی اور جلدی کے پیش نظر تشریف لے گئے۔ اسی دوران وفاق المدارس العربیہ کی تنظیم کا سوال سامنے آیا۔ مدرسہ خیر المدارس ملک بھر کے علماء کا میزبان تھا جس کے مہتمم مرشد تھانوی کے عقیدتمند تھے۔ لیکن افسوس کہ مرشد تھانوی کے باقی تمام ارادتمندوں نے ابتداء ہی میں اس کا بائیکاٹ کر دیا۔ اور اس کے بعد اس پر ایسے ادوار آئے کہ اب وہ ایک مقدس یادگار تو ہے اور کچھ نہیں۔ وفاق کے اس حال تک پہنچنے کے جو اسباب ہیں ان سے ہم خوب واقف ہیں۔ لیکن اس تحریر میں ان کا ذکر مناسب نہیں۔ اس لئے ہم سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے یہ بتانا چاہیں گے کہ اس موقع پر ملک بھر کے علماء کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تو مولانا کی زیارت کے ساتھ کسی قدر خدمت کا بھی۔ کیونکہ میزبان مدرسہ نے از راہ کرم جن طلباء کو خدمت کیلئے چنا تھا۔ ان میں ہم دونوں بھائی شامل تھے۔ وفاق کی سالِ آئندہ کی میٹنگ بھی وہیں ہوئی۔ اور ہم نے پھر ان کی خدمت کی سعادت حاصل کی۔ حتیٰ کہ ہم اپنی خرابیٔ صحت کی بناء پر سرگودھا منتقل ہو گئے۔ استاذ شفیق مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ بانیٔ مدرسہ سراج العلوم سرگودھا خانقاہ سراجیہ کے فیض یافتہ اور امام العصر سید انور شاہ رحمۃ اللہ کے نہایت ذہین اور ہونہار شاگرد تھے۔ ان کا مدرسہ علوم اسلامیہ کی درسگاہ تھی تو سیاسیات طلبہ کا مرکز بھی۔ قادیانوں اور اس قسم کی بیماریوں کے مارے ہوئے ضلع میں مفتی صاحب نے ایک مجاہدانہ رول ادا کیا۔ اور ہر سال جیسے حب جاہ کے مریضوں کا جادو چلنے نہیں دیا۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے حوالے سے منیر رپورٹ میں ان کے عظیم کردار کا ذکر ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ قرون سابقہ کے مجاہد عالم تھے۔ ایوبی مارشل لاء کے اختتام پر ہم وہیں زیر تعلیم تھے جمعیۃ

علماء اسلام کی بحالی کا اعلان ہوا تو چند دن بعد جمعیت کا پہلا عوامی اجتماع سرگودھا میں ہوا۔ کمپنی باغ کا یہ اجتماع ایک مثالی اجتماع تھا۔ جس میں مولانا ہزاروی اور مولانا مفتی محمود شریک ہوئے۔ مولانا راولپنڈی سے صبح ہی صبح سرگودھا پہنچ گئے لیکن اس طرح کہ ہماری طرح کے ارادتمند اسٹیشن پر انہیں جناب ایکسپریس میں تلاش کرتے رہے۔ اور وہ خاموشی سے دوسری طرف سے نکل کر ریل عبور کر کے تانگہ میں بیٹھ کر مسجد پہنچ گئے۔ مفتی صاحب مرحوم کے بعض علاقائی عقیدتمندوں نے اصرار کیا کہ ان کی تقریر بعد میں ہو۔ مولانا نے لگ بھگ دو گھنٹے تقریر کی۔ تقریر کیا تھی ایک سیل رواں تھا۔ جس کے بہاؤ میں ایوب خان سے مجاہد اسلام تک سب تنکوں کی طرح بہہ گئے۔ اور حد نظر تک پھیلا ہوا مجمع صمت کے مصداق اس طرح بیٹھا ہوا تھا گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ ان کے بعد مفتی صاحب کی تقریر ہوئی تھوڑی دیر بعد لوگوں نے اٹھنا شروع کیا۔ اور تقریر کے بعد مجمع آدھا رہ گیا تھا۔ چونکہ اس موقع پر مولانا چوبیس گھنٹے سے زائد وقت سرگودھا میں مقیم رہے۔ اس لیے انہیں بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ایک دن قبل راولپنڈی میں ہمارے والد گرامی ایک حادثہ کا شکار ہو گئے تھے۔ جس کی اطلاع ہمیں رات کو دیر میں ملی۔ اس وقت فون کی سہولتیں زیادہ نہ تھیں۔ بڑی مشکل سے پنڈی رابطہ ہوا۔ ابا جان نے تسلی دی اور فرمایا کہ مولانا ہزاروی تشریف لائے تھے۔ اب وہ سرگودھا آرہے ہیں وہ تمہیں پوری طرح یقین دلا دیں گے۔ سرگودھا آمد پر مولانا نے فرمایا حافظ صاحب کے حادثہ کا علم ہوا ویسے بھی جانا ضروری تھا۔ لیکن سرگودھا آنے کے پیش نظر ان سے ملنا اور ضروری ہو گیا کہ آپ کو اطمینان دلا سکوں۔ پھر فرمایا مسجد میں بجلی کا کام کراتے کراتے جھٹکا لگ گیا۔ چند لمحوں بعد ہوش میں آگئے۔ میں گیا تو خوش و خرم تھے۔ خود چائے پلائی۔ آپ کے لیے تسلی کا پیغام دیا۔ مولانا ہزاروی کی عظمت کردار کا یہ گویا پہلا نقش تھا جس نے ہمیں بہت متاثر کیا۔ ہم جیسے غریب کارکنوں کے لیے اتنی سردردی کون مول لیتا ہے۔ ہم نے اپنی عملی زندگی میں آئندہ جو کچھ دیکھا اس کے سبب کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ وراثت پیغمبر اسلام کے

دعویدار غریب کی کٹیا میں قیام کرنے کو راضی نہیں۔ اور ایئر کنڈیشن کے بغیر نیند نہیں آتی۔ جب کہ اب تو جو حالات ہیں ان سے آنکھیں شرم سے جھک جاتی ہیں اور صاحبزادگان کی فوج ظفر موج کے کرتوتوں کے سبب دل چاہتا ہے کہ سر دیوار سے پھوڑ لیا جائے۔ ایک وہ شخص تھا جسے ہم نے ہمیشہ ایک ہی حال میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ اسے کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

ابا جان ۱۹۶۱ء میں راولپنڈی میں مقیم ہوئے۔ اس سے قبل وہ دس برس مری میں ملٹری کے امام و خطیب رہے۔ جو عرصہ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۱ء تک کا ہے۔ اس دوران کا اہم واقعہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت ہے۔ جس میں ابا جان کے کردار و عمل کی داستان ان کی سوانح حیات کا حصہ ہے۔

بعد میں ۱۹۵۶ء میں جمعیۃ علماء اسلام کا از سر نو احیاء ہوا۔ اور مولانا احمد علی لاہوریؒ نے مولانا ہزارویؒ کی نظامت کی شرط پر امارت قبول کی تو مولانا نے مری میں ابا جان کو تمام ذمہ داری سونپی۔ مولانا کو جو اعتماد تھا اس کے پیش نظر انہوں نے ذمہ داری سونپی تو ابا جان نے اس امتحان پر پورا اتر کر ایک مثال قائم کی۔ ملٹری کے خطیب کی رہائش گاہ، ایک طرح علماء اور سیاسی کارکنوں کا مرکز تھی۔ پورے علاقے کے دشوار گذار راستے طے کر کے انہوں نے ہر ہر گاؤں میں جمعیت کے یونٹ بنائے اور ترجمان اسلام کو گلی گلی پھیلایا۔ جس کا بنڈل براہ راست ان کے نام آتا۔ بڑی تعداد میں آنے والے رسالہ کو تقسیم کرنا۔ بل وصول کرنا اور دفتر کو ارسال کرنا ان کی ذاتی ذمہ داری تھی۔ اور الحمدللہ وہ ملک کے چند مخلص، باہمت اور خاموش کارکنوں میں سے ایک تھے۔ جن کے ذمہ دفتر کا ایک پیسہ کبھی ادھار نہ رہا۔ جبکہ ترجمان اسلام کے بعض منہ چڑھے ایڈیٹروں سے لیکر بڑے بڑے اکابر تک اس غریب جماعت کے غریب رسالہ کے ہزاروں روپے ڈکار لئے بغیر رخصت ہو گئے۔

مولانا ہزارویؒ ابا جی کے کردار و عمل کے بے حد معترف تھے۔ اور ہمیں اکثر فرماتے کہ عملی زندگی میں اپنے والد حافظ صاحب کے کردار کو سامنے رکھیں۔ اور ان کی روایات کو اپنائیں۔

احقر چونکہ بچپن سے بیماری کا شکار رہا ہے۔ اس لئے بدقسمتی سے ایک جگہ ٹک کر

اپنی تعلیم مکمل نہ کر سکا۔ سرگودہا سے راولپنڈی مولانا عبد الحکیم مرحوم و مغفور کے مدرسہ میں چلا گیا۔
جہاں استاذی مولانا محمد عثمان ہزارویؒ کا وجود میرے لیے نعمت غیر مترقبہ تھا۔ حضرت مدنی، شیخ الحدیث
مولانا محمد زکریا اور مولانا بنوری رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اساطین ملت کے فیض یافتہ، میرے ایک
مخلص دوست، شفیق و مہربان استاذ، مشکوٰۃ شریف کی تکمیل میں نے وہیں کی اور دورۂ حدیث
کے لیے گوجرانوالہ آ گیا۔ جہاں محقق عصر مولانا محمد سرفراز خان صفدر، ماہر فلسفۂ ولی اللّٰہی
مولانا صوفی عبد الحمید اور مجاہد عالم مولانا عبد القیوم جیسے بزرگ اساتذہ سے کسب فیض کا موقعہ
ملا۔ اسی دوران حضرو ضلع اٹک کی جامع مسجد کی انتظامیہ کے افراد مولانا کے پاس حاضر ہوئے
کہ ہمیں کوئی اچھا خطیب دیں۔

حضرو ضلع اٹک کے علاقہ چھچھ کا مرکزی مقام ہے۔ یہ علاقہ بڑے بڑے علماء کا مسکن
و ٹھکانہ رہا ہے۔ اسے کسی دور میں بخارا کا خطاب دیا گیا۔ ایسے خطے کے مرکزی شہر کی مرکزی
مسجد جس کا سنگ بنیاد ۱۹۵۶ء میں مولانا احمد علی لاہوری نے رکھا کی عجیب حالت تھی۔ جماعت
اسلامی کے تخریب کار اس کا نظام خراب کرانے پر تلے ہوئے تھے۔ علاقہ کے علماء مصلحتوں کا
شکار تھے۔ انتظامیہ کے بعض افراد مولانا ہزاروی سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ اسی لیے مولانا
کے پاس آئے۔ دورۂ حدیث کے امتحانات میں تین ماہ باقی تھے۔ مولانا نے ان سے
فرمایا کہ جہاں اتنے دن گزر گئے وہاں چند ماہ اور گزار لیں۔ ہمارے حافظ محمد رمضان کے
دو بیٹے فارغ ہو رہے ہیں۔ انہی میں سے کسی ایک کو آنکھیں بند کر کے لے جانا۔ یہ ان
کے اعتماد اور محبت کی بات تھی۔

فراغت کے بعد بغیر کسی تاخیر کے احقر کو حضرو جانا پڑا۔ مہینہ تو یاد نہیں۔ سال ۱۹۶۷ء
تھا۔ کسی شام احقر وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ آج ہی ظہر کی نماز پر جماعت اسلامی کے تخریب کار
لڑائی کر چکے ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ مرحلہ بھی سر ہو گیا اور میں ۱۹۶۹ء کے چند
ماہ کے وقفے کے ساتھ لگ بھگ چھ برس وہاں مقیم رہا۔ اس علاقے کے علماء نے مقامی مسائل

اور باہمی مجلس آرائی کے لیے جمعیۃ علماء علاقہ چھچھ قائم کر رکھی تھی۔ گاؤں گاؤں پھر کر ان حضرات کو آمادہ و قائل کر کے انہیں جمعیۃ کے نظم پر لایا گیا۔ اور ضلع اٹک کی تنظیم کا اہم ایک حصہ قرار پا گئے۔ اس عمل میں جس مرکزی بزرگ نے سب سے بڑھ کر ساتھ دیا۔ نوازا اور سرپرستی کی وہ مولانا ہزاروی تھے۔ جب انہیں یاد کیا وہ آ گئے اور مختلف دیہاتوں میں تانگہ، سائیکل اور پیدل کسی ذریعے سے بھی پہنچ کر وہاں کے علماء سے ملاقات کی۔ اس عرصے میں مجھے ان کے بے پناہ قریب ہونے اور ان کے حالات کا جائزہ لینے کا موقع ملا۔ آج وہ دنیا میں نہیں۔ ہمارا بھی چل چلاؤ ہے۔ اس دنیا کے بعد قبر کا اندھیرا ہے۔ جہاں ایمان و عمل کی روشنی کام آئے گی۔ جس کے بعد داور محشر کی عدالت ہوگی۔ اور ہم ہوں گے۔ اس لیے میں پوری احساس ذمہ داری اور مسئولیت آخرت کے پیش نظر یہ بات کہہ رہا ہوں کہ

"وہ رزم و بزم میں ایک سے تھے۔ ان کے قول و کردار میں یکسانیت تھی۔ اخلاص ان میں بدرجہ اتم تھا۔ ریا کا ان کے قریب سے گذر نہ ہوا تھا۔ دردمندی، دلسوزی انمیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ بزرگوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت، کارکنوں سے محبت ان کی زندگی کا سرمایہ تھا۔ حب جاہ اور حب مال کی بیماریاں ان میں نام کو نہ تھیں۔ پاک دل، پاکباز، دنیوی آلائشوں سے مبرا اور کردار کی پختگی میں اپنی مثال آپ!"

میں اپنی اس بے ربط تحریر میں اسی موقع پر اس بات کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ مرحوم بھٹو کی حکومت قائم ہوئی تو پنجاب کے گورنر ملک غلام مصطفےٰ کھر قرار پائے۔ انہوں نے جو کابینہ چنی اس میں ابتداء میں اٹک سے سید عاشق کلیم شیر تھے۔ بعد میں ملک حاکمین وزیر جیل و اوقاف قرار پائے۔ جمعیت اختلاف کا شکار ہوئی تو اپنی ذہنی عدم بلوغت کی بناء پر حقائق کا ادراک نہ کر سکا اور وقتی طور پر مولانا سے دور ہو گیا۔ اس مرحلہ پر بعض حضرات نے بعض ایسی حرکتیں کیں جو مولانا کے کھاتہ میں بڑ گران کے لیے پریشانی کا باعث بنیں۔ ان حضرات میں مولانا ضیاء القاسمی کا نام شاید سرفہرست ہے۔ اور میں تاریخی ریکارڈ کی درستگی کے لیے یہ بات ان کا نام لے کر لکھ رہا ہوں

کہ انہوں نے حضرو اور اس کے بعد فیصل آباد میں میرے لیے مشکلات پیدا کیں۔ میری حضرو کی مسجد جس کی نام کوئی جائیداد نہ تھی۔ ملک حاکمین صاحب سے کہہ کر اوقاف میں دلوادی۔ جس پر میں نے فوراً مسجد سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اس کے بعد ماڈل ٹاؤن فیصل آباد کی ایک بہت ہی مختصر سی مسجد کو میرے بعض احباب نے وسیع کیا۔ اس پر بڑا سرمایہ لگایا۔ تو مولانا ضیاء القاسمی وغیرہ وہاں بھی سد راہ بنے جس کا مجھے یا میرے خاندان کو قلق تھا۔ لیکن بد قسمتی سے اسی لابی نے مولانا کو بدظن کرنے کی غرض سے شوشہ چھوڑ کر حافظ محمد رمضان اور ان کے خاندان کا یہ کہنا ہے کہ مولانا ہزاروی نے یہ حرکت کی ہے۔ مولانا ہزاروی مگر ہم سے جو تعلق خاطر تھا۔ اس کے پیش نظر ان کو حدسہ ہونا چاہیئے تھا۔ انہوں نے احقر کے نام ایک طویل گرامی نامہ لکھا۔ جو ذاتی نوعیت کا گرامی ہونے کے سبب فی الوقت قابل اشاعت نہیں ہے۔ اس میں انہوں نے نہ صرف اپنی صفائی ہی (جس کی انہیں ضرورت نہ تھی) بلکہ اپنے بعض نادان دوستوں بالخصوص قائد پنجاب کی چھچھوری حرکتوں پر بھی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ چونکہ ہمارے ذہن کے کسی خانہ میں بھی اس قسم کا گمان نہ تھا۔ اور ہم کم از کم مولانا کے متعلق ایسا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ اس لیے ابا جان نے فوری طور پر ان سے مل کر صورتحال کی وضاحت کر دی اور صاف طور پر عرض کر دیا کہ آپ بزرگ اور قابل احترام تھے۔ ہیں اور رہیں گے۔ اختلاف رائے الگ شے ہے۔ لیکن ہماری طرف سے آپ کے حق میں کسی قسم کی بدگمانی کا تصور بھی ایک طرح کا گناہ ہے۔ اور احقر نے فیصل آباد سے انہیں ایک عریضہ لکھا افسوس کہ اس کی نقل نہیں۔ اس میں میں نے صاف طور پر عرض کر دیا کہ یہ ہوائی کسی دشمن کی اڑائی ہوئی ہے۔ یا کسی ایسے نادان دوست کی جو آپ کی ذات کو پل بنا کر مفادات سمیٹنے کے چکر میں ہو۔ بہر حال ہوائی ہے اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ رہ گئے مولانا ضیاء القاسمی تو انہوں نے جو کچھ کیا وہ ایک حقیقت ہے۔ گو مجھے دکھ نہیں۔ اور اس کے بعد جلد ہی پنڈی حاضر ہونے پر ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے حسب معمول محبت سے نوازا اور ابھی بعد کا جو مختصر وقفہ آیا تھا وہ ختم ہو کر رہ گیا۔ یہ

درست ہے کہ میں ان کے کیمپ میں نہ تھا۔ لیکن ان کا نیاز مند تھا۔ ان کی توہین کا تصور میرے لیے جرم تھا ہمارا خیال تھا کہ علماء کے سوادِ اعظم کے ساتھ رہنا ہی ٹھیک ہے۔ لیکن اس خیال کی بنیاد علمی ناپختگی اور ذہنی عدم بلوغت تھی۔ ہم یہی سمجھتے رہے کہ اکثریت ہی اعظم ہوتی ہے۔ لیکن بعد میں سامنے آیا کہ اگر ایسا ہوتا تو "سوادِ اعظم" کے بجائے "سوادِ اکثر" ہوتا۔ اسی لیے محدث ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سچائی کی راہ پر چلنے والا اکیلا ہو تو بھی "سوادِ اعظم" وہی ہوگا۔

بہر حال مولانا سے برابر ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔ حتیٰ کہ وفات سے چند دن قبل احقر راولپنڈی حاضر ہوا تو والدِ گرامی نے بتایا کہ وہ آج ہی لاہور سے ہو کر آئے ہیں۔ اس سفر میں ابا جان کے عزیز دوست شیخ غلام رسول اور شیخ محمد موسیٰ جالندھری مرحومین بھی تھے۔ ابا جان کے بقول مولانا خاصے بیمار رہے۔ طبیعت مضمحل ہے۔ فرمایا کہ تمہیں بہت پوچھا اور دعائیں دیں۔ ساتھ ہی ابا جان نے فرمایا کہ تمہارے پاس فرصت ہو تو جا کر مل آؤ۔ میں نے عرض کیا کہ اس میں فرصت کی کیا بات ہے۔ میں صبح ہی صبح چلا جاؤں گا۔ اگلی صبح نماز سے قبل ہی ابا جان نے ناشتہ تیار کروایا اور نماز کے فوراً بعد سائیکل پر میرے ہزار انکار کے باوجود خود مجھے اڈہ تک پہنچایا۔ یہ ان کی وہ ادائیں تھیں جن کے سبب اب یاد آتے ہیں تو دل مسوس ہو کر رہ جاتا ہے۔ احقر مانسہرہ پہنچا۔ اور ساتھ ہی ویگن کے ذریعہ دوپہر سے بہت قبل اس تاریخی قصبہ کے اس تاریکی لیکن دینی سے مکان میں اس انسان کے سامنے تھا جس کے تقدس کی قسم کھائی جا سکتی تھی۔ جسے یاروں نے تو کل تک متوقت کا ابوذر کہا تو اب اس کے دامن پر مفاد پرستی کی تہمت لگائی۔ آہ! دنیا کتنی ظالم ہے۔ ساری عمر حدیث و فقہ پڑھانے والے الفاظ ذکر کے اس خطے کی مکروہ سیاست کا شکار ہو کر ایسے ہو گئے کہ اپنے محسن کو نہ پہچان سکے۔ جس کی سزا نہ صرف ان کو ملی بلکہ اب ان کی اولاد و رلوذا حلقہ بھگت رہا ہے۔ اور جب تک غلام غوث کی روح سے اجتماعی معافی کا اہتمام نہ ہوگا۔ اسی طرح خوار ہوتے

رہیں گے۔

خیر مولانا اپنے نیم پختہ محل کی بیٹھک میں تشریف فرما تھے۔ دروازہ کھلا تھا۔ احقر اجازت لے کر اندر گیا۔ شاید نقاہت کے باوجود میرے ہزار کہنے پر بھی وہ نہ مانے۔ محبت و خورد نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے کھڑے ہو کر استقبال کیا۔ بٹھایا۔ خیریت معلوم کی اور فوراً اندر تشریف لے گئے۔ واپس آئے پھر لمحہ بھر کے بعد اندر گئے اور واپس آ گئے۔ میں نے پوچھا تو فرمایا کہ پہلے میں نے جانے کا کہا پھر سوچا کہ ہمارا تو کھانے کا وقت ہے۔ پہلے کھائیں پھر جانے لگے۔ اور پھر جو بات پوچھی اس نے ان کے کردار کی پختگی، مقاصد کے معاملہ میں انہماک اور اپنے معتقدات کے حوالے سے بے لچک ہونے کا زبردست ثبوت فراہم کیا۔

مولانا مودودی کے جنازے کا مسئلہ اس وقت فضا میں موجود تھا۔ مولانا کی جماعت اور خاندان کی بدمزگی کی داستان رقم ہو رہی تھی۔ اس سے تو مولانا ہزاروی کو تعلق نہ تھا البتہ جمعیت علماء اسلام کے اکابر کی مولانا کے جنازے میں شمولیت کا سوال ضرور زیر بحث تھا۔ اور سب سے بڑھ کر مولانا عبیداللہ انورؒ کی ذات زیر بحث تھی۔ میں چونکہ ہفت روزہ خدام الدین سے وابستہ تھا اس لیے مجھ سے سوال ہوا۔ میں نے پوری ذمہ داری سے ساری صورت حال عرض کر دی اور بتایا کہ مفتی محمود صاحب تو شریک محفل تھے۔ البتہ مولانا انور بالکل نہیں گئے۔ مولانا نے تسلی کر لی تو حسب عادت بہت خوشی سے فرمایا۔

"الحمدللہ! مفتی صاحب کے جانے کا غم نہیں کہ وہ محض اب ایک سیاستکار ہیں۔ مولانا عبیداللہ انور چلے جاتے تو ہماری عظیم دینی روایت مجروح ہوتی کہ وہ مولانا احمد علیؒ کے فرزند اور مولانا مدنی سے لے کر مولانا لاہوری تک کی روایات کے وارث ہیں؟"

یہ بھی لطیفہ سنانا چاہوں کہ کھانا بڑا زبردست تھا۔ اور کئی قسم کا سالن۔ میں نے بڑے ادب لیکن مزاح کے انداز میں میں نے اس عیاشی کا پوچھا تو فرمایا کہ بکری کا گوشت میری بیماری کے سبب ہے۔ کھانے کا اس لیے کہ گھر میں اکثر کوئی نہ کوئی آ جاتا ہے۔ اور مہمانوں کا سلسلہ جاری

رہتا ہے۔ باقی جو ہے وہ تمہارے لیئے ہے کہ تمہاری بہنوں (مولانا کی بچیوں) نے یہ سن کر کہ حافظ صاحب کا بیٹا آیا ہے تمہارے لیئے بھجوایا ہے۔ بہت دیر مولانا کے پاس رہا۔ کھانے کے بعد چائے ہوئی۔ مولانا کی مسجد کی زیارت کی۔ ان کے بھائی مولانا فقیر محمد سے ملا۔ باتیں ہوئیں اور ظہر کے بعد احقر واپس ہوا۔ میرے دل میں ایک طرح کا اطمینان تھا۔ کہ مجھ سے خوش ہیں۔ جو وقتی خفگی یا لبعد تھا وہ دور ہو چکا ہے۔ اور میں حسب روایت و معمول ان کی محبت کے مزے لوٹ رہا ہوں۔ لیکن ساتھ ہی طبیعت پر ایک طرح کا بوجھ بھی تھا۔ جس کا سبب ان کی ڈھلتی ہوئی عمر اور گرتی ہوئی صحت تھی۔ ہر چند کہ ان کا چہرہ کھلا ہوا اور گھنی داڑھی کے سفید بال عجیب بہار دکھلا رہے تھے۔ لیکن مجموعی طور پر جسم پر ضعف و اضمحلال طاری تھا۔ زندگی کی بے ثباتی کا حقیقی مسئلہ سامنے تھا۔ اور دل ہی دل میں دعائیں کر رہا تھا کہ اللہ کرے کہ وہ صحت مند ہو کر بہت دیر جئیں۔ اور یہ کہ جمعیت کی لیڈر شپ کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ اس بوڑھے جرنیل کی عمر و علم اور تجربے سے فائدہ اٹھا کر اس منتشر قافلہ کو صحیح بنیادوں پر از سر نو منظم کر سکیں۔ لیکن آہ! کہ جو خطرہ سروں پر منڈلا رہا تھا وہ چند ہی دنوں بعد سامنے آگیا۔ اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے مولانا کے سانحۂ انتقال کی خبر سامنے آگئی۔ افسوس کہ اس وقت احقر کراچی تھا۔ یعنی ان کے آبائی قصبے سے بہت دور اور ایسے وسائل سے تہی دامن کہ اڑ کر جنازہ تک پہنچ جاتا اور ان کی آخری زیارت کر لیتا۔ جو کچھ کہ وہاں بزرگوں سے ان کی آخری تقریبات کا سنا اس سے مرحوم مغفور کی مقبولیت کا اندازہ ہو گیا۔ سورۂ دخان کی آیت کے ضمن میں مفسرین نے اہل اللہ کی وفات پر زمین و آسمان کا ماتم لکھا ہے۔ زوردار بارش آسمان کا رونا ہی تو تھا۔ اور پھر اندھیرے کے باوجود ان کے سفید چہرے اور سفید کفن کا بہت سے لوگوں نے موازنہ کیا کہ دونوں میں سے زیادہ صاف و شفاف کون ہے تو اہل نظر و بصیرت کا فیصلہ تھا کہ چہرہ زیادہ صاف و شفاف ہے۔

رحمہ اللہ تعالیٰ۔

تھوڑے دنوں کے بعد بالاکوٹ کے سفر کا عزم تھا۔ اسی سفر کے دوران جہاں حضرۃ الامام سید محمد اسمٰعیل دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر اقدس پر حاضری دی۔ وہاں دریائے کنہار کے کنارے مختصر سے قبرستان میں اپنے بزرگ مولانا عبدالمنان ہزاروی اور دوسرے پاکبازان امت کی قبروں پر حاضری دی۔ رہ گئے حضرت الامیر السید احمد بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ تو ان کی قبر ہی نہیں کہ بعض خدام نے عرض کیا تھا کہ دشمن لاش کی بے حرمتی کرے گا تو حضرت الامیر نے چہرہ آسمان کی جانب کر کے دیکھا۔ دعا کی اور پھر احباب کو تسلی دی کہ فقیر کی لاش ہی غائب ہو جائے تو؟ وہی ہوا۔ آج ان کے حوالے جو قبر معروف ہے وہ تاریخی و کشفی طور پر ان کے ایک ہم نام کی ہے۔ ان کی نہیں۔ بالاکوٹ سے واپسی پر بعض احباب سمیت مولانا کی قبر پر حاضری دی۔ قصبے کے شروع میں وسیع رقبہ پر پھیلا ہوا قبرستان میرے سامنے تھا۔ بیچوں بیچ راستہ تھا۔ جس سے گذر کر قصبہ میں داخلہ ہوتا۔ راستہ کے ساتھ ہی چند قدم کے فاصلے پر ان کی قبر پر دیر تک عقیدت کے آنسو بہاتا رہا۔ ان کی خدمات یاد آتی رہیں اور مغفرت کے بول برابر زبان پر جاری رہے۔ نور اللہ تعالیٰ مرقدہ!

ایک دن میں نے اپنے والد گرامی اور ان کے عزیز دوست اور اپنے چچا حافظ ریاض احمد اشرفی رحمہ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ میں مولانا سے طویل انٹرویو کا خواہش مند ہوں تا کہ ان کی حیات ماضیہ سے آگاہ ہو سکوں۔

ہمارے گھر پر مجلس کا اہتمام ہوا۔ ان دو بزرگوں کے علاوہ مولانا تھے جنہیں احقر لایا تھا۔ اور چوتھے بھائی خورشید صاحب۔ عشاء کے بعد کھانا کھایا۔ ان دو بزرگوں نے بات چھیڑی۔ بڑے لیت و لعل کے بعد مولانا مان گئے۔ ان دنوں وہ جامع مسجد بھوسہ منڈی میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے۔ اور مسجد میں ہی ان کا قیام تھا۔ احقر مسلسل چار دن جاتا رہا۔ اور مولانا مسلسل اپنے حالات زندگی بتلاتے رہے۔ کہیں درمیان میں ضرورت پڑتی تو میں ضمنی سوال کر لیتا۔ یہ سلسلہ ۱۹۳۶ء تک چلا کہ مولانا ایک لمبے سفر پر روانہ ہو گئے۔ بعد میں بھی افسوس کہ یہ سلسلہ مزید آگے نہ بڑھ سکا اور گفتگو

کے دوران کی بعض ضروری باتیں درج ذیل ہیں۔

مولانا نے قصبہ میں میٹرک کا امتحان اعزازی طور پر پاس کر کے درس نظامی کے مراحل طے کرتے رہے۔ اور ۱۹۱۵ء کے قریب اس وقت تکمیل کے لیے دیو بند پہنچے جب شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ ریشمی رومال کی تحریک کے مقاصد کے لیے حجاز مقدس روانہ ہوتے والے تھے۔ شیخ الہند کی تحریک پر مدرسہ چند ماہ کے لیے بند ہو گیا۔ تاکہ ترک بھائیوں کے لیے امدادی سامان اور نقد رقوم جمع کی جا سکے۔ اساتذہ اور طلبہ گروہوں کی شکل میں پورے ملک میں پھیل گئے۔ طلبہ ونگ کے سربراہ مولانا تھے۔ اور یہ ان کے اساتذہ کا ان پر پہلا بھر پور اعتماد تھا۔ اس مہم کے شاندار نتائج نکلے۔ اور مولانا کے بقول یورپ کا پریس چیخ اٹھا اور دیو بند کے طلبہ کو بابیل کا نام دیا۔ جنہوں نے برطانوی سلطنت کو ہلا کر رکھ دیا۔

دورہ حدیث امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ سے پڑھا۔ شاہ صاحب کی فی البدیہہ تقریریں بڑی خوبی سے لکھیں۔ یہ مجموعہ جات مولانا عزیز الرحمن ہزاروی کے کام آ گئے۔ قادیانیت کے حوالے سے ذہن سازی شاہ صاحب کی تربیت کا ثمرہ تھی۔ امتحان نمایاں اعزاز سے پاس کیا۔ مولانا حبیب الرحمن عثمانی نے ایک سال معین مدرس کے طور پر دیو بند میں تدریس پر رکھا۔ تو پھر انجمن اصلاح المسلمین کی فرمائش پر وہاں بھیج دیا۔ جہاں رفض و بدعات کے ساتھ قادیانیت کا فتنہ بھی موجود تھا۔ ہر سہ طبقات پوری قوت سے سرگرم عمل تھے۔ حکمران خاندان رافضی تھا۔ اس لیے رافضی زیادہ سرگرم عمل تھے۔ دو سال کے وہاں کے قیام کے دوران مولانا نے جو خدمات سر انجام دیں۔ ان پر وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے۔ اور خوش ہو کر فرماتے

ع خادم از زندگی خویش کہ کارے کردم۔

والد بزرگوار کے انتقال کے سبب واپسی ہوئی۔ مانسہرہ سے مردان تک قادیانی فتنہ کو پر پرزے نکالتے دیکھ کر رنج ہوا۔ مانسہرہ میں اس فتنہ کا مرکز ایک قادیانی ڈاکٹر تھا۔ افسوس کہ اس مہم میں مذہبی طبقات مولانا کے دست و بازو نہیں تھے۔ تو مولانا نے چند رضاکار ساتھیوں

سے کام لے کر اس فتنہ کا قلع قمع کر دیا۔ مردان میں چونکہ بعض نواب اور جاگیردار اس فتنہ کا شکار ہو کر اس کی تقویت کا سبب بن رہے تھے۔ اس لیئے وہاں بڑی مشکلات تھیں۔ مذہبی طبقہ خوفزدہ تھا۔ مولانا نے توفیق الہٰی سے نواب اور اس کے حلقۂ اثر کے لوگوں کی گولیوں کی چھاؤں میں جلسہ عام کر کے اس فتنہ کی حقیقت الم نشرح کی اور قدرت نے کامیابی دی۔

علاقہ بھر میں معاشرتی برائیوں کے خلاف بہت ہی احسن طریق سے مہم چلائی اور لوگوں کو سنت طریق کے مطابق سادہ زندگی گذارنے کی طرف راغب کیا۔ اس ضمن میں وہ بعض علماء کے تشدد کے رویہ کو قطعاً ناپسند کرتے۔ مولانا غلام اللہ خان مرحوم کو میرے سامنے ایک مرتبہ اس حوالہ سے فرمایا کہ یہ طریق تبلیغ فائدہ سے کم اور مضر زیادہ ہے۔ کہ یہ قرآن کی روح اور اسوۂ پیغمبر کے منافی ہے۔

مجلس احرار اسلام کے قافلہ میں ابتداء ہی سے شامل ہو گئے۔ مجلس کی آل انڈیا کمیٹی کے نائب صدر قرار پائے۔ حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ محبت سے انھیں "بھائی غلام غوث" کہہ کر مخاطب ہوتے تھے مولانا حبیب الرحمٰن کی طرح ان کا بھی جماعت میں ان کی نیکی کے سبب خاص مقام تھا۔

مجلس احرار نے مختلف اعتقادی اور معاشرتی برائیوں کے خلاف جو جہاد کیا اور مختلف ریاستوں کے ظالمانہ جبر کے خلاف وہاں کی مظلوم آبادی کے لیئے جس طرح جدوجہد کی وہ مجلس کی زندگی کا عظیم کارنامہ ہے۔ مولانا ہمیشہ صف اول کے رہنماؤں میں شریک ہو کر ہر خدمت بجالاتے رہے۔ چودھری افضل حق مرحوم نے تاریخ احرار میں ان کا بہت محبت اور چاؤ سے ذکر کیا ہے۔

انھیں خاکساروں اور سرخپوشوں کے مخصوص رویوں کے خلاف بھی صبر آزما جدوجہد کرنا پڑی۔ ان کے آبائی ضلع مانسہرہ (جو اب ڈویژن ہے) سے متصل ضلع راولپنڈی خاکسار تحریک کا اہم مرکز تھا۔ اور اٹک کا بھی ایسا ہی حال تھا۔ علامہ مشرقی کی جیب راست پریڈ اور دیگر خدمت خلق کے

بعض کام یقیناً بہت اچھے تھے۔ اور ان سے مسلمانوں میں جذبۂ جہاد پیدا ہو سکتا تھا۔ اور خدمت انسانیت کی روح پیدا ہو سکتی تھی۔ لیکن علامہ جس طرح سر سید وغیرہ کی فکر سے بھی آگے بڑھ کر بعض مسلّماتِ دینی پر ہاتھ صاف کر رہے تھے، اس سے عوام کی گمراہی کا شدید خطرہ تھا۔ بلکہ نے اپنے رفقاء مولانا ظہور احمد صاحب امیر مجلس حزب الانصار بھیرہ، مولانا محمد داؤد [illegible] مولانا قاضی شمس الدین درویش ہری پور جیسے اساطینِ ملت کے ساتھ مل کر مضبوط بند باندھا۔ وہ گئے سرخپوش تو ان کا تو میدان ہی مولانا کا صوبہ تھا۔ یقیناً آزادی کے حوالے سے خان عبدالغفار خان اور ان کے رفقاء کی خدمات بڑی اہم تھیں۔ انگریز حکومت اور اس کے پالتوؤں کا رویہ بھی جب ناقابل برداشت تھا۔ لیکن خان بادشاہ اور ان کے رفقاء جس طرح بعض دینی اقدار اور اس سے بڑھ کر علماء کے خلاف ان کا رویہ بڑا افسوسناک تھا۔ مولانا جیسے غیرت مند انسان کے لیے یہ سب باتیں برداشت سے باہر تھیں۔ خان بادشاہ کے فرزند عزیز خان عبدالولی خان نے ۱۹۷۰ء کے الیکشن سے اب تک علماء کے خلاف جو زبان استعمال کی وہ ان کی تربیت کا تقاضا تھا۔ افسوس کہ اہل دین کی آنکھیں اب تک نہیں کھلیں۔ بہرحال مولانا انہی حوالوں سے سرخپوش برادری سے بہت نالاں تھے۔ اور یہ بھی تھا کہ سرخپوشوں کو جب حکومت کا موقعہ ملا انہوں نے بھی سیاسی کارکنوں اور اہل دین کے خلاف وہی رویہ اختیار کیا جو انگریز مسلم لیگی حکومتوں نے اختیار کیا۔ اس کے بعض تلخ ثبوت معروف مجاہد آزادی مولانا عبدالرحیم پوپلزئی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی بعض تحریرات سامنے آتے ہیں۔ جنہیں مولانا کے عزیز مکرم ڈاکٹر عبدالجلیل نے حال ہی میں شائع کیا۔ یہی اسباب تھے جن کی وجہ سے مولانا کا سرخپوش برادری سے نباہ نہ ہو سکا۔ بلکہ ٹکراؤ تک ہوا۔ لیکن مولانا نے کبھی پرواہ نہ کی۔

افسوس یہ ہے کہ ۱۹۳۶ء تک یہ سلسلہ چل سکا۔ اس کے بعد اس کا موقع ہی نہ آ سکا۔ اور جس خاص دور کے متعلق ابھی معلومات مطلوب تھیں۔ اس کا مرحلہ ہی نہ آیا۔

خیر ۱۹۴۰ء کے بعد تحریک پاکستان کا معاملہ بہت تیز ہو گیا۔ مسلم لیگی قیادت جس انداز سے پوری قوم کو مبتلائے فریب کیا وہ تاریخ کا ایک المناک باب ہے۔ اس دور میں ملت کا جس حوالے سے

سب سے زیادہ نقصان ہوا وہ بے اخلاقی کا مسئلہ۔ اس دور میں بے راہ روی، ہجرت، منافقت اور عدم آزادی کے امراض جس طرح پروان چڑھے اس پر تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ بدقسمتی یہ تھی کہ مسلم لیگی قیادت روش ہوا پر سوار ہونے کے سبب کسی دوسرے کو اہمیت دیتی۔ نہ اس کی بات سنتی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں یہ ایک کٹا پھٹا ملک مل گیا۔ جس کا بازو مشرق میں تھا تو دوسرا مغرب میں۔ ان کے درمیان ایک طویل فاصلہ تھا۔ مشرقی بازو بنگال کو کاٹ کر ہمیں دیا گیا جس کی پوزیشن یہ تھی کہ ریلوے پلیٹ فارم ہماری طرف تھا تو ریلوے لائن دوسری طرف۔ مغربی بازو کا بڑا صوبہ پنجاب تھا۔ یہ بھی پورے پنجاب کو عین بیچ میں سے کاٹ کر ایک حصہ ہمیں ملا۔ یہی حال کشمیر کا ہوا۔ اس سے نہری پانی کا مسئلہ پیدا ہوا۔ تبادلہ آبادی کے مسئلے نے ہمیں گھیر لیا۔ بے پناہ جانی و مالی نقصان ہوا۔ اور تبادلہ آبادی کے چکر نے متروکہ اوقاف فنڈ کہ ہم نے اخلاقی طور پر ہمیں تہی دامن کر دیا۔

مسلم لیگی قیادت اگر اپنی مسلم جماعتوں بالخصوص اہل دین کی جماعتوں کا تعاون حاصل کر لیتے تو ہم بہت سے المیوں سے بچ جاتے۔ تقسیم کے بعد حکومت اور عوام کا جو ٹکراؤ سب سے پہلے ہوا۔ وہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت تھی۔ آج فرزند اقبال ڈاکٹر جاوید اقبال سے لے کر بہت سے دانشور اس تحریک کو پنجاب کی مسلم لیگی قیادت کی سازش قرار دیتے ہیں جس کا تعلق مرکز میں ناظم الدین وزارت کو لانا میٹ کرنا تھا۔ خود اس دور میں جماعت اسلامی، احرار اور مسلمین نے انتہائی مکروہ کردار ادا کیا۔ اور پھر حکومت نے جسٹس منیر اور کیانی صاحب پر مشتمل جو انکوائری کورٹ قائم کی۔ اس نے عدل و انصاف کی روایات کو بری طرح پامال کیا۔ اور عدلیہ پر سے عوام کا اعتماد اٹھ گیا۔ اس وقت سے اب تک یہ معاملہ برابر اسی طرح جاری ہے۔ اور اب تو عدلیہ کو عدلیہ کہنا عدلیہ کی توہین ہے۔

اس تحریک کی روح رواں مجلس احرار اسلام تھی جس کے سالار قافلہ امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھے۔ مولانا ہزاروی تو ابتدا ہی سے مجلس احرار اسلام سے وابستہ رہے

تھے۔ پھر یہ دین ایمان کا مسئلہ تھا۔ اس لیے انہوں نے اس تحریک میں نہایت جاندار رول ادا کیا۔ اس وقت کی حکومت نے ان کے لیے جہاں دیکھو گولی کا حکم دیا تھا۔ لیکن حکومت کامیاب نہ ہو سکی۔ اور وہ برابر مخفی اور زیر زمین کام کرتے رہے۔ اس ضمن میں ان کے سوانح نگار نے یقیناً حالات کا صحیح خاکہ پیش کیا ہوگا۔

وہ چونکہ ایک نہایت متحرک انسان تھے۔ اور ملت کی ہمدردی کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس لیے وہ تقسیم کے بعد برابر اس حوالے سے سرگرم عمل تھے۔ مجلس احرار اسلام حکمرانوں کی نگاہ میں معتوب تھی۔ کیونکہ اس نے مسلم لیگ کے قدسی صفات حکمرانوں کے مبنی بر وحی تصور پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ اور مجلس کے مخلص ارکان ویسے بھی سیاسی بساط لپیٹ کر عقیدہ کے تحفظ اور ملت کی دینی خدمت اور ملک کے استحکام کے لیے مسلم لیگ کا ہاتھ بٹانے کی رائے رکھتے۔ اس لیے علماء کے ایک طبقہ نے جمعیۃ علماء ہند کے طرز پر جمعیۃ علماء پاکستان کے عنوان سے ایک پلیٹ فارم بنانے کی سعی کی۔ لیکن مولانا احمد علی لاہوریؒ جیسے بزرگوں کی خواہش پر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی جمعیت علماء اسلام سے مل کر کام کرنے کی رائے پیش کی۔ جسے علماء نے بالعموم مان لیا۔

یاد رہے کہ ۱۹۴۵ء کے الیکشن کے دوران مسلم لیگ نے علماء کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے علماء کی تنظیم کا اہتمام کیا۔ کلکتہ کے بعض تاجروں نے اس کے لیے سرمایہ فراہم کیا۔ اور خواجہ ناظم الدین جیسے حضرات نے علماء سے رابطہ قائم کیا۔ چونکہ مدرسہ دیوبند کا تھانوی حلقہ جمعیت علماء ہند کے جرأتمندانہ اور حریت پسندانہ کردار سے نالاں تھا۔ اور مدرسہ میں مولانا مدنی کے حلقہ کی بالادستی بھی اسے پسند نہ تھی۔ اس لیے اس حلقہ نے اپنے بھائی بندوں کو نیچا دکھانے کی غرض سے جمعیۃ علماء اسلام کی سرپرستی قبول کر لی۔ اور مولانا شبیر احمد عثمانی اس کے صدر قرار پائے۔ مولانا عثمانی اور ان کے رفقاء نے تحریک پاکستان میں مسلم لیگ کے علاونگ کے طور پر جو کام کیا۔ اس کا صلہ مولانا کو پارلیمنٹ کی رکنیت اور کراچی اور ڈھاکہ میں پرچم لہرانے

کی شکل میں مل گیا۔ ان کے ایماء پر قرارداد پاکستان منظور ہو گئی۔ اور علماء کی مشترکہ کاوشوں سے
بائیس نکات منظور ہو گئے۔ اس سے بڑھ کر کچھ نہ ہو سکا۔ ان ساری چیزوں کے باوصف مولانا
احمد علی لاہوریؒ کی خواہش پہ علماء نے مولانا عثمانی کی جمعیت سے اپنے آپ کو وابستہ کر لیا۔
سنہ ۱۹۵۶ء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور اس کی حالت یہ تھی کہ ہم چند کہیں کہ ہے پر نہیں۔

اس دوران ملک میں جو حالات رونما ہو رہے تھے۔ وہ انتہائی خوفناک تھے۔ مشرقی بازو
سے مسلم لیگ کا جنازہ نکل چکا تھا۔ زبان کے مسئلے پر وہاں فسادات ہو چکے تھے۔ مشرقی اسمبلی کا
ڈپٹی سپیکر اسمبلی کے اندر قتل ہو چکا تھا۔ یہاں پنجاب و سرحد کے انتخابات، انتخابات کے تقدس
کی پامالی کا سبب بن چکے تھے۔ پھر پارلیمنٹ کے توڑے جانے اور فیڈرل کورٹ کی طرف سے
گورنر جنرل کے اس اقدام کو درست قرار دینے سے اس ملک کے انجر پنجر ہل چکے تھے۔ ان
حالات ۱۹۵۶ء کے وزیراعظم چوہدری محمد علی کے ذریعے جو دستور سامنے آیا۔ اس پر اسلام کی
چھاپ تھی۔ لیکن اس سے اسلام کو کند چھری سے ذبح کیا گیا تھا۔ جمعیت علماء اسلام کے اکابر
مشرقی پاکستان کی حد تک چوہدری محمد علی کی نظام اسلام پارٹی سے مکمل طور پر وابستہ تھے۔
اس لیے اب وقت آ گیا تھا کہ علماء اپنی صفوں کو منظم کریں۔ مولانا ہزاروی نے خود بتلایا کہ
حضرت امیر شریعت قدس اللہ سرہ العزیز نے بھی انہیں توجہ دلائی جس پر ملتان میں ایک اجتماع ہوا۔
جس کی استقبالیہ کے صدر مفتی محمود تھے۔ ہزار کوشش کے باوجود تھانوی مکتب فکر کے علماء اس
میں شریک نہ ہو سکے۔ اور جمعیت کے نئے نظم کا اہتمام ہوا۔ جس کی سربراہی کے لیے مولانا
احمد علی لاہوریؒ سے درخواست کی گئی۔ انہوں نے اس درخواست کو اس شرط پر قبول کیا کہ مولانا
غلام غوث صاحب نظامت علیا کی ذمہ داری قبول کریں۔ یوں مولانا اس نئے نظم میں ایک سرکردہ
حیثیت سے سامنے آئے۔ بعد ۱۹۵۶ء میں جو نظام سامنے آیا اس کا حلقہ اثر ظاہر ہے اس وقت
کا صرف مغربی پاکستان تھا۔ گویا کہ پورا پاکستان، مشرقی بازو اس میں شامل نہ تھا۔ بالآخر ۱۹۵۸ء کے آخری
مہینوں میں سکندر مرزا اور ایوب خان کی ملی بھگت سے جو مارشل لا لگا۔ اس نے سیاست کی بساط

لپیٹ دی۔ یوں لگ بھگ دو سال کے عرصہ میں مغربی حلقے میں جمعیت ایک فعال طاقت
بن گئی۔ اس میں بلاشبہ دوسرے رہنماؤں کی سرپرستی اور مخلص کارکنوں کی محنت کا بڑا دخل
تھا۔ لیکن سب سے بڑھ کر جس شخص کی محنت تھی وہ مولانا ہزاروی تھے۔ اور جب مارشل لاء
لگا تو وہ واحد جماعت تھی جس کا متبادل نظام موجود تھا اور اس نظام کے حوالے سے مولانا ہزاروی
کی بعض سرگرمیوں کی بنا پر استاذ مکرم مولانا مفتی محمد شفیع سرگودھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے انہیں
وقت کا امام احمد بن حنبل قرار دیا۔

ایوبی مارشل لاء کے اختتام پر ملک میں بنیادی جمہوریت کے حوالے سے جو الیکشن ہوا۔ اس
میں مفتی محمود صاحب مرکزی اسمبلی میں اور مولانا ہزاروی ون یونٹ (ONE UNIT) اسمبلی میں
آ گئے۔ مولانا کی کارگردگی کے بیان کا موقع نہیں لیکن یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ انہوں نے تن تنہا
بیسا اوقات اسمبلی کا رخ موڑ دیا۔ ایوب خان کے دور کے صدارتی انتخابات میں اس کے مدمقابل
محترمہ فاطمہ جناح تھیں جنہیں ملک بھر کی تمام سیاسی جماعتوں کا تعاون حاصل تھا لیکن واحد جماعت
جمعیت تھی جس نے اپنے امیدوار کا اہتمام کیا۔ جس کی راہ میں حکومت وقت نے بے پناہ روڑے
اٹکائے۔ اس الیکشن میں ایوب خان جیت کر بھی ہار گئے۔ لیکن جنگ ۱۹۶۵ء نے وقتی طور پر
انہیں سہارا دے دیا۔ لیکن سہارا محض عارضی تھا۔ حتیٰ کہ جمہوری قوتیں ان کے مدمقابل آ گئیں۔
اس میں جمعیت نے تن تنہا جو رول ادا کیا اسی کا اثر تھا کہ ڈاک میں "ڈیک" کے قیام میں
جمعیت کو باقاعدہ شامل کیا گیا۔ اور پھر جمعیت کے ہی رہنما تھے جن کی شبانہ روز محنت نے
ایوب خان کو ہلا کر رکھ دیا۔ اور پھر جب ایوب خان نے دستور ہی سے غداری کر کے یحییٰ خان
کو موقع فراہم کر دیا تو جمعیت کے اکابر آرام سے نہیں بیٹھے حتیٰ کہ سن ۱۹۷۰ء آ گیا جس میں جمعیۃ
نے اپنے منشور کے حوالے سے دھوم مچا دی۔ یہ اسلامی منشور ایسا تھا جس کے بنانے میں
مولانا ہزاروی کا شاید سب سے بڑھ کر حصہ تھا۔

اب ملک میں ایک طرف عوامی لیگ، پی۔ پی۔ پی اور نیپ جیسی جماعتیں تھیں۔ تو دوسری

طرف جماعت اسلامی جیسی مذہب کے نام پر تخریب کاری کرنے والی جماعتیں تھیں۔ جمعیت نے اس موقع پر غریب مسلمانوں کے دین وایمان کی سلامتی کے لیے بھرپور دل ادا کیا۔ تاریخ اسے ہمیشہ خراج تحسین پیش کرے گی۔ ورنہ جماعت اسلامی اور تھانوی سکول کے بزرگوں نے ستم رسیدہ لوگوں کے ساتھ حقوق کی طلبی کا سبب بھونڈا مذاق کیا۔ اس سے خطرہ تھا کہ ملک میں خون ریزی شروع ہوجائے۔

۱۹۷۰ء کا الیکشن ہوا تو مغربی پاکستان میں جمعیت کے مجموعی ووٹ پی۔پی۔پی کے مقابلہ میں برائے نام کم تھے۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ اور بلوچستان میں اس کے پاس بیلنس پاور تھی۔ جس کی بنا پر ولی خان اور اس کے ساتھیوں نے علماء کے خلاف اخلاق سے گری ہوئی زبان استعمال کی۔ بہرحال وقت نے ثابت کردیا کہ اس ملک میں حقیقی تیسری قوت جمعیت ہے۔ تخریب کار قوتیں ایک طرف ملک کو دولخت کرنے پر تل گئیں۔ جن میں فوجی حکمران، جماعت اسلامی اور نوائے وقت قسم کے اخبارات ورسائل کا بڑا حصہ تھا۔ تو دوسری طرف جمعیت سے گلو خلاصی حاصل کرنے یا کم ازکم اس کی طاقت کو منتشر کرنے کی تدبیریں ہونے لگیں۔

سقوط ڈھاکہ کے بعد ملک میں مسٹر بھٹو کی حکومت آئی تو مولانا ہزاروی ایک ٹھوس سوچ لے کر سامنے آئے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ اب جبکہ ملک دو ٹکڑے ہوچکا ہے۔ اور مسٹر بھٹو برسراقتدار آگئے ہیں تو ان کی طرف سے تعاون کی پیشکش کا مثبت جواب ضروری ہے۔ جامع مسجد بھوسہ منڈی صدر میں احقر کے والد گرامی، بڑے بھائی اور ایک مخلص دوست اکبر بٹ کی سمیت احقر سے مولانا نے یہ فرمایا کہ ملک دولخت ہوچکا ہے۔ بھٹو جوان ہے پڑھا لکھا ہے۔ وہ ذہین متحرک اور فعال آدمی ہے۔ نئی صف بندی کا خواہش مند ہے۔ اچھے لوگوں کے تعاون اور دباؤ سے اس سے اچھے کاموں کی توقع ہے۔ لیکن مرحوم مفتی محمود جو ملتان کے قیام کے ابتدائی زمانہ ہی سے جماعت اسلامی کے بعض اہم لوگوں سے گہرے مراسم رکھتے تھے اور بعض محرم راز لوگوں کے بقول مطبیعۃ محمود پراچہ جماعت کے حلقہ      کا فارم بھی پُر کیا تھا۔ ان کا ایک طرف جماعت اسلامی

سے یارانہ بڑھنے لگا۔ تو دوسری طرف سرحد و بلوچستان میں اپنا وزن انہوں نے نیپ کے
پلڑے میں ڈال دیا۔

جماعت اسلامی کسی فرد سے تنگ تھی تو وہ مولانا ہزاروی تھے۔ جنہوں نے ۱۹۷۰ء
کے الیکشن میں جماعت کے لیے محض چار سیٹوں کی پیشگوئی کی اور ساتھ ہی ایسا جارحانہ
رویہ اختیار کیا کہ جماعت پر دفاع پر مجبور ہو گئی۔ اس نے مولانا پر قاتلانہ حملہ تک کرایا۔
مفتی صاحب اپنے دھیمے اور نرم رویے کے سبب جماعت کے لیے قابل قبول تھے۔
یہی وجہ تھی کہ بعض اجتماعی پروگراموں میں جماعت کے لوگ مفتی صاحب کے لیے "زندہ باد"
کے نعرے لگاتے۔ اور ساتھ ہی بڑے معصوم طریقے سے مفتی صاحب اور ملک میں بعض
دوسرے عناصر کو باور کراتے کہ مفتی صاحب جماعتی قیادت پر آجائیں تو بڑا کام بن جائے۔
یہ عناصر بطور خاص ڈیرہ اسمٰعیل خان، سرگودھا اور ملتان میں پھیلے ہوئے تھے۔ جو دھڑا دھڑ
خط لکھ لکھ کر جمعیت کے مخلص کارکنوں اور رہنماؤں کو ارسال کرتے۔ جن میں مولانا ہزاروی
کے سخت رویہ کی شکایت ہوتی۔ تو مفتی محمود صاحب کی بلند نظری کا قصیدہ۔ جس سے جماعت
مقام حاصل کر سکتی تھی۔

مرحوم بھٹو نے جمعیت اور نیپ کے رہنماؤں کو ہر سطح پر اشتراکِ اقتدار کی دعوت دی۔
لیکن مفتی صاحب جو ابھی ایک لابی پیدا کر چکے تھے۔ اس تصور کی مخالفت کر رہے تھے۔ ادھر
ولی خان جو کل تک علماء کو ننگی گالیاں دے رہے تھے۔ اب مفتی صاحب سے معاملات طے
کر رہے تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک مفتی محمود صاحب سے نبھ سکتی تھی۔ مولانا ہزاروی
سے نہیں۔ پھر بدقسمتی یہ تھی کہ مفتی محمود صاحب بڑے سے بڑے اہم مسائل میں جماعت کو اعتماد
میں لیے بغیر فیصلے کر دیتے۔ اس سلسلے میں پشاور کے ایک بڑے ہوٹل میں ارباب
سکندر خان خلیل سے نیپ جمعیت معاہدہ اور ولی خان کے کہنے سے نظامت علیا سے استعفیٰ
اس کی بڑی خوفناک مثالیں ہیں۔ جب کہ نظامت علیا سے ان کے استعفیٰ کے بعد مجلس عمومی نے

مولانا ہزاروی کو جنرل سیکرٹری بنایا تو انہوں نے جیب جمعیت اتحاد پر کڑی نظر رکھنی شروع
کر دی جس کی وجہ سے جیب سخت پریشان ہو گئی۔ تو پھر مفتی صاحب نے اپنے مخصوص اطوار
کے ذریعے خفیہ مہم چلا کر مولانا کی نظامت علیا سے علیحدگی اور اس منصب پر سرفراز ہونے
کی راہ ہموار کی۔ تاکہ بحیثیت ناظم عمومی مولانا کا جماعت پر کنٹرول ختم ہو سکے۔ اور مفتی صاحب
اپنے حلیفوں کو مولانا کی تنقید سے بچا سکیں۔ حالات کا تجزیہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ
مرحوم مفتی صاحب کے مزاج کی ایک خاص ساخت تھی۔ وہ کسی ایسے شخص کو برداشت کرنے کو تیار
نہ ہوتے جس سے انہیں خطرہ لاحق ہو۔ مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں بطور مدرس انہیں لانے
کا سبب معروف مدرس مولانا موسیٰ تھے۔ وہ ان کے عتاب کا شکار ہو گئے۔ اور اس سے
قبل مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ انہی کی اس سوچ کا شکار ہو گئے۔ مولانا عبدالخالق
مدرسہ دیوبند کے نامور طالب علم رہے۔ پھر وہاں استاذ رہے۔ خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف
سے ان کا تعلق تھا۔ علم، تقویٰ اور تدریس میں انہیں کمال حاصل تھا۔ مدرسہ قاسم العلوم
کا سہارا لے کر مولانا کے خلاف محاذ آرائی شروع کی۔ یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ عربی مدارس
کے طلبہ کو اساتذہ اور منتظمین کے خلاف صف آرا کرنے کا کریڈٹ مرحوم مفتی صاحب کو جاتا
ہے۔ اس سے قبل مدارس میں یہ وبا نہ تھی۔ اس کی داستانیں قاسم العلوم سے خیر المدارس اور
کبیر والا تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اور بقول مولانا محمد علی جالندھری آخری عمر میں مدرسہ قاسم العلوم
میں طلبہ کے ہاتھوں خود مفتی صاحب کو زحمت برداشت کرنی پڑی اور ان کے اپنے امیر
مولانا درخواستی زید مجدہم جس طرح مورچہ بند ہو کر سامنے آئے۔ یہ عمر بھر کی اس ایک کمائی کا
شاخسانہ تھا۔

مولانا عبدالخالق جیسے شریف اور وضع دار انسان نے قاسم العلوم سے علیحدگی اختیار کر لی۔
اور کبیر والا میں ایک مدرسہ کی طرح ڈالی جس نے جلد ہی ایک معیاری درسگاہ کی شکل اختیار کر لی۔
اور رفتہ رفتہ وہ ملک کے باوقار اداروں میں شمار ہونے لگا۔ مولانا کے بعد ان کے برادرزادہ مولانا

منظور احمد منتظم قرار پائے۔ وہ مفتی صاحب مرحوم سے زیادہ خوش نہ تھے اور خدا نا مصلحت پر رہتے۔ ایک خاص سٹیج پر مفتی صاحب کو مستقبل کا حکمران ہونے کا شبہ ہونے لگا۔ مریدان باصفا نے ان کے ذہن میں یہ شبہ ڈال دیا۔ تو انہوں نے جگہ جگہ جمعیۃ کے ناپختہ کارکنوں اور مدارس کے طلبہ کو استعمال کر کے مسائل کو طے کئے۔ جس کا شکار دارالعلوم کبیر والا بھی ہوا۔ اس ضمن میں معاملات تو اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے حتیٰ کہ اس قسم کے معاملات تھیل کر حضرت مولانا عبدالخالق کا ملک میں چونکہ وسیع حلقہ تھا۔ اس لیئے وہاں زیادہ کامیابی نہ ہو سکی۔ مرحوم نے اپنے فرزند عزیز مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے لیئے حقانیہ کا انتخاب کیا۔ اور آج وہ اپنے مخدوم زادہ اور براہ راست استاذ مولانا سمیع الحق کے مدمقابل ہیں تو یہ بھی بہت سے حقائق کو سمجھنے کا ایک راستہ ہے۔

بہرحال مرحوم مفتی صاحب نے یہی داؤ جمعیت میں آزمایا۔ چونکہ عمومی سطح پر ان کی بھاری بھرکم شخصیت کا ایک اثر تھا۔ اور اکثر مرکزی وصوبائی بزرگ اور ذمہ دار حضرات عدو رجہ مروت اور نرم دلی کا مظاہرہ کرتے۔ نیز یہ کہ مفتی صاحب ارباب مستعفی کی دھمکی سے دھمین واقعات کا میں خود گواہ ہوں کام نکالتے۔ پھر عام کارکن کا ذہن اپوزیشن کا تھا۔ اس لیئے اس قسم کے اسباب سے انہوں نے مولانا کے خلاف ایک لابی پیدا کر لی جس نے خوف خدا اور آخرت کی مسئولیت سے بے نیاز ہو کر مولانا پر مرحوم بھٹو سے مفادات حاصل کرنے کی تہمتیں لگائیں۔ بڑے لوگوں کے کان بھرے گئے۔ اور مولانا سے جان خلاصی حاصل کر لی گئی۔ مولانا تو الگ ہو گئے یا کر دیئے گئے۔ لیکن گستاخی معاف جن بزرگوں نے اپنی عظمتوں کا لحاظ کیئے بغیر الغاف پسندی کا برتاؤ نہ کیا۔ اور مفتی صاحب کے ہر سیاہ وسفید پر آنکھیں بند کر کے انگوٹھے ثبت کیئے۔ انہوں نے مفتی صاحب کی اولاد سے جو زخم برداشت کیئے اور کرتے چلے جا رہے ہیں۔ وہ اپنی جگہ۔ خود جمعیت کا جو حال ہوا اور اب وہ جس طرح جی جی کر مرتی اور مر مر کر جیتی ہے۔ اور وہ پھرتے ہیں میر خوار دیا اس سے عبرت حاصل کرنا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ لیکن افسوس

کہ اس طرف توجہ نہیں یا دانستہ اغماض کیا جارہا ہے کہ اس طرح حقائق پر پردہ پڑا ہے لیکن تابکے۔ آئین کا لہو قاتل کے ہاتھ کی دہائی دیتا ہے اور ضرور۔ اندرونی اور بیرونی سازشوں سے ملک کی عظیم قوت کو تاراج کرنے کے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ ہم سب نے اس مخلص انسان کو کند چھری سے ذبح کر کے بت بنا لئے۔ انہیں صنم خانہ کی زینت بنایا۔ لیکن وہ اپنی ذات میں انٹرنیشنل ہو کر ہمیں اس کھڈے میں ڈال گئے کہ اب دور دور ہمارا پتہ نہیں۔ ہے کوئی جو اس سے عبرت حاصل کر کے ان حقائق کو طشت ازبام کرے۔ وقت نے ثابت کر دیا کہ غلام غوث کی سوچ درست ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

# الفضل ما شہدت بہ الاعداء

**جمعیت العلماء الاسلام صوبہ سرحد** مذکورہ بالا جماعت کا ایک اجلاس ۲۵ر اگست ۱۹۳۶ء کو صبح ساڑھے نو بجے صبح تا بارہ بجکر پینتالیس منٹ بعد از دوپہر تک غلام سرور الیاس، شیخ معظم بتوں کی سرپرستی میں مسجد قاسم علی میں منعقد ہوا۔ اجتماع کی تعداد ۲۰۰ سے ۳۰۰ کے درمیان تھی۔ جن میں چند دوسرے لوگوں کے علاوہ مولانا شاکر اللہ صاحب، مولانا عبدالقیوم صاحب پشاور، مولانا غلام غوث صاحب بفہ ہزارہ، مولانا زین اللہ صاحب گجر گڑھی تھانہ مردان، حکیم عبدالحکیم سرحدی اور مولانا عبدالودود صاحب موجود تھے۔ مولانا غلام غوث صاحب نے کارروائی کا آغاز کیا۔ انہوں نے جمعیت کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ اس جماعت کی بنیاد شریعت ہے۔ یہ کسی بھی دنیاوی قوت سے خائف نہیں۔ کونسل میں شمولیت کو زیر بحث لاتے ہوئے مقرر نے کہا کہ جمعیت، جمعیت ہند سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔ کونسل کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ جان لیوا مرض ہے۔

حکومت کا مقصد انہیں مختلف گروپ میں تقسیم کرنا ہے۔ تاکہ یہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں۔ اور مسلمانوں کو مفلس بنانا ہے۔ انتخابات میں بھاری اخراجات ہوں گے اور مسلمانوں میں نفرت کے بیج بوئے جائیں گے۔ یہ کونسل ایک جرم ہے۔ وہ اصحاب جن کا یہ خیال ہے کہ وہ اس ملک کو آزاد کر لیں گے مطلقاً غلط ہے۔

بہرحال جمعیت نے ان لوگوں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا ہے جو جمعیت کے اصولوں سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ یہ امر قابل تعجب ہے کہ مسلمان کیوں

نہیں سامنے آکر حکومت کو بتاتے کہ وہ کسی بھی دنیاوی قوت سے خائف نہیں۔ وہ صرف خدائے واحد پہ یقین رکھتے ہیں۔ عہد سلف کے مسلمان بہادر اور جری تھے۔ اور اس جذبے کا اظہار انہوں نے کئی موقعوں پر کر دکھایا ہے۔ اسی کی بدولت انہوں نے کئی سلطنتوں پر غلبہ پایا۔ اور ساری دنیا کو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زیرِ نگین کر لیا۔

بلاشبہ دورِ حاضر کے مسلمان بھی بہادر ہیں لیکن ان کا ............

مولانا صاحب نے قادیانیوں کے متعلق بڑی پرجوش تقریر فرمائی جو ریاست امب میں رہ رہے تھے۔ بے چارے سنی ریاستِ مذکورہ میں ان کے ہاتھوں مشکلات سے دوچار ہیں۔ مولانا صاحب نے درج ذیل قرارداد پیش کی۔

آج کا یہ اجلاس نواب صاحب ریاست امب سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنی ریاست میں مرزائیوں کے پروپیگنڈے کو بند کریں۔ مولانا غلام غوث صاحب نے قرارداد کی حمایت کی۔ اور سامعین کو مطلع بھی کیا کہ مولانا عبدالودود صاحب پشاور اخبار " فرنٹیئر ایڈووکیٹ " کے بائیکاٹ کے لیے قرارداد پیش کریں گے۔ جو سرخپوشوں کی سرگرمیوں کے خلاف ہے سامعے اور سب کو اس کی حمایت کرنی ہوگی۔

فوراً بعد مولانا عبدالودود صاحب کھڑے ہوئے اور کہا کہ مسلمان بے حس ہو گئے ہیں۔ ان کے زیر سایہ ہندو ایڈیٹر ان لوگوں کی توہین پر تلا ہوا ہے جنہوں نے ملک کے لیے عظیم قربانیاں دی ہیں۔ اور یہ حقیقت تھی کہ اخبار نے اپنی ذاتی اغراض کے لیے پروپیگنڈہ مرتب کیا تھا۔ اور سرخپوشوں کی ساکھ کو ماند کر دیا ہے۔ اس ماہ کی ۲۰ تاریخ کی اشاعت میں اخبار نے لال کرتی خدائی خوار کہا تھا۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کے مابین خلیج قائم کر رہا ہے۔

اور یہ اجلاس فرنٹیئر ایڈووکیٹ ۔ کے رویہ پر مذمت کا اظہار کرتا ہے۔ اور ۳۰ تاریخ کی اشاعت پر اپنی رنجیدگی کا اظہار کرتا ہے۔ اس کی حمایت پشاور شہر کے سابقہ کانگریسی اور غلام غوث لبغہ نے کہا جنہوں نے اس اخبار کے بائیکاٹ کی تجویز پیش کی۔

بعد ازاں مولانا شاکر اللہ صاحب نے مولانا عبدالقیوم صاحب ہزارہ کے مقدمہ پر اظہار خیال فرمایا اور کہا کہ وہ بے گناہ ہیں۔ اس نے درج ذیل قرارداد پیش کی۔

یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ مولانا عبدالقیوم صاحب بے گناہ ہیں۔ ان کو رہا کیا جائے۔ مولانا غلام غوث لبغہ نے قرارداد کی حمایت کی۔ اور کہا کہ مانسہرہ کے اسسٹنٹ کمشنر صاحب جن کی بڑی توند ہے۔ اس نے ہزارہ میں بڑا ظلم مچا رکھا ہے۔ دیروز میں نے اس کے بھائی کو کتب فروش کی دکان پر بیٹھا دیکھا۔

**شریعت کانفرنس** جیسے کہ قبل ازیں رپورٹ عرض کی گئی ہے کہ ۲۶/۹/۱۹۳۴ کو صبح ۹ بجے تقریباً ایکسو (۱۰۰) افراد پرائمری سکول یکہ توت میں شریعت کانفرنس کے معاملات پر تفصیلی بحث کے لئے جمع ہوئے۔

حافظ عبدالودود صاحب، مولانا اسرائیل صاحب نے کارروائی کا آغاز کیا۔ انہوں نے مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور فرمایا کہ انہیں شریعت سے متعلق معاملات پر غور کے لئے مدعو کیا گیا ہے۔ شیخ معظم بنوں صدر مجلس تھے۔ مولانا شاکر اللہ صاحب نے اعلان فرمایا کہ مبلغ ایک روپیہ مالیہ ادا کرنے والا ہر مسلمان استقبالیہ کمیٹی کا ممبر بن سکے گا۔ حکیم عبدالجلیل صاحب نے استقبالیہ کی صدارت کے لئے دستور ساز اسمبلی کے ممبر (ے۔ ل۔ ۱۶) جناب عبدالرحمٰن صاحب کا نام تجویز کیا۔ سامعین نے اس کی تائید کی۔ درج ذیل کا انتخاب عمل میں آیا۔

صدر : عبدالرحمٰن صاحب

نائب صدر : حکیم عبدالسلام سکنہ میرپور۔ محمد جان بیرسٹر بنوں، مولانا فضل صمدانی بھانا مانی، پیر حسن گل سکنہ کوہاٹ، مولانا عبدالقیوم ہزارہ، مولانا عندلیل اختر پشاور۔

جنرل سیکرٹری :۔ مولانا عبدالقیوم صاحب۔

سیکرٹری نشر و اشاعت :۔ حکیم عبدالجلیل صاحب ندوی

خزانچی :۔ حاجی عبدالرحیم پشاور

ممبران ورکنگ کمیٹی :۔ (۱) سردار عبدالرب نشتر مرحوم (۲) پیر بخش وکیل۔ (۳) مرزا سلیم جان۔ (۴) شیخ معظم بنوں۔ (۵) مولانا محمد یونس بام خیل۔ (۶) عبدالرفیع لوام خیل۔ (۷) ارباب شیر علی خان سکنہ تہکال۔ (۸) عبدالخالق صاحب سکنہ گڑھی کپورہ۔ (۹) زین الحق صاحب سکنہ گوجر گڑھی۔ (۱۰) مولانا شاکر اللہ صاحب سکنہ مردان۔ (۱۱) محمد اسمٰعیل صاحب سیکرٹری جمعیت اتمان زئی۔ (۱۲) حکیم فضل حق صاحب باجوڑی کلاں۔ (۱۳) ڈاکٹر گیلانی صاحب۔ (۱۴) فقیرا خان صاحب ہزارہ۔ (۱۵) غلام غوث صاحب لغہ ہزارہ۔ (۱۶) سعداللہ خان ولد ڈاکٹر خان صاحب۔ (۱۷) پیر شاہین شاہ صاحب سکنہ کوہاٹ۔ (۱۸) حاجی عبدالمالک صاحب سکنہ کاٹو گڑھی۔ (۱۹) آغا لعل بادشاہ صاحب۔ (۲۰) مولانا عبدالرحیم صاحب۔

نمبر ۱، ۲، ۱۰، ۱۳، ۱۴، ۱۶، ۱۷، ۱۹ اور ۲۰ سابقہ کانگریسی اور سرخپوش ہیں۔

درج بالا انتخاب کے بعد ڈیڑھ بجے (۱:۳۰) بعد از دوپہر جلسہ برخاست ہوا۔ تقریباً ۶ بجے شام غلام محمد لوندخوڑ جمعیت کے دفتر گئے۔ جہاں حکیم فضل حق صاحب، محمد اسرائیل صاحب، محمد یونس صاحب، عبدالخالق صاحب اور جمعیت کے چند دوسرے افراد موجود تھے۔ غلام محمد نے ان سے کہا کہ وہ ان کے ساتھ شامل ہونے کے لیے تیار ہے۔ اگر وہ وعدہ کریں کہ وہ سول نافرمانی یا کسی دوسری تحریک میں سرخ پوشوں کی مدد کریں گے۔ انہوں نے ایسا کرنے کا وعدہ کیا۔ لیکن غلام محمد نے انہیں حلف اٹھانے کو کہا۔ اور انہوں نے حلف اٹھا لیا۔ اور کہا کہ وہ جمعیت ہند سے مشورہ کریں گے۔ اگر جمعیت دہلی نے انہیں اجازت نہ دی تو پھر بھی وہ وعدہ وفا کریں گے۔

انسپکٹر
سیاسی شعبہ
مورخہ ۲۷ اگست ۱۹۳۰ء۔

"زمیندار" لاہور ۔ مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۳۷ء

# مسلمانان مانسہرہ کا عظیم جلسہ

درج بالا عنوان پر اخبار اپنے اداریے میں ۹ جولائی کو مانسہرہ میں منعقد ہونے والے جلسہ کی تفصیل بیان کرتا ہے ۔ جو فقیرا خان ملک پوری کے زیر صدارت جامع مسجد میں ہوا ۔ دستور ساز کونسل کے رویّے کے خلاف شریعت بل کے سلسلے میں احتجاجاً قرارداد پیش کی گئی ۔ ایک دوسری قرارداد میں مولانا غلام غوثؒ نے تجویز کیا اور زور دیا کہ حکومت صوبہ سرحد میں امن کی فضا پیدا کرے ۔ سرخپوشوں کی تنظیم پر عائد شدہ پابندی کو ختم کرے اور سرخپوش رہنماؤں کے سیاسی قیدیوں کو عام معافی دی جائے ۔

تیسری قرارداد جو مولانا غلام رحیم نے تجویز کی اس میں کیمبل پور ضلع کے مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا ۔ اور سرکاری کارندوں کی مسلم کش پالیسی کی مذمت کی ۔ اور حکومت پر زور دیا کہ مسلمان سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جائے ۔

آخر میں مولانا ظفر علی خان نے مسلمانوں کی مالی و سماجی اور سیاسی حالات کا جائزہ لیتے ہوئے ہمدردانہ تقریر کی ۔ انہوں نے کانگریس کی مکمل آزادی کا تمسخر اڑایا ۔ اور مسلمانوں سے اقتصادی حالت کو سدھارنے کے لیئے اپنی سرگرمیاں تیز کرنے کی اپیل کی ۔ صوبہ سرحد میں سرخپوشوں کی تنظیم پر پابندی کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے کانگریس کے سرخپوشوں کو نظر انداز کرنے پر الزام لگایا ۔ انہوں نے حکومت پر زور دیا کہ سرخپوش تنظیم پر سے پابندی ہٹائی جائے ۔ تاکہ وہ اپنی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے قابل ہو جائیں ۔

خلاصۃً انہوں نے کہا کہ کانگریس نے کونسل میں شمولیت کا پروگرام مرتب

کر دیا ہے۔ اور اس بات کا بھی یقین ہو چکا ہے کہ بعض مسلمان اس مہم میں شامل ہو جائیں گے۔ ان حالات میں عوام کیا کریں گے۔ اس ضمن میں انہوں نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ پانچ سالہ پروگرام مرتب کریں۔

جمعیت العلماء کے ۲۴ اگست ۱۹۳۶ء کے اجلاس میں درج ذیل قراردادیں منظور کی گئیں۔

۱۔ اگرچہ جمعیت اس حقیقت سے باخبر ہے کہ اسمبلی میں ان کے ممبر کے اشتراک سے چنداں بہتر نتائج برآمد نہیں ہوں گے۔ لیکن اس کے باوجود جمعیت ہر اس شخص کی حمایت کی ضمانت دیتی ہے کہ جو جمعیت کے ٹکٹ پر اسمبلی کی نشست کا انتخاب لڑے گا۔

۲۔ پنچایت بل کی مذمت کرتی ہے۔ کیونکہ یہ شریعت کے خلاف دکھائی دیتا ہے۔

۳۔ اکاؤنٹ بل کی حمایت کرنا۔

۴۔ مولوی عبدالقیوم لغہ ہزارہ کی رہائی کے لیے حکومت سے مطالبہ کرتی ہے۔

۲۵ اگست ۱۹۳۶ء کو غلام سرور الیاس، شیخ معظم بنوں کی زیر صدارت پشاور شہر میں مسجد قاسم علی خان میں جمعیت العلماء کا ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں تقریباً تین سو (۳۰۰) افراد نے شرکت کی۔ حاضرین میں سے درج ذیل اہم شخصیات تھیں۔

مولانا شاکر اللہ صاحب، مولانا زین اللہ صاحب سکنہ گوجر گڑھی، پشاور کے مولانا عبدالقیوم صاحب، حکیم عبدالحلیم صاحب سرحدی، لغہ کے مولانا غلام غوث صاحب اور مولانا عبدالودود صاحب۔

مولانا غلام غوث صاحب نے کونسل میں تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جمعیت

جمعیت العلماء ہند کے نظریات وخیالات سے بالکل اتفاق رکھتی ہے۔
انہوں نے مقننہ کی افادیت پر اعتراض کیا اور فرمایا کہ حکومت منقسم کرو اور راج کرو کی پالیسی پر یقین رکھتی ہے۔ انتخابات نے مسلمانوں کو مفلس کر دیا ہے اور نفرت کے بیج بو دیئے ہیں۔ ایسے اصحاب جو یہ تاثر دیتے ہیں کہ مقننہ میں داخل ہو کر اپنے وطن کی آزادی کو تیز تر کر دیں۔ سفہاء کی جنت میں رہ رہے ہیں۔ عہدِ سلف کے مسلمان بہادر تھے۔ ان کی شجاعت ہی نے کئی سلطنتوں کو زیر پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر نگین کیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دورِ حاضر کے مسلمانوں میں بھی وہی جذبہ پایا جاتا ہے۔ لیکن انہوں نے افسوس کیا کہ وہ اپنی قوت کا احساس نہیں رکھتے۔ پھر انہوں نے ایک قرارداد پیش کی جو منظور کر لی گئی۔
قرارداد میں کہا گیا کہ "جمعیت" کونسل میں شمولیت کی حمایت نہیں کرتی۔ لیکن اپنے کسی ممبر کی راہ میں حائل نہیں ہوگی۔ جو منتخب ہونے کا خواہشمند ہو۔
عبدالعلیم سرحدی نے مغربی تعلیم کی مذمت کی اور لڑکیوں کے لئے مذہبی تعلیم کی وکالت کی۔
متفقہ طور سے ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں کہا گیا کہ لڑکیوں کے لئے مغربی تعلیم خلافِ شریعت ہے۔
مردان کے مولانا زین اللہ صاحب نے مردان میں مسماۃ گوری کے اپنے اقرباء میں واپس لوٹنے کا اظہار فرمایا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ ایک کمیشن متعین کیا جائے۔ جو اس کے مذہب کے متعلق استفسار کرے۔
مولانا شاکر اللہ صاحب کی قادیانیوں پر سخت نکتہ چینی کے بعد مولانا عبدالودود صاحب نے سامعین سے گذارش کی کہ وہ اخبار "فرنٹیر ایڈووکیٹ"۔

کا بائیکاٹ کریں۔ انہوں نے فرمایا۔ ان کے درمیان ایک ہندو ایڈیٹر ہے۔ جو روزمرہ ان اصحاب کی بے عزتی کرتا ہے جنہوں نے وطن کے لیے عظیم قربانیاں دی ہیں۔ انہوں نے اس یقین کا اظہار کیا کہ اس کا ذاتی محرک "فرنٹیر ایڈووکیٹ" میں سرخ پوشوں کے خلاف مضمون لکھنے کا محرک بنا۔

۲۰ اگست کی اشاعت میں "سرخ پوش" کو لال کرتی خدائی خوار کہا گیا۔ انہوں نے فرمایا۔ ایسے حملے ہندو مسلم اتحاد کو تباہ کر دیں گے۔

جلسہ اس دعا پر اختتام پذیر ہوا کہ خدا کرے کافر مر جائیں اور اسلام کو فروغ ہو۔

## سی۔ آئی۔ ڈی کی رپورٹیں

مولانا ہزارویؒ کا قادیانیت کے خلاف جو سخت مزاج اور رویہ تھا وہ مذہبی بنیادوں پر بھی تھا لیکن زیادہ شدت مجلس احرار میں رہنے کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ اور اس معاملے میں اتنی شدت تھی کہ قادیانیوں کے بارے میں آپ کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہ تھا۔ الحب فی اللہ والبغض للہ کی صحیح تفسیر تھے۔

قارئین حضرات! آپ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی خدمات کا اجمالی تذکرہ تو پڑھ چکے ہیں۔ جو مجلس احرار میں حضرت ہزارویؒ نے انجام دیں۔ آپ کو حضرت ہزارویؒ اس شعر کا مصداق نظر آئیں گے۔

؎ مقام فیض کوئی راہ میں جچا ہی نہیں
جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

اب ذرا سی۔ آئی۔ ڈی کی وہ خفیہ رپورٹیں بھی ملاحظہ فرمائیں جنہیں اس

کے ریمارکس پڑھ کر جو فیصلہ کریں کہ مولانا ہزاروی کیا تھے۔ اور انگریز مولانا ہزاروی کو کیا سمجھتا تھا۔ میں مولانا ہزاروی کے بارے میں صرف یہی شعر تحریر کرتا ہوں جو صحیح ترجمانی کرتا ہے۔

کبھی مدت سے ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

سی۔آئی۔ڈی کی یہ رپورٹیں پشاور سے پولیس کی خفیہ ڈائری سے لی گئیں۔ یہ حکامِ بالا سے اجازت لے کر ایک دوست ضیاءالاسلام صاحب نے نقل کی ہیں۔ وہ بھی مولانا ہزاروی پر انگلش میں کتاب لکھ رہے ہیں۔ خفیہ ڈائری کے صفحات بھی ساتھ دیئے گئے ہیں۔ رپورٹ اصل نقل کی گئی ہیں۔ ان کا ترجمہ انگلش سے اردو میں ایک دوست قاری محمد فرید صاحب آف بھیر کنڈ نے کیا ہے۔ رپورٹیں حاضر ہیں۔

ص۱۵ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی خفیہ پولیس کی $\frac{3}{41}$ ۱۲ کی رپورٹ کا ترجمہ

"بفہ تحصیل مانسہرہ میں ایک سوسائٹی "انجمن اصلاح الرسوم" قائم ہو چکی ہے۔ جسے مولانا غلام غوث ولد سید گل ساکن بفہ نے ترویج دیا ہے۔ تیس رضاکاروں کے ناموں کا اندراج کیا گیا تھا۔ جن کے فرائض لوگوں کو نماز پڑھنے اور اتحاد برقرار رکھنے کی تلقین کرنا ہے۔ اس انجمن کا مقصد بفہ کے مسلمانوں کی خرابیوں کو دور کرنا۔ اور انہیں سیدھی راہ پر چلانا اور امتِ محمدیہ کو نیکی کی ترغیب دینا اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا اور ایک مخلص قوم بنانا ہے۔"

ص۶۱۔ ایس۔پی ہزارہ کی ہفتہ وار ڈائری نمبر ۲۳ مورخہ $\frac{6}{41}$ ۶ کو خانیز مان اور رسول خان نمبردار ساکن بفہ نے $\frac{5}{41}$ ۲۵ کو غلام غوث ساکن بفہ کے ساتھ بحث و مباحثہ کیا۔ اس موضوع پر کہ انجمن اصلاح الرسوم بفہ کے نمائندوں کی ایک کمیٹی تشکیل

دی جائے جو اس کو کنٹرول کرے اور جو حالیہ انتظامات کے نعم البدل کے طور پر کام کرے۔ یہ تجویز اس شرط پر منظور کر لی گئی کہ مستقبل قریب میں سوائیمیلی کی منعقد ہونے والی میٹنگ بھی اس کی منظوری دے۔

۲۔ $\frac{1}{1933}$ مولانا غلام غوث سکنہ بفہ تھانہ شنکیاری ضلع مانسہرہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۳ء براستہ قادیان امرتسر کے لیے روانہ ہو گئے۔

مندرجہ بالا اطلاع ایس۔پی ہزارہ کی طرف سے ایس پی گورداسپور کو بھیجی گئی۔

## تحریک احرار:-

سپیشل برانچ پی ۵۵ سیریل ۸۹۶ پشاور ۳ ۱۹۳۵-۲-۲۵ ۱۰ احرار مجلس شریعت کانفرنس کے تیسویں اجلاس کے التواء کے بعد مولوی کفایت اللہ مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا ظفر علی خان رحمہم اللہ تعالیٰ اور انجمن سیف الاسلام کے دوسرے ارکان نے شاہی مہمان خانہ میں رات کو کانفرنس کی کامیابی پر بات چیت کی۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے انہیں بتایا کہ قادیانی حکومت کے ایماء پر مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ احرار پارٹی لاہور کی ایک شاخ پشاور میں بھی قائم کی جانی چاہیئے۔ موقع پر ہی مندرجہ ذیل انتخاب عمل میں آیا۔

۱۔ صدر:۔ مولانا غلام غوث ہزارویؒ

۲۔ نائب صدر:۔ بادشاہ بجلی۔

۳۔ جنرل سیکرٹری:۔ الٰہی بخش ٹھیکیدار مرحوم

عہ اس سوسائٹی کا مقصد قادیانیوں کے خلاف ایک سخت تحریک چلانا اور مسلمانوں کو دوسرے کاموں میں مدد دینا ہو گا۔ مقامی انجمن سیف الاسلام بھی

اسی کے ماتحت بھی کام کرے گی۔

۲/۳۵ ۲۶ ص ۴۵ ۔ ۲۵ر فروری کی رات قاسم علی مسجد میں احرار پارٹی کا ایک جلسہ ہوا جس میں تین چار سو افراد نے شرکت کی۔ یہ اجلاس اڑھائی گھنٹے جاری رہا۔ اجلاس کا آغاز مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے کیا۔ اس اجلاس میں مولانا نے قادیانیوں پر تنقید کی۔ اور ان کو کافر قرار دیا۔ اجلاس سے مولانا حبیب الرحمٰن نے بھی خطاب کیا۔ آخر میں مولانا غلام غوث نے حاضرین کے سامنے شریعت کانفرنس میں پاس کردہ قرار دادیں پڑھ کر سنائیں۔ اور کہا کہ نہ ہی وہ قادیانیوں سے کسی قسم کا لین دین کریں۔ اور نہ ہی انہیں اپنے قبرستان میں مردے دفن کرنے کی اجازت دیں۔ مولانا نے سامعین کو متنبہ کیا کہ جس اے۔ ایس۔ آئی کو شریعت کانفرنس کی کارروائی نوٹ کرنے کے لئے متنبہ کیا گیا ہے۔ ا سے مسجد میں نہ داخل ہونے دیں کیونکہ وہ ایک کافر تھا۔

۴/۱۹۳۵ ۱۱ ص ۱۱ ۔ احرار پارٹی نے ۳/۲۵ ۱ کو محلہ شاہ ولی قتیل پشاور شہر میں ایک جلسہ منعقد کیا۔ مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے کراچی فائرنگ کیس کی تحقیقات سے انکار کرنے پر بمبئی حکومت پر سخت تنقید کی۔ اس نے بتایا کہ برطانوی دستے فائرنگ کے ذمہ دار ہیں۔

۴/۱۹۳۵ ۱۵ ص ۱۳۸-۱۴۰ شعبۂ تبلیغ مجلس احرار اسلام پشاور کی دو نشستیں ۱۳ر اپریل کو اسلامیہ کلب میں منعقد ہوئیں۔ پہلی نشست کی صدارت مولانا غلام غوث نے کی۔ مجمع کی تعداد ۱۰۰ سے اور ۲۰۰ کے درمیان تھی۔ کارروائی کا آغاز مردان کے امیر ہرتی نے کی۔ مولانا غلام غوث نے اجلاس کی کارروائی سمیٹتے ہوئے قادیانیوں کی سخت مخالفت کی اور کسی بھی احمدی کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے منع کیا۔

جس کا حاضرین مجلس نے مثبت جواب دیا۔

دوسری نشست ساڑھے تین بجے نوشہرہ کے مولوی شاکراللہ کی صدارت میں ہوئی۔ مولانا غلام غوث ہزاروی اس دن کے آخری مقرر تھے۔ اس نے مرزا غلام کے حکومت کی طرف جھکاؤ اور نبوت کا دعویٰ کرنے پر سخت تنقید کی۔ اس نے بتایا کہ کوئی آدمی ان دونوں مقاصد کو بیک وقت نہیں حاصل کر سکتا۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ وہ اس مقصد کے لیے قائم کی ہوئی مجلس احرار میں شمولیت اختیار کریں جو ان کی منزل ہے۔

$\frac{۴}{۱۹۳۵}$ ۱۵ صفحہ ۴۱۔ ۱۲ اپریل کو ۹ بجے تا ۳ بجے شاہ ملاسی گاؤں میں مسلمانوں کا جلسہ ہوا جس میں ۲۵۰ آدمی شریک ہوئے۔ جس کی صدارت میر حسین سکنہ شباب خیل نے کی اجلاس کا آغاز مولوی غلام غوث نے کیا۔ اس نے مرزا غلام احمد اور اس کے حامیوں کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ ایک مرزائی عبدالغنی موجود تھا۔ اس نے مولانا سے ایسے گالی آمیز رویے سے اجتناب کرنے کو کہا۔ مگر مولوی صاحب نے اسے خاموش رہنے کو کہا۔ اور مزید کہا کہ وہ اگر مرزا کو مسلمان ثابت کرنا چاہتا ہے تو مزید اپنے دلائل کے ساتھ آگے آنا چاہیئے۔ اس وجہ سے عبدالغنی جلسے چلا گیا۔

۱۹۳۵-۴-۱۳ صفحہ ۴۵۔ ۱۲ اپریل ۱۹۳۵ء کو بعد از نماز جمعہ گاؤں شیخ محمدی میں ایک جلسہ ہوا جس کی صدارت مولانا شاکراللہ نے کی۔ حاضرین کی تعداد آٹھ سو تھی۔ مولانا غلام غوث ہزاروی نے اپنی تقریر میں غلام احمد قادیانی کی کتابوں میں لکھے ہوئے اقتباسات کی مخالفت قرآن پاک کے حوالے سے دیکر کی۔ انہوں نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ جو شخص مرزا غلام احمد کو کافر نہیں کہے گا وہ خود کافر ہو گا۔

۱۹۳۵-۴-۱۵۔ ایک قابل اعتبار ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ ۱۴ اپریل ۱۹۳۵ء کی صبح مولانا شاکراللہ، مولانا غلام غوث، مولانا سیف الرحمٰن آف مردان، مولانا

عبدالحق آف کوہاٹ، مولانا عبدالقیوم مجلس احرار کے دفتر میں ملے اور شعبہ تبلیغ کو مجلس احرار سے علیحدہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ پہلے صرف مذہبی تنظیم تھی۔ خان میر ہلالی کو جنرل سیکرٹری اور شیر بہادر کو نائب صدر احرار پارٹی منتخب کیا گیا۔

$\frac{۵}{۱۹۳۵}$ ۱ صفحہ ۱۸۵-۱۹۱۔ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ احرار پارٹی پشاور نے موضع زیدہ تھانہ صوابی میں ایک جلسہ منعقد کیا۔ جلسہ کے حاضرین کی تعداد ۱۸۰۰ اور ۲۰۰۰ ہزار کے درمیان تھی۔ جس میں ۲۰ سرخ پوش تھے۔ مولانا غلام غوث نے مرزا پر الزام لگایا کہ وہ برطانوی حکومت کا آلہ کار ہے۔ اور کہا اس کے آبا و اجداد نے غدر کے موقع پر انگریز کی مدد کی۔ مقرر نے کہا جن لوگوں نے غلام احمد قادیانی اور گورنمنٹ کی مدد کی تھی وہ ٹوڈی ہیں۔ جلسہ میں کئی قراردادیں منظور کی گئیں۔ اس قسم کا اجلاس ۲۷ اپریل کو غلام غوث کی صدارت میں موضع زروبی میں ہوا جس میں تقریباً سو سرخپوشوں سمیت ایک ہزار (۱۰۰۰) افراد نے شرکت کی۔ مولانا نے سامعین کو نصیحت کی کہ وہ جشن کی تقریبات میں شریک نہ ہوں۔ آخر میں غلام غوث ہزاروی نے احرار پارٹی کو شعبہ تبلیغ سے علیحدہ کرنے کا اعلان کیا۔ جیسا کہ متعدد قراردادوں میں منظور کیا گیا تھا۔

$\frac{۶}{۱۹۳۵}$ ۳ صفحہ ۱۲۸ ۱۲۔ جیسا کہ ۲۴ کی گذشتہ ڈائری میں ذکر کیا گیا کہ ۱۳ مئی کو احرار پارٹی کی دو نشستیں موضع ڈومیلہ میں ہوئیں۔ پہلی نشست کی صدارت مولانا کی تھی۔ مجمع کی تعداد دو یا تین سو تھی۔ صدر نے پرزور تقریر کرتے ہوئے مرزا غلام احمد کی نبوت کی تردید کی۔ اس نے مرزا کے اس دعوے کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا کہ وہ اپنے ماننے والوں کو کافر قرار دیتا تھا۔ اور حاضرین کو کہا کہ

وہ اس پر کان نہ دھریں کیونکہ مرزا بذاتِ خود بڑا کافر تھا۔ صدر نے قادیانی اساتذہ کو سرکاری اور غیر سرکاری سکولوں سے برطرف کرنے کی قرارداد منظور کروائی۔ چونکہ مرزا ہمیشہ سرکار برطانیہ کا وفادار رہا ہے۔ لہٰذا وہ سرکاری نبی ہے۔ لہٰذا مسلمان اس کو نہیں مانتے۔ اس نے حاضرین کو قادیانیوں سے قطع تعلق کرنے کو کہا۔

۲۵ ۵/۶ صـ۷۲ ۔ مجلس احرار و جمعیت علما کا مشترکہ اجلاس مورخہ ۲/۵/۳۵ کو موضع ڈوگہ پیران میں منعقد ہوا جس کی صدارت مولوی شاکر اللہ نے کی۔ سامعین کی تعداد ۸۰۰ کے قریب تھی۔ دوسروں کے علاوہ مولانا غلام غوث نے بھی جلسہ سے خطاب کیا۔ اس نے لیجیلیٹو اسمبلی کے ممبروں کو ملعون کیا۔ جو شریعت بل کی حمایت نہ کرتے تھے۔ اس نے سامعین کو مرزائیت کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا کہ ان کو احمدی اور مرزا کے نام سے پکارا جائے اور ان کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے۔ اس نے مزید کہا کہ مرزا دجال، کذاب اور کافر ہے۔ اس پر خدا کی لعنتیں بھیجیں۔ اس نے مزید کہا کہ کوئی ڈپٹی کمشنر اور جنرل بھی اگر مرزائی ہو تو اسے بھی کافر کہہ کر پکارا جائے۔ انہوں نے کہا کہ مرزا ہیضے کے سبب بیت الخلاء میں ہلاک ہوا۔ اس شر انگیز تقریر کے بعد ان کو ایک ماہ کے لیے ضلع پشاور سے بدر کر دیا گیا۔ ان کو پشاور کی طرف مورخہ ۴/۵/۳۵ کو سفر کے دوران حکمنامہ دکھایا گیا تو وہ فوراً ہری پور کی طرف روانہ ہو گئے۔

۲۵۔ ۱۵-۸-۱۵ ص ۱۲۹۔ **شہید گنج مسجد کے متعلق:۔** مولانا نے کہا کہ احراری شہید گنج مسجد کے تنازعہ میں سرگرمی سے حصہ لینے میں حق بجانب ہیں۔ کیونکہ انہیں اپنی ناکامی کا یقین تھا۔ انہوں نے کہا تقریباً سات لاکھ مسلمان پنجاب میں سکھوں کے مزارع ہیں۔ کیا احراریوں نے اس سلسلے میں دلچسپی لی ہے۔ وہ مسلمان سکھوں

کے ہاتھوں بے حد تکالیف برداشت کر رہے تھے۔ شہید گنج کی مسجد کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ سکھوں نے حکومت کی مدد سے اس مسجد کا قبضہ لیا۔ یہ سب کچھ مسلمانوں کے عدم [illegible] کی وجہ سے ہوا۔ یا یہ سب کچھ مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے ہوا۔ یہاں انہوں نے ایسے راہنماؤں سے احتراز کا مشورہ دیا جو لوگوں کو اکسا کر آگے آنے کو کہتے ہیں اور خود پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

آخر میں انہوں نے تجویز پیش کی شہید گنج کی متنازعہ مسجد کا کنٹرول کسی قابل اعتماد راہنما کے سپرد کر دیا جائے جس کے حکم کی تعمیل کی جاتی ہو۔

٣٥-٨-١٧ ص ٤٢٣ غلام غوث ہزاروی کی دوسری گرفتاری۔

مولانا کو ١٥/٨/٣٥ کو گرفتار کر کے ایبٹ آباد بھیج دیا گیا۔ اس کی گرفتاری کی شب مقامی احرار پارٹی نے تنگ منڈی مسجد میں جلسہ منعقد کیا۔ حاضرین کی تعداد ٢٥٠ تھی۔ وہ مردان کی تقریر کی وجہ سے گرفتار کیئے گئے تھے۔ جس میں انہوں نے لاہور کے لیئے پہلے جتھے کی قیادت کا اظہار کیا تھا۔

١٩٣٥-١٠-١٩ ص ٢٢٩۔ مولانا غلام غوث کو سیالکوٹ میں ١٠، ١١، ١٢ رنومبر تک آل انڈیا احرار کانفرنس کا صدر منتخب کیا گیا۔ یہ فیصلہ مجلس احرار پشاور نے کیا جس میں مولوی عبدالقیوم، عبدالوحید سرحدی، سید الطاف حسین، مولوی لطف اللہ، اکرم خان، لال خان، شاکر اللہ، غلام غوث اور حکیم فضل حق جیسے چیدہ چیدہ رہنما تھے۔

٣٥-١١-١٠ ص ٣٠٥-١ سیالکوٹ کے اجلاس سے پہلے۔ مرکزی مجلس احرار پنجاب ٣٥-١١-٩ کے مجوزہ پروگرام کے مطابق مولانا حبیب الرحمٰن کا نام صدر

صاحبزادہ فیض الحسن کے نام صدارت کے لیے پیش کیے گئے۔ مولانا حبیب الرحمٰن کو بلا مقابلہ صدر منتخب کر لیا گیا۔ نائب صدر کو بھی نئے مجوزہ پروگرام کے مطابق منتخب کرنا تھا۔ غلام غوث جو اگلے سال کے لیے سرحد مجلس احرار کے صدر بنائے گئے تھے کو نائب صدر کے عہدے پر اکتفا کرنا پڑا۔ تقریباً آٹھ سو آدمیوں نے جلوس کی شکل میں نائب صدر غلام غوث ہزاروی کا استقبال کیا جن میں سات سو کے قریب نوجوانوں کی ٹولیاں بھی شامل تھیں۔

۱۹۳۹-۱۱-۱۱ صفحہ ۳۵، ۳۴۰ ۔ سیالکوٹ کے اجلاس کی کارکردگی :-

کل انڈیا احرار پارٹی سیالکوٹ کے سالانہ اجلاس کی پہلی نشست ۱۰ نومبر ۱۹۳۹ء کو ۹ بجے شام ہوئی حاضرین کی تعداد تقریباً ۱۸۰۰۰ تھی جس میں ۲۰۰۰ خواتین بھی شامل تھیں۔ صدارتی خطبے میں مولانا غلام غوث نے مسجد شہید گنج کے بارے میں بتلایا کہ کس طرح مجلس احرار دشمنوں کی سازشوں کا شکار ہو کر مشکلات میں گھر گئی۔ مجلس احرار کی یہ مخالفت ایک سوچی سمجھی سکیم کا نتیجہ تھی۔ آنے والی اصلاحات کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مرزائی اور عیسائی ایک ہی جیسے ہیں۔ اور مطالبہ کیا کہ مرزائیوں کو بھی ایک علیحدہ اقلیت قرار دیا جائے۔ شہید گنج کی مسجد کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہندو پریس نے دونوں قوموں کے درمیان موجود خلیج کو وسیع کیا ہے۔ اور آگ پر تیل کا کام کیا ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ ہندو مسلم کے درمیان نفرت دراصل برطانوی حکومت اور مرزائیوں نے تحریک آزادی کو ختم کرنے کے لیے پیدا کی ہے۔ اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ سنہ ۱۸۳۹ء میں گورداسپور کی چراغ بی بی نے ایک بچے غلام احمد کو جنم دیا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اس کی مدد برطانیہ حکومت نے کی۔ کیونکہ وہ جہاد کو حرام قرار دیتا تھا۔ اس نے ہر ایک کے لیے نبوت کا دروازہ کھول دیا۔

اسی آدمی نے یہ قرار دیا کہ ہر آدمی کے لیئے برطانوی حکومت کی اطاعت لازم ہے۔ اور برطانوی قانون میں جہاد لازم قرار دیا۔ کیونکہ برطانوی حکومت خدا کا سایہ ہے۔ برطانوی حکومت پر خدا کا سایہ ہے۔

قارئین کرام! اب ذرا سی۔ آئی۔ ڈی کی رپورٹیں پڑھیں۔

سرحد میں چند نمایاں مولویوں کی فہرستیں (۳۱ دسمبر ۱۹۵۱ء تک تصحیح شدہ) غلام غوث (زیادہ اثر رکھنے والا)۔ عبدالقیوم پوپلزئی کے رشتہ دار اور احمد خان کے بہترین دوست ہیں۔ گورنمنٹ برطانیہ کے خلاف اوّل درجہ پروپیگنڈہ کرنے والوں میں سے ہیں۔ گورنمنٹ برطانیہ کے سخت خلاف ہیں۔ حد درجہ کے سخت اور بدترین سیاسی نظریات کے مالک ہیں۔ سرخپوش تحریک کے دوران افغان جرگہ کے امیر جماعت تھے۔ اس دوران ان کو دفعہ ۱۲۴/الف PC ۱۹۳۱ کے تحت ایک سال کی قید با مشقت ہوئی تھی۔ ایک مقرر ہے۔ کانگریس کی تحریک کے دوران تقاریر کرتا رہا ہے۔

۱۹۳۰/۳۱ کے فسادات میں سرخپوش بھرتی کیئے۔ اور احمدیوں کے خلاف بہت زیادہ سرگرم عمل رہے۔ ضلع پشاور میں احمدیوں کے خلاف تقاریر کیں۔ اس دوران میں ان کو پبلک کے سکون میں خلل ڈالنے کے جرم میں یہ حکم دیا گیا کہ وہ کسی بھی عوامی جلسے سے احمدیوں کے خلاف تقریر نہیں کر سکتے یا اجلاس میں شامل نہیں ہو سکتے۔ لیکن پھر بھی ضلع پشاور میں کانگریس کی تحریک میں پرجوش حصہ لیا۔ ان کو وارننگ دی گئی کہ وہ کسی قسم کے اظہار خیال سے باز رہیں جو ـــــ

نومبر ۱۹۳۶ء میں وزیرستان میں حکومت کے خلاف ہونے والی جنگ میں شدید رد عمل کا باعث بنے۔ ۱۹۳۶ء میں ان کو کانگریس کے ایک جلسے میں

برٹش حکومت کے خلاف تقاریر کرنیوالی کمیٹی کا ممبر چنا گیا جس کا مقصد حکومت برطانیہ اور برطانوی استعمار کے خلاف دشمنی کے جذبات کو ابھارنا تھا۔

جب ان کو متنبہ کرنے کے لیے بلایا گیا تو انہوں نے نہ صرف حاضر ہونے سے انکار کر دیا بلکہ ان کی سرکار کے خلاف سرگرمیاں مزید تیز ہو گئیں ۱۹۴۰ء میں مجلس احرار صوبہ سرحد کے صدر بن گئے۔ انہوں نے خاکساروں پر کافر ہونے کا فتویٰ لگایا۔ انہوں نے اپنے مخالفوں کے خلاف (خصوصاً خاکساروں کے) اپنا پراپیگنڈہ جاری رکھا۔ اور اپنے مخالفین کو اپنی تقاریر میں غیر مہذب گالیاں دیتا رہا۔ ان کی تقاریر ہمیشہ قابلِ اعتراض ہوتی تھی۔ انہوں نے بفہ میں ستھیہ گرہ کا اعلان کر کے چارسدہ کا رخ کیا۔ جہاں ان کو گرفتار کر کے ایک سال کے لیے جیل بھیج دیا۔ یہ واقعہ ۱۹۴۲ء کا ہے۔

ان کی کانگریس کے خلاف سرگرمیوں کی بناء پر بفہ کے کانگریس ان کے خلاف ہو گئے۔ محلہ تیتوال کے مکینوں نے ان کو امامت سے ہٹا دیا۔ اس دوران وہ بفہ میں مقیم رہے۔ اور ان کی نگرانی ہوتی رہی ۱۹۴۳ء دفعہ ۳۱/۳۴ کے تحت تفتیش کے لیے ہری پور لے جائے گئے۔ اب احرار کا ایک سرگرم رہنما ہے۔ جس کے ذاتی مراسم بہت زیادہ ہیں۔ اپ پچھلی سے شمال مغربی سرحدی صوبے کی مجلس مقننہ کا انتخاب لڑا۔ اور اس دوران کافی تقاریر کیں۔ یہ آدمی ایک خطرناک تحریک چلانے والا ہے۔ انہوں نے پاکستانی حکومت کے خلاف اپنی تخریبی کاروائیاں جاری رکھیں ۱۹۴۶ء تک پاکستان کے حق و مخالفت میں تحریک چلاتے رہے۔ زیادہ وقت پنجاب میں گذارتے ہیں۔ اور مرزائی فرقے کے بہت سخت نقاد ہیں۔

# سازشی منصوبہ ناکام ہوگیا

مولانا عبدالرحیم صاحب شکرگڑھ

مجاہد ملت بطلِ حریت فاضلِ دیوبند حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کل پاکستان جمعیت علماءِ اسلام کے ناظمِ اعلیٰ کے فرائض شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی قیادت میں انجام دیتے تھے۔ اور لاہور کے دفتر بالمقابل شاہ محمد غوث میں قیام پذیر تھے۔

عادت شریفہ یہ تھی کہ پورے لگن اور محنت سے ہر کام کرتے، ملک بھر میں رات دن کا طویل سفر، بھوک، پیاس، تھکاوٹ ان کے کام میں کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی تھی۔ ملک میں سیاسی اور مذہبی تمام مسائل پر ان کی نظر تھی۔ انہی دنوں ملک میں مسئلہ حیات النبی پر بحث چل رہی تھی۔ یہ غالباً ۱۹۶۱ء کی بات ہے کہ لاہور میں خصوصی طور پر مسئلہ حیات النبی کا ذہن رکھنے والے علماء کرام کو مساجد، مدارس اور جلسوں میں دعوت نہیں جاتی تھی۔ اس طرح ان پر ایک قسم کے عوامی دروازے بند ہو چکے تھے۔ اور وہ پیچ و خم کھا رہے تھے کوئی بات بنائے نہ بنتی تھی۔

ایک دن باقیات الصالحات کی درسگاہ جو پرانی محل شاہ عالمی میں ایک بالائی منزل پر قائم تھی۔ غالباً جس کے بانی جناب مولانا قمر الدین صاحب تھے۔ ان کے مدرسہ مذکور میں علماءِ دیوبند کی تنظیم قائم کرنے کی غرض سے لاہور شہر کے ہم مسلک علماء کرام اور خطیب حضرات کو دعوت نامے جاری کیے گئے۔ اور میٹنگ بلائی گئی۔ عشاء کے بعد میٹنگ تھی۔ جس میں راقم الحروف کو بھی دعوت دی گئی۔ بندہ ان دنوں مجلس تحفظ ختم نبوت لاہور میں قیام پذیر تھا۔ عصر کے بعد

حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی نے بلا بھیجا۔ بندہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو حضرت ہزاروی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب ایک بہت بڑی خطرناک سازش کا منصوبہ بن رہا ہے۔ جو دیوبند کے مشن کو نقصان پہنچائے گا۔ لہٰذا اس کا ناکام ہونا از حد ضروری ہے۔ حضرت نے اس میٹنگ کا پس منظر مجھے سمجھا دیا اور دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کیا۔ ہم عشاء کی نماز کے بعد ساتھیوں سمیت میٹنگ میں موجود تھے۔ میٹنگ کا اجلاس مدرسہ مذکور کی بالائی منزل میں شروع ہوا۔ اور اس کی غرض و غایت مولانا قمرالدین صاحب نے بیان کرتے ہوئے علماء دیوبند کے نام سے ایک تنظیم قائم کرنے پر زور دیا۔ اور پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق مولانا امین احسن اصلاحی کو اس تنظیم کا صدر بنانا مقصود تھا جس کو حضرت ہزاروی اپنے کشف و بصیرت سے جان گئے تھے۔ اور یہ فکر ان کے دامن گیر تھا اگر ایسی تنظیم قائم ہوگئی تو فکر دیوبند کو نقصان پہنچے گا۔ لہٰذا حضرت ہزاروی کو اس کی کڑھن تھی۔ ہم اسی فکر میں اجلاس کی کارروائی کی سماعت کر رہے تھے کہ مولانا امین احسن اصلاحی خطاب کے لیئے کھڑے ہوگئے اور تنظیم کی اہمیت اور اس کے فوائد کا بھرپور ذکر کیا اور دورانِ تقریر ان کی زبان سے ایسے جملے ادا ہوئے جو ہمارے لیئے نصرتِ خداوندی تھی۔ اصلاحی صاحب موصوف نے کہا کہ میں آئمہ اربعہ میں سے کسی کا مقلد نہیں ہوں۔ تاہم امام ابوحنیفہؒ کے استدلال کو اچھا سمجھتا ہوں۔ افتتاحی خطاب کے بعد دو ایک مقررین نے مختصر تقریریں کیں۔ اور مجوزہ پروگرام کے مطابق علماء دیوبند کی اس تنظیم کی مستقل صدارت کے لیئے مولانا امین احسن اصلاحی کا نام اور سیکرٹری شپ کے لیئے شاہ عالم مارکیٹ کے تاجر کا نام پیش کیا گیا۔ قبل اس کے کہ کوئی اس کی تائید کرتا۔ اللہ پاک نے جو دل میں بات ڈالی فوراً کہہ دی۔ جس کا مفہوم یہ تھا کہ مولانا امین احسن اصلاحی جو اس تنظیم جو علماء دیوبند کے نام

پر بن رہی ہے کیلئے صدر ہو سکتے ہیں؟ علما ادیو بند امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں۔ جب کہ اصلاحی صاحب موصوف کہہ چکے ہیں کہ میں آئمہ اربعہ میں سے کسی کا مقلد نہیں ہوں۔ لہٰذا مقلدین کی تنظیم کا صدر غیر مقلد نہیں ہو سکتا۔ بس پھر کیا تھا علما کرام میں سے اکثریت کے دل میں بات اثر کر گئی اور چاروں طرف سے اس تجویز کی حمایت شروع ہو گئی۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ آوازوں سے کمرہ گونج رہی تھیں۔ اور نصف گھنٹہ کارروائی معطل رہی۔ منتظمین نے بھانپ لیا کہ اب ہماری دال گلتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ اور اگر تنظیم قائم ہوتی ہے تو علماء کرام جو مسلک کے پکے ہیں قابض ہو جائیں گے۔

مولانا اصلاحی مرحوم تو یہ کہتے ہوئے نیچے اتر گئے کہ میں پہلے ہی کہتا تھا کہ مولوی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ یہ اجلاس بری طرح ناکام ہو گیا۔ قدرت نے ان کے اندر سے ہی ناکامی کے غیبی اسباب پیدا فرما دیئے۔ راقم الحروف نے مولانا غلام غوث ہزاروی ؒ کی خدمت میں کارگذاری بیان کی تو مرحوم بہت خوش ہوئے اور دیر تک دعاؤں سے نوازتے رہے۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔

# اکسیر دو جھوٹوں کے درمیان

مولانا غلام غوث ہزارویؒ برصغیر پاک و ہند میں مجلس احرار اسلام کے مایۂ ناز خطیب اور نامور مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے منتظم تھے۔ ان کی زندگی مطیع سنت تھی اور درویش صفت اور انسان دوست عالم باعمل تھے۔ انگریز کے انخلا میں ان کے کارنامے تاریخ کا ایک بہت بڑا حصہ ہیں موصوف لاتعداد صفات کے مالک تھے۔

مولانا طب اسلامی کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے تھے۔ اور ماہر معالج تھے۔ کشتہ جات بھی بناتے تھے۔ دھاتوں کو کشتہ (مارنا) بنانا ایک مشکل ترین کام ہے۔ جس کا ساڑ پھونک بہت کرنا پڑتا ہے۔ مرحوم اکسیر بنانے کا بھی شوق رکھتے تھے۔ اگر سونا نہ بنتا تو کشتہ ضرور تیار ہو جاتا تھا جس کو مریضوں پر استعمال کر لیتے اس طرح رقم کا ضیاع نہ ہوتا تھا۔

میرے والد گرامی حضرت مولانا حکیم عبدالمجید رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند اور ڈابھیل کے فاضل اور شاہ عبدالرحیم رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کے مرید اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے ان کو بھی اکسیر کا شوق تھا۔

حضرت ہزارویؒ تقریباً کئی بار شکر گڑھ تشریف لائے اور بصیرت افروز خطاب سے اہل شہر کو نوازا۔ ایک دفعہ رات ۱۲ بجے جلسہ ختم ہوا تو والد صاحب مرحوم اور ہزارویؒ مرحوم رات بھر اکسیر کے موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ صبح کی نماز ادا کی اور پھر یہی سلسلۂ گفتگو جاری رہا۔ راقم الحروف حاضر خدمت ہوا اور ہر دو فضلاء کی باتیں سنتا رہا۔ ان حضرات کی شناسائی مجلس احرار اسلام ہند کے زمانہ کی تھی۔ مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے گفتگو سمیٹتے ہوئے والد صاحب سے فرمایا کہ مولانا یہ دو جھوٹوں

(مکذبین) کے درمیان رہتا ہے۔ جو جانتا ہے۔ وہ کہتا ہے مجھے آتا نہیں اور جو نہیں جانتا وہ کہتا ہے آؤ میں تمہیں بتاؤں۔ راقم الحروف نے ناشتہ کیلئے عرض کی تو مجلس برخواست ہوئی۔

{عبدالرحیم عفرلہ۔ مہتمم مدرسہ عجمیہ تعلیم القرآن بجاری چوک گکھڑ گوجرہ۔ وخطیب کی مسجد۔} ۹/۹/۱۹۸۸

# "ایمان کی جان شہد سے میٹھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نام"

## کی تقریبِ رُونمائی ......

رپورٹ : نورالسلام مانسہرہ

بزمِ نعت راولپنڈی کے زیرِ اہتمام کھواڑی مانسہرہ میں مشہور شاعر اور نقاد سرور انبالوی کی زیرِ صدارت ملک کے مایۂ ناز عالم دین اور مفکر و مصنف حضرت مولانا قاضی محمد اسرائیل گڑنگی کی علمی و تحقیقی کتاب "ایمان کی جان شہد سے میٹھا محمد نام" کی تقریب رونمائی ہوئی۔ جس میں کثیر تعداد میں سامعین نے شرکت کی۔ مختلف حضرات نے مقالے اور نظمیں پڑھیں اور مصنف کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

کرنل فضل اکبر خان نے اپنی نظم میں کہا کہ یہ ایک شاندار کارنامہ ہے جو مصنف کے عشقِ رسول کا مظہر ہے۔

محمد جان عاطف آف کوہاٹ نے کہا مولانا قاضی محمد اسرائیل ملتِ اسلامیہ کے ایک عظیم چشم و چراغ ہیں۔ ان کی دینی خدمات قابلِ فخر ہیں۔

مولانا قاری عبدالرشید صاحب نے اپنے مقالے میں کہا کہ ہمیں یہ فخر حاصل ہے کہ ہم مولانا قاضی محمد اسرائیل گڑنگی کی سرپرستی میں کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مزید علم و عمل کے ساتھ ساتھ حضرت قاضی صاحب کو قلم کی قوت بھی عطا فرمائی ہے۔

عرفان رضوی نے کہا کہ یہ کتاب عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مستغرق قلم سے لکھی ہوئی ہے۔ اس کتاب کو ہر مسلمان اپنے گھر میں رکھے۔ اور بار بار

پڑھے۔

سرمد انبالوی نے اپنے مقالے میں کہا کہ اس کتاب پر بڑی محنت کی گئی ہے۔ یہ کتاب ایک بڑی جامع اور مانع کتاب ہے۔ علم و جواہر کا بہترین سرمایہ ہے۔ سیرت کے گلدستوں میں ایک بہترین گلدستہ ہے۔ اس کتاب کی اشاعت پر ہم مصنف موصوف کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مصنف کی اس محنت کو قبول فرمائے اور مزید دینِ اسلام کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

خطیب الشہرہ حضرت مولانا دوست محمد منگلوری جو خود ایک جلسہ کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے۔ اپنے مرسلہ مقالے میں فرمایا اس کتاب سے بہت محظوظ ہوا۔ اور کتاب کا جیسا نام پیارا ہے۔ ویسا ہی مواد تحقیقی کام بھی عمدہ اور پیارا ہے۔ میں مؤلف موصوف کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اور امید رکھتا ہوں کہ وہ آئندہ اس سے بھی بہتر کام کریں گے۔

قاضی محمد اسرائیل گڑنگی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مجھ جیسے انسان سے اس کتاب کا تیار ہونا اس دور کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں دلی خواہش رکھتا ہوں کہ ایسی کتاب تیار ہو جس میں ہر زبان کی نعت ہو۔ اور ہر زبان جاننے والا اس سے فائدہ حاصل کر سکے۔ انہوں نے کہا کہ باسٹھ زبانوں کی نعتیں تو اللہ کے فضل و کرم سے اس کتاب میں آچکی ہیں۔ مزید زبانوں کی نعتیں مل رہی ہیں۔ انشاء اللہ العزیز آئندہ ایڈیشن میں مزید زبانوں کی نعتوں کو بھی شامل کیا جائے گا۔

انہوں نے کہا کہ آپ حضرات کی زبان سے اپنی تعریف سن کر شرمندہ ہوں اور مجھے تو شبہ ہے کہ اس کتاب کا صلہ مجھے دنیا میں ہی نہ مل جائے۔

جگہ میں نے اس کتاب کو صرف آخرت میں اپنی نجات کے لیئے لکھا ہے۔ کہ کالی کملی والے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف سے یہ تحفہ قبول فرمائیں۔ اور میری شفاعت فرمادیں۔ انہوں نے کہا کہ کتاب کے لیئے تکالیف اور مصائب وہی جانتا ہے۔ جو خود اس میدان کا سوار ہے۔ انہوں نے کہا کہ مصنف کا خون اور پسینہ اور زندگی کا نام کتاب ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں عرفان رضوی صاحب۔ بشیر گل صاحب اور فیصل جمیل صاحب کا شکر گزار ہوں۔ یاد رہے کہ اس تقریب سے حاجی پیر محمد صاحب، پروفیسر ارشاد خاکرؔ، ریاض کامر، شجاعت علی شاہ جی اور دیگر بہت سے شعراء اور ادباء اور معززین نے خطاب کیا۔ آخر میں مولانا قاضی محمد اسرائیل گڑنگی کو بزم نعت راولپنڈی کی طرف سے قرآن پاک کا تحفہ پیش کیا گیا۔

یاد رہے کہ اس کتاب کو مکتبہ انوار مدینہ جامع مسجد صدیق اکبرؓ محمد صدیق آباد نے شائع کیا ہے۔ کتاب پانچ سو بارہ صفحات اور سائز ۳۶ × ۲۳ / ۱۶ ہے۔ تین حصے ہیں پہلے حصے میں کائنات کی مختلف اشیاء پر اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نمودار ہونے کے واقعات اور دوسرے حصے میں منکرین عالم کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تاثرات ہیں۔ اور تیسرے حصے میں بائیس زبانوں کی نعتوں کو جمع کیا گیا ہے۔

بہترین جلد اور رنگین عمدہ کتاب کا ہدیہ صرف ۲۰۰/= روپے ہے۔

## قطعہ

مولانا اسرائیل کے اخلاص کو سلام — سرحد کے لوگ آپ کا کرتے ہیں احترام

حسن عمل کے معترف ہیں آپ کے سبھی — قصے خلوص و مہر کے اب ہو رہے ہیں عام

تقریب روحانی میں پڑھا گیا۔

محمد جان عاطف کوہاٹ

# جناب محمد شفیق قریشی صاحب کی رائے

آج کے دور میں تعلیم کے دینی مدارس ہوں یا انگریزی کالجز و یونیورسٹیاں ان سب میں ایک قدر مشترک پائی جاتی ہے کہ عموماً ڈگری حاصل کرنے کے لیے داخل ہوتے ہیں۔ اور ڈگری لینے کیلیے امتحانات میں ہر جائز و ناجائز طریقہ استعمال کر کے اپنے مقصد یعنی حصول ڈگری کو پا لیا۔ مگر کتب اور دورِ تعلیم نیز اساتذہ بھی ان کے جہل کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ الحمدللہ جیسے گئے تھے ویسے ہی علم کے لحاظ سے محفوظ و مامون واپس آئے۔ اپنے نام کے ساتھ ڈگریاں لگا کر سادہ لوح عوام پر خاصا رعب جما لیتے ہیں۔ مگر دورانِ تعلیم جن کتب کا سے واسطہ پڑا یا اساتذہ سے جو سادہ چونکہ ان کا منتہا نظر نہیں ہوتا۔ اس لیے ڈگری لینے کے کچھ ہی عرصہ بعد عموماً کتب کے نام تک بھول جاتے ہیں۔ بھلا ان کی تحریروں کا ان کو از بر ہونا۔ یاں رعب و بھرم قائم رکھنے کے لیے گذشتہ مشہور بزرگوں کے کچھ مشہور منسوب مقولے و حکایات ضرور یاد کر لیتے ہیں کہ یہ بھی خاصے کی چیز ہوتے ہیں۔ یعنی داشتہ آید بکار۔

ہمارے مانسہرہ میں ایک مولوی صاحب ہیں۔ انتہائی سادہ مزاج، جوان العمر، لمبی سی داڑھی، میانہ سا قد، چہرے پر عموماً تبسم اور پڑھے لکھوں جیسی ایک نشانی یعنی آنکھوں پر چشمہ، جو کہ متعدد کتب کے مصنف بھی ہیں۔ مگر قبل ازیں ہمارے خیال کے مطابق چونکہ ہم نے ان کی تصنیفات پڑھی نہیں تھیں، لکھی ہوں گی کتابوں میں سے نقل کر کر کے۔ پھر ایک دن انہیں دیکھا کہ ایک چھوٹی سی کتاب بنام "گستاخ رسول کی سزا" لیے ہوئے جس کے ٹیٹل پر ہی ایک تلوار بے نیام اور ایک جھنڈا بنا ہوا تھا۔ یعنی اظہارِ سزا کی نوعیت بھی بتی ہوئی ہے۔ دل لگی کے طور پر ان سے کتاب کا مطالبہ کیا۔ نہ جانے ان کے دماغ میں کیا آئی کہ جھٹ قلم نکال کر کتاب پر ہمارے نام کے ساتھ برائے تبصرہ کے الفاظ لکھ کر

کتاب ہمارے حوالے کر دی۔ ہم نے اہمیت نہ دی۔ کتاب لاکر گھر میں رکھ دی کہ پڑھ لیں گے۔ چند روز بعد مولانا سے ملاقات ہوئی تو پھر انہوں نے تبصرہ کا پتھر ہماری طرف لڑھکا دیا۔ اب اپنے آپ پر نظر کی تو معاملہ عجیب سا محسوس ہوا کہ

ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔

کہ نہ ہمارے پاس علم اور نہ ہی وسعتِ فکری۔ ہم نے تو دل لگی کے طور پر کتاب کا مطالعہ کیا تھا تو کیا تبصرہ اور کیسا تبصرہ

ے نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن

پھر ذہن میں یہ خیال کہ کتاب پڑھو اور جو کچھ بے ساختہ ذہن میں آئے تحریر کرکے اپنے جذبات کا اظہار کردو۔ یہ تجربہ رہی تھی۔

بس اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کتاب کھولی اور شروع تا آخر مطالعہ کیا۔ الحمدللہ یہ محسوس ہوا کہ یہ شر میلے سے حضرت مولانا قاضی محمد اسرائیل گڑنگی صاحب صرف نام ہی کے مولانا و قاضی نہیں بلکہ تعریفِ بالا کے بالکل الٹ یہ تو چھپے رستم نکلے۔ انہیں نہ صرف کتابیں یاد ہیں بلکہ ان کا مطالعہ واقعی وسیع و محکم ہے۔ اور یہ اساتذہ کے رشحات سے بھی خوب بہرہ ور اور کتب کی تحریر اور اساتذہ کے اقوال سے اپنے مطلب کی تائید میں عبارات اور فرمودات لکھنے کے ہنر سے بھی شناور ہیں۔ نری قیاس آرائیاں نہیں کرتے۔

ے اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

جو کہ واقعی عالم ہونے کی نشانی ہے۔ کیونکہ تحصیل علم کے بعد ہی مطالعہ سے علم آتا ہے۔ اور آدمی کو علامہ بناتا ہے۔

اسی لئے گذرے دور میں بقولِ شکیل

ے ہر چیز نہیں ہے مرکز پہ اک ذرہ ادھر اک ذرہ اُدھر۔

مولانا محمد اسرائیل جیسے عالم و صالح نوجوان کا کہ جو اپنی تحریر سے علامہ دکھائی دیتا ہے کا مانسہرہ جیسی جگہ پہ موجود ہونا اور اس میں بھی ایک گمنام سی جگہ پہ بسیرا ڈال دینا واقعی ایک اچنبھے کی بات ہے۔

اگر اس صالح نوجوان کو حالات کی خسروانی نصیب ہو۔ اور جگہ اس کے شایان شان مل جائے تو یہی نوجوان کل کا گوہر آبدار بھی ہو گا۔ اور "علامہ" بھی۔ بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مانسہرہ کی شہرت کی وجہ یہ نام بھی ہو۔

رہا کتاب کے متعلق تو جیسا کہ ریپر پر اظہار کیا گیا ہے۔ کسی بھی مسلمان کو قطعاً اس بات سے اختلاف نہیں ہو سکتا کہ گستاخ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا ہی سر قلم کر دینا یا گردن میں پھندا ڈال کر اس کو دو فٹ لمبا کر دینا ہے۔ چونکہ گستاخ رسول مرتد ہو جاتا ہے۔ اور ارتداد کی سزا باز نہ آنے پر یہی ہے۔ کتاب سفید کاغذ پر کمپیوٹر کتابت سے مزین ہے۔ اور اڑتالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اور قیمت اس دور گرانی میں تقریباً مناسب ہے۔ اور مضمون مختصر مگر جامع ہے۔

آخر میں یہ دعا ہے کہ مولانا محمد اسرائیل کے لیے (چونکہ ہم ان سے بڑے ہیں صرف عمر میں)۔

اللھم بارك في عمره و زين اخلاقه و نور قلبه في حب محمد ن النبي صلى الله عليه وسلم۔ آمین ۔

---

# شہد سے میٹھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نام

تحریر : سرور انبالوی

"ایمان کی جان شہد سے میٹھا محمدؐ نام" قاضی محمد اسرائیل صاحب کی تالیف ہے جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں لکھی گئی ۴۳ زبانوں کی نعتوں کو بڑی کد و کاوش اور تلاش کے بعد شامل کیا ہے۔ اور یوں یہ کتاب ایک منفرد حیثیت کی حامل کہلائی جانے کی مستحق ہے اور اردو زبان میں نعتیہ کلام کے حوالے سے ایک گرانقدر اضافہ ہے۔

نعت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی کسی شخص میں اچھی اور قابل تعریف صفات کا پایا جانا ہے۔ اور ان صفات کا بیان کرنا ہے۔ لیکن یہ لفظ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا اور توصیف بیان کرنے کے لیئے وقف ہوگیا ہے۔ نعتیہ شاعری عہد نبوت میں ہی شروع ہو چکی تھی۔ حضرت حسان بن ثابت، حضرت عبد اللہ بن رواحہ، حضرت اسید بن ایاس، حضرت مالک بن عوف، حضرت ابو عزہ الجمعی، حضرت مالک بن النمط، حضرت عمرو بن سبیع الرہاوی، حضرت ابو سفیان بن حارث، حضرت کعب بن مالک، حضرت کعب بن الزہیر اس دور کے مشہور نعت گو شاعر ہیں۔ فارسی زبان میں حضرت شمس تبریزی، مولانا روم، سعدی شیرازی، بوصیری، قدسی، حافظ شیرازی، امیر خسرو، مولانا جامی کے اسمائے گرامی خاص طور پہ قابل ذکر ہیں۔ اردو میں مولانا شاہ نواز، شہیدی بریلوی، مذاق بدایونی، امیر مینائی، محسن کاکوروی، اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی، محمد علی جوہر، علامہ اقبال، بیدم وارثی، مولانا ظفر علی خاں، یوسف ظفر، بہزاد لکھنوی، حفیظ جالندھری، حافظ مظہر الدین اور حفیظ تائب نے بڑی وجد آفریں نعتیں کہی ہیں۔ مسلمان شعراء کے علاوہ ہندو شعراء نے بڑی عقیدت اور

محبت کے ساتھ نہایت کیف آگیں نعتیں کہی ہیں جن میں کبیر داس ، بابا گورو نانک، سرکشن پرشاد ، دلو رام کوثری ، ہری چند اختر ، تلوک چند محروم ، جوش ملیسانی اور عرش ملیسانی کے اسمائے گرامی خاص طور پہ قابل ذکر ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب " شہر سے میٹھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ) نام " میں اردو ، پنجابی ، کشمیری ، فارسی ، سندھی ، ہندکو ، گوجری ، پشتو ، عربی ، سرائیکی ، پوٹھوہاری ، شینائی ، پوربی ، بلوچی ، ہندی ، کوہستانی ، پہاڑی اور انگریزی زبانوں میں سینکڑوں نعتیں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے غیر مسلم اکابرین کا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم ) کو خراجِ عقیدت شامل ہے۔ مثلاً گاندھی کہتا ہے :

" اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم المرتبت مصلح تھے جنہوں نے انسانوں کی خدمت کی ۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم ) کے لیئے یہ فخر کیا کم ہے کہ آپ امت کو نورِ حق کی طرف لے گئے ، اور اسے اس قابل بنا دیا کہ وہ امن و سلامتی کی دلدادہ ہو جائے ۔ زہد و تقویٰ کی زندگی کو ترجیح دینے لگے ، آپ نے اسے انسانی خونریزی سے منع فرمایا ۔ اس کے لیے حقیقی ترقی و تمدن کی راہیں کھول دیں اور یہ ایک ایسا عظیم الشان کام ہے جو اس شخص سے سرانجام پا سکتا ہے جس کے ساتھ کوئی مخفی قوت ہو اور ایسا شخص یقیناً عام اکرام اور احترام کا مستحق ہے ۔" (صفحہ : ۲۲۶)

سر ولیم میور کا یہ قول درج ہے :

" اہل تصنیف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے چال چلن کی عصمت اور ان کے اطوار کی پاکیزگی پر جو اہل کتاب میں کمیاب تھی ، متفق ہیں ۔" (صفحہ : ۲۲۸)

مہاتما گاندھی کہتے ہیں :

" جب کہ مغرب قعرِ جہالت میں پڑا تھا تو مغرب کے آسمان سے ایک درخشاں ستارہ

طلوع ہوا اور تمام مضطرب دنیا کو راحت اور روشنی بخشی۔ وہ روحانی پیشوا تھے۔ بلکہ میں ان کی تعلیمات کو سب سے بہتر سمجھتا ہوں، کسی روحانی پیشوا نے خدا کی بادشاہت کا پیغام ایسا جامع اور مانع نہیں سنایا جیسا کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سنایا۔" (صفحہ: ۲۳۷)

غرض ایسی ہی سینکڑوں آرا کتاب میں درج ہیں۔ اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور قدسی کے بارے میں تورات کی بشارت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بشارت، حضرت سلیمان، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) انجیل اور زرتشتیوں کی مذہبی کتابوں سے بہت سی بشارتیں نقل کی ہیں۔ جن کی شمولیت سے یہ کتاب ایک حوالہ جاتی کتاب بن گئی ہے۔

"شہد سے میٹھا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نام" پر اظہار خیال کرتے ہوئے میاں عبدالرحمٰن خطیب جامع مسجد نیوانار کلی لاہور یوں رقمطراز ہیں:

"مولانا محمد اسرائیل گوندی جانے پہچانے عالم اور مانے ہوئے مصنف ہیں، موصوف کی بہت سی کتابیں منظر عام پر قبولیت حاصل کر چکی ہیں۔ یہ محض اللہ کا کرم اور اس کی توفیق ہے۔ مولانا کی موجودہ کتاب "شہد سے میٹھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نام" جسے احقر نے چیدہ چیدہ مقامات سے پڑھا۔ اور ماشاء اللہ اس کتاب کو خوب سے خوب تر پایا خوبی کی بات یہ ہے کہ تحریر عام فہم اور مواد نہایت معیاری اور عمدہ ہے۔" (صفحہ ۱۶)

اب آخر میں کتاب میں شامل علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خان کی نعتوں کے دو دو شعر:

علامہ اقبال یوں نعت سرا ہیں:

کہاں میں کہاں مدح ذات گرامی
میں سعدی نہ رومی نہ قدسی نہ جامی

بسیلئے جاؤ اقبال نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم
شفاعت کا ضامن ہے اسم گرامی

مولانا ظفر علی خان یوں نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

؎ وہ اٹھا خاکِ بطحا سے سعادت کا امیں ہو کر
علمبردارِ حق بن کر سپہ سالارِ دیں ہو کر
خدا کی شان سے رونق ہے موجوداتِ عالم کی
وہ سب نبیوں کے بعد آیا مگر کیا کیا نہیں ہو کر

کتابت کی چند غلطیاں بری طرح کھٹکتی ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں ان کی درستگی کی طرف خاص توجہ دی جائے گی۔ کتابت، طباعت عمدہ سرورق رنگین مجلد ۵۱۲ صفحات۔ کتاب کی قیمت ۳۰/- روپے ہے۔ مکتبہ انوارِ مدینہ مانسہرہ نے اس کو شائع کیا ہے۔

( ریڈیو پاکستان راولپنڈی سے نشر ہوئی )

# حضرت علامہ دوست محمد منگلوری کا تقریبِ رونمائی میں پڑھا گیا اہم مکتوب

حمد و ثنا اور درود و سلام کے بعد جناب محمد عرفان رضوی صاحب کا بہت بہت شکر گذار ہوں کہ انہوں نے کھواڑی کے گاؤں میں پاکستان کے عظیم شعراء کو اور یہاں کے مقامی شعراء کو مدعو کر کے ہمیں علم و ادب اور نعتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آشنا کیا۔ نعتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشقِ رسول پیدا ہوتا ہے۔ اور عشقِ رسول کے پروں آدمی آسمانوں پر اڑتا ہے۔ اور شریعت پر عمل کرنا اس کے لیئے ایسا ہے جیسا کہ پھولوں کی سیجوں پر چلنا ہوتا ہے۔ نعتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر آسمانی کتابوں کی گواہی موجود ہے۔ اور پھر پورا قرآن مجید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے۔ اور قرآنِ مجید میں ہر دور کے مسلمانوں کے لیئے ان کی مشکلات کا حل موجود ہے۔ گویا دوسرے لفظوں میں نعتِ رسول مدحتِ رسول اور اطاعتِ رسول ہماری مشکلات سے نجات کا ذریعہ ہے۔ آج جس کتاب کی نقاب کشائی ہو رہی ہے وہ ایک پھولوں کا مہکتا ہوا سدابہار گلدستہ ہے۔ رنگ برنگے پھول کھلے ہیں اور اس پر بلبلیں چہک رہی ہیں۔ کتاب کا نام ایمان کی جان ہے۔

کتاب کا نام جناب رضوی صاحب کے ایک مصرعہ سے ماخوذ ہے۔ بلکہ پورا مصرعہ ہے۔ اختر شیرانی صاحبؒ ایمان کی جان ہو نہیں بلکہ ایمان ہو ان کو کہا۔ شعر ملاحظہ ہو۔

؎ تم کیا ملے ہم کو کہ دولتِ ایمان مل گئی
ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان تم ہی تو ہو

اور مولانا احمد رضا خان مرحوم بھی کہہ گئے ہیں۔ معمولی تغیر کے ساتھ:

؎ از سر تا بقدم اللہ کی شان یہ ہیں
ان سا نہیں کوئی انسان یہ انسان وہ ہیں
کہتا ہے قرآن ایمان یہ ہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان یہ ہیں

اور پھر یہ مجموعہ اس لحاظ سے زیادہ ممتاز ہے کہ اس میں تینیں زبانوں کا نعتیہ کلام موجود ہے۔ قاضی محمد اسرائیل صاحب کو میں گڑونگی کہوں یا رنگ برنگی کہہ لیں ان پر صدآفریں کہ انہوں نے محنت کر کے اس کی تالیف کو تکمیل تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے اور کتاب کو ان کی بخشش کا سبب بنائے۔

کتاب کا دوسرا پہلو، کتاب کی کتابت شایانِ شان نہیں ہے۔ بعض جگہ اقبال کے نعتیہ کلام سے مصرعہ چھوٹ گیا ہے۔

ع بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو۔

حالانکہ یہ مصرعہ ان اشعار کی جان ہے۔

؎ ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

یہ شعر ایران کے ایک صوفی شاعر کا کہا ہے۔ شاعر کا نام اس وقت سہو کا شکار ہو گیا ہے۔ اس کو اقبال کا شعر بتانا اور جھنڈیالوی اس کا ترجمہ کرنا۔ بالکل اس طرح ہے جس طرح کہا گیا ہے۔

؎ چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا

امید ہے کہ جدید اشاعت میں اس غلطی کا ازالہ کر دیا جائے گا۔ جن کتابوں یا

جن شعراء کرام سے کلام لیا گیا ہے۔ ان کا نام ضرور لکھنا چاہیئے۔ تاکہ ان کا نام اور کلام زندہ رہے۔ یا جس کتاب سے لکھا گیا ہے اس کا مکمل حوالہ ہونا چاہیئے۔ یہ قاعدہ ہے۔

اصل تقریر تو جناب فخر الشعراء جناب سرور انبالوی صاحب یا محبت خان بنگش اور محمد جان عاطف، کرنل فضل اکبر، کمال صاحب ہی فرمائیں گے۔ ان کی ہر بات سند ہے۔

مستند ہے ان کا فرمایا ہوا۔

میں مکتبی ملا ہوں اتنا کہہ سکتا ہوں

بقول انوری:

"کہ شعر مرا بہ مکتب کہ می برد"

میں اس تمام تقریب کا سہرا جناب رموز شناس نعتیہ کلام عرفان رضوی جن کے دم قدم ایسی تقریبات ہر موقع منعقد ہوتی ہیں۔ وہ بلا شبہ کہہ سکتے ہیں۔

ہمارے دم سے ہیں یہ رفقا کے ہنگامے

ہمارا جواب کہاں سے لاؤ گے

سب دوستوں کو بہت بہت سلام عرض کرتا ہوں۔ لیکن مجبور ہوں کہ بزرگوں کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچے۔ ختم قرآن مجید کی تقریب میں چھن کوٹ آزاد کشمیر جا رہا ہوں۔

آپ کا دلدادہ

دوست محمد عفی عنہ

۲۶ مئی ۱۹۹۶ء

# ایمان کی جان شہد سے میٹھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نام

مصنف : قاضی محمد اسرائیل گرنگی مانسہرہ۔

مضمون نگار : حافظ نور السلام مانسہرہ

ضلع مانسہرہ کے مشہور نوجوان عالم دین قاضی محمد اسرائیل گرنگی خطیب جامع مسجد صدیق اکبرؓ کی نئی کتاب "ایمان کی جان شہد سے میٹھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نام" شائع ہو چکی ہے۔

اس کتاب کے تین باب ہیں۔ پہلے باب میں کائنات کی مختلف اشیاء پر قدرتی طور پہ اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نمودار ہونے کے واقعات ہیں۔ دوسرے باب میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چند کرنیں ہیں جن میں بہترین مضامین کا انتخاب ہے۔ اور تیسرے باب میں مختلف تیئیس زبانوں کی بہترین نعتیں ہیں۔ کتاب پانچ سو بارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ بہترین رنگین ٹائیٹل اور بہترین نفیس جلد ہے۔ جن زبانوں کی نعتوں کو شامل کیا گیا ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) عربی (۲) فارسی (۳) انگریزی (۴) انڈونیشی (۵) گوجری (۶) سندھی (۷) اردو (۸) پنجابی (۹) سرائیکی (۱۰) ہندکی (۱۱) پوربی (۱۲) چترالی (۱۳) شینائی (۱۴) کوہستانی (۱۵) پنجابی (۱۶) بلوچی (۱۷) براہوی (۱۸) پشتو (۱۹) ہندکو (۲۰) پہاڑی (۲۱) کشمیری (۲۲) پوٹھوہاری (۲۳) ترکی۔

اور تین زبانوں کا ترجمہ شامل کیا گیا ہے۔ (۱) فرانسیسی (۲) عبرانی (۳) ژندی

آپ نے کہا کہ جس دن کتاب تیار ہو کر آئی۔ اسی دن نقش حیات سے بھاشا کا زبان جس کو ہندی میں برج گ کہتے ہیں کی نعت ملی اب انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں اس کو دیگر بہت سی زبانوں کو بھی شامل کیا جائے گا۔ ان سے جب یہ سوال ہوا کہ اس کتاب

کی ترتیب میں مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ تو آپ نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ میرے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تازہ معجزہ ہے کہ مجھ جیسے انسان سے اللہ تعالیٰ نے یہ کام لے لیا۔ انہوں نے کہا کہ انگلش نعت کے لیئے بہت کوشش کرنی پڑی۔ جب مختلف حضرات اور مختلف ممالک سے یہ جواب آیا کہ انگلش کی نعت نہیں مل سکتی تو میں نے مشہور شاعر عرفان رضوی کو لکھا کہ آپ انگلش کی نعت پیدا کریں یا ماہرین انگلش سے کہیں کہ نعت لکھیں۔ بہر حال بہت کوشش کے بعد مولانا نیازی اور عرفان رضوی کی دو نئی انگلش نعتیں ملیں۔ الحمد للہ علی ذلک۔ ایک زبان کے شاعر کے پاس حاضری دی تو اس نے کہا کہ اتنی رقم دو تب نعت ملے گی۔ ہزاروں حضرات کو خط لکھے بعض نے جواب دیا اور بعض ہمارا جوابی لفافہ ہڑپ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ جب میں نے طویل نعت کا یہ مصرعہ پڑھا۔

جس طرح ملتے ہیں لب نام محمد کے سبب
کاش ہم مل جائیں سب نام محمد کے سبب

جس طرح اس وقت لوگ قوم ونسل کے نام پہ مر مٹ رہے ہیں اسی طرح زبانوں کا مسئلہ بھی۔ کاش ہمیں دنیا بھر کی زبانوں کی نعتیں ملتیں تو ایک ہی دیباچے میں پرو کر دنیا کے سامنے پیش کرتے کہ آؤ مسلمانوں اسم مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جاؤ جس طرح تمام زبانیں نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جمع ہو چکی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ میرے خیال میں دنیا میں ایسی کوئی کتاب شاید نہ ہو جس میں اتنی زبانوں کی نعتوں کو شامل کیا گیا۔

کتاب پر چند لکھنے والے :۔ (۱) مرشد اعلیٰ حضرت مولانا خان محمد سجادہ نشین کندیاں شریف (۲) حکیم محمد طارق محمود گولڈ میڈلسٹ، بہاولپور (۳) مولانا میاں عبدالرحمٰن لاہور (۴) عارف باللہ حضرت الشیخ غلام النصیر چلاسی بابا (۵) چوہدری غلام حسین آفاقی آزاد کشمیر (۶) محمد ریاض ناظم

مانسہرہ (۷) مفکر اعظم ڈاکٹر محمد حمید اللہ پیرس فرانس - (۸) حضرت مولانا محمد قاسم قاسمی بہاولنگر (۹) مولانا سید محمد [illegible] وغیرہ مظفر پور (۱۰) حضرت مولانا محمد طاہر طیب مانسہرہ -

(۱۱) مشہور شاعر اور ادیب جناب نیاز سواتی مرحوم ایبٹ آباد (۱۲) نجیب الظفر خان لباڑوی آزاد کشمیر - (۱۳) محمد یوسف شہزاد چترال (۱۴) خان محمد یوسف خان افغانی آزاد کشمیر - (۱۵) حبیب حسن اظہر گوجرانوالہ -

جب ان سے یہ سوال کیا کہ آپ نے اخبارات میں اس کتاب کے بارے میں خبر کیوں شائع نہیں کرائی - جواب دیا کہ بہت سے دوستوں کو خبر دی کہ مگر سوائے ایک دو صحافیوں کے کسی نے بھی شائع نہیں کرائی - شاید وہ ہاتھ جوڑ دن رات بڑے بڑے فنکاروں اور امیروں کی خبریں لگاتے اور لکھتے رہے - اللہ پاک نے ان کو توفیق نہ دی کہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لکھ سکیں - کتاب کو شائع کرانے کا اعزاز مکتبہ انوار مدینہ کو ملا - ملنے کا پتہ -

مکتبہ انوار مدینہ جامع مسجد صدیق اکبرؓ محلہ صدیق (واپڈا ؟ ) مانسہرہ کوڈ نمبر ۲۱۳۰۰

# مجاہد اسلام حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی

## آہوں کا طوفان ۔ آنسوؤں کا سمندر ۔ مرد قلندر

اس دنیا میں ایسے لوگ بھی اللہ نے پیدا کیے ہیں کہ جن میں تمام صفات موجود تھیں ۔ حق گوئی بہادری و شجاعت ، سخاوت ریاضت ، عبادت و عاجزی وانکساری ، انہی صفات سے آراستہ ہمارے قائد اور مرد قلندر حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ تھے ۔

### سالن میں پانی غریب کی مہمان

آپ کے داماد حضرت مولانا نذیر احمد صاحب صدر سپاہ صحابہ ضلع مانسہرہ نے بیان فرمایا کہ جب سالن تیار ہوتا تو حضرت پوچھتے " سالن تیار ہے ؟" ہاں میں جواب ملتا تو فوراً لوٹے میں پانی لیتے اور اس سالن میں ڈال دیتے ۔ اور گھر والے کہتے ، حضرت یہ کیا کیا ؟ حضرت فرماتے اس کو خوب گرم ہونے دو ۔ پڑوس میں یتیم ہیں ان کو کون دے گا ۔ اور ساری زندگی یوں ہی بسر ہو گئی ۔

منظور خدا کا خاص کرم اس کے ساتھ ہو
دکھیوں درد مندوں کا درماں چلا گیا

### آدھی رات اور یتیم کے سر پر ہاتھ

مولانا نذیر احمد آپ کے داماد نے بیان کیا کہ آدھی رات پڑوس میں یتیم بچوں کے رونے کی شدید آواز آئی ۔ آپ اٹھے اور پوچھا کیا بات ہے ؟ بچوں کی ماں نے بتایا کہ اب بچے بھوکے ہو چکے ہیں ۔ حضرت گھر میں تشریف

لائے تو کچھ بھی نہ تھا۔ اسی وقت ہوٹل پر تشریف لے گئے ہوٹل والے کو جگایا،
ہوٹل والے نے کہا آدھی رات اور آپ ہ حضرت نے فرمایا، آپ فوراً کھانا
تیار کریں۔ کھانا تیار ہوا اور حضرت نے لاکر ان یتیم بچوں کو کھلایا جب وہ
سیر ہو گئے تو مسکرائے۔ حضرت نے اللہ پاک کی تعریف کی۔ اور حضرت عمرؓ کی
سنت کو زندہ کر دیا۔

عقبیٰ کی فکر میں اسے دنیا کا غم نہ تھا
دنیا سے جیسے جھاڑ کے دامان چل لیا

## اب رزق آگیا۔ جانا محال ہو گیا۔

آپ کی وفات کے دن جب کہ راقم الحروف بھی موجود تھا۔ مجاہد ملت
حضرت مولانا عبدالحکیم مرحوم نے بیان فرمایا کہ ہم ایک مرتبہ حضرت کی ملاقات
کے لیئے پنڈی سے حاضر ہوئے۔ کافی گفتگو کے بعد ہم نے اجازت چاہی۔
حضرت خاموش تھے۔ نہ اجازت دیتے نہ ہی روکتے۔ چند منٹ کے بعد ایک
بچی آئی اور اس نے کوئی دوائی لی۔ اب دوائی کی رقم حضرت کے ہاتھ میں لی
ہوئی تھی۔ اور الٹ پلٹ رہے تھے۔ اور فرمایا۔ آپ حضرات کی روزی آچکی
ہے۔ آپ اب نہیں جا سکتے۔ چونکہ گھر میں پہلے کچھ نہ تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ
نے صرف آپ کے لیئے بھیجی ہے۔

## پرانی روٹی مزے لے کر کھائی۔

ایک دوست نے بیان کیا جو خود اس وقت وہاں پنڈی میں موجود تھے۔
کہ حیدرآباد سے سات دوست کچھ کام کے لیئے آئے۔ حضرت نے فرمایا کہ
کیا کھانا کھایا ہے یا نہیں۔ حضرت نے ان کے لیئے کھانا منگوایا۔ اور انہوں
نے کھایا اور روٹی کے بچے ہوئے

ٹکڑے اٹھا کر الماری میں رکھ دیئے۔ اللہ کی شان کہ ایک ہفتہ بعد پھر وہی دوست تشریف لائے۔ اور حضرت ہی کے ہاں کھانا کھایا۔ حضرت نے ان کو کھانا کھلا کر خود ہی وہ پرانے ٹکڑے لیئے اور کھانا شروع کیا۔ اور وہ لوگ بھی حیران تھے کہ قومی اسمبلی کا ممبر اور ایک ہفتے کے پرانے ہمارے بچے ہوئے ٹکڑے کھا رہا ہے۔ حضرت ایک نے پوچھا حضرت یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا رزق آخر رزق ہی ہے۔ کھا کر پیٹ ہی بھرنا ہے۔ اصحابؓ رسولؐ کی یاد تازہ کر دی۔

؎ آہ کس کی موت سے سارے جہاں افسردہ ہیں
غمزدہ ہے یہ زمین اور آسمان افسردہ ہیں

مولانا ہزاروی ایک طوفان کا نام تھا۔ مولانا ہزاروی ایک تاریخ کا نام تھا۔ مولانا ہزاروی ایک جماعت کا نام تھا۔ مولانا ہزاروی جرأت و بہادری کا نام تھا۔

---

۹۔ قاضی محمد اسرائیل گڑنگی ایم۔ اے اسلامیات و عربی پشاور یونیورسٹی